ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جنوری ۱۹۶۲ء

جلد ۱۴ ——— شمارہ ۱

بانی :- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر :

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر :-

ماہنامہ تعلیم و ترقی ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

قیمت :-

سالانہ چار روپے   فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے

ٹیلیفون : ۴۴۶۴۴

ترتیب

پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس اردو بازار دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

اشارات

پلٹ کر دیکھ لیجئے: کہیں راستے سے بھٹک تو نہیں گئے؟

چین کے حملے سے پیدا ہونے والے قومی سنکٹ نے یہ ضرورت واضح کر دی ہے کہ ہمارے دل میں اپنی آزاد قومی زندگی کے ہر شعبے میں شبہے کا احساس ہو کہ آیا ہمارے قدم صحیح سمت میں اٹھ رہے ہیں یا نہیں۔ دراصل شبہے کی یہی کیفیت ہے جو غور و فکر کو جنم دیتی ہے جس سے انسانی اعمال کی راہیں متعین ہوتی ہیں اور جانچ پڑتال اور نظر ثانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ گویا شبہہ اور اس کی اولاد غور و فکر، کا یہ کرشمہ ہے کہ انسان نے تہذیب و تمدن کی اتنی منزلیں طے کی ہیں اور جب تک بنی نوع کو بقا نصیب ہے یہ سلسلہ یونہی برابر جاری رہے گا۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک جمہوریت کے شایانِ شان ایک آئیڈیل ہندوستانی زندگی کی تعمیر کے لئے شروع کی گئی تھی اور اس مقصد میں کامیاب ہونے کی غرض سے اس نے اپنی اور اس سے زیادہ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی تاریخ سے کام کے طرح طرح کے نمونے اختیار کئے اور آزمائے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کوششوں میں اُسے سرے سے ناکامی ہوئی لیکن اس میں کسی کو شبہہ نہیں ہو سکتا کہ جتنی کامیابی اُسے ہونی چاہئے تھی، اتنی نہیں ہوئی اور اس سے بھی زیادہ دل شکن نتیجہ یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ اب اس کے لئے اتنا جوش و خروش اور حوصلہ مندی بھی نہیں رہی جتنی اب سے دس بارہ سال پہلے اس کی ابتدا کے وقت تھی۔

اس حوصلہ شکن صورتِ حال کا سبب کیا ہے؟ کہا جا سکتا ہے — اور کہا بھی جاتا ہے — کہ اس تحریک کی کامیابی کے لئے جتنے سرمائے کی ضرورت تھی، وہ اُسے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اس جواب میں بھی کافی وزن ہے اور اس کی اصابت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہماری رائے میں اصل سبب کچھ اور ہے۔ اگر سرمائے کی کمی ہی اصل سبب ہوتا تو پنج سالہ پلان کے دوسرے پروگرام بھی تو ہیں، خصوصاً کمیونٹی ڈیولپمنٹ پلان کے (سوشل ایجوکیشن کے علاوہ) دوسرے پروگرام جن کے لئے سرمائے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پروگرام ایولوئیشن آرگنائزیشن کی رپورٹیں قریب قریب ان سب پروگراموں کے بارے میں تنقیدی بیانات سے بھری پڑی ہیں۔ اس اصل سبب سے ہماری مراد یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اپنے کاموں کے سلسلے میں کبھی شبہہ نہیں پیدا ہوا جس کا ہم اوپر تمہیدی پیراگراف میں ذکر کر آئے ہیں۔

ہم اس تمام عرصے میں کام توضرور کرتے رہے ہیں اور ملک کی آزادی نے ہمیں کام کے موقعے بھی خوب دئے، لیکن ہمیں اپنے کاموں کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں کبھی شبہہ نہیں پیدا ہوا، یا اتنی شدت سے پیدا نہیں ہوا جو ہمیں چونکا دیتا اور ہم مڑکر پیچھے کی طرف دیکھتے اور غور کرتے کہ کہیں ہم راستہ بھول تو نہیں گئے! اور ظاہر ہے جب شبہہ ہی نہ پیدا ہو تو غور و فکر کا کہاں موقع ہے اور ٹھونک بجا کر کھرے کھوٹے کو الگ الگ کرنے کی نوبت کیسے آسکتی ہے۔

۱۔ ہم نے اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں تمام دنیا کے تجربات کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اپنی ایک الگ راہ اختیار کی اور اُسے براہِ راست حکومت کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ غالباً اس وجہ سے ہوا کہ ملک کی آزادی کے بعد اڈلٹ ایجوکیشن کے رضاکار ادارے اپنے اپنے کام میں وسعت پیدا کرنے کی غرض سے حکومت سے امداد کے مطالبے کرنے لگے۔ حکومت نے جو خود بھی عوام کی تعلیم کی اہمیت سے باخبر تھی، شاید یہ سوچا کہ الگ الگ اداروں کو امداد دینے اور امدادوں کے صحیح استعمال کی جانچ پڑتال کرنے کا دردِ سر مول لینے سے بہتر یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے اہتمام و انتظام میں یہ فرض انجام دے۔ فیصلہ کرنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ بالغوں کی تعلیم خود آموختگی (سیلف ایجوکیشن) کی ایک شکل ہے جو کسی نظام یا سسٹم کی پابند نہیں ہوتی دراں حالیکہ سرکاری اہتمام میں ہونے والا ہر کام ایک بندھے ٹکے نظام کا متقاضی ہوتا ہے۔

لیکن خیر، غلطی کرکے سیکھنا بھی سیکھنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا تھا تو کوئی حرج نہیں تھا بشرطیکہ اس کے نشیب و فراز کے اوپر نظر رکھی جاتی، اس کے نتائج کی روشنی میں اس کی اصابت، یا عدم اصابت کو پرکھا جاتا ــــــ لیکن ایسا نہیں ہوا اس لئے کہ ہمیں اپنے کام کے بارے میں کبھی شبہہ نہیں پیدا ہوا کہ آیا یہ راستہ ہمیں منزل طرف لے جارہا ہے یا کسی دوسری سمت کو۔

۲۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے عالمگیر تصوّر کو محض بالغوں کی خواندگی سے تعبیر کرکے اس کے دامن کو تنگ قرار دیا گیا اور اس کے بجائے سوشل ایجوکیشن کا تصوّر رائج کیا گیا۔ اس تصوّر کے ماتحت عوام کو رات کی رات سمجھے ہوئے اور مشاق جمہوری شہری بنانے کی دُھن میں بالغوں کی تعلیم کے بنیادی عُنصر "خواندگی" اور اس کے بعد کی بائر اڈلٹ ایجوکیشن کو ناٹ باہر کردیا گیا۔ یہ نہ سوچا گیا کہ دِکھا سُنا کر تعلیم دینے (آڈیو ویژول ایڈز) کے مشینی آلات جن کے اوپر سوشل ایجوکیشن کے تصوّر کی بنیاد ہے، اُن کے اثرات وقتی ہوتے ہیں اور ان کے وسیلے سے طالب علم کو خود اپنے فکر و تدبّر سے کام لینے کا نفع چونکہ کم ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے دوسروں کی رہبری و رہنمائی کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت پر غور نہیں کیا گیا کہ علم کے خزانے کی واحد کنجی پڑھنے لکھنے کی صلاحیت ہے اور جب تک یہ میسّر نہ ہو، انسان کے اندر اُونچ

اور آپ اپنی تحریک پر کام کرنے کی صلاحیت نہیں اُبھرتی۔ لیکن کچھ تو بات کی تیزی اور کچھ ایک بنی بنائی لیک کی پابندی جو سرکاری اہتمام میں کام کی خصوصیت ہوتی ہے اس کے بارے میں کبھی یہ شک نہ گذرا کہ اتنا طویل عرصہ سفر کو شروع کئے ہوئے گذر گیا، مگر منزل کا ابھی دور دور پتا نہیں۔ آخر کیوں؟

۳۔ سوشل ایجوکیشن کی سرکاری تحریک نے ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی کامیابی سے متاثر ہو کر بڑے چاؤ سے اس کا تجربہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن فوک ہائی اسکولوں کی جو روح تھی، یعنی سرکاری یا غیر سرکاری ہر قسم کے خارجی اثر سے آزادی —— اُسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا، اور جہاں کہیں بھی جنتا کالج قائم ہوئے، صرف یہی نہیں کہ حکومت کے زیر اثر بلکہ براہ راست حکومت کے زیر اہتمام قائم ہوئے۔ ڈنمارک میں فوک ہائی اسکولوں کو زندگی کی تعلیم کی درسگاہ کہا جاتا ہے، لیکن ہمارے جنتا کالج سرکاری اسکیموں اور پالیسیوں کی نشرگاہیں بن کر رہ گئے۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ سرکاری اسکیمیں اور پالیسیاں زندگی کی تعمیر کے منافی ہیں، ہماری حکومت تو فلاحی حکومت (ویلفیر اسٹیٹ) ہے جس کا بنیادی تصور ہی عوام کی فلاح و بہبود اور ایک صحت مند زندگی کی تعمیر ہوتا ہے؛ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے سوچنے اور سوچنے سے زیادہ کام کرنے کے طریقوں میں بڑا فرق ہوتا ہے، جیسے فلسفے کی زبان میں کہیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ عوام کا عمل عاشقانہ اور حکومت کا عمل عاقلانہ ہوتا ہے، اور عشق اور عقل کے درمیان فرق نہیں تضاد ہے —— ان حالات میں ظاہر ہے، تجربے میں ناکامی یقینی تھی؛ مگر ہم نے اس ناکامی کا الزام اپنی ناسمجھی کے بجائے خود نمونے کے نقص کے اوپر رکھا اور اُسے قریب قریب اپنی برادری سے خارج کر دیا ہے۔

۴۔ برطانیہ کے کمیونٹی سینٹر بستی کی زندگی کو سنوارنے میں شہرۂ آفاق ہیں اور ایک انگریز مفکر کے بقول اگر کسی کو بستی کی زندگی کا اندازہ کرنا ہو تو وہ اس کے کمیونٹی سنٹر کا معائنہ کر لے؛ ہم نے اپنی تحریک میں اس نمونے کو بھی آزمایا اور بڑے جوش و خروش سے آزمایا۔ لیکن کامیابی کا اوسط یہاں بھی بس واجبی ہی واجبی سا رہا ہے اور ہمارا اندازہ اگر ہمیں دھوکہ نہیں دے رہا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کمیونٹی سنٹروں میں بستی کی زندگی کا عکس شاید ہی کہیں نظر آیا ہو۔ اس تجربے کا بھی وہی حال ہے جو جنتا کالجوں کا ہے! جنتا کالج تو آزاد ہونے کے باوجود پھر بھی ایک واحد شخصیت یا ادارے کی چیز ہوتی ہے لیکن کمیونٹی سینٹر تو سو فی صدی کمیونٹی کی چیز ہوتی ہے اور اس کے اوپر سولہ آنے کمیونٹی ہی کا قبضہ و تصرف ہوتا ہے۔ اس سے کمیونٹی کو لگاؤ محض اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس کی اپنی محنت، اس کے اپنے ارادے، اس کے اپنے اظہارِ نفس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ ہمارے کمیونٹی سنٹروں کی طرح کمیونٹی کو حکومت کی بخشش کے طور پر نہیں ملا ہوتا۔

اور کچھ بخشش میں ملا ہو ایہ انعام کمیونٹی کی ملکیت ہو جائے تب بھی کچھ بات بنے، یہاں اس کے انتظام و انصرام، اس کی پالیسی، اور اس پالیسی کے مطابق کام کرنے والے عملے غرض اس کی ہر چیز حکومت، چاہے حکومت مرکزی ہو یا ریاستی یا مقامی، کے قواعد و ضوابط کی پابند ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں بستی کے لوگ اس کے پروگراموں میں تماش بین کی حیثیت سے تو شریک ہو سکتے ہیں، اُسے اپنا گھر سمجھ کر گھر کے پروگراموں کے شریک کی حیثیت سے حصّہ نہیں لے سکتے۔ چنانچہ یہ کام بھی چلنے کو چل رہا ہے لیکن بستی کی زندگی میں اس کے زیر اثر شاید ہی کہیں کوئی تغیر رونما ہوا ہو۔ مگر با ایں ہمہ ہمیں کبھی بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ اتنی کوشش کے باوجود اگر بستی جہاں تھی، وہیں اب بھی ہے تو ایسا کیوں ہے؟ کہیں ہمارے پروگرام کی بنیاد تو ناقص نہیں ہے!

۵۔ ہماری یونیورسٹیاں، اس کے باوجود کہ وہ انگلینڈ، یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کرتی ہیں، اڈلٹ ایجوکیشن کے ساتھ، اس کی ابتدا ار آفرینش سے اب تک، سرد مہری کا سلوک کرتی آئی ہیں، حالانکہ ان کا منصب علم کی شاخ کو تحقیق و جستجو کا پانی دے دے کر ہمیشہ سرسبز و شاداب اور بار آور رکھنا اور عالی دماغ انسانوں کی کھوج اور ان کی تربیت کرنا ہے۔ علم کی بھوک پیاس صرف انھی لوگوں کو نہیں ہوتی جو تعلیم کے سفر کی باضابطہ منزلیں طے کرکے یونیورسٹی کے دروازے تک پہنچتے ہیں، اور نہ صرف انھی لوگوں میں عالی دماغ شخصیتیں ہوتی ہیں۔ علم کے بھوکے وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جنھیں حوادثِ زمانہ نے تعلیم کی منزلیں طے کرنے سے روکے رکھا ہے، اور راکھ کے اس ڈھیر میں بھی چنگاریاں ہوتی ہیں جو دبے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتیں۔ عالمانہ عالی ظرفی کے اسی تقاضے کے زیر اثر ترقی یافتہ ملکوں کی یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن اور کم پڑھے لکھے مگر عالی دماغ بالغوں کی تعلیم کو اپنے فرائض منصبی کی فہرست میں اب سے کچھ نہیں تو ایک صدی پہلے شامل کر لیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ اگر ہماری یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کا ساتھ دیا ہوتا تو ان کی بے لاگ عالمانہ تحقیق و جستجو کی بدولت اور ان کی بروقت تنبیہ و تاکید کے اثر سے وہ اب تک منزل پر نہیں تو اُس کی راہ پر ضرور لگ چکی ہوتی؛ اور کم پڑھے لکھے عالی دماغ بالغوں کی قدرتی ذہانت آج بے راہ روی کا شکار نہ ہوتی۔ یونیورسٹیوں کو تو خیر کسی وجہ سے ضرورت محسوس نہیں ہوئی، لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت نے بھی جو بالغوں کی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر چکی تھی، انھیں اس کی طرف متوجہ نہیں کیا؛ چنانچہ سوشل ایجوکیشن کی سرکاری تحریک کے بارہ تیرہ سال گذر جانے کے بعد بھی اب تک یونیورسٹیاں اس طرف متوجہ نہیں ہوئی ہیں، حالانکہ اس عرصے میں سوشل ایجوکیشن کے فلسفہ اور طریق کار سے متعلق اتنے مسائل جمع ہو گئے ہیں کہ انھیں تحقیق و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھ کر سیدھی اور صحیح راہ کی نشان دہی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے متعلق نمونے کے طور پر یہ جو چند باتیں کہی گئی ہیں، وہ اگرچہ پہلی ہی بات کے نتائج ہیں اور اس بنیادی بات کا ذکر کر دینے کے بعد ان ضمنی باتوں کی ضرورت نہیں تھی، تاہم چونکہ یہ باتیں تحریک کے نمایاں اور اہم پہلوؤں کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے ان کو الگ الگ بیان کرنا بھی ضروری تھا۔

اس مختصر تجزیئے کے بعد اب ہم غالباً زیادہ صفائی سے کہہ سکتے ہیں کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے جمود اور بے کیفی کا سبب مناسب مقدار میں سرمائے کی کمی نہیں بلکہ یہ بات ہے ——— اور یہ سوشل ایجوکیشن ہی تک محدود نہیں ہے، آزاد قومی زندگی کے ہر شعبے میں اسی کی کارفرمائی نظر آتی ہے —— کہ ہمیں اپنے کاموں کے بارے میں اب تک کبھی شک نہیں گذرا کہ ہم جس راستے پر چل رہے ہیں، آیا وہ منزل ہی کو جاتا ہے یا ہم بھٹک کر غلط راستے پر پڑ گئے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی بھول کا احساس اُس وقت تک نہیں ہوتا جب تک چلتے چلتے یک دم سخت قسم کی ٹھوکر نہ لگ جائے۔ چین کا جارحانہ حملہ ہمارے حق میں اسی سخت قسم کی ٹھوکر کا حکم رکھتا ہے چنانچہ اب ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور ہمیں اپنی تحریک کا سختی سے جائزہ لے کر سمجھ لینا چاہئے کہ آیا صحیح راستے سے بھٹک کر ہم نے غلط سمت تو اختیار نہیں کر لی ہے؟!!

(بقیہ صفحہ ۱۷)

حرف شناسی کی اس منزل کے بعد مشقی دور کے مطالعے کے لئے اوستھی صاحب نے چوبیس چوبیس صفحے کی ۱۲ کتابیں بھی لکھی ہیں جو غالباً درجہ بند (گریڈیڈ) ہیں۔ ان کتابوں کی زبان آسان اور دلچسپ اور مواد جو بیشتر قدیم اور نئے ڈھنگ کی افسانہ نما کہانیوں پر مشتمل ہے، سبق آموز ہے۔ کتابیں طباعت اور گٹ اپ کے اعتبار سے بھی خوشنما ہیں۔

خواندگی کے مختلف طریقے

(مسلسل)

دسمبر ۱۹۶۲ء کے شمارے میں ہم نے مانڈے کے گیت میتھڈ کا تعارف دیا تھا۔ خواندگی کی تاریخ میں جس ترتیب سے مختلف اساتذہ اپنے طریقوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں، اس کے لحاظ سے مانڈے کے بعد پتھک میتھڈ کا تعارف دیا جانا چاہیئے تھا مگر بعض مجبوریوں کی بنا پر یہ ترتیب قائم نہیں رکھی جا سکی ہے اور زیر نظر شمارے میں ہم شری بی۔ ڈی۔ اوستھی کے طریقے کا تعارف دے رہے ہیں جو تاریخی ترتیب کے لحاظ سے آخر میں آتے ہیں۔ اوستھی جی کا میتھڈ بہرحال اِن دنوں اُتر پردیش میں رائج ہے۔

—— ایڈیٹر

ج ۔ اوستھی میتھڈ

ان پڑھ بالغوں کو ہندی پڑھانے کے لئے شری بھگوان داس اوستھی ایم۔ اے کا طریقہ فن تعلیم کے نقطۂ نظر سے دراصل ڈائرکٹ میتھڈ ہی کے اصول پر مبنی ہے، اگرچہ تعلیمی نفسیات اور طریقۂ تعلیم کے جدید اصولوں کو سامنے رکھ کر موصوف نے اس کی روایاتی شکل بدل دی ہے اور اس تبدیلی کی وجہ سے یہ روایاتی طریقہ ایک بالکل نیا اور مفید طریقۂ تعلیم بن گیا ہے۔

ڈائرکٹ میتھڈ کے روایاتی طریقے اور زیر تعارف اوستھی میتھڈ میں بنیادی فرق تعلیمی نفسیات کے اس اصول کی کارفرمائی ہے کہ سیکھنے کا عمل اُس وقت بہت تیز ہو جاتا ہے جب دماغ اور ہاتھ دونوں ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ روایاتی طریقے میں طالب علم کو تمام حروف اور ماترائیں اوّل سے آخر تک طوطے کی طرح رٹوائی جاتی ہیں، اور اسی طرح تمام ماترائیں اور حروف تختی پر

لکھوائے جاتے ہیں۔ لکھوانے کا یہ عمل چونکہ حروف اور ماترائیں پڑھوانے کے ساتھ ساتھ نہیں واقع ہوتا بلکہ الگ الگ اوقات میں ہوتا ہے، اس لئے پڑھنا اور لکھنا دونوں حالات میں طالب علم اپنے آپ کو ایک نامانوس، غیر دلچسپ اور اجنبی دنیا میں محسوس کرتا ہے؛ ادستھی صاحب نے اس روایاتی طریقے سے ہٹ کر یہ راہ اختیار کی ہے کہ

(۱) تمام ماترائیں اور حروف ایک ہی وقت میں نہ پڑھواتے ہیں، نہ لکھواتے ہیں بلکہ روزانہ صرف تین حروف کی پہچان کرواتے ہیں۔

(۲) حروف کی پہچان کراتے وقت طالب علم ہی سے مختلف منزلوں میں حروف بنواتے بھی ہیں۔ اس طرح دماغ اور ہاتھ کا عمل ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اور سیکھی ہوئی بات کو ذہن نشین کرنے میں ہاتھ دماغ کی مدد کرتا ہے۔

(۳) سیکھے ہوئے انہی چند حروف کے میل سے ادستھی صاحب الفاظ اور جملے بھی بنواتے ہیں، اور چونکہ یہ الفاظ اور جملے بامعنی ہوتے ہیں اس لئے طالب علم کو پہلے ہی دن پڑھ سکنے کا مسرت خیز تجربہ ہوتا ہے جس سے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور پھر روز کے روز اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ادستھی صاحب اس نفسیاتی حقیقت پر اتنا زور دیتے ہیں کہ سلسلۂ درسیات کی پہلی سے لے کر آخری یعنی چھٹی کڑی کی ہر کتاب کی پیشانی پر نمایاں حروف میں چھپا ہوا ہے "خوشی کی بات! اب ہم بھی پڑھنے لگے!"

ادستھی میتھڈ کی دوسری خصوصیت جو ان پڑھ بالغوں کو پڑھانے میں اہمیت رکھتی ہے، لکھنے کی مشق ہے۔ ادستھی میتھڈ ایک اعتبار سے "لکھائی" سے شروع ہوتا ہے اس لئے لکھنے کی مشق اچھی ہو جاتی ہے۔

میتھڈ کا تعارف

ادستھی میتھڈ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی کوئی پرائمر نہیں ہے، بلکہ پرائمر کا کام موٹے حروف میں چھپے ہوئے چارٹوں سے لیا جاتا ہے اور انہی کی مدد سے حروف "لکھائے" اور لکھنے کی مدد سے "پڑھائے" جاتے ہیں۔ یہ چارٹ سیاہ اور سرخ دو رنگوں میں چھپے ہوئے ہیں اور حروف، اُن کے الگ الگ ٹکڑوں، اُن کے میل سے بننے والے الفاظ اور الفاظ سے بننے والے جملوں پر نمبر پڑے ہوئے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ اُستاد انہی نمبروں کی ترتیب سے پڑھانے کی مختلف منزلیں طے کرے، گویا اُستاد کو خوب کس کر باندھ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی مرضی اور صوابدید کے مطابق ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہلنے پائے۔

ہم یہاں ادستھی صاحب کے پہلے چارٹ کی نقل اور اسے پڑھانے کے لئے اُن کی ہدایات انہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے ادستھی طریقۂ تعلیم کا کسی قدر تفصیل سے اندازہ ہو جائے گا۔

अवस्थी शिक्षा पद्धति

अक्षर	शब्द	वाक्य
ा र र	र, म, रम, र + ा = रा, राम	
	राम, गाम	राम राम
ग ग ग	म + ा = मा	मा राम राम
	मा, मामा	मामा राम राम
	ग + ा = गा	मा गा, मामा गा
ग ग म	मग, मगर	मामा मगर ?
	मर, मार	मामा मगर मार

نوٹ: چارٹ کا دو رنگوں میں چھپا ہوا نمونہ صفحہ کے سامنے موجود ہے۔ ہدایات کو بخوبی ذہن نشین کرنے کے لئے اس نمونے کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیے

ہدایات

پہلے چارٹ کے شروع میں سب سے اوپر بائیں طرف حروف والے کالم میں ایک کھڑی لکیر (پائی) کھنچی ہے۔ اس پر لال پڑا ہے۔ پڑھنے والوں کو وہ کھڑی پائی دکھلا کر کہئے "دیکھئے یہ ایک کھڑی لکیر کھنچی ہے۔ آپ پہلے اوپر کی طرف ایک آڑی لکیر کھینچئے؛ پھر اس کے بیچ میں ایک کھڑی لکیر کھینچ دیجئے۔"

اب اس کے داہنی طرف کی ۲ کالی اور سرخ رنگ کی شکل دکھلا کر اور نیچے کے لال رنگ کے حصے پر انگلی پھیرتے ہوئے کہئے "دیکھئے کھڑی لکیر کے نیچے اس سے ملا کر آپ اس طرح ایک ترچھی لکیر اور کھینچ دیجئے۔" اب اس کے دائیں جانب نمبر ۳ کی موٹی بنی ہوئی شکل ज کو دکھلا کر کہئے کہ "ایسا کرنے سے یہ شکل بن جاتی ہے۔ اسے ज کہتے ہیں۔ آپ نے ایک کھڑی لکیر کے نیچے ایک دوسری ترچھی لکیر کھینچ کر ज بنا لیا۔ آپ حرف ज جان گئے۔ یہ ज ہے۔"

۔ بتانے کے بعد چارٹ کی تیسری سطر میں حروف کے کالم میں لکھی ہوئی نمبر ۴ والی شکل دکھلا کر کہئے "اب ایک کھڑی لکیر کے ساتھ ایک دوسری کھڑی لکیر (اسی شکل پر انگلی پھیرتے ہوئے) اس طرح اور کھینچ دیجئے۔" پھر نمبر ۵ والی کالی اور لال رنگ کی شکل دکھلا کر کہئے "اب ان میں سے بائیں لکیر کے نچلے حصے میں ایسی ایک گھنڈی لگا دیجئے۔" اب نمبر ۶ والے موٹے حرف ग کو دکھلا کر کہئے "اب یہ شکل ہوئی۔ اسے ग کہتے ہیں۔"

پھر چارٹ کی چھٹی سطر میں حروف کے کالم میں لکھے ہوئے نمبر ۷ کے ग کو دکھلا کر اور نمبر ۸ کی شکل کے لال حصے پر انگلی پھیرتے ہوئے کہئے "اب ग کی گھنڈی سے لے کر دوسری کھڑی لکیر تک ایک چھوٹی سی سیدھی لکیر اور کھینچ دیجئے۔" اور نمبر ۹ والے موٹے ण کو دکھلا کر کہئے "اب یہ شکل ہوئی۔ اسے ण کہتے ہیں۔"

اسی نہج پر حرف شناسی کی چند مثالیں اور سمجھ لیجئے:

म کی گھنڈی سے اوپر آڑی لکیر تک جو حصہ ہے اُسے نکال دیجئے۔ ایسا کرنے سے دیکھئے یہ न بن گیا۔ न کی گھنڈی سے ملا کر اوپر سے نیچے کو ایک ہنسیا ملا دیجئے۔ ایسا کرنے سے ल بن جاتا ہے۔ اسی न میں گھنڈی سے ملا کر نیچے سے اوپر کو ایک ہنسیا ملا دیجئے۔ اس طرح त بن جاتا ہے۔ र بناتے وقت آپنے ایک آڑی لکیر سے ملا کر ایک کھڑی لکیر کھینچی تھی ایسی T اسی لکیر کے بائیں طرف بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا چھلا جوڑ دیجئے۔ یہ व ہو گیا۔ اسی व کے چھلے میں بائیں سے دائیں کو ایک ترچھی باریک لکیر ڈال دیجئے۔ اس سے یہ دیکھئے ब بن گیا۔ اور ان سب کے لئے اُستاد کو مفصل ہدایات ہیں کہ وہ نمبروں کی ترتیب کے مطابق کام کرے

اسی طرح ہندی حروف ہجا کے آخری حرف ज्ञ تک کا تعارف پہلے ہی کرا دیا جاتا ہے۔ پھر (غالباً) دوسرے دن ابتدا کے تین حروف र, ग, म کی لکھائی اور پڑھائی عملی طور پر شروع ہوتی ہے جب اُستاد کی رہبری میں طالب علم ایک شکل بنا لیتا ہے تو وہ حرف اس سے بار بار کہلوایا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح اس کے دماغ میں جگہ بنا لے۔

غالباً تیسرے دن لفظ اور جملے سیکھنے کی باری آتی ہے۔ سب سے پہلے پچھلے دو دن کے پڑھے ہوئے حروف کا آموختہ سنا جاتا ہے، پھر چارٹ نمبر ایک کے الفاظ والے کالم کے نمبروں کی مدد سے دو حرف र اور म کے میل سے بننے والا لفظ रम دکھا کر سنا کر اور کہلوا کر سمجھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر نمبروں ہی کی مدد لے کر आ کی ماترا ा کا شعور کرایا جاتا ہے اور ماترا کی مدد سے بننے والا پہلا لفظ رام राम بتایا جاتا ہے۔ ماترا سے بننے والا یہ لفظ سکھانے کے بعد نمبر ۱۷ اور نمبر ۱۸ کی مدد سے اسی لفظ کو دو مرتبہ لکھ کر سلام کرنے کا طریقہ "رام رام" پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد म میں لگنے والی ماترا ा کو म کے ساتھ جوڑ کر मा کا گیان کرایا جاتا ہے اور جملوں کے کالم میں (نمبر ۲۳) پہلی مرتبہ ایک جملہ "ما رام رام" کا تعارف دیا جاتا ہے اور اس منزل پر پہنچ کر طالب علم کی خوب حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ "لیجئے، اب تو آپ پڑھنا سیکھ گئے۔ ماں کو سلام کرنے کا طریقہ मा राम राम پڑھنے لگے"۔ اب آگے پانچوں غالباً اسی دن र, ग, म اور आ کی ماترا ा کے میل سے بننے والے مزید سات لفظ اور مزید چار جملے بھی سکھا دئے جاتے ہیں۔

اس طرح اوستھی صاحب کے بیان کے مطابق ان پڑھ پانچ بیس دن میں ہندی کے تمام حروف، ماتراؤں اور ان کے جوڑوں سے نہ صرف واقف ہو جاتا ہے بلکہ اُن سے بننے والے ۳۶۳ الفاظ اور ۲۰۰ جملے پڑھ لیتا ہے۔

ہندی کے چارٹوں کی کل تعداد ۲۰ ہے۔ ان میں سے پہلے ۱۴ چارٹوں میں ञ, ङ, ऋ اور ॠ کو چھوڑ کر ہندی کے باقی تمام حروف اور ماترائیں آگئی ہیں، آگے کے چھ چارٹوں میں یہ چار شکل حروف، حروف کی ملاوٹ کے چھ مختلف طریقے اور (آخری چارٹ میں) ایک سے سو تک کے اعداد بتائے گئے ہیں۔

(باقی صفحہ [illegible] پر)

ناخواندگی: ایک عالمگیر مسئلہ

گذشتہ کسی شمارے کے خبروں کے کالم میں ہم لکھ چکے ہیں کہ متحدہ اقوام کی مجلس نے دنیا کے ملکوں کو ترقی دینے کی غرض سے "ترقیاتی دس برس" کے نام سے ایک منصوبہ ترتیب دیا ہے۔ اس منصوبے کا ایک اہم حصّہ تعلیم بھی ہے اور خود تعلیم کا اہم ترین پہلو ناخواندگی کا خاتمہ ہے۔ منصوبے کے اس پہلو پر عمل کرنے کے لئے مجلس نے یونسکو سے کام کا ایک نقشہ پیش کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اس فرمائش کی تعمیل کے لئے پہلے قدم کے طور پر یونسکو نے ممبر ملکوں کے پاس ایک سوال نامہ بھیج کر خواندگی سے متعلق معلومات حاصل کی ہے۔ زیر نظر مضمون میں جو یونسکو کے نیم مطبوعہ پندرہ روزہ اخبار "یونسکو فیچرز" کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے، وہی حقائق بیان کئے گئے ہیں جو اس سوال نامے کے جواب میں مختلف ملکوں سے حاصل ہوئے تھے۔ مضمون بہرحال دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

—— ایڈیٹر

خواندگی کی کیفیت

دنیا کے بعض ممالک میں ناخواندہ ہونا قانوناً جرم ہے۔ چند ملکوں میں فوجی خدمت انجام دینے والوں کے لئے پڑھنا لکھنا سیکھنا شرائط ملازمت میں شامل ہے۔ بلجیم میں ایک قانون ہے جس کی رو سے سرکاری اصلاح خانوں کے قیدیوں کے لئے خواندگی جبری قرار دی گئی ہے۔ بہت سے ملک ایسے ہیں جہاں خواندگی کے لئے قانون کا سہارا تو نہیں لیا جاتا لیکن اس کے باوجود انھوں نے مہاجرین، ماہی گیروں، اور دور افتادہ بستیوں کی طرح کے سماجی گروہوں کے لئے خواندگی کے پروگرام چلا رکھے ہیں۔

یونیسکو نے عالم گیر خواندگی کی اپنی بین الاقوامی مہم کے ایک حصّے کے طور پر اپنے ممبر ملکوں کے پاس ایک سوال نامہ

بھیجا تھا۔ مذکورہ بالا حقائق اسی سوال نامے کے جوابات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ان ملکوں میں سے ۲۴ ممالک نے سوال نامے کے جوابات بھیجے تھے۔ ان میں سے صرف گیارہ ملکوں یعنی آسٹریلیا، بائلو رشیا، فنلینڈ، وفاقی جرمنی، لکیسمبرگ، ندرلینڈز (ہالینڈ اور بلجیم) نیوزیلینڈ، ناروے، رومانیا، یوکرین اور یو ایس ایس آر نے یہ رپورٹ دی تھی کہ چونکہ ان کے یہاں ان پڑھوں کی تعداد اب بس نام کو رہ گئی ہے اس لئے ان کے یہاں ناخواندگی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

باقیماندہ ممالک کی رپورٹ کے مطابق ان کے یہاں ناخواندگی کا اوسط تین چار سے لے کر تشویشناک حد تک یعنی ۸۵ فی صدی تک ہے۔

ناخواندگی کو ختم کرنے کے جتن

اکویڈر، انڈونیشیا اور ترکی نے اپنے اپنے یہاں قانون نافذ کر رکھا ہے جس کی رو سے ہر شہری کے لئے خواندگی لازمی ہے۔ مصر، یونان، ہیٹی، ہنگری، میکسیکو، اور ویت نام میں بھی خواندگی کی تعلیم کے قوانین موجود ہیں۔ اور چھ ملکوں نے اپنے اپنے یہاں ایسے قانون بنا رکھے ہیں جن کے اثر سے ایک نہ ایک بہانے سے خواندگی کا حصول ممکن ہو جائے گا

ان فہرستوں سے الگ جو ممالک ہیں، وہ ان پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانے کے لئے قانون کے بجائے مختلف محرکات کا سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً کچھ ممالک نے یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ جو ان پڑھ بالغ خواندگی کی کلاسوں میں جا کر کارآمد حد تک خواندگی حاصل کر لیں گے انہیں تمغے، ٹرافیاں، گھر کے کام آنے والی کوئی چیز، زراعتی اوزار اور باغیچے کے لئے عمدہ بیج انعام میں دئے جائیں گے۔ لیکن جیسا کہ متعدد ممالک نے لکھا ہے، خواندگی کے لئے سب سے قوی محرکات وہ ہیں جو خود عوام کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور جن کے زیر اثر وہ خواندگی کی کلاسوں میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ پڑھ لکھ جانے پر کوئی اچھی نوکری مل جائے گی، تنخواہ میں اضافہ ہو جائے گا، اپنے بچوں کے مقابلے میں جو پرائمری اسکولوں میں پڑھتے ہیں شرمندگی نہیں اٹھانی پڑے گی، بیوی اور احباب کو اپنی مرضی کے مطابق خط لکھ سکیں گے، اور اس وقت کتنی خوشی ہوگی جب یہ یقین ہو جائے گا کہ اب ہم بھی جب چاہیں، اور جو چیز چاہیں پڑھ یا لکھ سکتے ہیں۔

"پرائمر" بہر حال اب بھی خواندگی کی تعلیم کا خصوصی ذریعہ ہے۔ لیکن تیرہ ملکوں کی رپورٹ ہے کہ وہ ریڈیو سے بھی خواندگی کے اسباق نشر کرتے ہیں اور اتنے ہی دوسرے ممالک ہیں جو فلموں کے ذریعے خواندگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس رپورٹ میں یہ بات بھی نمایاں کر کے بتائی گئی ہے کہ بعض ممالک مثلاً کیوبا، اٹلی، میکسیکو، متحدہ عرب جمہوریہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی پڑھائی کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔

زبانوں کی کثرت: ایک مشکل مسئلہ

جن ملکوں میں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں سے جن چھ ممالک نے سوال نامے کے جواب بھیجے ہیں، ان کے یہاں زبان بھی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان کے یہاں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جاتا ہے لیکن بعض ممالک میں جیسے غانا، انڈونیشیا اور سوڈان ہیں، مقامی زبانیں اتنی تعداد میں رائج ہیں کہ ان سب میں نصاب کا ترتیب دینا ناممکن ہے۔ مگر ہندوستان میں جہاں تمام اہم زبانوں کے بولنے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں "زبانوں کی کثرت کوئی مسئلہ نہیں ہے" لیکن فلپائن کی رپورٹ ہے کہ "اس جزیرہ نما کی آٹھ اہم زبانیں اور چورا سی مقامی بولیاں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے درسی مواد تیار کرنے میں بڑی قباحت اور پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔" اسی طرح ایران میں بھی خواندگی کے پروگراموں کی ترتیب و تالیف میں زبانوں کی کثرت کی وجہ سے ترقی نہیں ہو پاتی۔ یہاں بھی کئی زبانیں مثلاً فارسی، ترکی، عربی، آرمینی اور کُردی اور ان کے علاوہ متعدد مقامی بولیاں بولی جاتی ہیں۔

ایسے حالات میں ایک فیصلہ بہرحال کرنا ہوگا کہ کون سی زبان یا زبانیں خواندگی کی تعلیم کے لئے اختیار کی جائیں اور کس منزل پر خواندگی کو ملک کی سرکاری زبان میں منتقل کیا جائے۔ نائجیریا کو جہاں کی سرکاری زبان انگریزی ہے، اس فیصلے کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ نائجیریا کی راجدھانی لاگوس میں خواندگی کے ابتدائی اسباق یوروبا، حوضہ اور انگریزی میں اور مشرقی نائجیریا میں ایبو اور ایفک میں پڑھائے جاتے ہیں۔ شمالی حصے میں ۲۳ زبانوں میں ابتدائی اسباق ہوتے ہیں اور مغربی حصے میں ۱۰ زبانوں میں۔ انگریزی بعد میں پڑھائی جاتی ہے لیکن اسی وقت جب لوگ اپنی مادری زبان اچھی طرح پڑھنے لگتے ہیں۔

خواندگی کو بحال رکھنے کی کوشش

ایک مسئلہ جسے بیشتر ممالک نے تسلیم کیا ہے، نوسکھ بالغوں کی خواندگی کی صلاحیت کو، جب وہ پڑھنے لکھنے کے ابتدائی مرحلوں کو پار کرلیں، آیندہ ہمیشہ کے لئے قائم اور بحال رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے ممالک نوسکھ بالغوں کے لئے مطالعے کا مشقی مواد تیار کرتے ہیں مثلاً درسی کتابیں، مصور کتابچے، پوسٹر، "دیواری اخبار" اور مصور اخبارات اور رسالے۔ اور پھر اس مواد کی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے یہ ممالک ان نوسکھ بالغوں کے لئے مشترک مطالعے کے مواقع بھی فراہم کرتے ہیں۔ بعض حالات میں تسلسلی نصاب بھی چلائے جاتے ہیں جن میں مدنیات، زبانیں، عام تعلیم (جنرل ایجوکیشن) یا تہذیبی سرگرمیاں

اور اسی طرح کے دوسرے انسانیاتی (HUMANISTIC) مضامین شامل ہوتے ہیں۔ ان نصابوں اور سرگرمیوں کے لئے کلب، سینٹر، اور عجائب خانے اپنے اپنے یہاں جگہ دیتے ہیں، مگر سب سے زیادہ خدمت اس سلسلے میں کتب خانے انجام دیتے ہیں۔

خواندگی کی مہموں میں جو رکاوٹیں آتی ہیں، وہ سوال نامے کے جوابات کی روشنی میں یہ ہیں: عملے اور معقول انتظامی ڈھانچے اور سرمائے کی کمی اور خواندگی کے طلبا میں تحریک اور شوق کا فقدان۔ لیکن سخت سے سخت رکاوٹوں کے باوجود جن ملکوں نے رپورٹیں بھیجی ہیں ان میں سے ۵۰ فی صدی ممالک نے اپنے کمیونٹی ڈیویلپمنٹ کے منصوبوں میں خواندگی کی مہموں کو بھی ایک جزو کے طور پر شامل کیا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور انڈونیشیا میں خواندگی کی تعلیم کو ان کے قومی ترقیاتی پروگراموں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ غرض جن ملکوں نے سوال نامے کے جوابات بھیجے ہیں، ان میں سے چار کو چھوڑ کر سب نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے مستقبل میں خواندگی کی تعلیم کے لئے واضح اور سوچے سمجھے ہوئے منصوبے بنا رکھے ہیں۔

ستر کروڑ انسان اَن پڑھ

تازہ ترین اعداد و شمار کی بنیاد پر، جو یونیسکو کی طرف سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئے تھے، اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا میں اس وقت ستر کروڑ بالغ اَن پڑھ ہیں یعنی دنیا کی آبادی کے ہر پانچ اشخاص پر دو اشخاص۔ ان ستر کروڑ انسانوں کو تعلیم کی راہ پر لگانا آج کے سب سے ضروری کاموں میں سے ایک کام ہے جسے بہرحال پورا کرنا ہے۔

اس بات کو نظر میں رکھتے ہوئے یونیسکو کی بارھویں سالانہ کانفرنس نے جس کا اجلاس ابھی حال میں پیرس میں منعقد ہوا تھا، متحدہ اقوام کی مجلس کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے "خواندگی کی عالم گیر مہم" کے عنوان سے ایک اہم رپورٹ مرتب کی ہے، جو متحدہ اقوام کی مجلس کے "ترقیاتی دس برسے" (ڈیویلپمنٹ ڈیکیڈ) کے نظام عمل کے ماتحت منظم کی جائے گی۔ اس عالمگیر مہم کے اوپر جس کا حوصلہ یہ ہے کہ اس ترقیاتی دس برسے کے دوران میں پندرہ سے پچاس سال کی عمر کے ۳۰ کروڑ ۳۳ لاکھ اَن پڑھوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیا جائے، دس سال سے کچھ اوپر کی مدت میں کُل اٹھارہ ارب تراسی کروڑ ڈالر خرچ ہوگا۔ اس مہم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہوگا کہ متعلقہ حکومتوں کو ہر سال تین کروڑ ۳۰ لاکھ ڈالر قرض دیا جائے جو دو یا دو سے زیادہ ملکوں کے درمیان باہمی معاہدے کی بنا پر ہوگا۔ اسی کے ساتھ مہم کی تنظیم پر خرچ کرنے کے لئے یونیسکو کو بھی ہر سال ایک کروڑ ڈالر گرانٹ دی جائے گی۔

صورتِ حال جو کچھ بھی ہو، مہم ۱۹۶۳ء سے شروع ہو جائے گی اور ابتدائی قدم کے طور پر ممبر ملکوں سے فرمائش

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

پنج سالہ منصوبہ اور نوجوان

موجودہ حالات میں کسی کے لئے رِپ وان وِنکل بن کر اگر بہت لمبی مدّت کے لئے سو رہنا ممکن ہوتا تو پندرہ سال کے بعد آنکھ کھلنے پر اسے آج کی یہ دنیا بالکل بدلی بدلی سی نظر آتی۔ اُسے اپنے گرد وپیش کچھ اس طرح کی غیر معمولی تبدیلیاں دکھائی دیتیں کہ انھیں پہچان پانا اس کے لئے ناممکن ہوتا۔ پچھلے پندرہ سال میں ہماری قومی زندگی میں اتنی تبدیلیاں آئی ہیں جو معمولاً اتنی مدّت میں واقع نہیں ہوتی ہیں۔ تاریخ کے اعتبار سے ہندوستان دنیا کے قدیم ترین ملکوں میں ایک ہے ــــ قدیم ترین ان معنوں میں کہ اس کی تمدنی زندگی میں پانچ چھ ہزار سال سے ایک تواتر قائم ہے۔ ہندوستان کا ورثہ اور اس کی تہذیب قدیم چیزوں میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے عجائب خانوں کی ملکیت نہیں بنی ہے۔ ہندوستانی فکر اور تمدن نے بنی نوع انسان کی قسمت کو بنانے اور سنوارنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ لیکن اس کے شاندار ماضی اور مستقبل کی ترقی کی نیک خواہشات کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ آج ہندوستان دنیا کی ترقی کی دوڑ میں صدیوں پیچھے رہ گیا ہے، اور دنیا کے دوسرے ممالک، خاص طور سے مغربی دنیا کافی آگے نکل چکی ہے۔ آزادی کی لمبی اور دشوار جدوجہد سے گذر کر آزاد ہونے کے بعد ہندوستان نے اپنے آپ کو ان حالات سے گھرا ہوا پایا، جس میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کی قطعاً گنجائش نہیں تھی۔ ایک لمبی مدت تک ملک پر بیرونی استبداد نے ہی یہاں افسردگی اور تساہل کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔

ہندوستان آج طرح طرح کے مسائل سے گھرا ہوا ہے۔ یہ مسائل بہت پیچیدہ اور وسیع ہیں۔ مگر ان سب کے پیچھے دو مسائل بنیادی ہیں یعنی جہالت اور غربت کا مسئلہ۔ ان مختلف النوع مسائل کا تجزیہ کرنے پر ہر بار یہی بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ان سب کی جڑ ہماری پھیلی ہوئی بھیانک غریبی جہالت اور ناخواندگی ہے۔ دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے لئے ہندوستان کو آج سخت جدوجہد کرنی ہے اور اپنی نئی تعمیر کے لئے اپنی ایک ایک رتی قوت کا صحیح مصرف کرنا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ہندوستان جو ایک حیثیت سے کافی پرانا ملک ہے، دوسری حیثیت سے دنیا کے نوعمر ملکوں میں سے ایک ہے۔ جب ہم اس کی نوعمری کی بات کہتے ہیں تو اس وقت ہم اس کی عمر کا تعین اس کی پانچ چھ ہزار سال پرانی تاریخ سے نہیں

کرتے بلکہ ۵ اسال پہلے یعنی آزادی ملنے کے وقت سے شمار کرتے ہیں، جسے اس کے نئے جنم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی آزادی بالکل بے معنی سی چیز ہے اگر اسی کی مناسبت سے ہمیں اقتصادی ترقی اور سماجی آزادی نہ حاصل ہو آزادی کی تصویر اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب کہ ہر شخص کو چار حیثیتوں سے آزادی حاصل ہو۔ یعنی خوف سے نجات، بھوک سے نجات، بیماری سے نجات، اور جہالت سے نجات، جب تک یہ چار بنیادی آزادیاں حاصل نہ ہوں اصل آزادی دور کے ڈھول سہانے کے بمصداق ایک حسین خواب ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پنج سالہ منصوبے عوام کے لئے یہی آزادیاں حاصل کرنے کی ایک کوشش۔ ان کا مقصد ہندوستان کی پسماندگی ـــــ اقتصادی اور تعلیمی پسماندگی ـــ کو دور کرنا ہے۔

یہ مسئلہ کتنی تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے اس کا اندازہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے اقتصادی معیار سے موازنہ کر کے کیا جا سکتا ہے۔ دنیا کے چند ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں ہمارے یہاں کی فی کس آمدنی کا اوسط کتنا کم ہے مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امریکہ	۷۶۲۵ روپیہ فی کس سالانہ
سوئٹزرلینڈ	۴۷۵۰ " " "
برطانیہ	۳۸۸۵ " " "
سویت روس	۹۰۵ " " "
ہندوستان و پاکستان	۲۸۳ " " "

یہ اعداد و شمار کچھ پرانے ضرور ہیں مگر ان سے ہندوستان کی اقتصادی پسماندگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ پنج سالہ پلان ملک سے غربت و افلاس کو دور کر کے زندگی کی اقتصادی بنیادوں کو مضبوط بنانے کا قومی منصوبہ ہے۔

پنج سالہ پلان

پنج سالہ پلان کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں یہی کافی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ موٹے طور پر اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان نے اپنے لئے ایک اشتراکی نوع سماج کی تعمیر کا راستہ پسند کیا ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کے پیچھے دراصل کیا نقشہ ہے اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ موٹے

طور پر پنجسالہ پلان کے خاص مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ، جس سے ملک کا معیارِ زندگی بلند ہو۔

(۲) صنعتیت کے میدان میں تیزی سے ترقی، خاص طور سے بنیادی صنعتوں اور بھاری صنعتوں کو فروغ دینا۔

(۳) روزگار کے مواقع میں اضافہ کرنا۔

(۴) فی کس آمدنی کے فرق کو کم کرنا اور اقتصادی قوت کی مساوی تقسیم۔

یہ تمام مقاصد ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ معیار زندگی اسی وقت اونچا ہو سکتا ہے جب کہ پیداوار میں قابل قدر اضافہ ہو۔ پیداوار میں اضافہ اس بات پر منحصر ہے کہ صنعتیت میں تیزی سے فروغ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اشتراکی النوع سماج

آج اشتراکی النوع سماج کی تعمیر کا بہت چرچا ہے مگر اس نوعیت کے سماج سے ہماری مراد کیا ہے؟ اس سلسلے میں بھی ہمارے ذہن صاف ہونے چاہئیں۔ ہندوستانی سماج واد (سوشلزم) کی تعبیر زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے کہ اس کی بنیاد کچھ ایسے وسیع نظریئے پر ہو جو سب کے لئے خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، چھوٹے ہوں یا بڑے بہتری اور بہبودی کا پیغام لائے۔ مساوات کے مندرجہ بالا اصول کے مطابق سوشلسٹ سماج کی تعبیر واضح الفاظ میں اس طرح کی جا سکتی ہے۔

(۱) تمام بالغ لوگوں کے لئے معقول اجرت پر کام مہیا کرنا۔

(۲) ہر بچے اور بالغ کو اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور اس کے ذریعہ کام میں مہارت حاصل کرنے کا پورا پورا موقع دینا۔

معذور اور عمر رسیدہ لوگوں کی دیکھ بھال کا معقول انتظام۔

ہر آدمی کے لئے سیاسی، اقتصادی، اور سماجی برابری کی ضمانت کرنا۔

۔ پلانوں کے ماتحت جو کام ہوئے ہیں اور ان میں جو کامیابیاں ہوئی ہیں مختلف ذرائع سے ان کا اشتہار ہوتا رہا۔ اشتہاری کتابیں، محکمہ جاتی رپورٹیں، لیڈروں کی تقریریں، ریڈیو کی نشریات؛ اشتہاری اور دستاویزی فلمیں اور اخبار کی رپورٹیں سب کی سب آج کی مختلف اسکیموں اور پروجیکٹوں کی کامیابی اور ترقی کے کارناموں سے

بھری پڑی ہیں اور لوگوں کو ان باتوں سے با خبر رکھنے میں بہت مفید کام انجام دے رہی ہیں۔ صنعتیت کے میدان میں ہندوستان نے خاص طور سے کافی ترقی کی ہے، باہر کے ملکوں سے آنے والی مختلف مصنوعات اب ملک میں تیار ہونے لگی ہیں۔ اس ضمن میں انقلابی تبدیلی کی ایک شاندار مثال ایٹمی قوت کی دی جا سکتی ہے جو اب اس ملک میں تیار کی جانے لگی ہے۔ دوسری طرف کمیونٹی ڈیویلپمنٹ اور پنچایتی راج ہے جنھوں نے ہندوستان کے گاؤں کی کایا کلپ کرنے اور جمہوری نظام کی لامرکزیت یعنی عوام کے ہاتھوں میں اختیارات سونپنے کے سلسلے میں غیر معمولی کام انجام دیئے ہیں۔ تعلیم اور سماجی خدمت کے میدان میں کافی کام ہوا ہے۔ اس تھوڑی سی مدت میں ہم جو مختلف میدانوں میں اتنا آگے بڑھے ہیں وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی ہے۔

عوام کا تعاون

لیکن ہمیں صرف اپنی کامیابیوں کے گن گا کر ہی نہیں بیٹھ رہنا ہے اپنی کامیابیوں کا قصیدہ پڑھنے سے کہیں بہتر ہو کہ ہم اپنی کوتاہیوں اور ناکامیوں کو بھی ٹٹولیں اور ان کے اسباب پر غور کریں۔ یہاں میں اپنے آپ کو اس حیثیت میں نہیں پاتا ہوں اور نہ میرا یہ مقصد ہے کہ میں یوجنا کے بارے میں کوئی رائے دوں جو اس ملک کے بہترین دل و دماغ کی پیداوار ہے۔ ایک بات بہر حال ایسی ہے جس کا ذکر یہاں ضرور کر دینا چاہتا ہوں اور وہ ہے عوام کا تعاون حاصل کرنے کی بات۔ عوام کے تعاون اور اشتراک کے بارے میں یوجنا میں کافی گنجائش رکھی گئی ہے (PRIVATE SECTOR) نجی الوکے علاوہ یوجنا کو چلانے کے لئے روپے پیسے اور دوسرے وسائل مہیا کرنے کی کچھ اور بھی تدبیریں کی گئی ہیں۔ مقامی ترقیاتی کاموں میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے یوجنا کو ریاست، ضلع، تحصیل اور گاؤں کی سطح کے مختلف منصوبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان تمام سطحوں پر عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے عوام کے نمائندوں اور ماہرین پر مشتمل ترقیاتی بورڈ قائم کئے گئے ہیں۔ گاؤں کی تعمیر اور دوسرے ترقیاتی اسکیموں کو چلانے میں مقامی حکومتیں گاؤں کے مختلف حلقوں بھارت سیوک سماج جیسے رضاکار اداروں، سماجی کارکنوں، مختلف پیشہ ورانہ انجمنوں، یونیورسٹیوں، تعلیمی اداروں اور نوجوان کلبوں کی امداد و حمایت حاصل کرتی ہیں۔ چھوٹی بچت کی اسکیموں کے ماتحت روپیہ پیسہ بچا کر یوجنا کے کاموں میں مدد دینے کی ہر خاص و عام کو دعوت دی گئی ہے۔

ہندوستان میں منصوبہ بندی جس نہج پر کی گئی ہے وہ آمرانہ (TOTALITARIAN) ملکوں کی منصوبہ بندی سے یکسر مختلف ہے، اسی لئے اس میں عوام کا اشتراک و تعاون حاصل کر کے کام کرنے کی اس قدر اہمیت

ہندوستانی منصوبہ بندی کی بنیاد خلوص مقصد، رضاکارانہ اشتراک و تعاون اور جمہوری طریق کار ہے۔ اس میں زور زبردستی یا جبر کو کسی بھی شکل میں روا نہیں رکھا گیا ہے۔ یہاں جبریہ کوئی کام لینے کے بجائے خدمت کے جذبے کو ابھار کر رضاکارانہ تعاون لینے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے جو راہ اختیار کی گئی ہے وہ عوام میں تعمیر پسند لیڈر شپ کو ابھار کر لوگوں میں اپنی مرضی اور خوشی سے کام کرنے کا جذبہ بیدار کرنے کی راہ ہے۔

نوجوانوں کی ذمہ داریاں

ملک کی تعمیری یوجنا میں عملی تعاون دینے کی سب سے زیادہ ذمہ داری جس طبقے پر آتی ہے وہ ہمارے نوجوانوں کا طبقہ، جو کسی ملک کے لئے تر و تازہ پھول کی طرح شگفتہ ہوتے ہیں۔ نوجوانی کے زمانہ میں رگ رگ میں جوش بھرا ہوتا ہے تخیل کی پرواز کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بہادری اور جوان مردی تو گویا انھی کا حصہ ہوتی ہے۔ جان کو خطرے میں ڈال کر نئی نئی راہیں ڈھونڈنا ان کی عادت میں داخل ہوتا ہے۔ اس زمانے میں کوئی چیز ناممکنات میں نہیں ہوتی۔ نوجوان کی نظریں افق کے پار بھی ہوتی ہیں۔ زندگی کے تجربے کی کمی کو وہ اپنی امنگ اور حوصلے کے سہارے نہ صرف پورا کر لیتے ہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی کر گذرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ (مختلف ملکوں کی تعمیر کی داستانیں نوجوانوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں)

ہندوستان کے نوجوانوں کے لئے ڈکینس کے الفاظ میں آج کا زمانہ، جس میں آج ہم آپ سانس لے رہے ہیں، تمام زمانوں سے اچھا ہے۔ اس میں تعمیر اور خدمت کے کاموں کے بہت سے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اپنے وطن اور وطن میں رہنے والے دونوں کی خدمت کا آج سب سے زیادہ موقع ہے۔ آج کے نوجوانوں کے کندھوں پر اس وقت بہت بڑا بار ہے، جسے انھیں بہت خندہ پیشانی سے اٹھانا ہے۔ ان کو خاص طور سے جو کام انجام دینے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) جہالت اور غربت کی ماری ہوئی جنتا تک نئے زمانے کا پیغام پہنچانا۔

(۲) قومی منصوبہ بندی کا بنیادی خیال لوگوں کے سامنے واضح کرنا اور اس میں عوامی تعاون کی اہمیت کو جتلانا۔

(۳) قومی تعمیر کے کاموں میں خوشی کے ساتھ اور کھل کر تعاون کرنا۔

آج ہمارے نوجوان قومی تحفظ کے دستوں، این۔ سی۔ سی اور اے۔ سی۔ سی وغیرہ میں شامل ہو کر ملک کی بہبود اور تحفظ کی کوششوں میں نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ حکومت کو آج جس طرح کے خدماتی کام شروع کرنے کی

باقی آئندہ

ضرورت ہے اس کے لئے یہ نوجوان اپنے آپ کو پوری طرح تیار کرکے بہت بڑا کام انجام دے سکتے ہیں خاص طور سے تعلیم اور سماجی خدمت کے میدان میں لائق اور قابل آدمیوں کی بہت ضرورت ہے۔ ملک کے کروڑوں جاہل لوگوں تک علم کی روشنی پھیلانا خاص طور سے نوجوانوں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے منصوبے کام اور خدمت کے ہزاروں طرح کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ ملک کی اس آواز پر ہمارے نوجوان لبیک کہیں گے اور آگے بڑھ کر ملک کے نام کو اونچا کرنے میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے۔

آج ملک کو اپنے ہر سپوت کی خدمت درکار ہے۔

مگر ان سب سے زیادہ ضروری ہے خدمت کے سچے جذبے کی تربیت۔ خدمت کا کام خیرات نہیں ہے کہ وہ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہو۔ خدمت ہمارا فرض ہے جس کا ادا کرنا ہم پر واجب ہے۔ خدمت کے اسی سچے جذبے اور عمل سے انسان بننے کی لگن کا پیدا ہونا سب سے بڑی شرط ہے۔ آج ہمارے ملک کے نوجوانوں کے لئے یہ صحیح معنوں میں آزمائش کا وقت ہے۔ ہمارے نوجوان اس آزمائش سے فیضیاب ہو کر نکلیں گے۔

(بقیہ ص ۲ کا)

دسمبر ۱۹۶۲ء

اشارات

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام اور قومی تحفظ

اصول اور نظریات

خواندگی کے مختلف طریقے۔　برکت علی فراق

۱۔ لاباخ کا نظریہ: ایچ ون ٹیچ ون

۲۔ مانڈرے کا گیت میتھڈ

(الف) مانڈرے کے تجربات کی مختصر داستان

(ب) طریقۂ تعلیم کا تعارف

بات چیت

نوجوانوں کی تعلیم کا مسئلہ　　نامہ نگار

افکار و مسائل

دیہات کے نوجوانوں کی تعلیم کی نئی بنیاد کیا ہو؟

شری کستور چندر گپت

چینی حملہ اور ہماری قومی زندگی

ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی تحریک اور قومی سنکٹ

رفتارِ کارواں (خبریں)

قومی سنکٹ اور یوتھ کلب

ہندوستان پر چین کے حملے نے ملک کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کا رخ یکسر بدل دیا ہے۔ قوم کے طرزِ فکر اور مطمع نظر میں بھی اہم تبدیلی آگئی ہے۔ کل تک جو باتیں بہت اہم تھیں وہ آج اس قدر اہم نہیں رہ گئیں اس لئے کہ زمانۂ جنگ میں دفاعی انتظامات دوسرے سب مسائل پر فوقیت رکھتے ہیں ان حالات میں نوجوانوں کی تنظیم اور تربیت کے مسائل کو بھی سنکٹ کے تقاضوں سے الگ کرکے سوچنا نہ ممکن ہے نہ مناسب۔

موجودہ حالات کے تقاضے کیا ہیں؟ اس سوال کے سلسلے میں موٹے طور پر مندرجہ ذیل باتیں اہم معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ قوم کی فوجی طاقت میں اضافہ اور سول ڈیفنس کے لئے ضروری اقدامات

۲۔ صنعتی و زراعتی پیداوار میں اضافہ اور اقتصادی استحکام

۳۔ شہریوں میں سماجی شعور، احساس ذمہ داری اور قومی یک جہتی کی بیداری۔

۴۔ مضبوط جمہوری لیڈرشپ۔

آیئے دیکھیں کہ ان تقاضوں کو ہمارے یوتھ کلب کس طرح اور کس حد تک پورا کر سکتے ہیں۔

موجودہ زمانے کی جنگ میں فوجی تنظیم اور فوجی ساز و سامان کی سپلائی کے ساتھ ساتھ سول ڈیفنس بھی اہم ترین جنگی ضرورت میں شامل ہے۔ لڑائیوں میں فیصلہ میدانِ جنگ ہی میں نہیں ہوتا بلکہ ہوائی جہازوں کی بمباری، آتش زدگی، غیر جنگی آبادیوں کی تباہی اور ان سے عوام میں جو خوف و ہراس انتشار اور پریشانی کی جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے پورا ملک محاذِ جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مگر فوجیں تو صرف محاذِ جنگ پر لڑتی ہیں، سول ڈیفنس کے جملہ منصوبوں اور کارروائیوں کی ذمے داری خود شہریوں کے اوپر ہوتی ہے۔ بالخصوص نوجوان طبقہ جس کے حوصلے بلند اور خون میں تازگی ہوتی ہے، اس اہم کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں رہتا ہے۔ یوتھ کلب انھی نوجوانوں کی تنظیم کا نام ہے۔ چنانچہ انھی کلبوں کو

اس اہم کام کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔

یوتھ کلبوں کے کرنے کے کام

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ان کلبوں کو کام کیا کرنا چاہئے۔ اس سوال کے جواب کے طور پر ذیل کے چند کام ایسے ہیں جو آسانی سے کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ نیم فوجی تنظیموں مثلاً اے۔ سی۔ سی اور این۔ سی۔ سی میں شامل ہو کر فوجی تربیت حاصل کی جائے تاکہ اس کوشش سے دفاع کا عقب یعنی سکنڈ ڈیفنس لائن مضبوط ہو۔

۲۔ اگر اطراف میں کہیں رائفل کی ٹریننگ کی سہولت میسر ہو (جیسا کہ آج کل اس طرح کے انتظامات جا بجا کئے جا رہے ہیں) تو وہاں یوتھ کلب کوشش کرے کہ اس کے ممبران (جن کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ ہو) رائفل چلانے کی تربیت حاصل کریں۔

۳۔ کلب کے ممبران اپنے اپنے علاقوں میں والنیٹر فورس کی تنظیم کریں۔ اس فورس کا کام یہ ہوگا کہ بستی کا اندرونی امن و اماں قائم رہے۔ جنگ کے زمانے میں غنڈے، بدمعاش، چور، اچکے اور دوسرے شر پسند اور امن دشمن عناصر موقع سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی شرارت سے داخلی امن و امان برباد ہوجاتا ہے اور حکومت کی توجہ جو زمانۂ جنگ میں زیادہ تر فوجی ضروریات پر مرکوز ہونی چاہئے ملک میں امن و اماں قائم رکھنے پر بھی صرف ہوتی ہے۔ یوتھ کلب کے نوجوان اگر مل جل کر اپنی اپنی بستی میں امن و اماں قائم رکھنے اور اسے شر انگیز عناصر کی کارروائیوں سے محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھالیں تو بہت بڑی ملکی خدمت ہوگی۔

۴۔ آگ بجھانے اور آتش زدگی سے پیدا ہونے والے خوف وہراس کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کریں اور جس وقت ضرورت ہو، کلب کے والنیٹر دستے موقع واردات پر پہنچ جائیں۔ بستی میں آگ لگنے اور بمباری سے لوگ زخمی ہوجایا کرتے ہیں اس لئے یوتھ کلب کے ممبروں کو فرسٹ ایڈ یعنی فوری طبی امداد کی تربیت بھی حاصل کرنی چاہئے تاکہ جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

۵۔ فوجی مورچے میں استحکام پیدا کرنے کے لئے اس وقت روپیہ، سونا، خون اور سپاہیوں کی بھرتی کی ضرورت ہے۔ یوتھ کلب کے نوجوان ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پیداوار میں اضافہ اور معاشی استحکام

فوجی اور دفاعی ضرورتوں کے علاوہ دوسری اہم ضرورت یہ ہے کہ زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ ہو اور ملک معاشی بدحالی کے چنگل سے آزاد رہے۔ دورانِ جنگ میں کوئی ملک اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے کسی دوسرے ملک کی امداد کے اوپر تکیہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے یوتھ کلب ملک کو زرعی اور صنعتی پیداوار کے معاملے میں خودکفیل بنانے میں نہایت اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔

دیہی یوتھ کلبوں کے ممبر اپنے گھروں کے آس پاس یا جہاں کہیں زمین میسر ہو انفرادی یا مشترکہ طور پر گھر کی ضرورت کے لئے ترکاریاں اور دوسری ایسی فصلیں تیار کر سکتے ہیں جن کے لئے عموماً پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں انگلستان میں ایک مہم چلائی گئی تھی جس کے تحت گھروں کے لان اور باغیچوں کو بھی غذائی اجناس پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ ہمارے ملک میں زمین کی اتنی کمی تو نہیں ہے کہ باغیچوں اور لان کو کھیت بنانے کی ضرورت ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ گاؤں میں بہت سی زمین بے کار پڑی رہتی ہے جسے اگر استعمال کیا جائے اور اس میں سبزیاں، موسمی پھل اور ترکاریاں اُگائی جائیں تو بستی کا بہت سا پیسہ بچ سکتا ہے اور اُسے جنگی زمانے کی دوسری اہم ضرورتوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مرغیاں، بھیڑیں اور بکریاں پالنے اور ان کی نسلیں بڑھانے کا کام ہے جس سے غذائی ضرورتیں بہت حد تک پوری ہو سکتی ہیں اور معاشی بدحالی کے فکر سے ملک کو نجات مل سکتی ہے۔ یوتھ کلب ان کاموں میں بڑی خوبی سے ہاتھ بٹا سکتے ہیں جو عموماً بڑی عمر کے لوگوں کے ہاتھوں ممکن نہیں ہوتے۔

گوبر جیسی قیمتی چیز ہمارے گاؤں میں اُپلے بنا کر پھونک دی جاتی ہے۔ حالانکہ گوبر کی کھاد اگر مناسب طریقے سے کھاد تیار کرنے والے گڑھوں میں بنا کر کھیتوں میں استعمال کی جائے تو پیداوار میں قابلِ قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔ یوتھ کلب کے ممبر عہد کر لیں کہ ہر ممبر کم از کم دو گڑھے ضرور بنائے گا اور گوبر کو ضائع ہونے سے بچا کر کھاد کے لئے استعمال کرے گا۔

افواہوں کا انسداد

سنکٹ اور پریشانی کے زمانے میں افواہیں آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کرتی ہیں۔ جنگ کے زمانے میں تو دشمن خاص طور پر کوشش کرتا ہے کہ لوگوں میں غلط قسم کی افواہیں پھیل جائیں تاکہ لوگ خوف زدہ ہو کر عقل سے کام لینا چھوڑ دیں۔

یوتھ کلب جنگ کے اس مورچے پر بڑا موثر کام انجام دے سکتے ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوان اخباروں میں پڑھ کر اور دوسرے ممبر ریڈیو پر سن کر آپس کے صلاح مشورے سے صحیح خبروں کے خبرنامے تیار کر سکتے ہیں تاکہ عوام تک صحیح خبریں ہی پہنچیں اور اگر معلوم ہو کہ کوئی غلط افواہ لوگوں میں پھیل رہی ہے تو جگہ جگہ پہنچ کر یوتھ کلب کے ممبر اس کی تردید کر سکتے ہیں۔ اس طریقۂ کار سے جہاں ایک اہم جنگی ضرورت پوری ہوگی وہاں نوجوانوں میں اور ان کے وسیلے سے عوام میں سماجی اور سیاسی شعور بھی پیدا ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

سپاہیوں کے گھر والوں کی خبر گیری

یوتھ کلب کے نوجوانوں کی ایک اہم خدمت یہ بھی ہے کہ ان کی بستی کے جو نوجوان مورچے پر گئے ہوئے ہیں، ان کے گھر والوں کی خبر گیری کریں۔ کم از کم اتنا تو وہ کر ہی سکتے ہیں کہ اُن کی چھوٹی موٹی ضرورتوں کو خود پورا کر دیں یا اپنی کوششوں سے بستی کے سرکردہ اشخاص کو ان ضرورتوں کی طرف متوجہ کریں اور پھر ان باتوں سے ان سپاہیوں کو خطوط کے ذریعے مطلع کرتے رہیں تاکہ محاذ پر انہیں گھر کی فکر اور پریشانی سے نجات رہے۔

نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سنکٹ کب تک قائم رہے گا اور یہ جنگ کب تک لڑنی پڑے گی اس لئے قوم کے ہر فرد کو چاہئے وہ بچہ ہو، نوجوان ہو یا بوڑھا ہو، ہر وقت آزمائش کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ قوم کی امیدیں بہرحال نوجوانوں سے خاص طور پر وابستہ ہیں، اور ہمارے نوجوان کمربستہ ہو جائیں تو ہماری آزادی کا پرچم ہمیشہ سربلند رہے گا۔

(بقیہ صفحہ ۱۷)

کی جائے گی کہ وہ اپنے اپنے یہاں یونیسکو کی مدد سے خواندگی کے طریقے مکمل اور مرتب کر لیں۔ اس سلسلے میں روایتی طریقوں کے ساتھ ساتھ دکھا سنا کر تعلیم دینے کے جدید آلات بالخصوص ٹیلی ویژن کا بڑا اہم اور دور رس کردار ہوگا۔

(یونیسکو فیچرز)

پنچایتوں کو
آل انڈیا پنچایت پریشد نئی دہلی کا پیغام

آل انڈیا پنچایت پریشد نئی دہلی نے اپنی ورکنگ کمیٹی اور جنرل کاونسل کے اجلاسوں میں ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پنچایتوں کو قومی سنکٹ کے زمانے میں ملک کے تحفظ کے سلسلے میں کیا کام کرنے چاہئیں۔ ذیل میں ہم اس قرارداد کے وہ حصے نقل کرتے ہیں جن میں پنچایتوں کے کرنے کے کام بتائے گئے ہیں۔ ——— ایڈیٹر

پریشد کو اس بات کا پورا پورا یقین ہے ——— اور جس پر وزیر اعظم اور دوسرے رہنماؤں نے بھی زور دیا ہے کہ کوئی ملک خصوصاً وہ جس کا ضابطۂ حکومت جمہوری اور امن پسندانہ ہو، صرف سرکاری کوششوں کے سہارے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس کے تحفظ کا اہتمام صرف اس کی سرحدوں ہی پر نہیں بلکہ اس کے کھیتوں، کارخانوں، اسکولوں، اور کالجوں، اداروں اور سنستھاؤں، غرض شہری زندگی کے ہر پہلو اور ہر گھر میں ہوتا ہے۔

عوام نے چینی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے جس عزم و ارادے اور جوش و خروش کا اظہار کیا ہے، وہ بہت مبارک اور قابل ستائش ہے لیکن اسی کے ساتھ اس بات پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے کہ جو عوامی قوتیں کرشمہ سا شکل میں ظاہر ہوئی ہیں، انھیں منظم کرکے صحیح راہ پر لگایا جائے۔ پنچایتی راج کے ادارے خصوصاً گاؤں پنچایتیں، جو ہماری جمہوری تنظیم اور ریپبلک کے سنگ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں، مذکورہ بالا عوامی قوتوں کو منظم کرنے اور صحیح راہ پر لگانے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

دستور عمل

اس اہم منصب کا سب سے جان دار پہلو کھیتوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے سے متعلق ہے۔ اس پہلو کی تکمیل کے لئے پنچایتوں کو اور کاموں کے علاوہ یہ کوشش بھی کرنی چاہئے کہ

(الف) گاؤں کے تمام کسانوں اور مزدوروں کو متحد کیا جائے تاکہ کام منصوبے کے مطابق اور مل جل کر ہو سکے۔ یہی وہ زرّیں اصول ہے جس کی عدم پیروی کی وجہ سے ہمارے گاؤں پچھڑے ہوئے ہیں۔

(ب) لوگ کچھ کام رضاکارانہ طور پر کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں تاکہ ہر تندرست اور مستعد مرد اور عورت روزانہ کم سے کم ایک گھنٹہ ملک کے بچاؤ کے لئے مفت کام کرے۔ اس مفت اور رضاکارانہ محنت کو گاؤں ہی کی فلاح و بہبود کے (گاؤں کا خوشحال ہونا در اصل ملک کے بچاؤ ہی کی ایک شکل ہے) مختلف کاموں پر صرف کیا جائے گا، جیسے کھیتی کی بہتری کے لئے چھوٹے چھوٹے منصوبے ہیں مثلاً سینچائی کے لئے کنوئیں کھودنا، کمپوسٹ کھاد کے لئے گڑھے کھودنا، درخت لگانا، سڑکیں بنانا یا عام بہبود کے دوسرے کام ہیں مثلاً اسکول، ہسپتال، نالے وغیرہ کی تعمیر۔

(ج) گاؤں اپنی معاشی سرگرمیوں کو اس ڈھنگ سے منظم کریں کہ اس کے پاس جو جو وسائل ہیں، ان کا پورا پورا استعمال ہو سکے اور ہر تندرست شخص کو (کھیتی باڑی، دیہی صنعتوں اور پبلک ورکس میں) کام مل سکے۔ تمام سرکاری محکموں اور پنچایتی راج کی تمام سنستھاؤں کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ گاؤں کے بنیادی کاموں میں بلا تامل فوراً کے فوراً امداد بہم پہنچائیں۔

پنچایتیں سیلف گورنمنٹ کے نہایت موثر ادارے ہیں۔ اس اعتبار سے انھیں اپنے گاؤں کے تحفظ اور بقائے امن کا انتظام اس طرح کرنا چاہئے کہ آپس کے جھگڑے ٹنٹے باہمی صلح صفائی یا ثالثی کے ذریعے نمٹ جایا کریں، شرارت پسند اور سماج دشمن عناصر دبے رہیں، گاؤں کے تحفظ کی باقاعدہ تنظیم بن جائے، لوگ ہوم گارڈ کے دستوں میں بھرتی ہوں، اور ان دستوں کی ٹریننگ کا انتظام ہو، افواہوں کی سختی سے روک تھام ہو اور جنتا کے حوصلے قائم اور بلند رہیں۔

سنکٹ کے زمانے میں چیزوں کی قیمتوں کا ایک معیار پر قائم رہنا بے حد ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ اگر چیزوں کی قیمتیں چڑھ جائیں گی تو اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ ملک کے تحفظ کا خرچ بڑھ جائے گا بلکہ خود عوام کی پریشانیاں

بڑھ جائیں گی اور افراط زر رک جائے گی۔ پنچایتیں اس کام میں مختلف طریقے اختیار کر کے بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں مثلاً پیداوار بڑھائی جائے جس سے قیمتیں خود بخود گر جائیں گی۔ لوگ اپنی ضرورت کی چیزوں میں جیسے اناج اور کپڑا وغیرہ ہے، اپنی ضرورت بھر کے لئے مال خود تیار کر لیا کریں۔ شادی بیاہ اور دوسری سماجی اور مذہبی تقریبوں میں جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں، وہ بند ہو جائیں۔ پنچایتیں بڑی کامیابی سے ان باتوں میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کر سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کا قیام ہے جن سے یہ مقصد کامیابی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ان ذاتی اور مقامی کوششوں کے ساتھ پنچایتوں کو چاہئے کہ وہ ریاستی ڈیفنس فنڈ میں سرمایہ اور خون کے بینک کے لئے خون دینے کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں۔

ایک دوسرا نہایت اہم کام محاذ پر گئے ہوئے سپاہیوں کے گھر والوں کی خبر گیری ہے۔ پنچایتوں کا فرض ہے کہ وہ ان سپاہیوں کے گھر والوں کی ضروریات کی تکمیل اور ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے باقاعدہ تنظیمیں بنا کر کام کریں۔

سنکٹ کی ایک زبردست للکار

پریشد کی آخری مگر سب سے اہم سفارش یہ ہے کہ موجودہ سنکٹ ایک نہایت دوررس سماجی انقلاب کا متقاضی ہے۔ آج سماج اور اقتصادی تنظیم میں جو ناہمواریاں اور ناانصافیاں پائی جاتی ہیں وہ اگر بدستور موجود رہیں گی تو ملکی تحفظ کے لئے جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ کمزور ہو جائیں گی اور ملک میں یک جہتی قائم نہیں رہ سکے گی۔ چین کی للکار صرف فوجی للکار ہی نہیں ہے بلکہ ایک انقلابی چیلنج ہے، وہ چاہتا ہے ہم چین کی انقلاب کی برائیوں کو دور ہی کر دیں جوں کا توں قائم رہے گا۔ اگر ہم نے اپنی سماجی اور اقتصادی ناہمواری کو دور کر کے ایک مساوات پسند سماج کی تعمیر نہ کی۔

پنچایتیں اس للکار کا بھی جواب دینے میں بھی بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ گاؤں کے سماج کو ایک خاندان کی شکل میں تبدیل کر دیں جس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں، ایک دوسرے کے کام میں ہاتھ بٹائیں اور پورا پورا اشتراک کریں جس میں کسی فرد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوئے بغیر نہ رہیں، اور کوئی شخص انسانی اور شہری حقوق سے محروم نہ رہے۔ اس سمت میں پنچایتیں اتنا تو کم سے کم کر ہی سکتی ہیں کہ گاؤں کے سب لوگ مل کر اعلان کر دیں اور یقین دلا دیں کہ "کسی شخص کے ساتھ اچھوتوں جیسا سلوک نہیں کیا جائے گا، کوئی شخص بھوکا نہیں رہے گا، کوئی بے گھر کا نہیں رہے گا، ہر شخص کی خبر گیری کی جائے گی۔ اور بے سہارا بیواؤں اور یتیم بچوں کی امداد و اعانت اور خبر گیری پورے سماج کا فرض ہو گا۔"

تعلیم و ترقی کے مضامین

تیرہواں سال ۱۹۶۲ء

مارچ ۱۹۶۲ء

اشارات

بنیادی تعلیم کا اصول اور سوشل ایجوکیشن

شفیق میموریل

اصول و نظریات

بالغوں کی تعلیم میں سکونتی اداروں کا مقام

پروفیسر جی۔ ایس۔ ریبالڈ

افکار و مسائل

سوشل ایجوکیشن میں پتھک میتھڈ۔ شری شانگ رام پتھک

نوجوانوں کی تنظیم کا ایک وسیلہ: اسکول کا توسیعی پروگرام

شری جے۔ ایس۔ پردیشی

کہانی

نئی سڑک .... برکت علی فراق

رفتارِ کارواں (خبریں)

اپریل ۱۹۶۲ء

اشارات

امید کی کرن

خواندگی کا مسئلہ

الف: بحث کی کچھ بنیادیں

خواندگی یا خاتمۂ ناخواندگی۔ شفیق صاحب

خواندگی: تعریف اور تنظیم۔ ایشیائی سیمنار میسور

خواندگی: مسئلہ اور حل۔ جل پور نیشنل سیمنار

ان پڑھ بالغ کو کیسے پڑھائیں۔ فرینک سی لاباخ

ب: خیالات اور رائیں

ناخواندگی کا تاوان۔ شری سوہن سنگھ

خواندگی میں مربوط طریقۂ تعلیم کا استعمال (پتھک میتھڈ)

شری شانگ رام پتھک

بالغوں کا اسکول: ایک تجربہ۔ شری عبدالرشید صدیقی

مئی ۱۹۶۲ء

اشارات

دیدہ و دل فرشِ راہ

خدمتِ خلق سے پہلے خدمتِ نفس۔ ڈاکٹر ذاکر حسین

اصول اور نظریات

اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب

(ا) اصلاحی منصب ... ڈاکٹر براؤن سن

افکار و مسائل

اڈلٹ ایجوکیشن: وقت کا سب سے بڑا مطالبہ۔

نکھل رنجن رائے

بالغوں کی خواندگی: دہلی سیمنار کی سفارشات

عورتوں کی تعلیم ۔ سینہہ کمار چودھری

رفتارِ کارواں (خبریں)

جون ۱۹۶۲ء

اشارات

تعلیمی پالیسی کے مقاصد اور عوامی تعلیم

اصول و نظریات

کم ترقی یافتہ ملکوں کی ضرورت صرف ابتدائی
تعلیم پوری نہیں کر سکتی

افکار و مسائل

گاؤں گاؤں لائبریری۔ شری جگدیش شرن شرما
لائبریرین پنجاب یونیورسٹی

تعلیمی مرکز کامیاب کیسے ہوں؟
شری دیش نائب نگران تعلیم اودے پور

پٹھک میتھڈ

خط و کتابت کے ذریعہ تعلیم کا ایک خاکہ
رورل انجینیرنگ (پہلا سبق) شالگ رام پٹھک

رفتارِ کارواں (خبریں)

جولائی ۱۹۶۲ء

اشارات

پنچایتی راج پر حقیقت پسندانہ نظر سے غور کرنے کی
ضرورت

اصول و نظریات

اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب۔ (۲) پیشہ ورانہ
منصب (۳) نسبتی یا تعلقاتی منصب
ڈاکٹر برائی سن

افکار و مسائل

کیا خواندگی کی مفت تعلیم دینا مناسب ہے؟۔ ہومر کیمپفر
صنعتی ترقی کی بنیاد ۔ زراعت

تجربے

بچوں کی اصلاح کا مسئلہ اور ستھا؛ بال سہیوگ دلی
کا ایک تجربہ ۔ مجیب اشرف

بیداری جھلک

ہندوستان کے گاؤں کی نئی زندگی؛ تصویروں
کے آئینے میں

رفتار کارواں (خبریں)

اگست ۱۹۶۲ء

اشارات

پنچایتیں اور سیاسی پارٹیاں

اصول و نظریات

اڈلٹ ایجوکیشن کے پانچ منصب (۴) لبرل منصب
ڈاکٹر برائی سن

ہندوستان میں کمیونٹی سنٹروں کی ابتدا
شری نیگی رام گپتا

تجربہ

نینی تال میں بالغ ڈے ہوم۔ شری قیصر نقوی

افکار و مسائل

پنچایتی راج میں اڈلٹ ایجوکیشن
شری لکشمی نراین تیواری

یوجنا کی کامیابی کے لئے مقامی وسائل کا استعمال
شری ستیش چندر آئی۔ اے۔ ایس

ہندوستان میں کثرت آبادی کے مسائل۔
شری چندر شیکھر

رفتارِ کارواں (خبریں)

ستمبر ۱۹۶۲ء

اشارات

تاریخی موڑ

اصول و نظریات

بالغوں کی تعلیم کا گُر　　ڈاکٹر برائی سن

افکار و مسائل

جمہوریت کی تعلیم۔　　پروفیسر محمد مجیب
خواندگی اور سوشل ایجوکیشن۔ برکت علی فراق
پنچایتوں کے ذریعہ فیملی پلاننگ
کماری اندر کماری اوجھا

تعارف

امریکہ میں سماجی بہبود کے کاموں کی ایک جھلک
شری شمس الدین

اترپردیش کے نوجوان کلب۔ شری پریم ناتھ کھنہ

رفتارِ کارواں (خبریں)

اکتوبر ۱۹۶۲ء

اشارات

اس کو بھولانہ چاہیے کہنا

افکار و مسائل

خواندگی کے مختلف طریقے (۱) خواندگی کی مختصر تاریخ (۲) لاباخ میتھڈ (۳) ہندی پڑھانے کا لاباخ میتھڈ　　برکت علی فراق

تجربے

دہلی میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ شہریت کی تعلیم کا تجربہ۔　　شری نعمان لطیف

گاؤں کا اپنا کتب خانہ۔ لٹریسی ہاؤس کا ایک تجربہ
شری ای۔ سی۔ شا

نوجوانوں کی تعلیم

دیہاتوں کے نوجوان کلبوں کے مقاصد اور طریق کار۔
شری جے۔ ایس پردیشی

نومبر ۱۹۶۲ء

جنگ کا تعلیمی محاذ　　ایڈیٹر

ایک معذرت: ایک درخواست

جنگ کے ماحول میں سماجی تعلیم کا رخ
شری شالگ رام پھٹک

اترپردیش کے بلاکوں میں کمیونٹی سنٹروں کے قیام کا منصوبہ۔

کمیونٹی سنٹروں کے کام کا خاکہ　دیہاتی منڈپھا

سوشل ایجوکیشن کی منزل

سوشل ایجوکیشن سے ہماری مراد ہے ایسی تعلیم جو ایک مکمّل انسان کی تخلیق کرے۔ یہ اسے خواندگی عطا کرے گی جس سے کائنات کے علم تک اس کی رسائی ہو گی؛ یہ اسے اپنے ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کا گُر بتائے گی اور جن حالات میں وہ رہتا ہے، ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے طریقے سمجھائے گی ؛ اس کے ذریعے اسے ترقی یافتہ صنعتیں اور پیدا آوری کے ڈھنگ سکھائے جائیں گے تاکہ وہ معاشی خوشحالی حاصل کر سکے۔ اس کو یہ مبادی صحت کی تعلیم دے گی، اس طرح کہ اس سے وہ خود بھی مستفید ہو اور اپنی بستی کو بھی مستفید کرے تاکہ ہماری گھریلو زندگی صحت مند اور مسرت بخش ہو۔ اس کا آخری مگر اسی قدر اہم یہ بھی منشا ہو گا کہ وہ اسے شہریت کی تعلیم دے تاکہ وہ دنیا کے معاملات کے متعلق نظر پیدا کر سکے، اور اپنی حکومت کو ایسے فیصلے کرنے میں مدد دے جو امن اور ترقی کی طرف لے جانے والے ہوں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

February 1963.

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

فروری ۱۹۶۳ء

جلد ۱۴ شمارہ ۲

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:
ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

سالانہ چار روپے   فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۴۶۴۷

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع پریس اردو بازار دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

......اور علم کی طاقت بھی

فوج اور پولیس کی کارکردگی کے لئے پہلی شرط ہے طاقت : دست وبازو کی طاقت، قانون کی طاقت اور........؟ اتفاق کی بات ہے کہ طاقت کے معاملے میں اس نشانِ استفہام کے موضوع و مرکز (؟) اس کی وجہ چاہے کچھ بھی رہی ہو، اور خواہ واقعہ بھی اس کے خلاف ہو — یہی دو محکمے بنے رہے ہیں، اور پھر جب بات چل جاتی ہے تو قدرتی بات ہے کہ اس سے متعلق طرح طرح کے محاورے، چٹکلے اور لطیفے بھی مشہور ہو جاتے ہیں۔ مگر اب حالات بدل چکے ہیں، ہندوستان اب وہ ہندوستان نہیں رہا جب اس قسم کے اندیشے اور امکانات وجود پذیر ہو سکتے تھے۔ وہ غیروں کی غلامی کا زمانہ تھا، یہ اپنی حکومت اور اقتدار کا زمانہ ہے۔

حال کی بات ہے کہ وزارتِ داخلہ کے ایک ڈپارٹمنٹ سنٹرل انٹیلی جنس بیورو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس محکمے میں جو کانسٹبل اور سپاہی ان پڑھ ہیں، ان کو خواندہ بنا کر محکمے سے ناخواندگی کی لعنت کو ختم کر دیا جائے۔ نہایت مبارک اور قابلِ تعریف فیصلہ ہے، لیکن اس سے بھی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس فیصلے کو کام کرنے کے سرکاری طریقے "دفتر شاہی" کا پابند نہیں کیا گیا ہے چنانچہ اُدھر فیصلہ ہوا، اِدھر جھٹ پٹ ان ناخواندہ سپاہیوں کو پڑھانے والے، استادوں کی ایک ہفتے کی ٹریننگ کا انتظام بھی ہو گیا۔

اُستادوں کی اس مختصر ٹریننگ کے لئے اس مہم کے منتظموں نے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر، دہلی کی خدمات حاصل کی ہیں اور منصوبہ یہ ہے کہ بیس بیس یا پچیس پچیس کر کے اُستادوں کے تین چار دستوں کو کام چلاؤ ٹریننگ دے دی جائے تاکہ مہم کی بسم اللہ ہو جائے، اس کے بعد کام جیسے جیسے مطالبے اور تقاضے پیش کرتا جائے گا اس کے اعتبار سے تنظیم اور ٹریننگ کے ڈھنگوں میں ردّ و بدل، ترمیم و تنسیخ اور اصلاح و توسیع ہوتی رہے گی۔ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر میں پہلے دستے کی ٹریننگ جس میں بیس آدمی تھے ابھی چند دن ہوئے ختم ہوئی ہے، خواندگی کے ان اُستادوں کے لئے کم سے کم معیارِ قابلیت غالباً میٹرک پاس رکھا گیا ہے۔ خواندگی کے ٹیچر کے لئے میٹرک پاس کا یہ معیار بہت مناسب ہے اور اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ محکمہ دائمی اور سچے دل سے اِس منصوبے میں کامیابی کا متمنی ہے۔

ہم سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے افسروں اور کارکنوں کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے محکمے کے ماتھے سے کلنک کا یہ ٹیکہ دھو پھینکنے کا عزم کیا ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ انھیں اپنے اس منصوبے میں پوری پوری کامیابی ہو۔

لیکن داد و تحسین کے اِن جذبات کے ساتھ ہم محکمے کو اس سلسلے میں چند نہایت اہم باتوں کی طرف متوجہ بھی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ اگر ان باتوں کو دھیان میں نہ رکھا گیا تو یہ ساری محنت اور جانکاہی اکارت بھی جا سکتی ہے۔

۱۔ خواندگی خود تعلیم نہیں ہے، بلکہ تعلیم کا ایک آلہ ہے۔ اب جس حد تک اس آلے میں تیزی اور جان ہوگی اسی اعتبار سے تعلیم بھی کارآمد اور مفید ہوگی۔ اس لئے خواندگی کا معیار مقرر کرتے وقت اس معیار سے پرہیز کیا جائے جو انگریزی دورِ حکومت میں عام طور پر رائج تھا، یعنی یہ کہ ان پڑھ کو اتنا آجائے کہ وہ اپنا نام لکھ لے اور کسی کا لکھا ہوا پڑھ لے۔ موٹے موٹے حرفوں میں چھپی ہوئی آسان زبان کی کوئی کتاب پڑھ لے اور اُلٹا سیدھا تھوڑا بہت — غلط سلط ہی سہی — لکھ لے، اور گنتی اور حساب اتنا جان جائے کہ ہندسے پڑھ لیا کرے اور موٹے جھوٹے حساب لگا لیا کرے۔ خواندگی کا اگر یہی معیار آج بھی قائم رکھا گیا تو چونکہ اس سے خواندگی میں کوئی فائدہ نہیں نظر آئے گا اس لئے نوخواندہ بالغ اس سے آہستہ آہستہ کنارہ کرنے لگے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ چار چھ مہینے میں وہ پھر ناخواندگی کی حالت کو پہنچ جائے گا۔

۲۔ اس معیار کے مقابلے میں موجودہ معیارِ خواندگی ہے جسے عام طور پر فنکشنل لٹریسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کے اگرچہ بہت سے معنی لگائے گئے ہیں، لیکن ہمیں اس کا وہ مطلب اپنے سامنے رکھنا چاہئے جو یونیسکو کے زیرِ اہتمام ماہرینِ خواندگی کی ایک جماعت نے نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ

> کسی ناخواندہ شخص کو خواندہ اُس وقت کہا جائے گا جب وہ اتنا علم اور اتنی مہارت حاصل کر لے جو اُسے اپنے گروہ یا جماعت میں ان سب کاموں کو نتیجہ بخش طور پر انجام دینے کے لائق بنا دے جن میں خواندگی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جس نے پڑھنے لکھنے اور حساب کتاب میں اتنی مہارت اور مشق بہم پہنچا لی ہو کہ اُن سے اپنی شخصی اور اپنی جماعت کی ترقی و فلاح کے لئے برابر کام لے سکے۔

خواندگی کا یہ معیار، ظاہر ہے، مہینے دو مہینے میں ایک پرائمر اور اس کے بعد کی چند کتابیں پڑھا دینے سے حاصل نہیں ہو سکے گا، اس لئے ہماری رائے ہے کہ محکمہ اپنے منصوبے کو "خاتمۂ ناخواندگی" ہی تک محدود نہ کرے بلکہ اگر ممکن اور مناسب ہو تو اپنے محکمے میں "اڈلٹ ایجوکیشن ڈویژن" کے نام سے ایک باقاعدہ شعبہ قائم کر کے خواندگی کے بعد کی تعلیم کا مستقل اور باضابطہ بندوبست کرے۔ اس انتظام سے دو فائدے تو بالکل ظاہر ہیں:

۱۔ اس وقت جو اَن پڑھ سپاہی خواندگی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اُن کی خواندگی کی صلاحیت پختہ اور فنکشنل لٹریسی کے معیار پر پہنچ جائے گی۔

۲۔ ان نوخواندہ سپاہیوں میں جو سپاہی جواں سال ہوں گے اور آگے بڑھنے اور ترقّی کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں گے ان کے لئے آگے کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا اور وہ اپنے فاضل وقتوں میں اپنے تعلیمی معیار کو بڑھا کر ہائی اسکول اور پھر اس سے آگے بڑھ کر یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہو سکتے ہیں۔

تیسرا فائدہ اس شعبۂ تعلیم بالغان کا جو محکمے کو پہنچے گا وہ دور سے تو شاید نظر نہ آئے لیکن اپنے اثر کے اعتبار سے اتنا اہم ضرور ہو گا کہ ہندوستان کے دامن پر اپنے کام کو عبادت اور ذمّے داری کے احساس کے ساتھ انجام نہ دینے کا جو ایک بدنما سا داغ ہے اس کے دُھلنے میں اس کوشش سے مدد ملے گی۔

ہمیں امید ہے کہ سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کی اس پہل سے دوسرے سرکاری محکموں میں بھی جوش عمل کی لہر پیدا ہو گی اور وہ بھی اپنے اپنے یہاں سے "ناخواندگی اور جہالت" کی لعنت کو ختم کرنے کا عہد باندھ لیں گے تاکہ جب دنیا کے ملکوں کے ساتھ خواندگی کے معاملے میں ہندوستان کا مقام متعین کیا جانے لگے تو اعداد و شمار کے ماہرین اسی کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھنے پر مجبور ہو جائیں کہ

"مگر حکومت کے محکمے اور دفاتر ناخواندگی اور جہالت کی لعنت سے پاک ہیں"۔

خواندگی کے مختلف طریقے

(مسلسل)

جنوری ۱۹۶۳ء میں شری بھگوان داس اوستھی کے طریقہ خواندگی کا تعارف دیا گیا تھا۔ زیر نظر شمار میں ہم شری شالگ رام پتھک کے "بنیادی لفظ" (کی ورڈ میتھڈ) کا تعارف شائع کر رہے ہیں جو عام طور پر "پتھک میتھڈ" کے نام سے مشہور ہے۔

— ایڈیٹر

پتھک میتھڈ

شری شالگ رام پتھک

شری شالگ رام پتھک نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے خالصتاً گاندھی وادی ہیں۔ چنانچہ آج کل سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں وہ جس تصور کا پرچار کر رہے ہیں، وہ وہی تصور ہے جو گاندھی جی کے بنیادی تعلیم کے تصور کی بنیاد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خواندگی ہو یا سوشل ایجوکیشن کی تعریف میں آنے والی کوئی تعلیم ہو، اس وقت تک بالغ کی زندگی کو متاثر نہیں کر سکتی جب تک اسے کسی بنیادی صنعت سے مربوط نہ کیا جائے۔

پتھک جی پبلک لائف میں لڑکپن کے زمانے یعنی سولہ سترہ ہی سال کی عمر سے شریک ہو گئے تھے۔ یہ زمانہ سول ڈِس اوبی ڈِی اِنس کے شباب کا زمانہ تھا۔ چنانچہ وہ ملک کی سیاسی تحریک میں ایک والنٹیر کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ جیل کی یاترا کے بعد انھیں گاندھی جی کے تعمیری پروگرام سے دلچسپی ہوئی اور وہ سیدھے سیواگرام آشرم پہنچ کر گاندھی جی کے ساتھ رہنے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بنیادی قومی تعلیم کی تحریک زوروں پہ تھی اور کانگریس کے تعمیری پروگرام کے کارکن جگہ جگہ بنیادی تعلیم کے مدرسے قائم کر رہے تھے سیواگرام کی بستی کے لئے خود گاندھی جی کے اہتمام میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے اس مدرسے میں کام کرنے کے لئے پٹھک جی کو بھی منتخب کیا۔ پٹھک جی کا بیان ہے کہ "میں کچھ جانتا وانتا تو تھا نہیں، ٹالنے کی بہت کوشش کی، مگر گاندھی جی کے حکم کے آگے کچھ نہ چلی، مگر مجبوری کے اس کام کا مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ میں نے اپنے آپ کو تعلیم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور اسی وقت سے اس تعلیمی تصور کو سینے سے لگائے طرح طرح کے تجربے کر رہا ہوں۔"

بیسک ایجوکیشن کی اسکیم کے ماتحت بچوں کی تعلیم کا کام کرتے کرتے پٹھک جی نے محسوس کیا کہ "یہ ٹھیک ہے کہ بچوں کی تعلیم بہت ضروری ہے"...... مگر "کل" کی فکر کے ساتھ ساتھ "آج" کی خبر لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یعنی بیسک ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ "سماج سکشا" اور "جن سکشا" پر بھی کام ہونا چاہئے پھر بچوں کی صحیح تربیت اچھے اسکول ہی نہیں کر سکتے، اچھا گھر اور اچھا گاؤں بھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔"

یہی احساس پٹھک جی کو بیسک ایجوکیشن سے اڈلٹ ایجوکیشن کی طرف لایا۔ مگر اڈلٹ ایجوکیشن سے اس زمانے میں بالغوں کی خواندگی مراد تھی، چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ "جب میں تعلیم بالغان میں داخل ہوا تو اس وقت میرے سامنے یہ سوال تھا کہ اس میدان میں کون سا رخ اختیار کیا جائے؟ خواندگی کا چرچا تو تھا ہی، میں نے سوچا، کیوں نہ بالغوں کو پڑھانے کا کوئی قاعدہ "گھڑ" ڈالوں، یہی خبط تھا جس نے مجھ سے وہ میتھڈ ایجاد کرایا جو آج کل "پٹھک میتھڈ" کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس وقت نہ اڈلٹ ایجوکیشن کے فلسفے سے مجھے کوئی واقفیت تھی نہ بالغوں کو پڑھانے کے بارے میں مجھے کسی قسم کی کوئی معلومات تھی۔ چنانچہ یہی بات میں نے اس وقت بھی کہی تھی جب میسور کے ایشیائی سیمنار میں مجھ سے اپنے میتھڈ کا تعارف پیش کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔

میتھڈ کا تعارف

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا، پٹھک جی نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے گاندھی وادی ہیں اور تعلیم کی خدمت کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے۔ ان کے طریقۂ تعلیم "پٹھک میتھڈ" میں اُن کی شخصیت کا یہ رُخ پورا پورا نظر آتا ہے۔ طریقۂ تعلیم دراصل اتنا اہم نہیں ہے جتنا طالب علم کو طلب علم پر ابھارنے اور اس کے شوق کو قائم رکھنے کا کام ہے۔ پٹھک میتھڈ اس شرط کے ساتھ کہ اُستاد نے بالغ طالب علموں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے پر آمادہ کر لیا ہے اور اُسے یقین ہو گیا ہے کہ ان کی یہ آمادگی قائم رہے گی ایک کامیاب طریقۂ تعلیم ہے۔ مگر یہ شرط اتنی سخت ہے کہ اس کے اُوپر پورا اُترنا آسان کام نہیں ہے۔

یہ بات کہنے کو تو بالغوں، یا بچوں کے پڑھانے کے ہر طریقۂ تعلیم کے بارے میں کہی جا سکتی ہے اور ہر طریقۂ تعلیم اس شرط پر زور بھی دیتا ہے لیکن اس کا اطلاق خالصتہً روایاتی ہجائی (Alphabetic) طریقے پر خاص طور سے ہوتا ہے۔ خود پتھک صاحب کا کہنا ہے کہ بالغوں کو تعلیم دینے والوں کا انتخاب اور ٹریننگ خوب ٹھونک بجا کر اور بھرپور ہونی چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی کسی علاقے یا ضلعے میں "بالغ خواندگی" کی تنظیم کرنا چاہے، اُسے چاہئے کہ کم سے کم ایک سال کی ٹریننگ حاصل کرے۔ .... پھر اس آرگنائزر کے انتخاب میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے ....
...... اس کا بہت زیادہ پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں، میٹرک پاس ہو تو بھی کافی ہے۔ البتّہ طبعاً "طوفانی واقع ہوا ہو، تحریک کھڑی کرنے کا حوصلہ اور قابلیت رکھتا ہو، دیش اور سماج کے لئے مر مٹنے کے جذبات سے سرشار ہو، سرداری کی صلاحیت رکھتا ہو۔"

ظاہر ہے کہ جب کارکن اِس لیاقت اور اس جذبے سے کام شروع کرے گا اور جو اپنے آپ کو اسی کے لئے وقف کر دے گا تو طالب علم کی آمادگی اور ذوق و شوق کا عالم کیا کچھ ہوگا۔ اس حالت میں پڑھانے یا سکھانے کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے کامیاب ہوگا۔ پتھک جی کا طریقۂ تعلیم ایک اعتبار سے اسی شرط سے مشروط ہے۔ چنانچہ جب لوگ ہر اعتبار سے اُستاد کی بات سننے کے لئے گوش بر آواز ہو جاتے ہیں تو وہ اُن سے کہتے ہیں:

تو پھر آئیے، میرے ساتھ مل کر پریم سے ایک گیت گائیے

(اُستاد کے ہاتھ میں ایک قلم ہوتا ہے۔ اُسے وہ دکھاتے ہوئے گانا شروع کرتا ہے):

قلم سے لکھیں گے، قلم سے لکھیں گے

قلم سے پڑھیں گے، قلم سے پڑھیں گے

قلم سے جئیں گے، قلم سے جئیں گے

قلم سے مریں گے، قلم سے مریں گے

(لوگ کمل کرنے گانے ہوں تو جھنجھوڑ دیجئے۔ گدگدا دیجئے)

قلم نے لکھے وید، گیتا پُران

قلم نے لکھے بائبل اور قرآن

قلم نے لکھا مہابھارت کا گان

یہی سب پڑھیں گے یہی سب سُنیں گے

گیانی بنیں گے دھیانی بنیں گے

قلم سے لکھیں گے، قلم سے پڑھیں گے   قلم سے جئیں گے، قلم سے مریں گے

قلم نے وطن کی کہانی لکھی

قلم نے پتن کی کہانی لکھی

قلم نے ہون پاٹھ پوجا لکھی

قلم نے دھرم کی کہانی لکھی

قلم نے جنم کی کہانی لکھی

قلم نے مرن کی کہانی لکھی

قلم سے لکھیں گے، قلم سے پڑھیں گے

قلم سے جئیں گے، قلم سے مریں گے

قلم نے لکھا من پہ قابو کرو   قلم نے لکھا آبرو پہ مرو

कलम से लिखेंगे
कलम से पढ़ेंगे
कलम से जियेंगे
कलम से मरेंगे

कलम

कलम

क ल म

क---ल---म

क — ल — म

قلم نے لکھا جینا اُس کا ہے ٹھیک　　　سدا جو رہا دین دکھیوں کا میت

قلم نے لکھا جیون اُس کا بھلا　　　سبھی کے بھلے میں جو جیون لگا

یوں ہی جئیں گے، یوں ہی مریں گے　　　یہی سب پڑھیں گے یہی سب لکھیں گے

قلم سے لکھیں گے، قلم سے پڑھیں گے

قلم سے جئیں گے، قلم سے مریں گے

یہ گیت بڑے جوش و خروش سے گایا جاتا ہے اور اس میں جو الفاظ ذرا مشکل ہیں، مثلاً بائبل، قرآن، وطن، پتن وغیرہ ان کو اچھی طرح باقاعدہ تقریر کر کے سمجھا دیا جاتا ہے۔ اس رونق اور چہل پہل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لفظ "قلم" طالب علموں کے دل و دماغ میں سما جاتا ہے۔ جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو ٹھیک ٹھیک "اُستاد ان کے سامنے پہلا چارٹ کھولتا ہے اور طلباء کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

"کچھ لال لال کالا کالا لکھا دیکھ رہے ہونا" (الفاظ خصوصاً "قلم" کے اوپر انگلی پھیرتے ہوئے)

"ہاں" سب کہیں گے۔

(پھر اچانک ایکٹنگ کرتے ہوئے ایک سے پوچھ بیٹھتا ہے)

"بتا سکتے ہو یہ کیا لکھا ہے؟"

(سب خاموش ہوں گے، انھیں اچنبھا ہوگا ہوگا اور حیران ہو جائیں گے۔ پھر اُستاد کہتا ہے)

"نہیں بتا سکتے!! ہم ایک چیز کو دیکھ کر بھی نہ بتا سکیں، یہ ہمارا اندھاپن ہی تو سمجھنا چاہئے اور اندھاپن بھی عقل کا۔ اس اندھے پن کو دور کرنے کے لئے تو جتنی بھی کوشش کی جائے وہ تھوڑی ہے!!

(پھر تھوڑی دیر وقفہ دینے کے بعد تاکہ طلباء کو سوچنے کا موقع مل جائے)

"بھئی یہ تو وہی لکھا ہے جو ہم آپ ابھی تک گا رہے تھے!

قلم سے لکھیں گے　　　قلم سے پڑھیں گے

"چلئے اب تو بتائیے کیا لکھا ہے؟"
بھجن نما گیت کے موقعے پر اتنی رونق اور ریل پیل ہوئی تھی کہ گیت کی پہلی دو کڑیاں

قلم سے لکھیں گے　　قلم سے پڑھیں گے

قلم سے جئیں گے　　قلم سے مریں گے

ہر شخص کو زبانی یاد ہو گئی ہوں گی اور ہر شخص یہ دو کڑیاں سُنا دے گا۔

قارئین کو پروفیسر مانڈے کا "گیت میتھڈ" یاد ہو گا۔ اس منزل پر پہنچ کر "تھمک میتھڈ" بھی مانڈے میتھڈ سے آ ملتا ہے۔ یعنی قلم کے گیت کی کڑیاں مختلف طریقوں اور مختلف بہانوں سے طلباء کے سامنے لائی جائیں حتیٰ کہ وہ کڑیوں کے الفاظ دیکھ کر بتا دیں کہ فلاں لفظ فلاں ہے۔ مانڈے جی لفظوں کو حروف کی شکل میں بہت آگے جا کر توڑتے ہیں، پر تھمک میتھڈ کے مطابق ابتدا کی تین کڑیوں کے بعد ہی بنیادی لفظ "قلم" کو حروف میں توڑ دیا جاتا ہے اور پھر ان کی خوب مشق کرائی جاتی ہے۔ مثلاً جیسا کہ پہلے چارٹ کے نمونے میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ (لفظ "قلم" لال روشنائی میں دکھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد کالی روشنائی میں، پھر اس کے حروف کو ذرا فاصلہ دے کر لکھا جاتا ہے۔ پھر بالکل الگ الگ اس طرح کہ اُن کے درمیان کا فاصلہ نقطے دار لکیر سے واضح کر دیا جاتا ہے اور آخر میں اتنا ہی فاصلہ دے کر انھیں الگ الگ دائروں کے اندر لکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ چارٹ کے نمونے سے معلوم ہو گا) اس طرح بار بار اور مختلف شکلوں میں ان ہی حرف کو پیش کرنے اور طالب علم کی زبان سے کہلوانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ حروف دماغ میں مرتسم ہو جائیں گے۔

ان حروف کی مشق کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دوسرے دن دوسرے چارٹ میں بھی بنیادی لفظ یہی "قلم" ہی رہتا ہے اور اس کے انہی تین ترکیبی حروف سے مختلف الفاظ بنا کر دکھائے، سُنائے اور کہلوائے جاتے ہیں مثلاً کل کل کل قُلقُل، کم کم، مل، للک وغیرہ۔ اور آخر میں پھر وہی طریق کار یعنی حروف کو الگ الگ اور دائروں میں لکھ کر دکھانا۔ تیسرے چارٹ میں بھی بنیادی لفظ قلم ہی رہتا ہے اور اس کے وہی تین ترکیبی حروف، فرق صرف یہ ہے کہ اس چارٹ میں "آ" اور "ای" ा اور ी کی ماتراؤں کا تعارف دے کر اور پھر ان کی مدد سے انہی تین حروف سے دوسرے جو بہت سے الفاظ بنتے ہیں، ان کی قواعد (ڈرل) کرائی جاتی ہے۔ چوتھے چارٹ میں بھی یہی کچھ ہے۔

پانچویں چارٹ میں قلم کے گیت کی دوسری کڑی (بند) کے چھ الفاظ وطن، تن، چمن، دھرم، جنم اور مرن کو بنیادی الفاظ مان کر آٹھ نئے حروف व, त, न, ध, ह, च, ज, र کا تعارف دیا جاتا ہے اور ان کی ڈرل کا

قریب قریب وہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس کا پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے چارٹ کے بیان میں ذکر آچکا ہے اور یہ سلسلہ ساتویں چارٹ تک یوں ہی جاری رہتا ہے۔

آٹھویں چارٹ میں بنیادی الفاظ اور حروف وہی رہتے ہیں، صرف فرق یہ ہوجاتا ہے کہ ा--- اور ौ کے علاوہ باقی ماتراؤں کا ایک ہی وقت میں اور وہ بھی "ایک ہی سطر" میں تعارف کرا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد ان ماتراؤں کی ترکیب سے بننے والے الفاظ کی ڈرل کرائی جاتی ہے۔ نویں چارٹ میں بائیں جانب ایک کالم میں چھ تصویریں ہیں اور ان کے داہنے ہاتھ پر ان تصویروں میں جو کچھ بنا ہے اس کا نام لکھا ہے اور اہتمام یہ کیا گیا ہے کہ جہاں کوئی ماترا آئی ہے اُسے سُرخ روشنائی سے ظاہر کر دیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ماترائیں جو ابھی علم کی اس بساط پر نواردوں کی حیثیت رکھتی ہیں اچھی طرح جان پہچان لی جائیں۔ دسویں چارٹ میں پڑھائی کے کام کے اختتام کا اعلان ہے جو موٹے حروف میں لکھا ہے اور آگے کے دو چارٹوں میں اسی قدیم اور روایتی طریقے پر حروف لکھ کر ان کے سامنے ان سے شروع ہونے والی اشیاء کی تصویریں بنا دی گئی ہیں۔ نیچے کی سطر میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تصویروں سے ۱۰ تک کی گنتی بنا دی گئی ہے۔ اس طرح پتھک میتھڈ ۲۰×۳۰ سائز کے ۱۲ چارٹوں پر مکمل ہو جاتا ہے۔

ان چارٹوں میں ایک حرف व کسی بنیادی لفظ میں نہیں آتا۔ اس کا تعارف غالباً اُستاد کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ ब پڑھانے کے بعد اس کے دائرے میں اوپر سے نیچے کو ایک ہلکی لکیر کھینچ کر व کی پہچان کرا دے۔ اسی طرح ہندی کے چند پیچیدہ حروف مثلاً ऋ اور ञ کو تو سرے سے چھوڑ ہی دیا گیا ہے، ان کے علاوہ چند اور حروف مثلاً श्र, क्ष, त्र, ज्ञ, य وغیرہ کسی بنیادی لفظ سے مربوط کر کے نہیں سکھائے گئے ہیں بلکہ آخری دو چارٹوں میں تصویروں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں۔

ایک اور کھٹکنے والی بات جو پتھک میتھڈ میں محسوس ہوتی ہے، یہ ہے کہ آدھے اور پورے حروف کے جوڑ کا تعارف سرے سے دیا ہی نہیں گیا ہے، غالباً میتھڈ کے مصنف کا خیال یہ ہے کہ پورے پورے اور ماتراؤں کی ترکیب کے ساتھ حروف کی پہچان مکمل ہو جانے کے بعد پورے اور آدھے حروف کے جوڑوں کا سمجھنا اتنا آسان ہو جائے گا کہ طالب علم بغیر کسی پرائمر یا چارٹ کی مدد کے خود سمجھ لے گا۔

چارٹوں کی مدد سے حرف شناسی کی منزل پر پہنچا دینے کے بعد علم کی راہ پر آگے کے سفر کے لئے پتھک جی نے آسان زبان اور موٹے حروف میں نوسکھ بالغوں کے پڑھنے کی خاطر کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں جو طباعت کے علاوہ ہر اعتبار سے اچھی اور سبق آموز ہیں۔

دیہات کے نوجوانوں کی تنظیم

کچھ غور طلب باتیں

آج ہم پھر ایک آزمائشی دور سے گذر رہے ہیں شاید تمام بڑی قوموں کو ہمیشہ مصیبتوں سے گذرنا ہوتا ہے۔ ترکوں اور انگریزوں کی فتح ہندوستانی نوجوں کی ۱۸۵۷ء کی بغاوت، آزادی کی لمبی چوڑی جدوجہد، خاص طور سے "ہندوستان چھوڑدو" کی تحریک، بحری دستے کی بغاوت، پنجاب اور بنگال کے فرقہ وارانہ فسادات، کشمیر کا مسئلہ، آندھرا، بمبئی، آسام، جبل پور، کیرالہ اور پنجاب وغیرہ کے اندرونی ہنگامے، ناشت گرہ، گوا سے پرتگالی اقتدار کا خاتمہ اور چینی حملہ آوروں سے ہماری نوجوں کا مقابلہ یہ تمام واقعات ایک مسلسل ہنگامی صورت حال کی نشاندہی کرتے ہیں، جن سے ہمارا ملک ایک زمانے سے گذر رہا ہے۔ ہم نے ہمیشہ حق کے لئے لڑائی لڑی ہے اور آخر میں ہمیشہ فتح یاب ہوئے ہیں۔ اس ملک کے تمام طبقوں نے خاص طور سے نوجوان طبقے نے ان حقائق کا مقابلہ صرف میدان جنگ ہیں یا سیاسی تحریکوں اور مظاہروں میں حصہ لے کر ہی نہیں بلکہ فیکٹریوں اور کھیتوں میں اور تعلیمی اداروں میں غرضیکہ ہر مورچے پر بہادری اور جوانمردی کا ثبوت دیا ہے۔

ملک کی قوت کا سرچشمہ: نوجوان طبقہ

نوجوانی کا زمانہ زندگی کا شباب کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ان کے اندر بیحد تخلیقی قوتیں ہوتی ہیں۔ یہ زمانہ ساری زندگی کی تعمیر کا زمانہ ہے۔ ہر قوم کا نوجوان طبقہ سب سے زیادہ قوت ور اور سب سے زیادہ پیداواری صلاحیت رکھنے والا طبقہ ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کی موجودہ زندگی کا جوش و خروش اور آئندہ زندگی کی توقعات خاص طور سے نوجوان طبقے ہی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ جو خاندان، جو بستی اور جو ملک نوجوانوں کی طرف سے بے توجہی برتتا ہے وہ

خود اپنی موت کو دعوت دیتا ہے۔ اس گھر کی عمارت ریت پر ہوتی ہے جو ہوا کے ایک ہی جھٹکے سے تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔

نوجوانوں کی طرف سے بے توجہی

ہمارے ملک کی کل نوجوان آبادی کے ۷۰ فی صدی نوجوان کھیتوں میں کام کرنے والے ہیں ۱۲ سے ۱۳ فی صدی نوجوان مزدوروں اور دست کاروں کی صف میں آتے ہیں، ۸ سے ۹ فی صدی متوسط طبقے کے نوجوان طالب علم ہیں کل ایک فی صدی نوجوانوں کا شمار اونچے طبقے میں کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت حال کے باوجود نوجوانوں کی بہبود کے پروگراموں کا ایک بڑا حصّہ آج بھی شہری نوجوانوں کے لئے وقف ہے، جو کل نوجوان آبادی کا محض ۸ یا ۹ فی صدی حصہ ہیں۔ آج اس بات کی بہت سخت ضرورت ہوگئی ہے کہ دیہات کے نوجوانوں کی ضروریات پر فوری طور پر جنگ کی سی تیاری کے ساتھ توجہ دی جائے۔ چینی حملے کے بعد فوجی بھرتی کے دفتروں کے سامنے جن نوجوانوں نے رات اور دن اپنی باری آنے کا انتظار کیا ہے ان میں سے بیشتر گاؤں کے نوجوان ہی ہیں یا شہروں کے وہ نوجوان ہیں جن کے پاس گزر اوقات کا کوئی معقول ذریعہ نہیں ہے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جوان حب وطن کے جذبے سے سرشار ہو کر فوج میں بھرتی ہونے کے لئے آگے بڑھے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اسی کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ اقتصادی ضرورت بھی اس میں اگر زیادہ نہیں تو اسی درجہ شدید محرک ضرور رہی ہے۔ اب اس طبقے کے لوگوں سے ہم کیا امید رکھ سکتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی عملی صلاحیت کیا ہوگی، وہ کس قدر صحت مند اور توانا ہوں گے اور ان کی معلومات اور ذہن کی سطح کیا ہوگی۔ یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اگر شہروں کے نوجوانوں میں ایک ذہنی انتشار اور ان کے رویہ میں اُفتاد پن ہے تو گاؤں کے نوجوان اپنے آپ کو بے یاس اور مددگار سمجھ کر مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں۔

دیہات کے نوجوانوں کی ضروریات

پنج سالہ منصوبوں کے ماتحت کچھ مخصوص میدانوں میں محدود نوعیت کے ترقیاتی کام ہوئے ہیں۔ ادھر چند سال کے اندر نوجوانوں کی بہبود کے پروگرام چلانے کا خیال کافی رواج پاگیا ہے۔ نوجوانوں میں انتشار اور بے چینی کی جو کیفیت ان دنوں بنارس، علی گڑھ، بنگلور اور ابھی حال میں نئی دہلی کے مختلف ہنگاموں کی شکل میں دکھائی دی ہے، اس انتشار اور ذہنی بے چینی کی کیفیت کو دور کرنے کے لئے اس پروگرام کی ضرورت کا لی شدت سے محسوس کی جانے لگی ہے اور آج جب کہ ملک ایک خاص طرح کے حالات سے گذر رہا ہے اس طرح کے پروگرام نوجوانوں میں تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھار کر

اپنی سیرت کی تعمیر اور زندگی میں نظم و ترتیب پیدا کرنے کے مواقع فراہم کرکے بہت مفید کام انجام دے سکتے تھے۔ اس طرح کے مواقع آج صرف طالب علموں تک ہی محدود نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ موجودہ حالات میں جب کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں گاؤں میں بہت ہی کم ہیں، نوجوانوں کے پروگراموں کو خاص طور سے اسکول کے باہر کے نوجوانوں کو اپنے کام کے دائرے میں لینا چاہئے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاک میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر اگر گاؤں میں نوجوانوں کی بہبود اور تنظیم کا کام زیادہ موثر طریقے پر انجام دیں تو یہ خود ان کے کام کے حق میں بہت مفید ہوگا۔

نوجوانوں کی بہبود کے پروگرام میں مندرجہ ذیل امور پر خاص توجہ کی ضرورت ہے:۔

۱۔ لیڈرشپ

سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ نوجوانوں کی بہبود کے مختلف اداروں اور سنستھاؤں کے کاموں میں ملکی سطح پر یک جہتی پیدا کی جائے اور ان سب کاموں کے تال میل سے نوجوانوں کی بہبود کے ایک ملک گیر تحریک شروع کی جائے۔ قومی یک جہتی کمیٹی اور قومی دفاعی کمیٹی کو نوجوانوں کی بہبود کے پروگرام کو بھی اپنے مخصوص کاموں میں شامل کر لینا چاہئے۔ ہمارے رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ وہ نوجوان نسل کی طرف سے اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ شدت سے محسوس کریں۔

۲۔ روزگار کے مواقع

کام کا مظاہر نوجوان کا پیدائشی حق ہے۔ کام سیرت کے مظاہرے اور تربیت کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے اور زندگی کی گذر بسر کا سہارا بھی۔ اس کے علاوہ یہی ایک ذریعہ ہے جس کے سہارے نوجوان اور بالغ انسان سماجی اور انسانی بہبود کے عمل میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر نوجوان کو کسی پیشے کے لئے تیار کرنا ایک ضروری بات ہے جس میں پیشے کا انتخاب، پیشے کی ٹریننگ اور کسی موزوں کام کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لینے کی صلاحیت کا پیدا ہونا بھی شامل ہے جس سے کہ زندگی کی اقتصادی ذمہ داریوں کو سنبھال کر وہ اپنے خاندان کی ذمہ داریوں کو ایک شوہر یا بیوی کی حیثیت سے اور بعد میں ماں باپ کی حیثیت سے نبھا کر ملک کے اچھے اور کامیاب شہری بن سکیں۔

نوجوانوں کو روزگار دلانے کے لئے مرکزی وزارت محنت و روزگار نے پیشہ ورانہ تربیت کا جو پروگرام شروع کر رکھا ہے اسے دیہاتی علاقوں میں بھی پھیلانے کی اب ضرورت ہے۔

۳۔ خاندانی زندگی

نوجوانوں کی بہبود کے پروگرام میں ایک اور پہلو بھی بہت نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور وہ ہے خاندانی منصوبہ بندی اور جنسیات کی تعلیم۔ ایک زمانے سے ان موضوعات پر بات چیت کرنا ہمارے سماج میں ایک طرح سے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے شہروں میں بھی بس چند ہی لڑکوں اور لڑکیوں کو جنسی معاملات، شادی، اور ازدواجی اور خانگی زندگی کے بارے میں سائنٹفک معلومات حاصل ہو پاتی ہیں۔ انھیں وجوہات سے اکثر نوجوان فحش اور بے ہودہ تصویروں اور غیر صحت مند کتابوں کے مطالعے سے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ جنسی معاملات میں بھی نوجوانوں میں صحیح اور متوازن نظریہ پیدا کیا جائے۔

سماجی خدمت

ہندوستان میں اگر نوجوانوں کے ذریعہ سماجی خدمت کا پروگرام شروع کیا جائے تو اس سے نوجوانوں کو اپنی قوت اور صلاحیت کو صحیح طریقے پر اور یکسوئی کے ساتھ استعمال کرنے کا موقع ملے گا دیہات کے نوجوانوں کو سماجی خدمت کے مختلف پروگراموں میں لگانے کے لئے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنانا ہوگا، جس سے کہ ہر نوجوان کو اپنی پسند کا کام کرنے کا موقع ملے اور اس کام کو شروع کرنے کے لئے ضروری سرمائے کا انتظام اور اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لئے تربیت یافتہ کارکنوں کی ٹیم موجود ہو۔ اس سلسلے میں این۔ سی۔ سی اور اے۔ سی۔ سی کے کیمپ اور دوسری سرگرمیاں منظم کرنے کا تجربہ رکھنے والے دوسرے تجربہ کار اور تربیت یافتہ لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ انسانی ہاتھ پیر کی طاقت جو آج یوں ہی بے کار پڑی ہوئی ہے ہمارے ملک کی بیش بہا دولت ہے۔ اس طاقت کے استعمال کی ملک گیر اسکیم کا شروع ہونا اب بہت دنوں تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا ہے جس کی آج ملک کی نئی تعمیر اور قومی تحفظ کے اقدامات کے لئے بہت ضرورت ہے۔

چند مفید اور دلچسپ مشغلے

اس سلسلے میں گاؤں کے نوجوانوں کی دلچسپی کے اور پیداواری نقطۂ نظر سے چند مفید کام یہ ہو سکتے ہیں:۔

(۱) زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں کو برتنا

(۲) سبزی کی کاشت

(۳) شہد کی مکھیاں پالنا

(۴) پھل دار درخت اور پودے لگانا۔

(۵) مویشی اور مرغی پالنا

(۶) زراعتی اوزار، گاؤں کی چھوٹی چھوٹی مشینوں، بیل گاڑیوں اور سائیکلوں کی مرمت

(۷) قالیچہ اور دری بننا، درزی گیری اور جوتے بنانے کا کام

(۸) ریشم سازی

(۹) ہتھ کرگھے کی بنائی

(۱۰) پھل کو محفوظ رکھنا

(۱۱) کواپریٹیو سوسائٹی قائم کرنا اور چلانا۔

(۱۲) خواندگی اور تعلیم بالغان اور سماجی تعلیم

(۱۳) گاؤں کی صفائی اور صحت کی تعلیم

(۱۴) کھیل کود اور جسمانی تربیت کی دوسری سرگرمیاں

(۱۵) آرٹ، سائنس اور ڈرامہ

(۱۶) سیر سپاٹا اور کیمپ وغیرہ

امریکہ اور روس کے تجربوں سے سبق

سوویت روس میں تعلیم کا ایک بنیادی نظریہ یہ ہے کہ صحیح تعلیم و تربیت بچوں کی زندگی کی ہمہ گیر سرگرمیوں میں نظم و ضبط پیدا کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس نظریے کی بنیاد پر سوویت یونین میں دو بڑی بڑی انجمنیں بن گئی ہیں۔ ایک یعنی ینگ کیمونسٹ لیگ ہے اور دوسری ینگ پائنیرس آرگنائزیشن۔ ۱۰ سے ۱۵ سال کے لڑکے اور لڑکیاں ینگ پائنیرس کی رکن بن سکتی ہیں اس کا کام ہے لڑکوں میں قابلیت، سوجھ بوجھ اور نظم و ضبط پیدا کرنے میں اسکول اور اساتذہ کی مدد کرنا، اسکول کے بچوں میں ذہنی ترقی کی بھوک پیدا کرنا، نوجوانوں میں جسمانی محنت کی عظمت اور محبت کا جذبہ پیدا کرنا؛ اپنی ضرورتوں کو خود پورا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا، اجتماعی اور سرکاری فارموں پر کام کرنے والے

محنت کشوں کی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے میں مدد دینا۔ سبزے لگانا یا زمین کو زرخیز بنانے کا کام کرنا۔
لینن ینگ کمیونسٹ لیگ کے ممبر ریڈیو سیٹ لگانے، جسمانی کثرت کے اکھاڑے بنانے یا نوجوانوں کے
رضاؤں کے لئے جگہ اور عمارت فراہم کرنے، کھیل کے میدانوں میں کھیل کے سامان فراہم کرنے، باغوں کو سجانے
سکول کے میدان میں پھل پھول اور سبزے لگانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے اور اسکول کے لئے تعلیمی سامان
تیار کرنے کا کام کرتے ہیں۔

امریکہ کے فور ایچ کلب

امریکہ میں فور ایچ کلب زراعتی اور فن خانہ داری کے قومی توسیعی پروگرام کے جزو ہیں۔ یہ توسیعی پروگرام امریکہ کے محکمہ زراعت، زراعتی کالجوں اور توسیعی پروگراموں کی کاؤنٹی کونسلوں کے اشتراک سے چلایا جاتا ہے۔ فور ایچ کلب دس سے بیس سال کے نوجوانوں کی تعلیمی اور تفریحی انجمن ہیں جو نوجوانوں کو زراعت کے اچھے طریقے سیکھنے، زراعتی کاموں میں ان کا شوق بڑھانے، گھر کو بہتر طریقہ پر رکھنے اور گاؤں کی بستیوں میں میل جول سے بہتر زندگی گذارنے کی تربیت کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ یہ کلب نوجوانوں کی امداد باہمی کی بنیاد پر کام کرنے، ایک دوسرے کے کام میں ہاتھ بٹا کر زندگی گذارنے اور گاؤوں کی زندگی کی مشکلات کو سمجھنے اور ان میں دل چسپی لینے کے لئے تیار کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ نوجوانوں کی انفرادی صلاحیتوں کو ابھارنے، ان کے ذوق کی تربیت کرنے، ان میں جستجو اور نئی باتیں سیکھنے کا شوق پیدا کرنے اور ایک اچھے شہری کی حیثیت سے ان کے اخلاق و آداب اور کردار کی تربیت کرنے پر بھی یہ کلب خاص توجہ دیتے ہیں۔ اس مقصد سے باقاعدہ پروگرام چلائے جاتے ہیں۔ ہر کلب ایک مقامی رضاکار لیڈر کی نگرانی میں اپنا کام کرتا ہے۔ اس مقامی لیڈر کو کلب کی تنظیم کے کاموں کی باقاعدہ ٹریننگ ملتی ہے جس کا انتظام کاؤنٹی کی ایکس ٹنشن کونسل کرتی ہے جو کلب کے کاموں کی نگرانی بھی کرتی رہتی ہے اور کلب کو مختلف کاموں کے لئے مشورہ بھی دیتی رہتی ہے۔

فور ایچ کلب کے مخصوص کام ہیں غذائی پیداوار اور ان کے تصرف اور جمہوری زندگی گذارنے کے آداب اور طریقے کی معلومات فراہم کرنا اور زمانے کے اہم اقتصادی اور سماجی محرکات سے واقفیت کرانا اور ممبروں میں اپنے ملک اور اس سے باہر کے لوگوں کی طرف سے ایک "اچھے پڑوسی" کے جذبے کی تربیت کرنا۔ ان کاموں کے علاوہ فور ایچ کلبوں کا ایک اہم کام اب ملک کے باہر کے لوگوں کی بہ وقت ضرورت امداد کرنا بھی ہوگیا ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کے مختلف پہلو

اڈلٹ ایجوکیشن سے مراد بالغوں کی تعلیم ہے خواہ وہ اسکولی تعلیم ہو یا غیر اسکولی۔ یہ تعلیم اپنے موضوع اور معیار کے اعتبار سے مختلف اور لامحدود قسم کی ہو سکتی ہے مگر ہر سماج اور ہر ملک میں اس کے اقتصادی، سماجی، معاشرتی اور تعلیمی معیار کے اعتبار سے اس کے ماتحت آنے والے کاموں کی حدیں قائم ہو جاتی ہیں۔ مثال کے لئے ایک ایسے ملک میں جہاں تقریباً سو فی صدی آبادی خواندہ ہو وہاں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام لوگوں کو خواندہ بنانا نہیں رہ جاتا ہے بلکہ اس کا کام خواندگی کے بعد کے مرحلے پر لوگوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کے علم کی بھوک کی تسکین کے لئے ضروری انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایسے ملک میں جہاں خواندگی کا اوسط بہت کم ہے، وہاں اس کا سب سے پہلا کام لوگوں کو خواندہ بنانا ہوتا ہے۔ کیونکہ خواندگی تحصیل علم کا سب سے پہلا اور اہم زینہ مانا جاتا ہے۔ لیکن ایسے ملک میں جہاں خواندگی کا اوسط کم ہو اور ملک نے ترقی کی دوڑ میں بہت جلد ہی آگے نکل جانے کے لئے طرح طرح کے ترقیاتی منصوبے شروع کر رکھے ہوں وہاں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ خواندگی جو لوگوں کو علم کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کرنے کا واحد ذریعہ ہے، اس کی توسیع و اشاعت کا کام بہت اہم ہوتا ہے۔ مگر اس سے کچھ کم اہم کام خواندہ اور ناخواندہ دونوں طرح کے لوگوں کو زمانے کے نئے تقاضوں سے واقف رکھنا، ان میں ترقی کی خواہش پیدا کرنا اور اس کے لئے مختلف وسائل سے انھیں آگاہ رکھنا نہیں ہے جسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستان دنیا کے قدیم ترین ملکوں میں ایک ہے۔ اس کے تمدن کی تاریخ کئی ہزار سال پرانی ہے آج بھی وہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ اس میں دنیا کے دوسرے ملکوں کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کا حوصلہ بھی ہے جس کے لئے اس نے ایک بہت سوچی بھی ترقیاتی یوجنا چلا رکھی ہے۔ ۴۴ کروڑ آبادی کا یہ ملک خواندگی کے لحاظ سے ابھی کافی پیچھے ہے۔ سو میں ۲۴ آدمی ہی خواندہ ہیں یعنی ۳۳ کروڑ آدمی ایسے ہیں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے ہیں۔ یہ تعداد دنیا کے کل ناخواندہ لوگوں کے ایک چوتھائی کے برابر ہے۔ ہمارے یہاں آبادی جس تیزی سے پھیل رہی ہے اور اس کے مقابلے میں تعلیم کی سہولتیں جتنی کم

ہیں اس سے یہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۳۲ کروڑ ناخواندہ لوگوں کی آبادی آیندہ دس سال میں پچاس کروڑ تک پہنچ جائے گی۔ اگر یہاں بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے کاموں کو تیز نہیں کیا جاتا ہے تو ہندوستان کی جمہوری زندگی بہت کھوکھلی ہو کر رہ جائے گی۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے سامنے یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ مگر اس سے بڑا چیلنج اتنی بڑی ناخواندہ آبادی کو جسے خواندہ بنانے میں ابھی کافی وقت لگے گا، جمہوری زندگی کے آداب و اطوار کی تربیت دینا اور آج کے زمانے میں تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان میں دلچسپی لینے کے لئے تیار کرنا ہے

موجودہ صورتِ حال میں ہمارے ملک میں اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف رخ یہ ہو سکتے ہیں:۔

(۱) ہندوستانی تہذیب کے اچھے پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور لوگوں میں اس کی عظمت کا احساس پیدا کرنا۔ کسی بھی قوم کے لئے اس کے تہذیبی ورثے کی بہت اہمیت ہوتی ہے یہ ورثہ جتنا ہی عظیم الشان ہوگا، اس قوم کے لوگوں میں زندگی میں ترقی کرنے کی خواہش اتنی ہی شدید ہو گی۔

(۲) اپنی تہذیب کی عظمت کا احساس اکثر لوگوں کو نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں قبول کرنے اور نئی نئی قدروں کو اختیار کرنے کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ تعلیم بالغان کے پروگراموں کے ذریعہ لوگوں میں نئی نئی باتوں کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے طور طریقے اور طرز فکر میں تبدیلیاں لانے کا حوصلہ پیدا کیا جائے۔

(۳) افراد کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھار کر ان کی شخصیت کی ہمہ گیر نشو و نما کرنا

(۴) لوگوں کے نقطۂ نظر میں وسعت لانا جس سے کہ وہ اس ملک کے اچھے شہری بن سکیں اور ان میں دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرف سے ہمدردانہ جذبہ پیدا ہو۔ آج ہمارا ملک ترقی کی جس منزل پر ہے اور آیندہ اس نے اپنی ترقی کی بنیاد امن عالم کو قرار دیا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں دنیا کے دوسرے ملکوں اور ان کے مسائل کو ہمدردانہ سمجھنے کا جذبہ موجود ہو۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کا خاکہ مندرجہ ذیل ہو سکتا ہے۔

سماجی تعلیم

ترقیاتی کاموں سے لوگوں کو روشناس کرانے، ان کاموں میں عوام کا تعاون حاصل کرنے، لوگوں میں شہریت کی تعلیم پھیلانے اور جمہوری ملک کے شہری کی حیثیت سے ان میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرانے کی مختلف

تدبیروں کا اختیار کیا جانا آج بہت ضروری ہے۔موجودہ دور کی یہ وہ باتیں ہیں جو لوگوں کو ضرور جاننی چاہیئیں۔
ان باتوں کو جاننے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ لوگ خواندہ ہی ہوں اور نہ اس طرح کا پروگرام تمام لوگوں کے خواندہ ہو جانے تک کے لئے ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ فلموں، ریڈیو، پوسٹروں اور جلسے جلوسوں کے ذریعہ ناخواندہ لوگوں تک آج کی زندگی کے پیغامات پہنچائے جائیں اور ان میں حوصلہ پیدا کیا جائے کہ ایک آزاد جمہوری ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے انھیں جو حق ملا ہے اس کا وہ مناسب استعمال کریں اور اس ملک کی قسمت کو سنوارنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں اس لئے کہ اس سے ہی ان کی قسمت وابستہ ہے۔

خواندگی

ریڈیو سنا کر یا فلمیں اور تصویریں وغیرہ دکھا کر جو باتیں لوگوں کو بتائی جاتی ہیں لوگ انھیں دوسروں کی بتائی ہوئی باتیں سمجھتے ہیں اور ان میں اس طرح دلچسپی نہیں لیتے جیسی کہ وہ اپنی دیکھی اور سمجھی ہوئی باتوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اور جیسے وہ دوسروں کو اس بھروسے کے ساتھ بتا یا سنا سکتے ہیں کہ یہ باتیں خود ان کے تجربے میں آ چکی ہیں یا انھیں خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے پڑھا ہے۔ خواندگی محض لوگوں کو پڑھنا لکھنا نہیں سکھاتی ہے بلکہ ان کی آنکھ پر بندھی ہوئی پٹی کھول دیتی ہے ایک بالکل ہی مختلف دنیا کے بھید اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا دوسرا کام ہی لوگوں کو پڑھنا لکھنا اور معمولی حساب کتاب سکھانا جس سے کہ وہ دوسروں کی محتاجی سے آزاد ہو کر خود بھی چیزوں کو پڑھ کر سمجھ سکیں۔ اس پروگرام میں بھی لازمی طور سے سماجی تعلیم کے پروگرام شامل ہونے چاہئیں۔

تسلسلی تعلیم

کس آدمی کو کس معیار تک کی تعلیم حاصل ہونی چاہئے اس سلسلے میں کوئی حد نہیں قائم کی جا سکتی ہے۔ تعلیم اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ آج کا علم کل پرانا پڑ جاتا ہے اگر لوگوں کو برابر اپنی تعلیم کو بڑھاتے رہنے کا موقع حاصل نہ ہو تو اس صورت میں ان کا علم جلد ہی پرانا اور بے کار پڑ جاتا ہے۔ آج اڈلٹ ایجوکیشن کا دوسرا اہم کام یہ ہو کہ وہ بستیوں میں ایسے پروگرام چلائے جس سے کہ لوگوں کو اپنی تعلیم کو آگے جاری رکھنے کا برابر موقع ملتا رہے۔

پیشہ ورانہ تعلیم

ہر آدمی کی زندگی کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ کون سا کام کرتا ہے۔ ہر کام کے لئے ایک خاص طرح کی تیاری

ایک صفحہ

دیہاتی مرکز کیا ہے؟

دیہاتی مرکز کی صحیح تعریف وہ مقام ہے جہاں گاؤں کے رہنے والے آسانی کے ساتھ پہنچ سکیں، اور جو بالکل گاؤں کے بیچوں بیچ واقع ہو، اسے نہایت سادہ، کم خرچ اور دیہی زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ ہونا چاہئے، اور آس پاس کے علاقوں اور گاؤں کے لئے اس کے اندر کشش ہونی چاہئے تاکہ وہ وہاں آئے بغیر رہ نہ سکیں۔ اس کے علاوہ اسے ایسا ہونا چاہئے جسے گاؤں کے سب لوگ اپنی چیز سمجھیں، انھیں وہاں آنے میں کسی وقت، کسی حالت میں، کسی قسم کا تذبذب یا تکلف نہ ہو، وہاں ایسی کوئی بات، کوئی پروگرام نہ ہو جس پر دکھاوے یا بناوٹ کا شبہہ ہوتا ہو۔

غرض دیہاتی مرکز ایک ایسا مقام ہے

جہاں دیہاتی عوام کو بہت سی ممکن باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور کام کے ترقی یافتہ طریقے سکھائے جاتے ہیں جہاں ان کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ ترقی کر سکتے ہیں اور یہ خواہش پیدا کی جاتی ہے کہ اُن کا ہر قدم ترقی کی طرف بڑھے

ڈاکٹر اسپنسر ہیچ

کانگو کے ایک پچھڑے قبیلے میں

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی ابتدا

کانگو، جسے اقتدار کی اندرونی رسہ کشی کی وجہ سے آج بین الاقوامی سیاست میں کافی شہرت حاصل ہو گئی ہے، افریقہ کے سیدھے سادے لوگوں کا ملک ہے۔ یہاں سماج مختلف قبیلوں میں تقسیم ہے۔ کہتے ہیں کہ ان قبیلوں کے لوگ رسم و رواج سے جکڑی ہوئی اپنی معاشرتی زندگی کو چھوڑنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں اور ان کے پچھڑے پن کا یہی خاص سبب بھی ہے۔

یہاں ہم کانگو کی کوٹو ریاست کے ایک پچھڑے قبیلے میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے شروعات کی کہانی سُنا رہے ہیں جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر صحیح قسم کی مقامی لیڈرشپ موجود ہو تو لوگوں کو توہمات سے گھری ہوئی زندگی سے نجات دلا کر خود اپنی ترقی کی کوششوں کے لئے بہت آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ —— ایڈیٹر

کانگو کے ایک دور افتادہ علاقے میں مبیلو قبیلے کے لوگ بستے ہیں۔ کوٹو ریاست میں یہ مقام لیپولڈ جھیل سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ اسطوائی جنگل میں شکار کھیلنا، جھرنوں سے مچھلی پکڑنا اور چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں کاشت کرنا، بس یہی کچھ کام ہیں جو ان لوگوں کی گذر اوقات کا سہارا ہیں۔ نقدی فصل بس لے دے کے ایک ہے اور وہ ہے خام وارنش۔ جنہیں قریب کے کچھ گاؤں میں، جہاں ٹرک آ جا سکتے ہیں، بنئے خود آ کر خرید لے جاتے ہیں۔ لوگوں میں قوت خرید نہ ہونے کے برابر ہے اسی لئے روپیہ پیسہ بس خال خال نظر آتا ہے۔ عورتوں کو بھی نقد جہیز نہیں دیا جاتا بلکہ لوہے کی چند پیچ دار سلاخیں دی جاتی ہیں جن کی حیثیت ایک طرح سے رواجی ہے۔

اس علاقے کے آس پاس جو لوگ بستے ہیں ان میں مبیلو قبیلے کا شمار سب سے زیادہ پچھڑے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس کی ایک

وجہ ساری دنیا سے کٹ کر الگ تھلگ زندگی گزارنا ہے جس کے وہ ہمیشہ سے عادی چلے آرہے ہیں اور دوسری وجہ قبیلوں کی پرانی رسہ کشی بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس قبیلے والوں، خاص طور سے پرانے لوگوں کی ظاہری وضع قطع بھی کچھ عجیب ہیبت ناک ہوتی ہے۔ بھالوں اور نیزوں سے آراستہ بدن پر سرخ بھبھوت ملے، جانوروں کی کھال پہنے اور پیڑوں کی چھال اوڑھے ہوئے یہ لوگ نظر آتے ہیں۔

مبیلو قبیلے کے لوگ اس بدگمانی کا بہت دنوں سے شکار رہے ہیں اور گذشتہ دنوں اس کا انھوں نے یہ اثر قبول کیا کہ باہر کی دنیا سے کٹ کر اور الگ تھلگ رہنے لگے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے البتہ ایک نئی بات یہاں ہوئی ہے اور وہ ہے "بولنگوس" یعنی پنچایتوں کا قیام، جس میں بستی کے کچھ سرگرم لوگ شامل کئے گئے ہیں۔ بستی کے ان سرگرم لوگوں کے سامنے اپنے کام کا مقصد یہ تھا کہ جس بستی کی خدمت کی ذمہ داری ان کے اوپر آگئی ہے اس بستی کے لوگوں کی زندگی اور رہن سہن کے معیار کو اونچا اٹھانے کی تدبیریں بھی کی جائیں۔

بولنگو تحریک مرکزی حکومت سے امداد حاصل کرنے کی حامی تھی۔ بولنگو نے ایک درخواست گذشتہ سال لیوپولڈ ولے کی حکومت کے پاس بھیجی۔ یہ درخواست قبیلے کی طرف سے ملک کے سماجی معاملات کے وزیر کے پاس قبیلے کے سردار نکاسا چارلس اور قبیلے کے ایک گروہ کے سابق مکھیا ٹاٹا امیڈی کے توسط سے بھیجی گئی۔ اس میں حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ ان کے علاقے میں ماہروں کی ایک ٹیم بھیجی جائے جو بولنگو (پنچایتوں) حکومت کے مقامی دفتروں اور کیتھولک مشن کے ساتھ مل کر اس علاقے کی بہبود کا کام کرے۔ صاف ظاہر تھا کہ ان لوگوں نے حکومت سے اپنے علاقے میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا کام شروع کرنے کی درخواست کی تھی (جو اس علاقے کی سماجی اور اقتصادی زندگی کے مطالعے پر مبنی ہو) اس کے علاوہ وہ چاہتے تھے کہ قبیلے کے مکھیوں اور ممتاز شہریوں کو ترقیاتی کاموں کی ٹریننگ دینے کا کوئی انتظام کیا جائے۔ جس کے لئے وہ چاہتے تھے کہ لونا[1] میں ایک ٹریننگ کورس شروع کیا جائے۔

مشن کی روانگی

درخواست منظور ہوئی اور وسط ستمبر میں ایک مشن اس مقصد سے نکل پڑا۔ یہ ٹیم جو سماجی بہبود کی وزارت میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے انچارج مسٹر ارنسٹ موموبنگ کے علاوہ چند دوسرے افسروں، یونیسکو کی گشتی تعلیمی ٹیموں کی ایک رکن مس اینٹے نیبوریٹ اور بین الاقوامی انجمن کے زراعتی اور غذائی ادارے کے ایک رکن پر مشتمل تھی، دو جیپ گاڑیوں

[1] ۵۰۰ کی آبادی کا ایک گاؤں

میں روانہ ہوئی۔ ساتھ میں ایک ٹرک بھی تھا جس پر دو ہفتے کی رسد اور دوسرے ضروری سامان رکھ لئے گئے تھے۔ ساڑھے تین دن میں یہ قافلہ اپنی منزل پر پہنچا۔

مشن نے ٹولو میں اپنا صدر دفتر قائم کیا اور وہیں سے اس علاقے کے بیشتر گاؤں کا دورہ کیا۔ علاقے اور قبیلے کے ممتاز لوگوں اور ربونگو (پنچایتوں) کے ممبروں سے ملاقاتیں کیں۔ میلو قبیلے کے سردار اور ٹاٹا ایڈی کے ہمراہ اس ٹیم نے لوگوں کو کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا مقصد و منشا سمجھایا، ان سے تبادلۂ خیال کیا، ان کی ضرورتیں معلوم کیں اور یہ سمجھایا کہ وہ لوگ اس علاقے میں کیا کام کرنا چاہتے ہیں۔

میلو قبیلے کے لوگ اور ان کے مسائل

ٹیم کے لوگوں کا ہر جگہ بہت گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ ٹاٹا ایڈی نے پہلے سے ایک سوال نامہ تیار کر کے لوگوں میں گشت کرا دیا تھا۔ اور گاؤں کے لوگوں سے ان کی ضروریات اور مسائل پر پہلے ہی سے تبادلۂ خیال کر لیا تھا اس سے ٹیم کے ممبروں کو بہت مدد ملی اور اس علاقے کے حالات اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگی اور رہن سہن کے متعلق بہت سی باتیں پہلے ہی معلوم ہو گئیں۔ اس قبیلے کی زندگی میں طرح طرح کے پیچیدہ مسائل تھے۔ یعنی اقتصادی، سماجی تعلیمی اور بھی بے شمار مسائل ۔ ۶ ہزار کی آبادی ۲۰ گاؤں میں پھیلی ہوئی تھی، جنہیں ۶۵ میل لمبی سڑکیں اور پگڈنڈیاں ایک دوسرے سے ملاتی تھیں۔ علاقے بھر میں بس تین اسکول تھے اور ان میں بھی بہت محدود جماعت تک تعلیم کا انتظام تھا۔ ٹوناکے اسکول میں پہلی سے تیسری جماعت تک تعلیم ہوتی تھی۔ لولامیں پانچویں اور چھٹی جماعت تک کی تعلیم اور الوموکتا میں صرف پہلی جماعت کی تعلیم کا انتظام تھا۔

کیتھولک مشن کی خاتون کارکن مس میری دربودن نے مقامی لیڈروں اور بستی کے لوگوں کے تعاون سے عورتوں کی تعلیم کے میدان میں کافی کام کیا ہے ۔ ان کی کوششوں سے ۱۵ گاؤں میں کمیونٹی سنٹر قائم کئے گئے ہیں، جن میں سے اکثر عورتوں نے خود تعمیر کئے ہیں۔ یہ سنٹر گھریلو زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے میں بہت نمایاں کام انجام دے رہے ہیں۔ ان سنٹروں میں ٹریننگ پانے والی عورتوں نے ان دقیانوسی عقائد اور توہمات کے خلاف ایک جنگ سی شروع کر رکھی ہے۔ یہاں کچھ ایسی باتیں رواج پا چکی ہیں جن کے مطابق عورتوں کے لئے کچھ اچھی غذائیت والی اشیا شجرِ ممنوعہ بنی ہوئی ہیں جس کا اس علاقے کی صحت پر کافی بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ اس علاقے میں بہت دنوں سے ایک بات یہ چلی آ رہی ہے کہ عورتوں کو چوزے، انڈے، مرغی اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرایا جاتا ہے اسی طرح بیوہ عورتوں کے لئے

ایک خاص مدت تک مچھلی کھانا ممنوع ہے۔

اس علاقے میں ملیریا پھیلانے والے مچھروں اور زہریلی مکھیوں[1] کی بھرمار تھی۔ نمونیہ اور دوسری بیماریوں سے یہ علاقہ بری طرح گھرا ہوا تھا۔ دواؤں کی قلت تھی۔ بیماروں کو اسپتال تک لے جانے کے لئے ایک بھی ایمبولنس گاڑی نہیں تھی۔ پورے علاقے بھر میں بس لونا میں ایک شفاخانہ تھا جہاں تک پہنچنے کے لئے لوگوں کو میلوں جنگل کا راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ کمزور اور معذور آدمیوں کو اکثر لوگ کسی بانس یا بلّی میں رسّی سے باندھ کر کاندھوں پر شکار کی طرح لٹکا کر لے جاتے تھے۔ پوری ریاست میں بس ایک ہی قاعدے کا اسپتال تھا جو ریاست کے صدر مقام کیٹو میں واقع ہے۔ یہاں تک پہنچ پانا بھی کافی مشکل بات ہے۔ اگر کسی کو خوش قسمتی سے بڑی کشتی مل گئی تو سمجھئے کہ وہ چار گھنٹے میں اسپتال پہنچ گیا نہیں تو چھوٹی ناؤ میں نو دن تک لگ جاتے ہیں۔

لونا میں ٹریننگ سنٹر

مختصراً اس علاقے کی یہ صورت حال تھی جب کہ یہ مشن وہاں پہنچا۔ یہ علاقہ بہت پیچیدہ مسائل سے گھرا ہوا تھا مگر وہاں کے لوگوں میں ان مسائل سے مقابلہ کرنے کی سچی لگن موجود تھی۔ گزشتہ ستمبر میں لونا میں ایک ٹریننگ کورس شروع کیا گیا، جس میں تقریباً ۵۰ مقامی لیڈروں نے شرکت کی۔ ان میں بہت سی عورتیں بھی شامل تھیں۔ یہ لوگ میبلو قبیلے کے تمام حصّوں اور پاس کے دو گاؤں کی نمایندگی کرتے تھے۔ مسٹر مومبونگ نے کورس کی کارروائیوں کی شروعات اس علاقے کی لنگالا زبان میں کی۔ اس ٹریننگ کورس میں تعلیمی مسائل، کام دھندے، دیہی معاشیات، سماجی زندگی فرصت کے اوقات کا استعمال اور سماج میں عورت کے مقام سے متعلق مسائل کا مطالعہ شامل تھا۔

اس ٹریننگ کورس میں شرکت کرنے والوں نے جس سنجیدگی اور تن دہی کے ساتھ اپنی زندگی کے مسائل کے مطالعے کا حوصلہ دکھایا اس سے ٹریننگ کورس کا اہتمام کرنے والوں کو بہت خوشی ہوئی وہ ان کے اس شوق سے بے حد متاثر ہوئے۔ تمام آدمی کلاس میں بہت پابندی سے حاضر ہوتے تھے ان کے علاوہ گاؤں کے کچھ دوسرے لوگ، جن میں کچھ عورتیں بھی شامل تھیں، باقاعدگی سے لیکچروں اور مباحثوں میں شریک ہوتی تھیں۔

ٹریننگ کورس میں حصّہ لینے والے برابر اپنا حوصلہ دکھاتے رہے۔ اس ٹریننگ کورس میں خاص توجہ

[1] افریقہ کی ایک قسم کی مکھی جسے (TSETSE FLY) کہتے ہیں بہت زہریلی ہوتی ہے جس کے ڈنک سے اکثر گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں تک کی موت ہو جاتی ہے۔

اس بات پر دی گئی کہ لوگ خود اپنی کوششوں سے تھوڑے وقتوں میں اپنی اور اپنی بستی کی زندگی کی بہبود و ترقی کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں جیسے صحت و صفائی کی مہم چلانا، نوجوانوں اور بالغوں کے لئے خواندگی کی کلاسیں چلانا، اسکولوں کی عمارتوں میں سدھار کرنے اور نئے اسکولوں کی تعمیر وغیرہ کے کام۔اسی کے ساتھ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ بستی کے لوگوں کا اپنے مشترک مفاد کی حفاظت کے لئے مل جل کر کام کرنا کس قدر ضروری ہے۔ خاص طور سے اپنی پیداوار کو کوآپریٹیو کے ذریعہ بیچنا، اناج (خاص طور سے چاول اور کھجور) کی کاشت کے لئے کوآپریٹیو سوسائٹی بنانا اور مل جل کر سڑکوں کی تعمیر کا کام کرنا غرض وہ سارے کام جو خود ان لوگوں اور ساری بستی کی ترقی کے لئے ضروری ہیں اور جنھیں وہ اگر مل جل کر کریں تو کافی آسانی سے کر سکتے ہیں۔

دس دن میں پندرہ پلوں کی تعمیر

اس ٹریننگ کورس میں بستی کی بہبود کے پروگراموں کا جو خاکہ تیار ہوا تھا ان میں سے بہت سے منصوبوں پر اب کام شروع ہو چکا ہے۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ایک بار کسی کام کی ضرورت محسوس ہونے پر لوگوں نے اس کام کو کتنی دلچسپی اور مستعدی سے انجام دیا ہے۔ الومونکنا گاؤں جولولا سے پانچ میل دور واقع ہے، کئی لحاظ سے سارے علاقے سے بالکل کٹا کٹا سا تھا۔ کوئی معقول سڑک نہ ہونے کی وجہ سے مشن کے لوگوں کو وہاں تک پہنچنے کے لئے پیدل ہی راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ اس گاؤں والوں کے اصرار پر ماہرین نے یہاں دوبارہ آنے کی آمادگی ظاہر کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے آنے کے وقت تک گاؤں والے سڑک تیار کر دیں۔ یہ سننا تھا کہ بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل پڑے اور گاؤں کو سڑک سے ملانے کا کام شروع ہو گیا۔ پرانے راستے کی صفائی کی گئی۔ پیڑ پودے اور جھاڑ جھنکاڑ کاٹ کر صاف کئے گئے۔ گڑھے بھرے گئے اور دس دن کے اندر اندر اس سڑک کے لئے پندرہ پل بنا دئے گئے۔ مشن کی جیپ ان پندرہ پلوں کو پار کرتی ہوئی ایک شام کو الومونکنا گاؤں میں پہنچ گئی۔ گاؤں والوں نے بہت گرم جوشی سے ٹیم کے لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ انھیں خوشی تھی کہ ان لوگوں نے باہر سے آنے والے ان مہمانوں کی خواہش پوری کر دی۔

آئندہ کے کام

سماجی کارکن مس ورلبوون کے منصوبوں میں ٹکنکل معاملات کے لئے ایک گشتی یونٹ تیار کرنا بھی شامل ہے۔

یہ کام وہ بولنگوز (پنچایتوں) اور صوبائی حکومت کے تعاون سے کرنا چاہتی ہیں۔ اس یونٹ میں مس در بون، ایک نرس، ایک دائی، ایک معلم، ایک زراعتی ماہر اور کچھ مقامی ٹکنیشین شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ دس سماجی مرکز قائم کرنے، گھروں میں عورتوں کو سبزی کے باغات لگانے کے لئے تیار کرنے اور ایک نیا شفا خانہ کھولنے کا کام بھی آیندہ منصوبوں میں شامل ہے۔

ان کے علاوہ خواندگی کا کام اور بڑے پیمانے پر کرنے اور لوگوں کے فرصت کے اوقات کے لئے مختلف تعلیمی سرگرمیاں کا انتظام کرنے کے پروگرام بھی آئندہ شروع کئے جائیں گے۔ ان مختلف تعلیمی سرگرمیوں کا ایک مقصد یہ بھی ہوگا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو غیر صحت مندانہ اشیاء کے استعمال سے روکا جا سکے۔ گاؤں کے ایک آدمی نے فلم پروجیکٹر خریدنے کے لئے چند ہاتھی دانت عطیے کے طور پر دئے ہیں۔

ان سارے پروگراموں کے پیچھے سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ بولنگوز (پنچایتوں) کو مقامی ترقیاتی کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ سرگرم بنایا جائے۔ اس کے لئے ایک علاقائی کمیٹی بنانے کی تجویز کی گئی ہے، جو مہینے میں ایک بار مقامی حکومت کے نمایندوں سے مل کر کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے کام کو زیادہ سے زیادہ موثر طریقے سے اور زیادہ بڑے پیمانے پر منظم کرنے کی تدبیروں پر غور کر کے حکومت اور عوام سے ان پر عمل درآمد کی سفارش کرے گی۔

بقیہ ص۳۰ کا

کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج جن حالات سے ہمارا ملک گذر رہا ہے اس میں ضروری ہے کہ پیشہ ورانہ تعلیم کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا جائے۔ یہ کام مختلف قسم کے عملی کاموں کی ٹریننگ کا انتظام کر کے کیا جا سکتا ہے جس سے کہ بالغوں اور جوانوں، مزدوروں اور دستکاروں کو، خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ، نئے نئے کام سیکھنے اور اپنے سیکھے ہوئے کام میں مہارت حاصل کرنے کا موقع مل سکے۔

اڈلٹ ایجوکیشن آج کے ہندوستان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ اس کی طرف سے جتنی چشم پوشی برتی جائے گی ہمارے ترقیاتی پروگراموں کی رفتار اسی قدر سست ہوگی، اس لئے کہ اڈلٹ ایجوکیشن ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے سہارے ہم عوام کو نئی زندگی اور اس کے تقاضوں کی آواز سنا سکتے ہیں۔

صرف پنچایتی راج کافی نہیں ہے؟

کمیونٹی ڈیولیپ منٹ پروگرام ہندوستان کے گاؤں کی اصلاح و ترقی کے ایک منظم اور مربوط پروگرام کی حیثیت سے اب تقریباً سارے ملک کی دیہی آبادی کو اپنے زیر اثر لے چکا ہے اور یہ پروگرام اب صحیح معنوں میں ایک کل ہند پروگرام بن چکا ہے۔ پہلے پنج سالہ پلان کے مسودے میں جب ہندوستان کے گاؤں کی ہمہ گیر ترقی کا پروگرام کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے ذریعہ منظم کرنے کا تصور پیش کیا گیا تو اس وقت بہت سی باتیں صاف نہیں تھیں کہ یہ پروگرام کن کن حیثیتوں سے حکومت کے دوسرے ترقیاتی پروگراموں سے مختلف ہوگا، بہرحال یہ پروگرام ہندوستان کے کچھ چنے ہوئے علاقوں میں ایک پیچیدہ افسری اور سرکاری نظام کے ماتحت شروع کردیا گیا۔ مگر جلد ہی اس نے اپنے تیور بدلنے شروع کردیئے اور سرکاری نظم و ضبط کے شکنجے سے آزاد ہونے کے لئے طرح طرح کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ عوام اور بستی کے لوگوں کو اس میں شریک کرکے کام کرنے کے مختلف تجربے ہوتے رہے اور نظم و نسق کی روایتی جکڑبندیوں سے سے آزاد رکھ کر عوام کی زندگی کے قریب لانے کی ہر ممکن تدبیریں تلاش کی جاتی رہیں۔ آخر میں پنچایتی راج کے تصور نے اسے بستی اور عوام کی زندگی سے قریب لادیا ہے اور اب یہ پروگرام رفتہ رفتہ عوام کے اپنے منصوبے کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے یہ ایک انقلابی قدم ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کا اصل مقصد اس وقت تک پورا ہی نہیں ہوتا جب تک کہ یہ پروگرام عوام کا اپنا پروگرام نہ بن جائے اور حکومت کی حیثیت اس میں مختلف سہولتیں اور وسائل بہم پہنچانے والی ایجنسی کی ہو۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے کیا مراد ہے؟

بستی کی ترقی کے ایک ہمہ گیر پروگرام کی حیثیت سے اب کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کی اصطلاح تمام دنیا میں رائج ہوچکی ہے اور دنیا کے تمام ملکوں میں اس سے کم و بیش ایک ہی جیسا مفہوم لیا جاتا ہے۔ اس طرح کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کی اصطلاح صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی اصطلاح بن چکی ہے جس سے مراد وہ عمل ہے جس کے ماتحت عوام اپنی کوششوں

سے اور حکومت کی کوششوں میں مدد دے کر اپنی بستی کی اقتصادی، سماجی اور معاشرتی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھاتے ہیں اور بستی کی زندگی کو قومی زندگی سے ہم آہنگ کرکے سارے ملک کی تعمیر و ترقی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

"اس پیچیدہ عمل کے دو ضروری پہلو ہیں ایک اپنی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے کی کوششوں میں عوام کا خود اپنی مرضی سے حصہ لینا اور دوسرے اس طرح کی فنی اور دوسری خدمات کا اہتمام، جو لوگوں میں اس طرح کے کاموں کے لئے پہل کرنے اور اپنی مدد آپ کرنے کا حوصلہ پیدا کرے اور اس طرح عوام کی ان کوششوں کو سہارا دے کر انھیں ایک مضبوط بنیاد دے سکے۔"

ایک دوسری تعریف

کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کی ایک دوسری مختصر تعریف جو ملاین کانفرنس میں وضع کی گئی تھی، کئی اعتبار سے بہت جامع تعریف کہی جا سکتی ہے۔

"کمیونٹی ڈیویلپ منٹ ایک تحریک کا نام ہے جس کا مقصد ہے بستی کی زندگی کے معیار کو بستی کے لوگوں کا سرگرم تعاون حاصل کرکے اونچا اٹھانا جس میں عوام کے تعاون کی بنیاد خود ان کی اپنی مرضی ہو اور وہ خود اس کے لئے پہل کریں۔"

صحیح راستہ : پنچایتی راج

کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کی مندرجہ بالا دونوں تعریفوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ اور دوسرے ترقیاتی کاموں کے درمیان کیا فرق ہے۔ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ پروگرام بستی کے لوگوں کا اپنا پروگرام ہے، جس میں حکومت عوام کو اپنی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے کی کوششوں میں مدد دیتی ہے اور ان کے حوصلے کو بنائے رکھنے کے لئے مختلف سہولتیں اور وسائل فراہم کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ پروگرام حکومت کی طرف سے شروع کیا گیا مگر اس بات کی برابر کوشش ہوتی رہی کہ اس میں عوام کے نمائندوں کو زیادہ سے زیادہ شریک کرکے اسے عوام کا اپنا پروگرام بنایا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بلاک کے ممتاز شہریوں کو ڈیویلپ منٹ کمیٹی میں شرکت کے لئے نامزد کیا گیا تھا، اس کے بعد پنچایتوں کے پردھانوں کو ان کے منصب کے اعتبار سے لازمی طور پر ان کمیٹیوں میں شامل کیا جانے لگا۔ ان کے علاوہ اس علاقے سے اسمبلی اور پارلیامنٹ کے ممبران مختلف ترقیاتی

ملکوں کے افسر بھی ان کونسلوں کے ممبر ہوتے تھے۔ اجتماعی ترقی کے پروگرام کو عوامی رنگ دینے کے لئے یہ اقدامات کافی نہیں تھے اسی لئے ان سب کے باوجود ان پروگراموں میں عوام کا تعاون حاصل ہونا ایک دشوار مسئلہ بنا ہوا تھا۔ بلونت مہتہ کمیٹی نے پنچایتی راج کے قیام اور مقامی ترقیاتی کاموں کو پنچایتی اداروں سے وابستہ کرنے کا خیال انھیں بنیادی باتوں کو مدنظر رکھ کر پیش کیا تھا اور خوشی کی بات ہے کہ اب یہ پروگرام پنچایتی راج کے سہارے افسری اور دفتری نظام کی پابندیوں سے آہستہ آہستہ باہر آرہا ہے اور وہ دن دور نہیں ہے جب کہ یہ پروگرام پوری طرح عوام کا اپنا پروگرام بن جائے گا اور اس کے ماتحت مختلف کاموں کی منصوبہ بندی اور عمل درآمد کی ذمہ داری گاؤں والوں کے اپنے ہاتھ میں آجائے گی۔

ایک اندیشہ

مگر اس سے ایک اندیشہ بھی پیدا ہوتا ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ آج گاؤں کے لوگوں کے سوچنے سمجھنے کا جو معیار ہے وہ کیا اس طرح کے کاموں کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے کافی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن ملکوں میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے تصور نے جنم لیا ہے وہاں کے عوام کا ذہنی اور تعلیمی معیار اتنا پست نہیں تھا جتنا کہ آج کے ہندوستان کے گاؤں کے لوگوں کا ہے۔ لوگوں کی سوجھ بوجھ اور ذہنی معیار کو اونچا اٹھانے کا لے دے کر بس ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے لوگوں میں تعلیم کو پھیلانا جس کی طرف سے ہمارے اجتماعی ترقی کے پروگرام میں کچھ بہت اچھا سلوک نہیں ہو رہا ہے۔ اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ اب جب کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کو پنچایتی راج کی شکل میں ایک راستہ مل چکا ہے لوگوں کو اس کے لئے پوری طرح تیار نہ کرنے کی صورت میں کہیں یہ پھر راستے سے بھٹک نہ جائے۔

صرف پنچایتی راج کے سہارے کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کو صحیح رخ نہیں مل سکتا ہے، عوام کی تعلیم اس میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔ صرف پڑھے لکھے اور سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ ہی اپنے برے بھلے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ کام محض پنچوں کی ٹریننگ کا انتظام کر کے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے عوام کی تعلیم کی ایک ہمہ گیر تحریک سب سے بڑی شرط ہے اور صرف اسی صورت میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی تحریک اپنی تعریف پر پوری اتر سکتی ہے۔

سنٹرل انٹیلی جنس بیورو سے ناخواندگی کا خاتمہ

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی میں ۱۲ ر فروری کو پولیس کی پوشاکوں میں خواندگی کے ۲۰ اُستادوں کے ایک ہفتے کے ٹریننگ کورس کا افتتاح ہوا۔ یہ کورس ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ خواندگی کے یہ اُستاد وزارتِ داخلہ کے خفیہ پولیس کے محکمے (سنٹرل انٹیلی جنس بیورو) کے کانسٹبل تھے۔

بیورو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس محکمے میں جو کانسٹبل اَن پڑھ ہیں، ان کو خواندہ بنا کر محکمے سے جلد سے جلد ناخواندگی کی لعنت کو دور کر دیا جائے۔ موجودہ ہنگامی حالات نے اس ضرورت کا بہت شدت کے ساتھ احساس کرا دیا ہے کہ پولیس اور فوج کے ناخواندہ ہونے پر کسی ملک کو کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑ سکتی ہے۔ اسی مقصد سے بیورو نے اپنے یہاں سے خواندگی کے اساتذہ کے لئے ایسے کانسٹبلوں کا انتخاب کیا ہے جن کی لیاقت کم سے کم میٹرک پاس ہے اور وہ پڑھانے کے کام میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بیورو نے ۲۰ ہنس ہنس کی ٹکڑی میں ان اساتذہ کو بانٹ کر خواندگی کی کام چلاؤ ٹریننگ دلانے کے لئے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

سات دن کے اس مختصر کورس کا اہتمام اس طرح کیا گیا ہے کہ خواندگی کے ان سپاہیوں کے سامنے بالغوں کو تعلیم دینے کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ آ جائے اور انھیں موٹی موٹی باتیں معلوم ہو جائیں کہ بالغوں کی کلاسوں کی تنظیم میں کن باتوں کا خیال رکھا جانا چاہئے؛ بالغوں کی نفسیات اور بچوں کی نفسیات میں کیا فرق ہوتا ہے؛ خواندگی کے کون کون سے مختلف طریقے رائج ہیں؛ نصاب کی کیا دشواریاں ہیں اور ان کی تیاری میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے؛ بالغوں کے لئے کس طرح کی کتابیں ہوتی ہیں اور خواندگی کے مرحلے کے بعد کون کون سے مشقی پروگرام ضروری ہوتے ہیں۔

پہلے ٹریننگ کورس میں سنٹر کے اساتذہ کے علاوہ جن لوگوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں ان میں وزارت تعلیم کے سوشل ایجوکیشن کے مشیر شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے؛ دہلی ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ کے شری نیکی رام گپتا۔ اور شری بی۔ ایس چترویدی جامعہ ملیہ کے شری برکت علی فراق۔ شری عبدالرشید، اور شری رفیق شاستری اور انٹرنیشنل کوآپریٹیو الائنس کے شری دھرم ویر شامل ہیں۔

۱۹ فروری کو اس ٹریننگ کورس کا اختتامی جلسہ ہوا جس میں سنٹر کے ڈائرکٹر شری ایچ۔ بی سکسینہ نے آج کے ہندوستان میں خواندگی کی اہمیت کو بتاتے ہوئے سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کو اُن کے اس فیصلے پر مبارکباد دی۔ وزارت تعلیمات کے نائب مشیر شری راجا راؤ سنگھ جنھوں نے اس جلسے کو خطاب کیا تھا، بتایا کہ خواندگی کی طرف اب اور زیادہ توجہ دینے کی کیوں ضرورت ہے۔ اور اس مختصر نصاب کو پورا کرنے والے یہ اساتذہ اس میدان میں کتنی اہم خدمت کرسکتے ہیں۔ اس موقعے پر سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے (مرکزی خفیہ محکمے) کے نمایندے نے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کا شکریہ ادا کیا۔ سنٹر کے لٹریسی یونٹ کے انچارج شری نذیر انصاری نے اس بات پر اظہار مسرت کیا کہ لٹریسی یونٹ کے کام کی ابتدا جو اس ٹریننگ کورس سے ہوئی ہے، بہت امید افزا اور مبارک ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور دیہی یونیورسٹیاں

رورل یونیورسٹی کے موضوع پر ایک ورکشاپ ۸ سے ۱۲ فروری ۱۹۶۳ء تک اُتر پردیش ایگریکلچرل یونیورسٹی نینی تال میں منعقد ہوا تھا۔ اس ورکشاپ میں ہندوستان کے علاوہ امریکہ، ایران اور افغانستان کے سو سے زیادہ زراعتی ماہروں نے شرکت کی۔

۱۲ فروری کو ورکشاپ کے اختتامی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے امریکی سفیر مسٹر جے۔ کے گلبریتھ نے زراعت کے علمی اور عملی پہلوؤں میں تال میل کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا کہ زراعتی تحقیق اور کسان کی عملی دشواریوں کے درمیان سیدھا تعلق ہونا چاہیے۔

یونیورسٹی کی انتظامیہ کمیٹی کے چیرمین اور سابقہ وزیر خوراک شری اجیت پرشاد جین نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی طرف سے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اصولی اور نظریاتی اعتبار سے یہ پروگرام گو کہ بہت شاندار معلوم ہوتا ہے مگر اس کے عملی کاموں کا گہری نظر سے جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ اسے عام کسانوں کی زندگی اور نظریے میں تبدیلی لانے میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ملی ہے۔ انھوں نے پلاننگ کمیشن کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ وہ زراعتی توسیعی پروگرام کو پیچیدہ سرکاری اور دفتری نظام سے آزاد کرکے یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کو سونپنے کی تجویز پر غور کرے۔

تعلیم و ترقی

خاص نمبر

جاگو اور جگاؤ

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بالغوں کی تعلیم میں جامعہ ملیہ کے تجربات

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ مارچ ۱۹۶۳ء شمارہ ۳

خاص نمبر

بالغوں کی تعلیم میں جامعہ ملیہ کے تجربات

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:- پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:- ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ٹیلیفون: ۷۴۴۶۴

سالانہ چار روپئے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے — اس نمبر کی قیمت دو روپے

ترتیب

اشارات

ادارہ تعلیم و ترقی: ابتدا اور ارتقا

تجربات کا پہلا دور: ۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۷ء

تجربات کا دوسرا دور: ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۲ء

اشارات

یہ اسپشل نمبر

۳۰ اپریل ۱۹۶۳ء کو شفیق صاحب کے انتقال کو دس سال پورے ہو جائیں گے۔ تعلیم و ترقی کا یہ شمارۂ خصوصی مرحوم کی اسی دس سالہ برسی کے موقعے پر شائع کیا جا رہا ہے شفیق صاحب کی خدمات کے نقوش صرف جامعہ ملیہ ہی کی زندگی پر نہیں ہیں بلکہ ان کی شخصیت اور خدمات کے اثرات ہندوستانی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک پر بھی بہت گہرے پڑے ہیں۔ مرحوم ان چند برگزیدہ ہستیوں میں تھے جنھوں نے کام کو عبادت سمجھا ہے اور اسی لئے کبھی کسی صلے کے خواہش مند نہیں ہوئے۔ انھوں نے اپنے فکر و عمل کو کبھی تحریر کا جامہ نہیں پہنایا جو بالعموم مرنے والوں کی یاد کو تازہ رکھتا ہے۔ پھر بھی ان کے انتقال کو دس برس ہونے کو آئے مگر یہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ وہ ہم میں نہیں ہیں۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو انھوں نے اپنے ادارۂ تعلیم و ترقی کے توسط سے خیال و عمل کی جو دولت بخشی ہے، ممکن ہے یہ حقیر کوشش اس کے تحفظ کا وسیلہ ثابت ہو۔ اگر یہ کوشش کامیاب ہوئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارے ہاتھوں کچھ کام ہوا ورنہ اخبارات اور رسالوں کے یادگاری نمبر تو بہت شائع ہوتے ہیں، یہ نمبر بھی اسی انبار کا ایک جزو ہو جائے تو کیا عجب !

اس نمبر کی منصوبہ بندی ہم نے اس طرح کی تھی کہ ادارۂ تعلیم و ترقی کے تین دور قائم کر کے ہر دور کے کام کے متعلق تحقیق و جستجو کی جائے اور اس تلاش و جستجو کی روشنی میں اس کے کاموں کے رکارڈز محفوظ کر لئے جائیں۔ پہلا دور ۱۹۲۶ء سے (جب پہلی مرتبہ جامعہ کے اہتمام میں بالغوں کی تعلیم کے لئے شبینہ مدرسے کھولے گئے تھے) شروع ہو کر ۱۹۴۷ء پر ختم ہو جاتا ہے جب فرقہ وارانہ فسادات نے ادارے کے تجربات کو نہ صرف منقطع کر دیا تھا بلکہ اس کے بہت سے رکارڈز ضائع ہو گئے تھے۔ دوسرا دور ۱۹۴۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۳ء پر ختم ہو جاتا ہے جب شفیق صاحب اپنے ساتھیوں کو داغ مفارقت دے کر جنت کو سدھارے۔ اور تیسرا دور موجودہ دور ہے جب ان کے انتقال کے بعد ادارے کا کام شہر دہلی سے منتقل ہو کر جامعہ نگر کے آس پاس کے دیہات میں شروع ہوا اور شہر میں صرف ایک کام۔ بالک ماتا سنٹروں کا کام باقی رہ گیا۔

پہلے دور سے متعلق پرانے رکارڈز اور کاغذات کی چھان بین کرنے سے کاموں اور تجربوں کی اتنی مقدار سامنے آئی کہ

اسپشل نمبر کے لئے ہمارے پاس جتنی گنجائش تھی اُس کے دو تہائی سے زیادہ حصہ اسی دور سے گھر گیا، اور دوسرے دور کے لئے صرف ایک تہائی رہ گیا۔ اگرچہ یہ پانچ سال کا دور بھی کام کی مقدار کے اعتبار سے اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اتنی ہی گنجائش اس کے لئے بھی نکلتی تب کچھ حق ادا ہوتا۔ مجبوراً ہم نے اس پر اکتفا کی کہ اس دور کے نئے تجربات کا صرف تعارف پیش کردیا جائے اور جو کام پہلے دور کے تجربوں کی روشنی میں ہوئے ان کا سرسری ذکر کردیا جائے۔

تیسرا دور بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہم نے سوچا تھا کہ چند صفحات میں اس دور کے صرف کام گنا دئے جائیں لیکن جب اس خیال پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تو محسوس ہوا کہ اتنے لمبے دور (۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۳ء) کے لئے چار پانچ صفحات کسی صورت سے کافی نہیں ہوں گے۔ اور ایک کام کو ہاتھ میں لے کر اُس کا حق ادا نہ کرنا صحیح نہ ہوگا اس لئے طے یہ کیا گیا کہ کام کا ہاتھ میں نہ لینا ہی بہتر ہوگا کہ "نہ کردن ایک گناہ"!

اس ضخیم نمبر کی اشاعت، جس کے لئے ایک حد تک تحقیق وتلاش کی بھی ضرورت ہو، جتنے وقت کی متقاضی تھی، اتنا وقت ہمیں نہ مل سکا اس لئے مضامین کی ترتیب وتالیف اور تاریخوں کے تعین میں یقیناً غلطیاں ہوں گی۔ لیکن اس نمبر کی تیاری میں ہماری نظر زیادہ تر اس بات پر رہی ہے کہ ایک طرف اس کے ذریعے ادارے کے کاموں کے اہم رکارڈز محفوظ ہوجائیں اور دوسری طرف یہ سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے مفید تجربات کا ایک ذخیرہ بھی ثابت ہو اس لئے ہم نے تاریخی ترتیب کو اہمیت کے اعتبار سے دوسرے درجے پر رکھا ہے۔

ہمیں اپنے ناظرین سے امید ہے کہ وہ ہماری اس تمنا میں شرکت فرمائیں گے کہ شفیق صاحب کی روح کو ابدالآباد تک راحت وسکون میسّر رہے اور بالغوں کی تعلیم کی تحریک جس کی کامیابی کی انھیں بڑی تمنا تھی، ہماری محنت اور کوشش سے پھل لائے اور ہمارے ملک کے ماتھے سے ناخواندگی اور جہالت کا بدنما داغ جلد از جلد دھل جائے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ

ایک ایسا نظامِ تعلیم جو ملک کے نوجوانوں کے حوصلوں اور قلب و دماغ کو ایک بدیسی حکومت کے مفید مطلب ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لئے آلۂ کار کا کام کر رہا ہو' اس سے قوم کو قطع تعلق کر لینا چاہئے" یہ تھی گاندھی جی کی وہ پکار جس کے جواب میں ۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا وجود ہوا۔ اسی زمانے میں جامعہ کے ساتھ اسی مقصد سے اور بھی بہت سے ادارے قائم ہوئے تھے۔ چنانچہ جامعہ ملیہ اس رنگ کا تنہا تعلیمی ادارہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسی تحریک کا نمائندہ ہے جو ایک زمانے میں بہت طاقت ور تھی اور جس نے ملک کی تعلیمی زندگی پر بڑا گہرا نقش چھوڑا ہے۔

ان اداروں نے جو ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئے' اُس زمانے کے حالات کے تقاضے سے یا جو لوگ ان کی رہنمائی کر رہے تھے' ان کے تعلیمی فلسفے کے اثر سے اپنی الگ راہ اختیار کی اور ان کا ارتقا بالکل مختلف انداز پہ ہوا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ایک نیم سیاسی ادارے کی حیثیت، جو تعلیمی کام بھی کر رہا ہو چھوڑ کر بہت جلد ایک خالصۃً تعلیمی جماعت کا روپ اختیار کر لیا اور اپنے فکر و عمل کی بنیاد پُرجوش قوم پرستانہ نظریے پر رکھی۔ جامعہ ۱۹۲۵ء میں علی گڈھ سے جہاں یہ قائم ہوئی تھی، شہر دہلی کو منتقل ہوئی اور ۱۹۲۶ء میں اوکھلا گاؤں کے قریب جامعہ نگر کو جہاں یہ آج کل واقع ہے۔ ۱۹۲۶ء کے بعد سے اس کا رنگ خالصۃً تعلیمی ہو گیا جس کا منشا یہ رہا ہے کہ اس کے کام علمی اُصول و آداب کے مطابق ہوں اور قلب و دماغ میں اس حد تک اثر پذیری کی صلاحیت پیدا کی جائے کہ جو بھی اس کے سائے میں آئے اس کے علمی اور ایکسٹرا میورل (حدودِ درسگاہ سے باہر کئے جانے والے) کاموں سے براہِ راست اور مستقل اثر لے سکے۔

۱۹۲۶ء میں جامعہ کے کاموں کو ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس کے شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) کی حیثیت سے سنبھالا۔ ۱۹۲۸ء میں اس کے عملے کے آراکین کی اکثریت نے ذاکر صاحب کی رہنمائی میں اپنی ایک انجمن بنائی اور ۲۰ سال تک بلا کسی شرط کے اس کی خدمت کا عہد کیا۔ اس زمانے میں جامعہ ملیہ کی مالی حالت بہت سقیم تھی لیکن بلا کسی شرط کے خدمت کا عہد کرنے والے اِن اشخاص کی انجمن بن جانے سے امید و اعتماد کی کیفیت پیدا ہوئی؛ چندے جمع کئے جانے لگے' اور ریاست حیدرآباد سے

ایک مستقل گرانٹ منظور ہو گئی جس سے جامعہ کا کام آگے کو چل نکلا۔

۱۹۲۸ء میں ابتدائی، ثانوی مدرسے اور کالج، کے مجموعی طلباء کی تعداد گھٹ کر ۸۰ رہ گئی تھی۔ مستقبل کا انحصار جامعہ کے کام کو وسعت دینے کے اس اصول پر تھا جس پر عمل کیا گیا۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ پہلے منزل ابتدائی اور محکمۂ طباعت واشاعت کو مستحکم کرنا چاہئے جو بچوں کے ادب کی تالیف واشاعت میں مہارت حاصل کرے۔ دوسرا منصوبہ یہ تھا کہ بالغوں کی اور سماجی تعلیم میں تجربے کئے جائیں۔ ۱۹۳۸ء میں بنیادی اسکولوں کے ٹیچر تیار کرنے کے لئے ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔ اسی اثنا میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی جس کے دوران میں مزید توسیع ناممکن تھی۔ لیکن اس کے بعد ہی سکنڈری اسکول میں اصلاح کی گئی اور اس کے کاموں میں لکڑی اور دھات کے کاموں کے ورکشاپ کا اضافہ کیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے ملٹی پرپز ہائی اسکول کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا اور اب اس نے ملٹی پرپز ہائر سکنڈری اسکول کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

۱۹۵۲ء میں رورل ایجوکیشن کا ایک انسٹی ٹیوٹ اور ایک انسٹی ٹیوٹ دیہی معاشیات وسماجیات کا قائم کیا گیا جس کا منشا بنیادی تعلیم اور دیہی معاشیات کے میدانوں میں تحقیق اور ریسرچ کا کام کرنا تھا۔ ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے نصاب میں فنون لطیفہ اور کرافٹ کے استاد تیار کرنے کے لئے ان علوم کے نصاب کا بھی اضافہ کیا گیا اور اس کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف آرٹ ایجوکیشن کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم کیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں دو محکمے اور قائم ہوئے۔ ایک نرسری اسکول جس میں نرسری کی تعلیم دینے کے لئے ڈھائی سے تین سال کے بچوں کو داخل کرنا تھا۔ اور دوسرا ریسرچ، ٹریننگ اینڈ پروڈکشن سنٹر جس کا کام نوسکھ بالغوں کے موجودہ ادب کا جائزہ لینا، اس کی افادیت کا اندازہ کرنا، خواندگی کے طریقوں کی آزمائش کرنا اور نوسکھ بالغوں کے لئے خود بھی کتابیں تیار کرنا قرار پایا۔ اس محکمے نے یونیسکو اور حکومت ہند کی وزارت تعلیم کے سونپے ہوئے چند منصوبوں کی تکمیل بھی کر لی ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تعلیمی سرگرمیوں میں تازہ ترین اضافہ رورل انسٹی ٹیوٹ کا ہے جو نیشنل کاؤنسل فار رورل ہائر ایجوکیشن کے ماتحت وزارت تعلیم کی فرمائش پر قائم کیا گیا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں رورل سروسز اور رورل انجینیرنگ کے تین تین سال کے کورس جاری ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سامنے ایک ایسی یونیورسٹی کا تصور ہے جس کا نظریہ بہت سی سکولوں اور منزلوں میں تعلیم دینا ہے۔ یہاں ابتدائی اور ثانوی کی تعلیم اور تعلیم بالغان کے جو تجربے کئے جا چکے ہیں، وہ کبھی ممکن نہ ہوتے اگر انھیں اونچی سطح کے تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک جماعت کی رہنمائی حاصل نہ ہوتی ـــــ ایک ایسی تعلیم یافتہ جماعت جس کی کالج یا ٹیچرز کالج کے استادوں سے امید کی جا سکتی ہے۔ جامعہ ملیہ کے کاموں کا پیمانہ تو ضرور چھوٹا ہے لیکن اس کی حدیں بہت وسیع ہیں۔ اس کی توسیع دراصل

جس مقبولیت کی ترجمان ہے وہ شاذ ونادر ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد قوم کی اس آواز پر رکھی گئی ہے کہ اس کا اپنا ایک آزاد نظام تعلیم ہونا چاہئے اور اس کا مشکلات ومصائب کے سیلاب میں بھی زندہ وسلامت رہ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستانی قومیت ایک دائمی حقیقت ہے جس زمانے میں ملک کے اوپر فرقہ وارانہ جنگ وجدال کے سیاہ بادل چھائے تھے اس وقت جامعہ کے ہاتھ میں اتحاد ویگانگت کا علم تھا اور فسادات کے بعد وہ ہندوستانیوں میں دوستی اور یکجہتی قائم کرنے کی کوشش میں آگے آگے رہی۔ اس نے ابتدائی اور ثانوی کی تعلیم کو نیا روپ دینے میں اگوائی کی ہے اور غالباً پہلی تعلیمی جماعت تھی جس نے خاتمۂ ناخواندگی کے طریقوں اور وسائل کی منصوبہ بندی کی۔ جامعہ ان پہلے اداروں میں سے ایک ہے جنھوں نے ایک علاقائی بلکہ بین علاقائی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا اور اس وقت قومی زبان کی ترقی وترویج کے لئے نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔

فارم نمبر ۴ —— (رول نمبر ۸ دیکھئے)

۱۔ اشاعت کی جگہ — جامعہ نگر نئی دہلی

۲۔ اشاعت کی مدت — ماہانہ

۳۔ پرنٹر کا نام — برکت علی فراقؔ

قومیت — ہندوستانی

پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی

۴۔ پبلشر کا نام — برکت علی فراقؔ

قومیت — ہندوستانی

پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی

۵۔ ایڈیٹر کا نام — برکت علی فراقؔ

قومیت — ہندوستانی

پتہ — جامعہ نگر نئی دہلی

۶۔ ان لوگوں کا نام اور پتہ جن کا اس اخبار میں حصہ ہے:- جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی

میں برکت علی فراقؔ اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے یقین میں درست ہیں

دستخط

برکت علی فراقؔ (پرنٹر)

۲۸ مارچ ۱۹۶۳ء

ادارہ تعلیم و ترقّی: ابتدا وارتقا

(الف) ابتدائی کوششیں

جامعہ ملّیہ کے اہتمام میں بالغوں کی تعلیم کا سلسلہ تو اسی وقت سے جاری تھا جب ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں اس کی بنیاد پڑی تھی اور یہ قدرتی بات بھی تھی اس لئے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کے نام سے ہندوستان میں منظم طور پر اس کام کی ابتدا کا یہی زمانہ تھا جب پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یورپ کے ملکوں سے ہندوستانی فوجی افسر اور سپاہی لوٹے تھے اور جگہ جگہ بالغوں کی تعلیم کے ادارے اور سنٹر کھلنے لگے تھے لیکن کام کا یہ سلسلہ کسی تنظیم کے ماتحت نہیں تھا اور جامعہ کے اساتذہ اور کارکنوں کو جب سیاسی سرگرمیوں سے فرصت پاکر تعلیمی منصوبوں میں لگنے کا وقت ملتا تھا تو اُس وقت جیسے اور تعلیمی کام ہوتے تھے۔ بالغوں کی تعلیم کا کام بھی ٹھیک اور غیر منصوبہ بند طور پر ہونے لگتا تھا۔

کسی حد تک منظم طور پر اس کام کے آغاز کا سُراغ ۱۹۲۶ء میں لگتا ہے جس کے متعلق جامعہ کے ایک قدیم کارکن جناب عبدالغفار مُدھولی صاحب نے اپنی کتاب "ایک معلّم کی زندگی" میں لکھا ہے کہ

> "چند ماہ ہوئے (۲۴ر اپریل ۱۹۲۶ء کو) حافظ صاحب نے "مدرسہ شبینہ" (رات کا مدرسہ) کھول رکھا تھا۔ چند لڑکے اور ایک دو اُستاد کام کرتے تھے طے ہوا کہ اگر میں اس کام کو کروں تو چھٹیوں کے خرچ کا انتظام ہو جائے گا پہلا سوال نو دن بھر کام کرنے والے غریب بے پڑھے لکھے لوگوں میں شوق پیدا کرنا اور انھیں جمع کرنا تھا میں نے ہر ایک کے گھر جانا شروع کیا۔ اِن کے ہاں تھوڑی دیر تک بیٹھتا۔ باتیں کرتا۔ اور انھیں یقین دلاتا کہ پڑھنا مشکل بات نہیں ہے۔ روزانہ ایک گھنٹہ پڑھنے سے سال بھر میں کہانیاں۔ اشتہارات پڑھ سکتے ہیں اور خط میں مطلب کی باتیں لکھ سکتے ہیں۔ جو لوگ پہلے سے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ جلدی تیار ہو جاتے تھے ان کی مدد سے نہ جاننے والوں کو تیار کر لیتا تھا۔ اس طرح تعداد بڑھنے لگی۔ صرف ایک مہینے کے عرصہ میں چھوٹے بڑے تین سو آدمی آنے لگے۔ کہیں قصّے کہانیاں سُنائی جا رہی ہیں تو کہیں اخبار، کسی طرف کتابیں پڑھوائی جا رہی ہیں تو کہیں تصویروں کے ذریعے مفید باتیں سمجھائی جا رہی ہیں۔ اِن ہی بڑے لوگوں میں سے مدرسہ کی پنچایت بنائی

چھٹی ہونے کے بعد ان کا جلسہ ہوتا تھا پنچائت کے رُکن جہاں لوگوں کی تکلیفیں اور شکایتیں بیان کرتے تھے۔ وہیں بیماری باتوں کو ان میں پھیلاتے تھے۔ لوگوں کی غفلت پر دیہاتی طریقہ کے مطابق پنچایت کا فیصلہ سُناتے تھے شہری لوگوں میں ان کی اہمیت بڑھانے کے لئے مشترکہ جلسوں کا انتظام بھی تھا۔ مثلاً "جادو کی لالٹین" کے ذریعہ کسی بات کو سمجھانے وقت جامعہ کے تمام طلبا ان کے درمیان بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے اپنے جلسے اس اہتمام سے ہوتے تھے کہ بستی کے معزز لوگ اور جامعہ کے اُستادوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس قسم کے جلسوں کا ان کے اوپر اتنا اچھا اثر پڑا کہ انھوں نے اپنی اندرونی تنظیم کو اور مضبوط کر لیا۔

چاندنی راتوں میں تو لوگ یوں بھی تفریحاً چلے آتے تھے لیکن اندھیری راتوں میں بھی مدرسہ کی کشش باقی رکھنے کے لئے میرے ایک دوست کے کہنے کے مطابق مجھے اپنے "کرتب" دکھانے پڑے۔ چند کھیل بلکہ "کرتب" ایسے سوچ رکھے تھے جس کے لئے تاریکی (اندھیرا) ضروری تھی۔ مثلاً طلبا کے دو فریق کرکے دو "بیٹریاں" دے دی جاتی تھیں پہلا فریق کسی دور جگہ جا کر بیٹری دکھاتا تھا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس سمت میں ہیں دوسرا فریق اپنی بیٹری کی مدد سے تلاش کرتا تھا۔ "بیٹری کی مدد سے چھپنے اور تلاش کرنے کا کھیل" بستی کی گلیوں میں بھی کھیلا جاتا تھا تین سَو طالب علموں کی لمبی قطار مدرسے سے روانہ ہوتی تھی۔ میں بیٹری لے کر کسی اونچی جگہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ تاکید یہ تھی کہ روشنی ہو تو قطار چلے ورنہ کھڑی رہے۔ اسی طرح سیٹی یعنی "فُر فُر فُر" کے کھیل بھی کھلائے جاتے تھے۔ ہم لوگ اگرچہ جامعہ نگر (دہلی سے آٹھ میل دور) منتقل ہو چکے ہیں۔ لیکن بستی کے تانگے والے، ٹھیلے والے، کارخانوں عمارتوں کے مزدور اب بھی مجھے دیکھ کر "گیتھار صاحب" کے نام سے پکارتے ہیں اور بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔"

یہ مدرسہ شبینہ (نائٹ اسکول) غالباً جامعہ کے اساتذہ کی انفرادی کوششوں سے چلتا تھا اور جامعہ سے باضابطہ اس کا کوئی قانونی تعلق نہیں تھا۔ اس کے بعد غالباً ۲۶-۱۹۲۵ء میں "شعبۂ تعلیم بالغان" کے نام سے بالغوں کی تعلیم کا شعبہ باضابطہ جامعہ کی مجلس تعلیمی کی قرارداد کے مطابق قائم کیا گیا اور اُس کے لئے ایک بجٹ بھی تھا؛ اور اس کے انچارج شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب مرحوم تھے جو ایک سال پیشتر جامعہ سے بی۔ اے۔ پاس کر کے اساتذہ جامعہ کے حلقے میں شامل ہو گئے تھے جیسا کہ اس زمانہ کے رجسٹرار محترم حافظ فیاض احمد صاحب کی ایک تحریر مورخہ ۸ رفروری ۱۹۳۴ء سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ سلسلہ اسی طرح ۱۹۳۳ء تک چلتا رہا اور کاغذات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال شفیق صاحب مرحوم کی جگہ مولوی حفیظ الدین صاحب شعبۂ تعلیم بالغان کے انچارج ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب نے تعلیم بالغان کے لئے کوئی نئی اسکیم بنائی تھی جس کی منظوری کے لئے انھوں نے (ان کے ایک خط مورخہ ۲ ردسمبر ۱۹۳۳ء کے مطابق) شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب

کو ایک یادداشت پیش کی تھی۔ اس یادداشت پر شیخ الجامعہ صاحب موصوف نے حسب ذیل حکم صادر فرمایا تھا:

"میری خواہش ہے کہ تعلیم بالغان کا کام جو جامعہ عرصے سے کر رہی ہے، باضابطہ اور منظم طریق پر انجام پائے۔ اس کے لئے مجلس منتظمہ انجمن تعلیم ملی (موجودہ جامعہ سوسائٹی) کے آیندہ جلسے میں اس کی مفصل تجویز اور بجٹ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس تجویز اور بجٹ کی تیاری میں آپ سے مدد چاہتا ہوں۔ آپ صاحبان کی ایک کمیٹی اس وقت اس کام کو شروع کر دے تو مہینہ دو مہینہ میں کوئی مفصل تجویز بھی بن جائے گی۔ آپ سب صاحبان کو اس کام سے جو تعلق رہے گا اس کی وجہ سے آپ مجھے مفید مشورہ بھی دے سکیں گے۔ یقین ہے کہ آپ مہربانی فرما کر اس تکلیف کو گوارا فرمائیں گے۔ میں بہت ممنون ہوں گا۔"

اس کمیٹی کی صدارت ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب فرمائیں گے اور حفیظ الدین صاحب معتمد کے فرائض انجام دیں گے۔　　　۷ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

کمیٹی کے اراکین حسب ذیل تھے:

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب صدر
شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی
سعید انصاری صاحب
حامد علی خاں صاحب
مولوی حفیظ الدین صاحب سکریٹری

اس کمیٹی نے تین مہینے کام کیا اور اس مدت کی ایک رپورٹ شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں پیش کی جو حسب ذیل ہے:

بہ شرف ملاحظہ،

جناب شیخ الجامعہ صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

جناب والا،

ہم دستخط کنندگان ذیل شعبۂ تعلیم بالغان سے متعلق اپنی سہ ماہی تحقیق کا نتیجہ جناب کی خدمت میں

پیش کرتے ہیں ہیں کام اور تحقیق کے لئے جو وقت دیا گیا تھا، ہم نے اس میں کوئی نیا تجربہ نہیں کیا بلکہ جس طرح کام ہو رہا تھا اسی طرح ہوتا رہا۔

قرول باغ کا ایک محدود حلقہ "نائی والا گلی" اس کام کے لئے منتخب کیا تھا، اس حلقے کی کل آبادی ۲۰۸ ہے جن میں ۱۲۷ مرد ہیں اور ان میں بالغ ناخواندہ مرد ۵۴ ہیں۔

سب سے پہلے اس حلقے کا ایک دورہ کیا گیا، کارکنوں نے فرداً فرداً ان لوگوں سے مل کر اپنے ارادے کا اظہار کیا، اس کے بعد اس محلہ کی مردم شماری کی گئی۔ اس سلسلہ میں بھی کافی تبلیغ واشاعت کی گئی۔

ایک مدرسہ شبینہ پہلے سے جاری تھا، جس میں ۲۲-۲۳ آدمی آتے تھے، آخر میں ۳-۴ آدمی باقی رہ گئے تھے، ہماری جدید سرگرمیوں سے ۱۲۵ اشخاص نے داخلہ کرایا، مگر اوسط حاضری ۱۴ سے زیادہ نہیں ہوئی۔ اور چند دنوں کے بعد ۵-۶ اوسط رہ گئی۔

دوائیں اور کتاب خانہ کا بھی کچھ انتظام پہلے سے تھا، اس کو جاری رکھا گیا، جن لوگوں کو دوائیں اور کتابیں تقسیم کی جاتی تھیں ان کی تعداد کا روزانہ اوسط ۳-۴ تھا، روزانہ شام کو تختۂ سیاہ پر ہر روز کی خبریں لکھ دی جاتی تھیں، محلہ والوں کے لئے کھیل کود، کبڈی اور تماشے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جدوجہد زیادہ سودمند نہیں ہوئی۔ ہمارے پچھلے کاموں نے اُن پر کوئی گہرا اور دیرپا اثر نہیں ڈالا، نہ وہ ہماری طرف کھنچ سکے اور نہ ہم ان میں خاطر خواہ رسوخ پیدا کر سکے۔ البتہ دو سال کی کوششوں کا یہ نتیجہ ضرور ہے کہ اس آبادی کو اب ہم سے پہلے سی وحشت و بدگمانی نہیں ہے، کچھ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اس کام کی تہہ میں جامعہ کی کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہے، یہ کام انہی کے فائدے کی خاطر کیا جا رہا ہے لیکن یہ خیال بھی ابھی بہت زیادہ عام نہیں ہوا ہے۔

ہمارا یہ تجربہ اسی لئے خاطر خواہ طور پر کامیاب نہیں ہو رہا ہے کہ ہم جن لوگوں میں کام کر رہے ہیں وہ اصلاحی اثرات کو آسانی سے قبول کرنے والے نہیں۔ وہ خالص دیہاتی ہیں اور نہ خالص شہری، ان میں شہری برائیاں اور دیہاتی اکھڑ پن تو موجود ہے مگر وہ دیہاتیوں کے سادہ اخلاق سے یکسر خالی ہیں ان میں وعدہ خلافی اور دیگر بداخلاقیاں رچ گئی ہیں، ایسے لوگوں میں کام کرنا بہت دشوار اور کارکنوں کے لئے صبر آزما ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ اس لئے ہمیں ان لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش جاری

رکھنا چاہئے۔ خواہ اس کے نتائج کتنے ہی کم ہوں۔

ہمیں اس سلسلہ میں جو تجربات اور معلومات حاصل ہوئی ہیں اس کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ آیندہ دو طریقوں پر کام کرنا چاہئے۔

(۱) ایک تو ہنگامی کام ہوں،

(۲) دوسرے دائمی اور مستقل،

(۱) ہنگامی کاموں کے سلسلہ میں ماہانہ جلسے، تقریریں، مہینے میں ایک مرتبہ فلم، سال میں ایک دو مرتبہ تمام جامعہ کے لوگ صفائی کا ایک ہفتہ منائیں جس میں میلاد اور جلسہ وغیرہ کیا جائے اور ان کی خدمت کی جائے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) دائمی اور مستقل کام (یعنی اُن کی تعلیم و اخلاقی اصلاح کی کوشش) کا نتیجہ بہت دیر میں نکلے گا لیکن ہمارا کرنے کا اصلی کام یہی ہے، ہماری زیادہ تر توجہ اسی طرف رہنا چاہئے اس کا مرکز ہمارا رات کا مدرسہ ہونا چاہئے۔ مگر اس کی طرف اُن لوگوں کو کھینچنے کے لئے ان کے درد دکھ میں شرکت کرنا چاہئے۔ مثلاً دواؤں کا مفت تقسیم کرنا، تیمارداری، شادی بیاہ، رنج و غم کے موقعوں پر امکانی مدد خط خطوط لکھ پڑھ دینا وغیرہ۔

اگر ہم اُن کی خدمت کر کے اُن کے دلوں میں جگہ پیدا کرلیں تو ہماری مروت و رعایت سے وہ ہمارے تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگیں گے۔ رفتہ رفتہ ان کو اس کام سے ایک تعلق پیدا ہو جائے گا اور شائد اسی طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

کام کرنے کی یہ جو صورت ہم نے پیش کی ہے یہ بھی غیر آزمودہ چیز ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر چھ مہینے تک اسی نہج پر کام چلایا جائے تو آیندہ ایک مستقل راہ عمل پیدا ہو سکتی ہے۔

ہم سفارش کرتے ہیں کہ اس اسکیم کو دسمبر ۱۹۳۳ء سے مئی ۱۹۳۲ء تک آزمایا جائے۔ اس کے لئے ایک تخمینۂ اخراجات بھی پیش ہے اگر یہ منظور ہو جائے تو کام بخوبی چل سکتا ہے۔

ہماری تجویز یہ بھی ہے کہ ان مصارف کے لئے فردوباغ سے چندہ کیا جائے۔ اور ممکن ہو تو خود ان لوگوں سے جن میں کام کرنا ہے چھوٹے چھوٹے چندے جمع کئے جائیں۔ اس میں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جامعہ پر مصارف کا بار زیادہ نہ پڑے گا۔ اور دوسرا یہ کہ اس کام کے مقاصد کی اشاعت ہوگی۔ اور

جو لوگ اس میں مدد دینے پر راضی ہو جائیں گے، انھیں اس سے ایک مستقل دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ اگر یہ کوشش کامیاب ہوئی تو تخمینی مصارف کا ایک حصہ چندوں سے پورا ہوگا، اور جامعہ کو اس بجٹ کی کل رقم ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

آخر میں ہماری گذارش ہے کہ آپ آیندہ چھ مہینے کے لئے ایک کمیٹی تعلیم بالغان کی نگرانی کی غرض سے مقرر کر دیں مناسب یہ ہوگا کہ ارکان نامزد کرنے سے پہلے اُن سے دریافت کر لیا جائے کہ اس کام میں عملی حصہ لینے کے لئے وہ کچھ وقت صرف کر سکتے ہیں کہ نہیں۔

بجٹ از دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء تا مئی سنہ ۱۹۳۴ء

	ماہانہ	شش ماہا
۱۔ کرایہ مکان ماہانہ	۳ — —	۱۸ — ۰ —
۲۔ تیل مٹی کا	۲ — ۰ —	۱۲ — ۰ —
۳۔ کتابیں وغیرہ	۱ — ۰ —	۶ — ۰ —
۴۔ دوائیں	۳ — ۰ —	۱۸ — ۰ —
۵۔ کارکن و مدرسین چار، بہ حساب فی ۵ روپے	۲۰ — ۰ —	۱۲۰ — ۰ —
۶۔ الاؤنس معتمد	۱۰ — ۰ —	۶۰ — ۰ —
۷۔ ملازم	۱۲ — ۰ —	۷۲ — ۰ —
۸۔ اخراجات دفتر	۱ — ۰ —	۶ — ۰ —
۹۔ متفرقات	۵ — ۰ —	۳۰ — ۰ —
۱۰۔ کتابیں یک مشت کتاب خانے کے لئے		۱۰ — ۰ —
۱۱۔ سینما تین وقت		۳۰ — ۰ —
	۵۷ — ۰ —	۳۸۲ — ۰ —

بجٹ کی تشریح

۱۔ کرایہ مکان ۔	مکان کا دینا پڑے گا ۔
۲۔ تیل ۔	پانچ چھ لالٹینیں روزانہ جلیں گی ۔
۳۔ کتابیں وغیرہ۔	ان کے پڑھنے کے لئے زیادہ تر بلا قیمت کتابیں دیتے ہیں اکثر پنسل وغیرہ بھی دینا پڑتا ہے ۔
۴۔ دوائیں۔	مشیر طبی صاحب سے دوائیں لینے میں قیمتی دوائیں ملیں گی ان کا معمولی دیسی دواؤں سے علاج کیا جائے گا ۔
۵۔ کارکن و مدرسین۔	دو اُستاد ہوں گے جو مدرسہ میں رہیں گے، اور صرف زبانی وکتابی تعلیم دیں گے۔ ایک صاحب کتابوں اور دواؤں کی تقسیم کا انتظام کریں گے۔ اور اس سلسلہ میں ترغیب تعلیم بھی دیں گے۔ ایک صاحب گشت لگا کر لوگوں سے ملیں گے اور ان کے مجمعوں میں جایا کریں گے۔
۶۔ الاؤنس معتمد۔	معتمد اگر اعزازی ہو تو بہتر ہے ورنہ کم از کم ۱۰ روپے ماہانہ دینا ہوگا۔
۷۔ ملازم ۔	چپراسی پورے دن کے لئے رکھا جائے گا۔ عصر کے وقت خبروں کا بورڈ رکھے گا، اس کی نگرانی کرتا رہے گا۔ مدرسے کی صفائی مدرسہ میں پانی و روشنی وغیرہ کا انتظام۔ جو لوگ غیر حاضر ہوں ان کے گھر جایا کرے گا۔ بیماروں کو دوائیں پہنچائے گا۔ چندہ کی وصولی میں مدد دے گا۔ اب جو آدمی تھوڑی دیر کے لئے اس سے فائدہ نہیں ہوتا آدمی کے ذریعہ بہت سا کام لیا جا سکتا ہے ۔
۸۔ اخراجات دفتر۔	روشنائی کاغذ پنسل وغیرہ ٹھہر جانے وغیرہ کا صرفہ

۹۔ متفرقات

۱۰۔ کتابیں کتاب خانے کے لئے۔ کتب خانے میں اس عرصہ کے لئے یک مشت دس روپے کی ضرورت ہے پچھلی کتابیں تقریباً سب پڑھی جا چکی ہیں۔

۱۱۔ سینما بین وقت۔ فی وقت سینما دس روپیہ صرفہ ہوتا ہے ۵ روپیہ ایسوسی ایشن کو ۵ روپیہ کرایہ وغیرہ

نوٹ۔ اگر اپریل میں کوئی ہفتہ منایا جاسکا تو اس کے لئے اخراجات کا تخمینہ مارچ میں پیش ہو سکتا ہے۔

خاکسار

محمد حفیظ الدین معتمد

۲۶ر نومبر ۱۹۳۳ء

یہ رپورٹ اگرچہ ناکامیوں کی ایک داستان ہے لیکن اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ جامعہ والوں کے نزدیک تعلیم بالغان سے صرف بالغوں کی خواندگی مراد نہیں تھی بلکہ ان کی پوری زندگی کی تربیت و تہذیب مقصود تھی۔

شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو پرانے کاغذات اور رکارڈ سے ایسا معلوم ہوتا ہے تعلیم بالغان سے بڑی گہری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ ادارے کے فائل میں ایسے متعدد کاغذات موجود ہیں جو ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطوط کے جواب میں انگلینڈ اور یورپ کے بعض دوسرے ملکوں سے آئے تھے۔ ان خطوط کی زبان اور حوالے کی باتوں سے اس کا صاف پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان ممالک کے اڈلٹ ایجوکیشن کے نمونوں کا مطالعہ کر کے بالغوں کی تعلیم کا ایک ہمہ گیر اور جامع پروگرام چلانا چاہتے تھے۔ صرف مناسب موقعے کا انتظار تھا کہ جامعہ کا کوئی منچلا کارکن اس کے لئے پورے عزم و اعتماد کے ساتھ تیار ہو جائے۔

اسی اثنا میں ایک واقعہ ایسا رونما ہوا جس سے جامعہ کے اہتمام میں بالغوں کی تعلیم کے کام کی تحریک ہوئی اور اس کے لئے ایک باضابطہ شعبے کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

دلی کے قریب پنجاب کا ایک قصبہ ہے فرید آباد۔ یہاں کے ایک ادیب اور عوامی کارکن جناب سید مطلبی فرید آبادی نے شیخ الجامعہ کو ایک خط لکھا جس میں انھوں نے قصبے کے چند میواتی[۵] نوجوانوں کے تعلیمی اشتیاق کا ذکر کرتے ہوئے

[۵] یہاں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میوات کے لوگ عام طور پر اُس زمانے میں بھی اَن پڑھ تھے اور اب بھی ہیں (بقیہ ص ۱۷ پر)

جامعہ سے ان کے لئے ایک نصاب تعلیم مرتب کرنے کی فرمائش کی تھی۔ یہ خط بھی اس قابل ہے کہ اُسے یہاں نقل کردیا جائے۔

کرم فرمائے بندہ ڈاکٹر صاحب سلامت سلام مسنون۔

مدت سے خیال تھا کہ یہ عریضہ آپ کو لکھوں۔ لیکن یہی خیال ہوتا تھا کہ کبھی فرصت میں گفتگو ہوگی۔ لیکن حسن اتفاق کہ اس طرف کے بعض میواتی نوجوانوں کو از خود تعلیم بالغان کی ضرورت نے مجبور کیا ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لئے ایک تحریک منظم کریں۔ چنانچہ وہ کچھ دنوں سے مجھ سے اس معاملہ میں تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ تاآنکہ ۲۶ر جنوری کو اس مقصد کے لئے نوح میں اس خیال کو تشکیل دینے کے لئے وہ ایک مشاورتی جلسہ کر رہے ہیں۔

تعلیم بالغان (اناث و ذکور) ایک ایسی مسلمہ ضرورت ہے کہ اُسے سب محسوس کرتے ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ کام ہرگز کسی سرکاری ایجنسی کے ذریعے موجودہ دورِ حکومت میں انجام نہیں پا سکے گا۔ اس کے لئے دردمندوں کو خود ہی حرکت میں آنا چاہیے اور حسبِ حالات بغیر کسی سرمائے کے اِس مہم کی طرف قدم اٹھانا چاہیئے۔ خواہ وہ کیسا ہی سست اور دور حاصل ہو۔ کیونکہ سرمایہ اکٹھا کرنے کی کوشش میں نہایت ہمت شکن اور ناگوار واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ روپیہ اکٹھا ہونے کے بعد یہ خوف کہ ناعاقبت اندیشی یا بددیانتی اُسے تباہ کر دیا کرتی ہے بہت ناقابل بیان تصور ہے۔ اس لئے ہمت ہی نہیں ہوتی کہ سرمایہ کا لفظ بھی زبان سے نکالا جائے۔ پھر سرمایہ جن میں لوگوں میں ہم رہتے ہیں۔ ان سے مانگنا بہت بڑا ظلم ہے۔ جن کے پاس نہ کپڑا ہے بدن ڈھانکنے کو اور نہ مٹھی بھر اناج ہے کھانے کو۔ بہر نوع بے سرمایہ کے کام کرنے پر مجھے اصرار ہے۔ ——

یہ تو خیر سب ہو گا۔ مگر سب سے زیادہ مشکل سوال یہ ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے لئے نصاب تعلیم کون سا پسند کیا جائے۔ میرے علم میں یہی ہے کہ ایسا کوئی نصاب نہیں ہے۔

آپ لوگ اگر ایسا نصاب دیہاتی بالغوں (مرد و عورت) کے لئے مرتب کرنے کی کوشش فرمائیں گے تو شاید یہ مشکل حل ہو جائے۔ دیہاتی نصاب کے مرتب کرنے میں حسب ذیل امور کا خیال رکھنا پڑے گا۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۶ کا) چنانچہ ان نوجوانوں کا تحصیل علم کے لئے آمادہ ہونا ایک عجوبہ بات تھی اور مطلبی صاحب نے ان کے اِس ارادے کو تکمیل تک پہنچانے کا بجا طور پر ارادہ کیا تھا۔

(۱) چار ماہ — جس میں دیہاتی لوگ بے کار رہتے ہیں۔ روزانہ اگر دو تین گھنٹے تعلیم دی جائے تو بالغان اردو لکھنا پڑھنا حساب اتنا جان جائیں کہ وہ اخبار اور کتب کا جو ان کے لئے لکھی جائیں مطالعہ کر سکیں۔ اور اُن سے مستفید ہو سکیں۔ اپنی روزمرہ کی ضروریات کی خرید و فروخت و مال گزاری و لگان کے حسابات لکھ سکیں اور سمجھ سکیں۔

(۲) زبان اردو ہو مگر ایسی کہ دیہات میں عام طور پر سمجھی جا سکے اور ہر غیر خواندہ اسے سمجھتا ہو۔

(۳) مضمون جوان کو پڑھایا جائے اُن کے ماحول کے بالکل مناسب ہو۔

جامعہ سے زیادہ مناسب جگہ ہندوستان میں اس کام کے انجام دینے کے لئے نہیں ہے۔ اور اس لئے میری استدعا ہے کہ آپ اس ضروری کام یعنی نصابِ تعلیم بالغان دیہات (ذکور و اناث) کے بنانے کے لئے قدم اٹھائیں، اگر یہ کام انجام پا سکے تو بہت بڑی خدمت ہے اور سوائے آپ کی جماعت کے اس کام کو اور کوئی انجام نہ دے گا۔ اور اگر یہ کام انجام نہ پا سکا، تو کہا جائے گا آپ لوگ قومی مجرم ہیں۔ خطا معاف یہ فقرہ میرے سٹھرے پن کی علامت ہے اور کچھ نہیں۔ باقی عافیت۔

طالب جواب

سید مطلبی فرید آبادی

اس خط کا جامعہ کے تعلیم بالغان کے کارکنوں کے اوپر، اتفاق کی بات ہے، اتنا اثر ہوا کہ مجلس تعلیمی میں اس مقصد کے لئے ایک قرارداد کے ذریعے ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس کے کنوینر عبدالغفار صاحب مدھولی تھے۔ یہ کمیٹی سال بھر قائم رہی لیکن کنوینر کی بے حد مصروفیت اور اراکین کمیٹی کے دوسرے تعلیمی کاموں میں لگے رہنے کی وجہ سے حسب دل خواہ کام نہ ہو سکا۔

اسی دوران آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری ایم۔ اے۔ قریشی صاحب کا خط آیا جس کے ساتھ اس کے مارچ ۱۹۳۰ء کے اجلاس کا ایک ریزولیوشن منسلک تھا۔ اس ریزولیوشن میں (جو حسب ذیل ہے) جامعہ سے اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک نصاب مرتب کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ریزولیوشن یہ تھا:

"یہ کانفرنس جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے فرمائش کرتی ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو، موجودہ ادب سے انتخاب کر کے یا جیسا وہ مناسب سمجھے، ایک نصاب تعلیم ایسا مرتب کرے جو اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والے اسکولوں کے لئے مناسب ہو اور کانفرنس ان (اسکولوں) کے لئے اس کی سفارش کر سکے"

اس ریزولیوشن کو جامعہ کی مجلس تعلیمی ...... میں پیش کیا گیا جس نے اس مقصد کے لئے ایک نئی کمیٹی بنا دی۔

(ب) ۳۸-۱۹۳۵ء: ہندوستان میں تعلیمی احیاء کا دور

۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کا دور زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی میدان میں جنگ آزادی کے سپاہیوں کو پہلی مرتبہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت صوبوں میں عوامی حکومتیں قائم کرنے کا موقع ملا تھا اور دوسری طرف تعلیمی میدان میں گاندھی جی کی رہنمائی میں بنیادی قومی تعلیم کی تحریک شروع ہوئی تھی اور ملک کے کونے کونے میں کانگریس کے تعمیری محاذ کے کارکن واردھا کی تعلیمی اسکیم کا تجربہ کرنے کے لئے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے بنیادی اسکول کھول رہے تھے۔ گاندھی جی "ہریجن" میں بنیادی قومی تعلیم کے علاوہ بالغوں کی تعلیم کے عنوان پر بھی مضامین لکھ رہے تھے۔ بہار کے صوبے میں ڈاکٹر سید محمود صاحب کی رہنمائی میں بالغوں کی تعلیم کا تجربہ بہت منظم پیمانے پر ہو رہا تھا۔ بہار کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی جہاں کانگریسی حکومتیں کام کر رہی تھیں، عوامی تعلیم کے نام سے اَن پڑھ عوام کو خواندہ بنانے کی اسکیمیں چل رہی تھیں لیکن چونکہ ان اسکیموں کے پیچھے منصوبہ بندی سے زیادہ جذبات کی کارفرمائی تھی اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ ان اسکیموں پر لکھوکھا روپیہ پانی کی طرح بہا دیا گیا مگر عوام تعلیمی اعتبار سے جہاں تھے وہیں رہے۔ شفیق صاحب مرحوم نے جو ادارہ تعلیم و ترقی کے پہلے ڈائرکٹر تھے مجھ سے ایک موقعے پر بیان کیا تھا کہ "ادارے کے قیام میں منجملہ اور محرکات کے اس محرک کو بھی بہت زیادہ دخل تھا کہ اگر عوامی حکومتوں کے سامنے تحقیق و تجربہ کی روشنی میں بالغوں کی تعلیم کی صحیح اور صاف شکل صورت پیش نہ کی گئی تو قوم کا روپیہ یوں ہی ضایع ہوتا رہے گا اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔"

ان کوششوں کے علاوہ انھی دنوں یو۔ پی کے کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ نے بہت بڑے پیمانے پر بالغوں کی تعلیم کی مہم شروع کر رکھی تھی جو ہمارا شٹر کے ایک ماہر تعلیم پروفیسر انت باپو ماٹڈے کی رہنمائی میں بڑی کامیابی سے چل رہی تھی اور ملک میں دور دور اس کا چرچا ہو چلا تھا۔

ناممکن تھا کہ ان تحریکوں کا جامعہ پر اثر نہ پڑتا۔ جس نے علی گڈھ سے دلّی ہجرت کرنے کے بعد اپنے لائحہ عمل سے سیاسی سرگرمیوں کے حصّے کو خارج کر کے خالصۃً تعمیری و تعلیمی خدمت کو اپنا مطمح نظر قرار دیا تھا۔ تعلیم بالغان کے شعبے نے اپنی ابتدائی اور غیر منظم کوششوں کو ترک کر کے باقاعدہ سوچ سمجھ کر اور منظم طریقے پر کام کرنا شروع ہی کر رکھا تھا گویا دیر اس بات کی تھی کہ ذاکر صاحب کے طبقۂ رفقا میں کوئی صاحب ایسے کھڑے ہوتے جو اس کام کو جامعہ کے ایک باضابطہ محکمے کی شکل میں منظم کرنے کا بیڑہ اٹھاتے اور اس کے لئے مالی مشکلات کا بھی کوئی حل تلاش کرتے۔

(ج) ادارہ تعلیم و ترقی کا قیام

> تحقیق اور تجربے کی روشنی میں بالغوں کی تعلیم کی صحیح اور سائنٹفک صورت پیش نہ کی گئی تو اس کام پر قوم کا کروڑوں روپیہ ضائع ہوتا رہے گا اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔

مولوی شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب مرحوم اساتذہ جامعہ کے حلقے میں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، جامعہ سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۵ء ہی میں شامل ہو گئے تھے۔ خلافت اور کانگریس کی تحریکوں میں عملاً حصہ لینے کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس زمانے میں جامعہ کے کارکنوں میں سب سے زیادہ عوام سے قریب وہی تھے چنانچہ ۱۹۳۲-۳۳ء میں جامعہ کے لئے عوام سے چندہ حاصل کرنے کی غرض سے جب "ہمدردان جامعہ" کی تحریک شروع کی گئی تو پڑھنے پڑھانے کے کام سے نکال کر انھی کو اس تحریک کا منتظم اور سربراہ بنایا گیا اس تحریک کے سلسلے میں ہندوستان کا غالباً کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں شفیق صاحب نہ پہنچے ہوں اور چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ایسا کوئی شخص نہ تھا جسے تعلیمی و تعمیری کاموں سے دلچسپی رہی ہو اور اس سے شفیق صاحب نے ملاقات نہ کی ہو۔ اور ملاقات بھی ایسی کہ اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسہ نکال لیا جائے اور اسے احساس بھی نہ ہو کہ ایسی بھی کیا بے تکلفی!

شفیق صاحب طبعاً ہمیشہ نئی نئی اسکیموں پر کام کرنے کے رسیا تھے۔ قیاس سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب ذاکر صاحب نے تعلیم بالغان کے کام کی اہمیت اور اسی کے ساتھ اس کے لئے سرمائے کے مسائل کے بارے میں ان سے بات چیت کی ہو گی تو سرمائے کی فراہمی کے باب میں اپنے تجربات اور تعلقات کی بنیاد پر وہ فوراً تیار ہو گئے ہوں گے اور ان کے تیار ہوتے ہی ذاکر صاحب نے تعلیم بالغان کا باضابطہ محکمہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو گا۔ اس قیاس کی بنیاد یہ واقعہ ہے کہ جب سے ادارہ تعلیم و ترقی قائم ہوا اُس وقت سے مرتے دم تک شفیق صاحب نے ادارے کے خرچ کا بار جامعہ کی مالیات کے اوپر مطلق نہیں ڈالا۔ مالیات کے باب میں ان کا دستور یہ تھا کہ ادارے کے لئے جو روپیہ وہ لاتے تھے وہ جامعہ کے حسابات میں درج ہونے کے بعد ادارے

CREATORS OF IDARA

Talim O Taraqqi

Zakir Sahib and Shafiq Sahib

Prof M. Mujeeb

Who Sanctioned the establishment of the IDARA as the Acting Vice-Chancellor in 1938

حسابات میں منتقل ہو جاتا تھا، اس لئے کہ شفیق صاحب یہ ہرگز نہیں گوارہ کر سکتے تھے کہ سرمائے کے معاملے میں خود کفیل ہونے کی وجہ سے ادارہ جامعہ سے علیحدہ ہو جائے۔

اس افہام و تفہیم کے بعد شفیق صاحب نے شیخ الجامعہ صاحب (ڈاکٹر ذاکر حسین) کو (غالباً ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کی غرض سے) حسب ذیل خط لکھا:

حلقۂ ہمدردان جامعہ
جامعہ ملیّہ اسلامیہ۔ نئی دہلی
تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۸ء

مخدومی جناب شیخ الجامعہ صاحب ... السلام علیکم

گذارش یہ ہے کہ مجلس منتظمہ نے اپنے جلسے منعقدہ یکم ستمبر ۱۹۳۸ء شعبۂ ہمدردان کی نظامت سے میرا استعفیٰ منظور کر لیا ہے اور بیانوں کی تعلیم کا شعبہ قائم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ میں ۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء سے شعبۂ ہمدردان کی خدمت سے سبکدوش ہو رہا ہوں اور درخواست ہے کہ

۱- یکم اکتوبر سے مجھے شعبۂ تعلیم بالغان قائم کرنے اجازت دی جائے۔

۲- شعبۂ تعلیم بالغان کے متعلق اگر مجلس منتظمہ نے کوئی ہدایات دی ہیں تو اس سے مطلع کیا جائے اور اس شعبہ کے قواعد و ضوابط اور دیگر متعلقہ امور طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے

۳- جب تک کمیٹی کا قیام عمل میں نہ آئے اس وقت تک اس شعبہ کے قیام کے سلسلے میں ضروری انتظامات کی اجازت ناظم شعبہ کو دی جائے۔

۴- مبلغ ایک ہزار روپیہ تعلیم بالغان کے لئے شعبۂ ہمدردان نے جمع کیا ہے۔ یہ رقم ناظم شعبۂ تعلیم بالغان کی تحویل میں منتقل کرنے کی اجازت دی جائے اور اس رقم کو امداد جامعہ میں شمار کیا جائے جس کی رسید صدر دفتر محاسبی سے شعبۂ ہمدردان جامعہ کو بھیج دی جائے۔

۵- دفتر۔ سامان دفتر۔ اور دیگر ضروری انتظامات کے لئے مبلغ ایک سو روپیہ تک خرچ کرنے کی اجازت ناظم شعبۂ تعلیم بالغان کو دی جائے۔

خاکسار
شفیق الرحمٰن قدوائی

جس وقت یہ خط لکھا گیا ہے اُس وقت غالباً ذاکر صاحب دلّی سے کہیں باہر گئے تھے اور موجودہ شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب قائم مقام شیخ الجامعہ تھے۔ انھوں نے اس کا حسب ذیل جواب بھیجا:

۲۴ ستمبر ۱۹۳۸ء

برادرم شفیق صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ مجلس منتظمہ سے آپ کی ان بیش قیمت مخلصانہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے جن کی بدولت شعبہ ہمدردانِ جامعہ کو حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے آپ کی اس مبارک تجویز کی تائید کی ہے کہ سیانوں کی تعلیم کا شعبہ قائم ہو اور آپ اس کا کام اپنے ذمے لیں۔ آپ یکم اکتوبر سے اس کام کو شروع کر سکتے ہیں اور اسے شروع کرنے کے لئے جو انتظامات ضروری ہیں وہ کر سکتے ہیں۔ شعبے کے متعلق مجلس منتظمہ نے ابھی تک کوئی ہدایات نہیں دی ہیں لیکن آپ کارکنان جامعہ یا اور لوگوں سے جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہوں کمیٹی قائم کرنے اور اس کی رکنیت کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ شعبۂ ہمدردان نے جو ایک ہزار روپیہ سیانوں کی تعلیم کے لئے جمع کیا ہے اُسے آپ اپنی تحویل میں لے لیجئے۔ میں اس کی رسید صدر دفتر محاسبی سے شعبۂ ہمدردانِ جامعہ کو بھجوا دوں گا لیکن چونکہ آپ کو دفتر اور سامانِ دفتر کے لئے سردست ایک سو روپیہ کی ضرورت ہے، آپ کو اس رقم کے خرچ کرنے کی اجازت بھی بہ امید منظوری مجلس منتظمہ دی جاتی ہے۔

آپ کا مخلص

محمد مجیب

اس جواب کے بعد شفیق صاحب نے ادارہ تعلیم و ترقی کے قیام کے سلسلے کے کام شروع کر دئے تھے اگرچہ قیام کی باضابطہ مجلس منتظمہ سے اجازت جنوری ۱۹۳۹ء میں ملی جس نے حسب ذیل قرارداد منظور کی:

''جملہ امور مندرجہ درخواست ہذا کی اجازت دی جاتی ہے، اور اس شعبے کے انتظام کے لئے حسب ذیل اصحاب کی کمیٹی کا تقرر کیا جاتا ہے۔

شفیق الرحمن قدوائی صاحب۔ ناظم

شیخ الجامعہ صاحب

محمد مجیب صاحب

ارشاد الحق صاحب　اور　حامد علی خاں صاحب

ادارے کا پہلا دستور العمل

اس کارروائی کے بعد مجلس ادارہ تعلیم وترقی نے اور تنظیمی کاموں کے ساتھ ادارہ کا دستور بھی مرتب کیا جو بعض تبدیلیوں کے بعد حسب ذیل شکل میں منظور ہوا (دستور کی صرف وہ دفعات دی جارہی ہیں جو اغراض ومقاصد اور تنظیم سے متعلق ہیں)

۱۔ اس ادارے کا نام ادارہ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ ہوگا۔

۲۔ ادارہ تعلیم وترقی کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے:

(۱) تعلیم بالغان کے لئے نصاب تعلیم اور سامان تعلیم تیار کرنا

(۲) تعلیم بالغان کے لئے تعلیم وترقی کے حلقے قائم کرنا۔

۳۔ ادارہ تعلیم وترقی مجلس منتظمہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ماتحت ہوگا۔

۴۔ ادارہ تعلیم وترقی کا ذمے دار اعلیٰ عہدہ دار ناظم ادارہ ہوگا۔

۵۔ ناظم ادارہ کا تقرر شیخ الجامعہ کی سفارش پر مجلس منتظمہ تین سال کے لئے کرے گی۔

۶۔ ادارہ تعلیم وترقی کی نگرانی اور مشورے کے لئے ایک مجلس ہوگی جس کا نام مجلس تعلیم وترقی ہوگا۔

۷۔ یہ مجلس صدر اور معتمد (سکریٹری) کے علاوہ تین اراکین پر مشتمل ہوگی جن کو مجلس تعلیمی کی سفارش پر مجلس منتظمہ ایک سال کے لئے مقرر کرے گی۔

۸۔ شیخ الجامعہ مجلس تعلیم وترقی کا صدر ہوگا اور ناظم ادارہ مجلس تعلیم وترقی کا معتمد (سکریٹری) ہوگا۔

۹۔ مجلس تعلیم وترقی کے جلسے معمولاً ہر تیسرے مہینے منعقد کئے جائیں گے۔

دستور کی منظوری اور ابتدائی دفتری تنظیم کے بعد ادارے نے اپنے لئے کام کا جو پہلا خاکہ ترتیب دیا اور جس کے مطابق کم وبیش سات سال تک کام ہوتا رہا وہ حسب ذیل ہے:

(الف)۔ ادارہ تعلیم و ترقی: ابتدائی خاکہ

یہ ادارہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ تعلیم بالغان کے لئے:۔

۱۔ نصاب تعلیم اور تعلیمی سامان تیار کیا جائے اور

۲۔ حلقۂ تعلیم و ترقی قائم کئے جائیں۔

ان مقاصد کے پیش نظر:

(۱) ان پڑھ بالغوں کے لئے اردو کا ایک "قاعدہ" جو موجودہ قاعدوں میں بڑی عمر کے لوگوں کے لئے مفید اور مناسب معلوم ہوا تجویز کیا گیا ہے۔ اس قاعدہ کے تین حصے ہیں۔ اور چونکہ نئے طرز پر لکھا گیا ہے اس لئے اُستادوں کی ہدایات کے لئے ایک "قاعدہ نما" بھی ہے۔ یہ قاعدہ ایک تجربہ کی بنیاد پر صاحبزادہ ڈاکٹر سید الظفر صاحب سابق وزیر تعلیم ریاست بھوپال نے ترتیب دیا ہے اور مصنف نے اپنے پورے تجربہ کو علیحدہ قلمبند کر کے شائع کر دیا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک بالغ ان پڑھ آدمی کو اردو پڑھنا اور لکھنا سیکھنے میں کس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں اور ان کو کس طرح مصنف نے حل کیا ہے۔ قاعدہ کے تینوں حصے اور آخرالذکر رسالے مکتبہ جامعہ دہلی نے شائع کئے ہیں اور وہیں سے قیمتاً مل سکتے ہیں۔

(۲) چونکہ بالغ مبتدیوں کے لئے درسیات کا کوئی سلسلہ موجود نہیں ہے جس سے لکھنے پڑھنے کی مشق اور مہارت پیدا ہو اس لئے چھوٹے چھوٹے رسائل کا ایک سلسلہ ادارہ تعلیم و ترقی کی طرف سے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ رسائل غالباً سو صفحات کے ہوں گے اور خط بھی موٹا ہوگا تاکہ ایک مبتدی انھیں آسانی سے پڑھ سکے۔ ہر رسالہ کا علیحدہ ایک موضوع ہوگا اور کوشش کی جائے گی کہ موضوع سے متعلق جتنے الفاظ اور اصطلاحات عام طور پر بول چال پر رائج ہیں وہ آ جائیں تاکہ مبتدی کو ان الفاظ کے لکھنے اور پڑھنے کی اچھی طرح مشق ہو جائے اور آگے اپنی تعلیم وہ خود جاری رکھ سکے۔

(۳) اسلامی تعلیمات کے کتبے اور مدنی اور سماجی زندگی کے متعلق ضروری معلومات کا ایک سلسلہ تیار کیا جا رہا ہے جو مساجد میں، دکانوں میں، گھروں میں اور مدرسوں میں آویزاں کئے جا سکتے ہیں۔ کوشش کی جائے گی کہ ضرور

معلومات اور ہدایات کا ایک سبق ہر ہفتہ شائع ہو جائے۔

(۴) حلقۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی قائم کیا گیا ہے اور مقامی حالات کا لحاظ رکھ کر ایک پروگرام تجربہ کے لئے تجویز کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

حلقۂ تعلیم و ترقی کا پروگرام

(۱) بستی کے ہر پڑھے لکھے مرد و عورت کو آمادہ کیا جائے کہ سال میں کم از کم ایک اَن پڑھ آدمی کو جو مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم سے محروم ہے پڑھنا لکھنا سکھانا اپنے اوپر لازم کرلے۔ اس سلسلہ میں ایک "خدمت کا عہد" تیار کیا گیا ہے اور اس عہد کے لئے تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کو آمادہ کیا جا رہا ہے۔

(۲) بستی میں چند تعلیمی حلقے قائم کئے جائیں جن میں دینی اور سماجی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور کتابیں پڑھنے کا، رسائل اور اخبار کا شوق پیدا کیا جائے۔

(۳) ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا جائے اور محلے محلے کتابیں مطالعہ کے لئے تقسیم کی جائیں۔

(۴) بستی کی صفائی اور حفظان صحت کے سلسلہ میں بستی کے لوگوں کو متوجہ کیا جائے اور حکومت میونسپلٹی اور امپرومنٹ ٹرسٹ کو بھی توجہ دلائی جائے۔

(۵) تعلیمی کتبات کو رائج کیا جائے۔

۱۔ پڑھنا لکھنا سکھانے کا کام

آج ہر طرف یہی چرچا ہے کہ اس ملک میں کوئی ان پڑھ نہ رہے اور ہر شخص کم از کم اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کر سکے، ملکی حالات سے باخبر رہے، تاکہ حق رائے دہندگی کا صحیح استعمال کرے اور اصلاح و ترقی کے کاموں میں حصہ لے سکے۔

دوسرے ملکوں کے تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ آدمی کو پڑھنا لکھنا سکھانا بہت مشکل کام نہیں ہے اور مادری زبان میں لکھنا اور پڑھنا صرف چند ماہ کے اندر اچھی طرح سکھایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اہم تعلیمی کام جس کے بغیر اصلاح و ترقی کے میدان میں کوئی قدم آگے نہیں بڑھایا جا سکتا، ہنوز ہماری پوری توجہ کا محتاج اور مستحق ہے۔

پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے بالعموم مدارس شبینہ قائم کئے جاتے ہیں، لیکن اس قسم کے مدارس قائم کرنے میں بعض

ایسی انتظامی دشواریاں حائل ہیں جن پر عام طور پر قابو پانا بحالات موجودہ ہمارے لئے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تحریک شروع کی گئی ہے کہ ہر تعلیم یافتہ مرد اور عورت کم از کم ایک اَن پڑھ آدمی کو ہر سال پڑھنا لکھنا سکھانے کا ذمہ دار بن جائے۔ اس وسیع ملک میں جہاں سو میں بانوے آدمی ان پڑھ گنے جاتے ہیں پڑھنا لکھنا سکھانے کا کام اسی طرح ممکن بھی ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اپنی جگہ پر ایک معلّم اور خادم بن جائے اور یہ تمدنی خدمت انجام دے ورنہ اتنی بڑی آبادی کے لئے بے شمار معلّم اور اُستاد کہاں سے آئیں گے جو یہ کام کریں۔ نیز اس تحریک سے ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقے میں خدمت کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں اور یہ احساس بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ اَن پڑھ لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہر پڑھے لکھے کا قومی اور تمدنی فرض ہے جس سے ہم اسی وقت سبکدوش ہو سکتے ہیں جب سال میں کم از کم ایک اَن پڑھ کو ہماری وجہ سے پڑھنا لکھنا آجائے۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص جو معمولی لکھنا پڑھنا جانتا ہے اَن پڑھ آدمی کو حروف شناسی کی تعلیم دے سکتا ہے۔ آدھ گھنٹے روزانہ کی تعلیم اس کے لئے بہت کافی ہے، خواہ کسی قاعدے سے تعلیم دی جائے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی چار مہینے کے اندر پڑھنے لکھنے کا طریقہ سیکھ لے گا۔ قاعدہ یا پہلی کتاب ختم کرنے کے بعد پھر پڑھنے لکھنے کی مشق کے لئے البتہ درسیات کے ایک سلسلہ کی ضرورت ہے جو بالغوں کے مذاق اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر تیار کیا جائے یہ کام ادارہ تعلیم و ترقی کی طرف سے شروع کیا گیا ہے لیکن جب تک سلسلۂ تعلیم و ترقی کے رسائل نہ شائع ہوں موجودہ کتابوں میں سے مبتدیوں کے لئے کچھ کتابوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے جو قاعدہ ختم کرنے کے بعد بالغ مبتدیوں کو بھی شروع کرا دی جائیں۔ اس کے بعد بالغ مبتدیوں کو کتب بینی اور اخبار بینی کا شوق دلایا جائے تاکہ وہ اپنی تعلیم کو خود آیندہ جاری رکھ سکیں۔

جو لوگ خدمت کا عہد کریں گے ان کو تعلیم دینے کے لئے ایک اَن پڑھ طالب علم بھی تلاش کرنا ہوگا، لیکن ہمارے ملک میں ان پڑھ لوگوں کی کیا کمی! ہر گھر میں کوئی عزیز، کوئی قریب، کوئی ملازم یا کوئی آنے جانے والا اَن پڑھ ضرور مل جائے گا اور سب سے پہلے تعلیم پانے کے حق دار بھی یہی لوگ ہیں کہ چراغ تلے اندھیرا نہ رہے، اس کے بعد پڑوس اور محلے میں کسی ان پڑھ کو تلاش کرنا چاہیے۔

اَن پڑھ طالب سے بھی ایک وعدہ پر دستخط لئے جائیں گے لیکن جو شخص پڑھنا نہیں جانتا وہ دستخط کیسے کرے گا؟ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جوان پڑھ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے آمادہ کیا جائے اس کو سب سے پہلے دستخط کرنا سکھایا جائے۔ دس بارہ مرتبہ مشق کرنے سے ہر اَن پڑھ آدمی اپنا نام پڑھنا لکھنا سیکھ لیتا ہے اور ایک دو دن کے بعد ہر طالب علم اپنے دستخط کا نشان

وعدہ کے کاغذ پر ضرور دستخط کر سکے گا۔ صرف دستخط کرنا اور اپنے نام کو پڑھنا اگر کوئی شخص سیکھ جائے تو اُسے بھی بجائے خود ایک بہت بڑی خدمت سمجھا جاتا ہے۔

دوران سال میں یہ کوشش کی جائے گی کہ بستی کے خدام کو کبھی کبھی جمع کر کے پڑھنا لکھنا سکھانے کے مختلف طریقوں پر غور کیا جائے اور جو تجربات حاصل ہوں ان کے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے طلبہ کے لئے سال میں دو تین مرتبہ امتحان کا انتظام کیا جائے گا اور یہ توقع کی جائے گی کہ ہر طالب علم سال کے دوران میں کسی ایک امتحان میں شریک ہو کر یہ ثبوت دے کہ اس نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے۔ کامیاب طلبہ کو ادارہ کی طرف سے سندیں تفویض کی جائیں گی اور پھر وہ بھی حسب وعدہ خدام کی فہرست میں شریک ہو جائیں گے تاکہ اسی طرح دیے سے دیا جلتا رہے۔

۲۔ تعلیمی حلقے

اس میں شک نہیں کہ پڑھنا لکھنا سیکھنا اس وقت خاص اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ سمجھنا کہ تعلیم بالغان اسی پر ختم ہو جاتی ہے بہت بڑی غلطی ہے۔ تعلیم بالغان کا اصل مقصد جہالت دور کرنا ہے جو کتابی تعلیم کے علاوہ زبانی اور مشاہدہ کی تعلیم سے بھی ممکن ہے اور جہاں تک بالغوں کی تعلیم کا تعلق ہے، آخرالذکر دونوں طریقوں کو اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لئے تجویز ہے کہ بستی میں حالات کے اعتبار سے چند تعلیمی حلقے قائم کئے جائیں۔ تعلیمی حلقے کا ایک اعزازی مہتمم ہو اور بالالتزام روزانہ درس کی بجائے وقتاً فوقتاً درسی تقاریر اور مشاہدے کے ذریعہ تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ خیال یہ ہے کہ عام طور پر تعلیمی حلقوں میں طلبہ کی تعداد بہت زیادہ نہ ہوگی، لیکن طلبہ کی تعداد مہتمم کی کوشش اور پروگرام کی دلچسپی پر موقوف ہے۔ ان حلقوں میں وہ لوگ بھی شامل کئے جائیں جنھوں نے پڑھنا لکھنا سیکھنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا ہے۔

تعلیمی حلقوں کی نوعیت بالآخر طلبہ کی ضروریات اور دلچسپی، پیشے اور برادری، تعلیمی حالت، مذہبی اور سیاسی عقائد کے لحاظ سے مقرر ہوگی، لیکن تجربے سے معلوم ہوگا کہ کس قسم کے حلقے تعلیمی حیثیت سے کامیاب اور مفید ہو سکتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ پہلے دینی تعلیم اور مدنی مسائل سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے تعلیمی حلقوں کا پروگرام بنایا جائے۔

۳۔ گشتی کتب خانے

پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد میں جتنا اضافہ ہوگا ہے اسی قدر کتابوں کی ضرورت اور کتب خانوں کی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ دوسرے ملکوں کے تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب بینی اور تحصیل علم کا شوق پیدا کرنے میں کتب خانوں اور

دارالمطالعوں کا بہت بڑا حصّہ ہے اور بالغوں کی تعلیم کے سلسلہ میں مستقل انتظام یہی سمجھا جاتا ہے کہ کتب خانوں کی تعداد اور کتابوں کے ذخیرہ میں اضافہ کیا جائے۔

ہمارے یہاں اوّل تو پڑھے لکھوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں ان میں بھی کتب بینی اور تحصیل علم کا شوق مفقود ہوتا ہے۔ اس لئے یہ شوق پیدا کرنے کے لئے کتب خانوں اور دارالمطالعوں کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ اس بستی کے لئے ایک گشتی کتب خانہ کی ابتدا کی گئی ہے اور ایک چھوٹا سا ذخیرہ کتابوں کا جمع کیا گیا ہے اس میں زیادہ کتابیں بالغ مبتدیوں کی استعداد و مذاق اور دلچسپی کو پیش نظر رکھ کر منتخب کی گئی ہیں یہ کتابیں تعلیمی حلقوں کے خدام کے ذریعہ سے محلہ کے لوگوں میں مطالعہ کے لئے دی جائیں گی۔

۴۔ صحت اور صفائی

تندرستی اور حفظان صحت کے لئے بستی کی صفائی میونسپلٹی کے فرائض میں داخل ہے۔ لیکن چونکہ خود بستی کے لوگوں کو صفائی کی عادت اور حفظان صحت کا خیال نہیں ہے اس لئے میونسپلٹی کی خدمات سے نہ پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ حفظان صحت کے متعلق ابتدائی باتوں کا کوئی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے تعلیمی حلقوں اور پوسٹروں کے ذریعہ بستی کے لوگوں کو گھر کی اور محلّہ کی صفائی وغیرہ کی طرف توجہ دلائی جائے گی اور اس سلسلہ میں میونسپلٹی وغیرہ کی خدمات سے بھی پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔

۵۔ تعلیمی کتبات

ادارہ تعلیم و ترقی کی طرف سے مذہب اور مدنیات کی تعلیم کے لئے کتبات کا ایک سلسلہ تیار کیا جارہا ہے۔ ان کی ترویج کے لئے بستی کی مساجد، مدارس اور دوسرے مقامات پر تعلیم و ترقی کے تختے لگائے جائیں گے اور ان پر یہ کتبات آویزاں کئے جائیں گے اگر کسی نمایاں جگہ پر ایک کتبہ چند روز لگا رہے گا تو امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ بار بار اس کو دیکھیں گے اور پڑھیں گے اور کتبہ کا تعلیمی مقصد پورا ہوگا۔

شفیق الرحمٰن قدوائی

(ناظم ادارہ)

(ب) ادارہ تعلیم و ترقی: پہلے سال کا کام

اس دستور اور خاکے کے مطابق ادارے نے ایک سال کے اندر اگرچہ صرف نصاب تعلیم کی ترتیب اور لاؤ باخی اصول "ہر شخص ایک آن پڑھ کو پڑھا دے" کے مطابق بالغوں کو خواندہ بنانے کی غرض سے حلقۂ تعلیم و ترقی کے نام سے ایک مرکز کے قیام ہی کا کام انجام دیا لیکن جیسا کہ ایک سال کے کام کی حسب ذیل رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے، بڑی تیزی اور تندہی سے کام کیا۔ قیام کے بعد چونکہ کام کی یہ پہلی رپورٹ تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے جوں کا توں یہاں نقل کر دیا جائے۔

"گزشتہ سال اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی قائم ہوا تھا، اس ادارہ کی تنظیم میرے سپرد ہوئی تھی اور ادارہ کی مجلس منتظمہ یعنی مجلس تعلیم و ترقی کے صدر شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ناظم ادارہ مجلس کا معتمد اور پروفیسر محمد مجیب صاحب، مولوی ارشاد الحق صاحب اور حامد علی خاں صاحب مجلس کے اراکین مقرر ہوئے تھے ابتدائی انتظامات کے بعد جنوری ۱۹۳۹ء میں بالغوں کی تعلیم کے لئے چند تجاویز مرتب کر کے ادارہ کا ایک دستور العمل شائع کیا گیا۔ یہ تجاویز عام طور پر پسند کی گئیں جن کا اندازہ اُن خطوط سے ہوا جو دستور العمل کی اشاعت کے بعد ادارہ کے نام آئے۔ اس کے علاوہ ملک کے مقتدر اخبارات نے بھی ادارہ کے دستور العمل کو نمایاں طور پر شائع کیا اور اس کی تائید میں چھوٹے بڑے مقالے لکھے۔"

"ادارہ تعلیم و ترقی نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی کہ بالغ مبتدیوں کی دلچسپی مذاق اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر ایک ایسا سہل اور تدریجی نصاب تیار کیا جائے جس سے خواندگی کی مشق اور کتب بینی کا شوق پیدا ہو اور ساتھ ہی ساتھ معلومات میں کچھ اضافہ ہو، تاکہ ایک آن پڑھ آدمی پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد کسی اُستاد کی مدد کے بغیر کتب خانہ تعلیم و ترقی کے ذریعہ اپنی تعلیم کو آپ جاری رکھ سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ پڑھنے لکھنے کی مشق جاری نہ رہنے سے لوگ پڑھ لکھ کر سب بھول جاتے ہیں اور اس طرح پڑھنے والے اور پڑھانے والے دونوں کی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔"

"اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر ادارہ نے سلسلۂ تعلیم و ترقی کے رسائل کا ایک خاکہ تیار کیا تھا جس میں سے ایک قاعدہ کے علاوہ جو خاص بالغوں کے لئے تیار کیا گیا ہے، حسب ذیل رسالے مکتبہ جامعہ شائع کر چکا ہے۔"

(۱) نماز (۲) حکایتیں حصہ اوّل (۳) حکایتیں حصہ دوم (۴) حبیب خدا (۵) نظمیں (۶) میونسپلٹی (۷) صدیق اکبر (۸) خط وکتابت (۹) ضلع کا انتظام (۱۰) قومی گیت (۱۱) غزلیں (۱۲) ہمارا ہندوستان (۱۳) ا امی پڑھنے لگے (۱۴) عمر فاروق ۔ کوشش یہ ہے کہ بالغ ہندیوں کا جلد سے جلد دو سو رسالوں کا ایک کتب خانہ تیار ہو جائے جوان کی ضرورت کے لحاظ سے جملہ مضامین پر حاوی ہو۔ مکتبہ جامعہ چونکہ اس کام میں پوری طرح تعاون کر رہا ہے اس لئے امید ہے کہ رسائل کی تیاری کے بعدان کی طباعت اور اشاعت میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

رسائل کا یہ سلسلہ بالغ ہندیوں کی دشواریوں اور ان کی ضروریات کو سامنے رکھ کر تیار کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مضامین، زبان، کتابت اور طباعت میں اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے اور رسالوں کی قیمت بھی بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ وہ طبقہ جس کے لئے یہ کتابیں تیار کی جارہی ہیں آسانی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

ادارہ کی دوسری تجویز یہ تھی کہ عام تعلیم کے لئے ادارہ کی طرف سے تعلیمی کتبات شائع کئے جائیں ان کتبات کا جو خاکہ تیار کیا گیا تھا اس میں عبارتی اور تصویری دونوں قسم کے کتبات تھے لیکن تصویری کتبات کی تیاری زیادہ سرمایہ کی محتاج تھی اس لئے ابتدا عبارتی کتبات سے ہوئی اور سب سے پہلے قرآن مجید اور احادیث کے کتبے سچی تعلیم اور اچھی تعلیم کے عنوان سے شائع کئے گئے اب تک کل سولہ کتبے شائع ہوئے ہیں جن میں چار اچھی تعلیم کے ہیں اور بارہ سچی تعلیم کے ان کتبات کو تھوڑی تعداد میں چھپوایا گیا تھا اس لئے ان کی عام اشاعت کے لئے ہنوز کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے پھر بھی تقریباً ڈھائی ہزار کتبے مفت یا قیمتاً اب تک تقسیم ہو چکے ہیں لیکن ارادہ ہے کہ اس سال اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ کوشش کی جائے اور شہر دہلی میں نیز بیرون دہلی زیادہ سے زیادہ مساجد سچی تعلیم کے کتبات سے آراستہ ہو جائیں۔ اس وقت ہم ان کتبات کو پندرھویں دن شائع کرتے ہیں اس طرح ۲۴ کتبات کا ایک سٹ پورے سال کے لئے بس ہے۔ اس پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے رکھی گئی ہے یقین ہے کہ ایسے اصحاب کثرت سے ملیں گے جو کار خیر میں حصہ لیں اور مختلف مساجد میں قرآنی تعلیم کا یہ خاموش مگر مؤثر سبق اپنی طرف سے جاری کرا دیں۔

سینما اور میجک لالٹین کو بالغوں کی تعلیم کے لئے بہت زیادہ کامیاب ذریعہ مانا گیا ہے اس لئے ہم بھی اس سے کام لینا چاہتے ہیں لیکن بحالات موجودہ چونکہ اس کا انتظام ہمارے ملک میں مشکل نظر آتا ہے اس لئے اس کے بدل کے طور پر تصویری کتاب کا سلسلہ تجویز کیا گیا ہے جو بہت کم قیمت پر فراہم کئے جائیں اور اُن کے ذریعہ سے تعلیم بالغان کا کام مؤثر طریقے پر انجام دیا جائے۔ ادارہ نے اس کے لئے چند نمونے کے کتبات تندرستی، حفظان صحت، جغرافیہ اور مدنیات پر تیار کئے ہیں ان کی طباعت اور اشاعت کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں ہوا ہے لیکن امید ہے کہ یہ سلسلہ بھی جلد اشاعت پذیر ہو جائے گا۔

ادارہ نے اپنے مطبوعہ دستورالعمل میں اس بات پر خاص زور دیا تھا کہ بالغوں کی تعلیم کے لئے دارالمطالعے اور کتب خانے قائم کئے جائیں لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے ابھی تک خاص بندی بالغوں کے لئے اردو زبان میں بہت کم کتابیں اور رسائل شائع ہوئے ہیں چنانچہ کتب خانہ تعلیم و ترقی کے لئے مناسب کتابوں کے انتخاب میں بڑی دقت پیش آئی۔ پھر بھی دو ڈھائی سو کتابوں کی ایک فہرست تیار کی گئی اور اس کے مطابق مقامی حلقہ تعلیم و ترقی کے گشتی کتب خانہ کے لئے کتابیں فراہم کی گئیں۔ گذشتہ چھ سات ماہ کے اندر کتابوں کے گشت اور اجراء کے اعداد و شمار جمع کرنے سے ایک حد تک بالغ جتدیوں کی پسند اور ان کے ذوق کا کچھ اندازہ ہوگیا ہے اور اب ایک فہرست کتب اسی تجربہ کی بنیاد پر مرتب ہو رہی ہے جو عن قریب شائع کر دی جائے گی۔

ادارہ کے پاس حوالے اور مطالعے کے لئے اب تک اپنا کوئی کتب خانہ موجود نہیں تھا لیکن ایک مخلص دوست مولوی محمود حسین صاحب بی۔ اے جامعی (حیدر آباد) نے تقریباً سوا سو روپے کی کتابیں عطا فرمائی ہیں جن سے ادارہ کے کتب خانہ کی ابتدا ہوگئی ہے اور اس میں کتابوں کا اضافہ انشاء اللہ آئندہ ہوتا رہے گا۔

ادارہ کی ایک تجویز یہ بھی تھی کہ عمومی حیثیت سے تعلیم بالغان کی تحریک پر مواد جمع کیا جائے اور ان تجربات کا مطالعہ کیا جائے جو ہندوستان میں یا بیرون ہند بالغوں کی تعلیم و ترقی کے سلسلہ میں اس وقت ہو رہے ہیں اور پھر اس کو شائع بھی کر دیا جائے تاکہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تجویز کو بر روئے کار لانے کے لئے اس سال کچھ نہ ہو سکا لیکن آیندہ ایک سلسلہ مطبوعات شائع کرنے کا خیال ہے، خدا اس ارادے کو پورا کرے۔

ادارہ کی آخری اور سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ بالغوں کی تعلیم و ترقی کے عملی کام اور تجربہ کے لئے ایک حلقہ تعلیم و ترقی قرول باغ میں قائم کیا جائے۔ اس حلقہ کے مہتمم مولوی عبدالملک صاحب جامعی مقرر ہوئے ہیں۔

بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے حسب ذیل پروگرام ابتداءً تجویز کیا گیا تھا۔

(۱) بستی کے تعلیم یافتہ لوگوں سے خدمت کا عہد لیا جائے۔

(۲) ان پڑھ لوگوں سے پڑھنے کا وعدہ لیا جائے۔

(۳) معمولی خواندہ لوگوں کے لئے گشتی کتب خانہ قائم کیا جائے۔

(۴) زبانی تعلیم کے لئے تعلیمی جلسے منعقد کئے جائیں۔

(۵) بستی کے لئے ایک دیواری اخبار نکالا جائے۔
(۶) خواندگی کی تعلیم کے لئے تعلیمی حلقے عندالضرورت قائم کئے جائیں۔
(۷) ادارہ کے تعلیمی کتبات بستی کی جملہ مساجد اور خاص خاص مقامات پر آویزاں کئے جائیں۔

اس پروگرام کے مطابق وسط جنوری ۱۹۳۹ء سے کام شروع کیا گیا۔ خدمت کے عہد اور وعدے کے فارم طبع کرائے گئے اور تھوڑی کوشش سے سوا سو خادم حلقہ میں داخل ہو گئے۔ خدمت کے عہد کی تحریک سے مقصد یہ تھا کہ (۱) بستی کی تعلیم و ترقی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شریک کیا جائے (۲) اعزازی کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ (۳) بستی کے تعلیم یافتہ لوگوں کو ان پڑھ طبقہ کی خدمت کی طرف متوجہ کیا جائے۔ ہمیں اس کی توخوشی ہے کہ خدام نے عندالضرورت اور عندالطلب حلقہ کی مدد کی لیکن اس کا افسوس ہے کہ خود حلقہ کی طرف سے ان کی خدمات سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ جملہ خدام میں سے بیس بائیس خدام نے اب تک اپنے عہد نامہ کے خصوصی وعدہ کو بھی پورا کر دیا ہے۔ باقی خدام سے ہماری توقعات وابستہ ہیں کہ سال ختم ہوتے ہوتے وہ بھی اپنے وعدے کو پورا کریں گے اور کم از کم ایک ان پڑھ کو ضرور حرف شناس بنا دیں گے۔

جن ناخواندہ لوگوں سے وعدے لئے گئے تھے ان کی تعداد بھی تقریباً سو ہے ان میں سے پچاس سے زائد طلبا تعلیمی حلقوں میں شریک ہو کر باقاعدہ طور پر کم از کم حرف شناس ضرور بن گئے باقی لوگوں میں سے جو لوگ اب بھی بستی میں موجود ہیں ان سے توقع ہے کہ اگر ان کے علاقے میں کوئی تعلیمی حلقہ قائم ہوا تو وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

خواندگی کی تعلیم کے لئے کل سات تعلیمی حلقے قائم ہوئے۔ ان میں سے ایک حلقہ محمد ابراہیم صاحب متعلم جامعہ کی نگرانی میں قائم ہوا۔ دوسرے حلقے کے ذمہ دار محمد حسنین صاحب متعلم جامعہ تھے تیسرے کی خدمت صدیق حسن صاحب نے کی۔ چوتھا حلقہ مجلس احرار کے ایک کارکن محمد رفیق صاحب کا تھا۔ پانچواں حلقہ بابو محمد حسین صاحب نے بڑی محنت اور مستعدی سے چلایا اور دو حلقے مولوی عبدالملک صاحب نے اپنی ذاتی نگرانی میں چلائے ان سب کی مدت تعلیم قریب قریب برابر رہی یعنی دو دو مہینے طلبا کی حاضری کا اوسط ۵ سے ۸ تک رہا۔ ایک حلقہ آج کل بھی جاری ہے اور اس کی اوسط حاضری دس بارہ رہتی ہے۔

ہمارے پروگرام کی چوتھی شق ان لوگوں کی تعلیم تھی جنھوں نے اپنے بچپن میں کچھ پڑھا تھا لیکن انھیں اپنی خواندگی کو تازہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ طبقہ جسے ہم اپنی اصطلاح میں خواندہ کہتے ہیں علم کا لذت چشیدہ ہے اس لئے وہ ہمارے اور اپنے درمیان زیادہ مغائرت نہیں پاتا ہمارا یقین ہے کہ تعلیم و ترقی کے سلسلہ میں یہ طبقہ سب سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ تمہارا کام تو بے پڑھوں کو پڑھانا ہے تمہیں خواندوں سے کیا مطلب، لیکن یقین فرمایئے کہ نا خواندہ کی تعلیم کا کام نامکمل رہ جائے گا اگر اس طبقہ کی تعلیم کا بھی ساتھ ساتھ انتظام نہ کیا جائے بلکہ یہ خواندہ طبقہ تعلیم بالغان کی کنجی ہے۔ یہ تنہا واسطہ ہے تعلیم یافتہ اور جاہل کے درمیان اور یہی واحد ذریعہ ہے علم کو جاہل کے دروازے تک لے جانے اور جاہل کو مدرسے لے آنے کا یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے پروگرام میں گشتی کتب خانہ کو خاص اہمیت دی ہے۔

حلقہ کا گشتی کتب خانہ مارچ میں قائم ہوا تھا اس کے افادے اور اس کی ضرورت کا اندازہ آپ اس سے فرما سکتے ہیں کہ مارچ میں مستفیدوں کی تعداد ۱۴۲ تھی اپریل میں ۵۵۰ ہوگئی جون میں ۹۲ تک جا پہنچی اور اگست میں چودہ سو سے بھی آگے نکل گئی۔ نئی کتابوں کا شوق اور تقاضا بڑھتا جا رہا ہے۔ کتب خانہ ایک سو کتابوں سے شروع ہوا تھا اور اب اس میں ڈھائی سو کتابیں موجود ہیں۔ یہ بھی اگرچہ کم ہیں لیکن اس سال اس سے زیادہ کتابوں کی فراہمی پر ہم قادر نہ تھے۔

کتب خانہ کی مقبولیت نے ہمارے اس یقین کو واثق کر دیا ہے کہ خواندہ طبقے کی خدمت خاص اہمیت رکھتی ہے یہی طبقہ ہے جو ہمیں ناخواندوں تک پہنچائے گا اور یہی طبقہ ہے جو ناخواندوں میں علم کا کوئی شوق پیدا کرے گا اور پھر بذاتِ خود یہ کیا کم ہے کہ ہم نے سیکڑوں آدمیوں کو جن کی خواندگی ترقی معکوس کر رہی تھی اگر زیادہ نہیں تو ان کے اس تعلیمی تنزل کو روک لیا اور جو لوگ خواندہ سے ناخواندہ ہوئے چلے جا رہے تھے انھیں تعلیم کی طرف پھر واپس لا رہے ہیں۔

ادارہ کی طرف سے ادارہ کے تعلیمی کتبات کے لئے بستی کی عام مسجدوں میں اور خاص خاص مقامات پر تختہ تعلیم و ترقی لگا دئے گئے ہیں اور تعلیمی کتبات کے ذریعہ سچی تعلیم کے درس کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک مصور دیواری اخبار جس کا نام "ہمارا اخبار" ہے ہر دسویں دن شائع ہوتا ہے جس کی جان اگرچہ تصویریں ہیں لیکن ان تصویروں کے ساتھ ایسی عبارتیں۔ لطیفے، خبریں اور اخبار بھی ہوتے ہیں جو بے پڑھوں کے دل میں دوسروں سے سُن کر گدگدی پیدا کرتے ہیں اس اخبار نے بڑی دلچسپی پیدا کر دی ہے خواندہ اور ناخواندہ دونوں قسم کے لوگ کثرت سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پروگرام کے مطابق تعلیمی جلسوں کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا گیا تھا لیکن آئندہ جنوری ۱۹۴۳ء سے انشاءاللہ کم از کم ایک جلسہ ہر مہینے پوری بستی کے لئے منعقد کیا جائے گا۔ اس کا پروگرام بن گیا ہے۔ اور سینما، میجک لالٹین وغیرہ کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔

حلقہ تعلیم و ترقی قرول باغ کی پوری بستی کے لئے قائم کیا گیا ہے لیکن یہ بستی ماشاءاللہ اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی ہے کہ پروگرام کے مطابق پوری بستی میں کام کو پھیلانے اور اس کو پوری توجہ اور خوبی سے چلانے کے لئے ہمارے پاس وسائل

موجود نہیں ہیں اس کے علاوہ بعض تجاویز ایسی بھی ہیں کہ اگر اس کا تجربہ ایک محدود حلقہ میں نہ کیا جائے تو نتائج کا صحیح اندازہ کرنا دشوار ہو جائے گا اس لئے حلقہ تعلیم و ترقی نے یہ طے کیا تھا کہ بستی کے کسی ایک علاقے کو منتخب کرکے تعلیم و ترقی کے پورے پروگرام کا خصوصیت کے ساتھ وہاں تجربہ کیا جائے اور نتائج کا جائزہ لے کر پھر دوسرے محلوں میں رفتہ رفتہ تعلیم و ترقی کے کام کی توسیع کی جائے چنانچہ ڈبل پھاٹک کا علاقہ اس کے لئے منتخب کیا گیا اور یکم مئی ۱۹۳۹ء کو وہاں ایک مرکز جانسن روڈ پر قائم کیا گیا اس مرکز کے مستقل کارکن وفار الرحمن صاحب ہیں اور اُن کے مددگار رشید اکرام اللہ صاحب ہیں۔

مرکز کے قیام کے بعد سب سے ضروری کام یہ معلوم ہوا کہ ہم اس علاقے کے متعلق یہ جان لیں کہ اس کی کل آبادی کتنی ہے؟ کتنے تعلیم یافتہ ہیں کتنے خواندہ اور کتنے اَن پڑھ تاکہ ہمیں اپنے فرائض اور کام کے نقشہ کا پورا اندازہ رہے کہ کتنے اَن پڑھوں کو پڑھانا ہے اور کتنے خواندوں کی کتابوں اخباروں اور رسالوں سے متعلق ہے اور اَن پڑھ اور خواندوں میں کتنے ایسے بوڑھے اور معذور ہیں جن کی خدمت محض زبانی تعلیم سے ہو سکتی ہے یہ کام بڑا کٹھن ثابت ہوا لیکن گھر گھر کا جائزہ لینے کے بعد بالآخر اب ہمیں یہ معلوم ہے کہ سوا چھ سو گھروں کی پونے گیارہ سو بالغ آبادی میں ۲۶۳ خواندہ ہیں، ۶۰۰ ناخواندہ اور دو سو تعلیم یافتہ گویا ہمیں تین سو خواندوں کے لئے مطالعہ کا انتظام کرنا ہے اور پانچ سو ناخواندوں کے لئے زبانی اور کتابی تعلیم کا انتظام کرنا ہے اور دو سو تعلیم یافتہ اصحاب کو بستی کی تعلیم و ترقی کی خدمت میں کسی نہ کسی حد تک شریک کرکے ان کی ہمدردی سے فائدہ اٹھانا ہے۔

اس مرکز کی کتب خانہ تعلیم و ترقی کا بیشتر حصہ رہتا ہے اور چونکہ اس علاقے کے خواندہ لوگوں کی فہرست مرکز میں موجود ہے اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ جو لوگ مرکز آ کر کتابیں نہیں لے جا سکتے ان کے گھروں پر کتابیں پہنچائی جائیں اس طریقے سے انشاء اللہ بہت جلد ہر گھر میں ہماری تعلیم کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔

ناخواندہ لوگوں کے لئے مرکز میں تعلیمی حلقہ جاری ہے جس میں رات کے وقت تعلیم کا انتظام ہے۔

عام تعلیم کے لئے ہفتہ وار تقریروں کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ مرکز کی کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور تعلیمی حلقوں میں بھی شریک نہیں ہو سکتے وہ کم از کم ہفتہ میں ایک بار مرکز کی تعلیم سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ جلسے عام ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی حاضری اور رونق بڑھتی جاتی ہے۔ گذشتہ تین جلسوں کی اوسط حاضری چالیس تھی۔ مرکز کے جلسہ کے علاوہ علاقہ کی مسجد میں مذہبی تعلیم کے لئے ہر جمعہ کو ایک تقریر کا انتظام بھی کیا گیا ہے اور رمضان المبارک میں پہلے روزہ سے بعد نماز فجر قرآن پاک کا ترجمہ بھی ہوتا ہے۔

جب سے جنگ شروع ہوئی ہے ایک روزانہ مصور اخبار "جنگ" مرکز میں شائع ہوتا ہے جنگ سے عوام کو بھی

چونکہ بڑی دلچسپی ہے اس لئے اس اخبار کی وجہ سے مرکز میں آنے جانے والوں کی تعداد اب بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اس نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم باتوں باتوں میں لوگوں کو تاریخ، جغرافیہ، تمدن و مذہب، آزادی اور غلامی اور موجودہ معاشی نظام کے متعلق موٹی موٹی باتیں بخوبی سمجھا دیں یہ کام کچھ تو اخبار سے انجام پاتا ہے اور کچھ ہفتہ وار تقریروں سے، علاوہ اس کے جغرافی، معاشی اور مدنی زندگی سے متعلق ہر قسم کے نقشے، تصاویر اور چارٹ جمع کئے گئے ہیں اور ان کی نمائش روزانہ ہوتی ہے اس ذخیرہ کا بڑا حصہ ہمارے کرم فرما مولوی سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹرننگ کالج حیدرآباد دکن کا عطیہ ہے اس سے مرکز کی تعلیمی نمائش میں بڑی رونق پیدا ہو گئی ہے۔ بہت سے مسائل جو تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ نہیں سمجھائے جا سکتے وہ ان تصاویر اور نقشوں کے ذریعہ ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اس مرکز کی وجہ سے بستی کے عوام سے ہمارا تعلق ہے اب پہلی بار پیدا ہو رہا ہے اور امید ہے کہ آئندہ ہمیں ان کی خدمت کے اور زیادہ مواقع ملیں گے۔

یہ اپنی نوعیت کا پہلا مرکز ہے جو اب تک حلقہ کی طرف سے قائم کیا گیا ہے لیکن اس تجربہ کے بعد اگر وسائل نے اجازت دی تو انشاء اللہ دوسرے علاقوں میں بھی بہت جلد حلقہ کی طرف سے مرکز قائم کئے جائیں گے یا لوگوں کو دعوت دی جائے گی کہ وہ بھی اس نمونے کے مرکز اپنے اپنے محلوں میں قائم کر کے تعلیم و ترقی کا کام کریں۔

تعلیم و ترقی کا یہ سارا کام چند مخلصین اور جامعہ کے ہمدردوں کی عنایت اور مدد سے شروع ہوا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل اصحاب ہم سب لوگوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

(۱) مولوی محمود حسن صاحب بی۔ اے (جامعی) حیدرآباد دکن

(۲) مولوی سجاد مرزا صاحب، پرنسپل ٹرننگ کالج حیدرآباد دکن

(۳) ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب بی اے (جامعی) پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ اور

(۴) احمد اسلام خاں صاحب، دہلی کلاتھ مل دہلی

ادارہ کے ابتدائی مصارف کے لئے ان مخلص حضرات نے یا تو اپنی جیب خاص سے چندے اور عطیے دئے یا اپنے احباب سے رقوم حاصل کر کے ادارہ کی مدد کی۔ احمد اسلام خاں صاحب نے مبلغ سو روپئے یک مشت اور دس روپئے ماہانہ ادارہ کے لئے عطا فرمائے ہیں اور محمود صاحب، یوسف اور سجاد مرزا صاحب نے ایک ہزار روپئے کچھ اپنی جیب سے اور چند مخصوص احباب سے جمع کر کے گذشتہ سال دیا تھا۔ اسی طرح ایک ہزار روپیہ اس سال بھی عطا کیا ہے اور مبلغ پانچ ہزار روپئے تعلیم و ترقی کے لئے جمع کرنے کا وعدہ کیا ہے اس کے علاوہ مولوی سجاد مرزا صاحب نے اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو روپے سالانہ کی امداد تین سال تک دینے کا مزید وعدہ فرمایا ہے۔ جس کے لئے ہم ذاتی طور پر بھی

ان تمام احباب کا ممنون احسان ہوں اور ان تمام احباب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس کام میں میری مدد اور حوصلہ افزائی کی بالخصوص اپنے رفقائے کار اور اراکین مجلس تعلیم و ترقی کا میں ممنون ہوں کہ انھیں کی ہدایت اور مشورہ اور تعاون سے یہ سارا کام ہوا۔ مجھے امید ہے کہ آیندہ اس کام کو جاری رکھنے اور اس کو ترقی دینے میں آپ سب لوگ ادارہ کی مدد کریں گے اور اپنے اپنے حلقہ میں تعلیم و ترقی کے کام کو پھیلائیں گے۔ فقط

خادم

شفیق الرحمن قدوائی

ناظم ادارہ

اس وقت (۱۹۳۹ء) سے لے کر ۱۹۴۵ء تک ادارے کا دستور وہی رہا جو قیام کے وقت منظور کیا گیا تھا اور کام کے خاکے میں بھی کوئی خاص اور قابل ذکر تبدیلی واقع نہیں ہوئی سوا اس کے کہ ایک یا ڈیڑھ سال کے تجربے کے بعد "حلقہ تعلیم و ترقی" کے پروگرام کو جو بیشتر "ہر شخص ایک ایک شخص کو پڑھا دے" (ایچ ون، ٹیچ ون) کے لاباخی نظریے پر مبنی تھا، بدل دیا گیا اور اس کی جگہ "تعلیمی مرکز" قائم کیا گیا جس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ تعلیم بالغان کا کام اس طرح رضاکار خادموں کے بل بوتے پر نہیں چل سکتا بلکہ اس کے لئے بستی میں تنخواہ دار عملے کے ساتھ ایک مستقل مرکز ہونا چاہئے اور اس کی وہی حیثیت ہونی چاہئے جو بستی کے دوسرے تہذیبی اداروں مثلاً اسکول، کتب خانہ، یتیم خانہ، مسجد، وغیرہ کی ہوتی ہے۔

تجربات کا پہلا دور

۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک

بالغوں کے لئے نصابِ تعلیم اور درسیات کی ترتیب

ادارہ تعلیم و ترقی کے ابتدائی دستور میں اس کے قیام کے دو مقاصد قرار دیئے گئے تھے۔ ایک تعلیم بالغان کے لئے نصابِ تعلیم اور سامانِ تعلیم تیار کرنا" اور دوسرے "تعلیم بالغان کے لئے تعلیم و ترقی کے حلقے قائم کرنا"۔ جب کوئی جماعت یا ادارہ قائم ہوتا ہے تو وہ ابتدا میں معمولاً اپنے مقرر کردہ مقاصد کی سختی سے پابندی کرتا ہے۔ ادارہ تعلیم و ترقی نے بھی، جیسا کہ اس کے پہلے کام کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے، انھی دو کاموں پر توجہ صرف کی۔ نصابِ تعلیم اور درسیات کی ترتیب و تالیف پر خاص توجہ اس لئے بھی دی گئی ہوگی کہ قیام سے پہلے دو موقعوں پر بالغوں کی تعلیم کے لئے نصاب اور درسیات کی تیاری کی فرمائشیں کی جا چکی تھیں اور اس مقصد کے لئے دونوں موقعوں پر جامعہ کی مجلس تعلیمی نے کمیٹیاں مقرر کر دی تھیں جنھوں نے اب تک اس سلسلے میں کوئی خاص کام نہیں کیا تھا۔

اس نصاب کے موٹے حساب سے حسب ذیل پہلو تھے:

۱۔ خواندگی

۲۔ خواندگی کے بعد کی درسیات کا سلسلہ اور گشتی کتب خانہ

۳۔ اسلامی تعلیمات اور تہذیبی اور سماجی زندگی کی ضروری معلومات سے متعلق پوسٹروں کا ایک سلسلہ

۴۔ تعلیمی حلقے

۵۔ تعلیم بالغان کے کارکنوں کے لئے لٹریچر کی فراہمی

۱۔ خواندگی[1]

خواندگی کی مدت کے لئے درسیات اور سامانِ تعلیم حسب ذیل تھا:

(الف) حروف کا چارٹ

---

[1] ادارہ تعلیم و ترقی نے اپنے کاموں کی ابتدا مسلمانوں کے محلوں میں کی تھی اس لئے اس کا اس زمانے کا لٹریچر اور خواندگی کا سامانِ تعلیم اُردو کی تعلیم سے متعلق ہے۔

حروف

ان حرفوں کو پہچانو اور ان کی آواز یاد رکھو

نام	پتہ	ا	ب
پ	ت	ٹ	ث
ج	چ	ح	خ
د	ذ	ر	ز
ڑ	س	ش	ص
ض	ط	ظ	ع
غ	ف	ق	ک
گ	ل	م	ن
و	ی ے	ہ	بھ
تھ	جھ	کھ	دھ ڈھ

(الف) حروف

مکمل حروف اور ان کے جوڑوں اور آوازوں کا چارٹ ۔ اس چارٹ میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ (الف) اس کا غذ اتنا لچک دار اور مضبوط ہو کہ وہ ہر وقت جیب میں رکھے رہنے کی وجہ سے آسانی سے پھٹ نہ سکے اور نہ خراب ہو اور (ب) حروف کی پشت پر ان کے جوڑ اور آوازوں کی شکلیں اس طرح چھاپی گئی تھیں کہ ہر حرف کے جوڑ اور آواز کی شکلیں ٹھیک اس کی پشت پر ہوں۔ یہ اہتمام اس لئے بھی تھا کہ اگر استاد چاہے تو حروف کو کاٹ کر ان کے تاش بھی بنا سکے تاکہ طالب علم جب جس حروف کے جوڑ اور آوازوں کو یاد کرنا چاہے تو وہ فوراً کے فوراً مل جائیں۔ چارٹ کا نمونہ صفحہ ۳۳ - ۳۴ پر دیا گیا ہے ۔

(ب) قاعدہ

یہ قاعدہ قدیم روایاتی طریقۂ تعلیم "ہجائی" "طریقے" (ALPHABETIC METHOD) پر مبنی تھا جس کی خشکی اور بدمزگی کو دور کرنے کی غرض سے مذکورہ بالا "حروف کا چارٹ" اور چار بڑے بڑے پوسٹر تیار کئے گئے تھے۔

اس قاعدے میں کل آٹھ سبق تھے اور جیسا کہ اس کے پڑھانے کے طریقے میں بتایا گیا ہے "اس قاعدہ کا منشا یہ ہے کہ ہر قاعدے کے چند الفاظ کے جوڑ طالب علم کے ذہن نشین ہو جائیں اور پورا قاعدہ صرف سرسری طور پر طالب علم استاد سے پڑھ لے۔ اس کے بعد جلد سے جلد کوئی آسان کتاب شروع کرا دی جائے"۔ اصل مقصود حرف شناسی کے بعد کی درسیات کے سلسلے کی تعلیم تھی جو اس وقت تک (ملاحظہ ہو مندرجۂ ذیل نولڈر) بھی انیس بیس کتابوں پر مشتمل تھا۔

(ج) قاعدہ پڑھانے کا طریقہ

اس قاعدے کو کارآمد طور پر طالب علم کے ذہن نشین کرانے کی غرض سے استادوں کے لئے ایک گائڈ پمفلٹ بھی تیار کیا گیا تھا جس میں اس قاعدے کو پڑھانے سے متعلق مفصل ہدایات دی گئی تھیں۔ اس گائڈ پمفلٹ کی نقل حسب ذیل ہے:

لکھنا پڑھنا سکھانے کا طریقہ

ان پڑھ بالغوں کو اُردو پڑھانے کے لئے ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا مجوزہ نصاب اور پڑھانے کا طریقہ کارکنان تعلیم بالغان کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے

(۱) حروف شناسی:۔ سب سے پہلے حروف تہجی اور ان کی مختلف شکلیں یاد کرائیے۔ حروف شناسی کی مشق کے لئے ادارہ نے ایک نقشہ تیار کیا ہے۔ اس میں ایک طرف حروف تہجی اور دوسری طرف حروف کی دوسری شکلیں بتا دی گئی ہیں۔ پہلے حروف تہجی یاد کرا دیجئے۔ اس کے بعد حروف کی دوسری شکلوں کی آواز زبر کے ساتھ پڑھائیے۔ لیکن طالب علم سے بے زبر نہ کہلائیے۔ اس کو صرف مفتوح آواز بتلائیے۔

اس نقشے میں طالب علم کا نام، پتہ، پیشہ اور مذہب کے لکھنے کے لئے بھی چار خانے ہیں۔ پہلے دن طالب علم کا نام اس سے پوچھ کر اور اس کو دکھا کر صاف صاف نام کے خانے میں لکھ دیجئے اور پھر نام اور اس کے ساتھ چند حروف کے لکھنے پڑھنے کی مشق کرائیے۔

اسی طرح جلد حروف تہجی یاد کرائے جائیں اور انہیں کے ساتھ ساتھ طالب علم کے نام اور پتے، پیشہ اور مذہب کے لکھنے پڑھنے کی مشق کرائی جائے۔ تاکہ اسی دوران میں حروف شناسی کی بظاہر بے معنی مشق کے ساتھ ساتھ ہر طالب علم کو اپنے متعلق کم از کم چار بامعنی الفاظ بھی لکھنے پڑھنے آجائیں۔ ان الفاظ کی وجہ سے اُسے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی ہوگی اور اس کی وجہ سے حروف شناسی کی مشق اس پر بار نہ ہوگی۔

نقشے میں حروف تہجی کی دوسری شکلیں (آوازیں) بائیں جانب سے اس لئے شروع کی گئی ہیں کہ ہر حرف کی دوسری شکلیں اسی کے الٹی طرف آجائیں اور آپ چاہیں تو حروف کو آہستہ آہستہ کاٹ کر بھی حروف شناسی کی مشق کرا سکتے ہیں اور الفاظ سازی کی ابتدائی مشق بھی ان ٹکڑوں کے جوڑنے سے ہوسکتی ہے۔

قاعدہ:۔ حروف شناسی کی مشق کے بعد حروف کو جوڑ کر الفاظ بنانے کے چند قاعدے مثالوں کے ذریعہ اس قاعدے میں بتائے گئے ہیں۔ مشقیں بہت کم کردی گئی ہیں۔ منشا یہ ہے کہ ہر قاعدے کے چند الفاظ کے جوڑ طالب علم کے ذہن نشین ہوجائیں اور پورا قاعدہ صرف سرسری طور پر طالب علم استاد سے پڑھ لے اس کے بعد جلد سے جلد اس کو کوئی آسان کتاب شروع کرادی جائے

قاعدے میں کل دس سبق ہیں۔ پہلا سبق حروف شناسی کے امتحان کا ہے۔ دوسرے سبق میں دو حرفوں کے جوڑ سے چند الفاظ بنائے گئے ہیں جس میں پہلے حرف کی آواز پوری اور آخری حرف کی آواز آدھی یا ساکن ہے۔ جیسے اب، تب، جب، کب، بد، قد وغیرہ۔ تیسرے سبق میں تمام حروف تہجی کے ساتھ آخر میں الف جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ جوڑ طالب علم کو سمجھا دیجئے اور اس کی وجہ سے حرف کی آواز میں جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ بھی بتا دیجئے۔ چند آوازیں خود پڑھ کر بتایئے۔ اس کے بعد ہی آوازیں طالب علم کو سمجھا دیجئے۔ اس سبق کے ساتھ ایک لفظ 'ہے' بھی بتا دیجئے۔ سبق کے آخر میں چند جملے دیئے گئے ہیں۔ طالب علم سے کہئے کہ انھیں اپنی کوشش سے پڑھے۔

چوتھے سبق میں تیسرے سبق کے چند جوڑ ہیں اور ان کے ساتھ آخر میں ایک حرف کا اضافہ کر کے کچھ الفاظ بنائے گئے ہیں۔ اس مشق میں طالب علم کو یہ سمجھا دیجئے کہ حروف کی پوری شکل ہمیشہ لفظ کے آخر میں آتی ہے اور اس کی آواز ہمیشہ آدھی یا ساکن ہوتی ہے۔ آ۔ با۔ یا وغیرہ طالب علم جانتا ہے۔ اب۔ آ، کے ساتھ 'پ' جوڑ کر 'آپ' کا تلفظ کرا دیجئے۔ اسی طرح 'بات' اور 'ٹاٹ' پڑھ کر بتایئے اور بقیہ الفاظ خود طالب علم سے نکلوایئے۔

پانچویں سبق میں 'پیش' اور 'واؤ' سے جو تبدیلیاں حروف کی آواز میں پیدا ہو جاتی ہیں وہ بتلائی گئی ہیں۔ بُرا۔ بُلایا۔ پُرانا۔ طالب علم زبر کے ساتھ خود پڑھ سکتا ہے۔ اب پیش کی نشانی اور اس کی وجہ سے آواز میں تبدیلی ہوتی ہیں وہ اُ سے بتایئے۔ اس کے بعد واوی تبدیلیوں کی مشق ہے۔ واؤ کے اوپر جو نشانیاں ہیں اور ان کی وجہ سے جو فرق حروف کی آواز میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی قاعدے میں مثالوں سے علیحدہ علیحدہ واضح کر دیا گیا ہے۔

چھٹے سبق میں زیر اور چھوٹی 'ی' بڑی 'ے' کے ساتھ حروف کی آواز میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ بتائی گئی ہیں۔ ساتویں سبق میں یائے معروف اور یائے مجہول کی پہچان بتائی گئی ہے جب وہ کسی لفظ کے بیچ میں آجائے۔ یہ بات سمجھانے کے لئے 'ی' 'ے' کا شوشہ دو حرفوں کے بیچ میں آجائے تو پہلے حروف کے ساتھ 'ے' کو کس طرح جوڑا جائے گا، لفظ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے لکھا گیا ہے اور پھر اس کو جوڑ کر بھی لکھ دیا ہے۔

آٹھویں سبق میں تشدید کو مثالوں سے سمجھایا گیا ہے اور نویں سبق میں خاص عربی کے حروف بتائے گئے ہیں اور ان کی آوازیں اُردو کے ہم آواز حروف کی مثال دے کر سمجھائی گئی ہیں۔ آخری سبق میں بھ پھ وغیرہ کی مشق دی گئی ہے۔

اس قاعدہ کی بنیاد حروف [illegible] ہے اور قاعدے کے سرسری مطالعے سے طالب علم میں بس اتنی صلاحیت پیدا کرنا مقصود ہے کہ اس کو جب آپ کتاب شروع کرائیں تو نئے نئے الفاظ کو پڑھ جانے اور نکالنے میں وہ آپ کے اشاروں اور قاعدوں کے حوالوں کو آسانی سے سمجھ سکے۔ مثلاً 'بول' کے حوالے سے 'گول' پڑھ لے، 'چوہا' کے حوالے سے 'چوتا' پڑھ سکے یا 'بات' کے حوالے سے 'سات'

اور "جب" کے حوالے سے "سب" وغیرہ وغیرہ۔

(۲) **دس سبق**:۔ یہ ایک آسان کتاب کا عنوان ہے جو زیر ترتیب ہے، یہ کتاب قاعدے کے بعد شروع کرائی جا سکتی ہے یا اس کتاب کی بجائے رسائل سلسلہ تعلیم و ترقی کی حکائتیں حصہ اول یا دوم یا کسی دوسرے سلسلہ کی پہلی کتاب پڑھائی جا سکتی ہے۔ لیکن جو عبارت پڑھائی جائے وہ پہلے صاف صاف ایک مرتبہ طالب علم کو پڑھ کر سنادی جائے۔ اس کے بعد وہی عبارت سہارا دے دے کر طالب علم سے پڑھوائی جائے۔ طالب علم حروف اور ان کی آوازوں کو جانتا ہے۔ سمجھ دار ہے، اپنی زبان کی کتاب پڑھ رہا ہے کچھ الفاظ حروف کے پتہ سے نکال لے گا، کچھ جملے کے ربط سے اور کچھ عبارت کے مفہوم سے۔ جہاں وہ بالکل غلط پڑھے یا بالکل رُک جائے وہاں البتہ اس کی مدد قاعدے کے حوالے اور اس کی مثالوں سے کردی جائے۔

(۳) **چند اشارے**:۔ اس عنوان سے چار کتبے قاعدوں کے تیار کئے گئے ہیں۔ یہ اگر سامنے لگے رہیں تو ان کی مدد سے طالب علم کو عبارت پڑھانے میں سہولت ہوگی، اور اگر کوئی جوڑ طالب علم کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ ان اشاروں کو ایک نظر دیکھ کر اپنی مشکل کو خود حل کرسکتا ہے۔ اُستاد کو بھی ان اشاروں کی مدد سے پڑھانے میں مدد ملے گی۔

کوئی ایک کتاب جب طالب علم اُستاد کی مدد سے ختم کرلے تو پھر کسی مناسب کتاب کے انتخاب میں طالب علم کی مدد کی جائے اور جو کتاب وہ اپنی پسند سے اپنی استعداد کے مطابق پڑھنا چاہے پڑھے اور جس سے چاہے اس کے پڑھنے میں مدد لے۔ معمولی عبارت بغیر کسی کی مدد کے پڑھنے کی استعداد پیدا ہوجانے کے بعد اس طالب علم کا "اصل" "معلم" یا "اُستاد" کتب خانہ تعلیم و ترقی ہوگا۔ اس کتب خانہ میں ایسی کتابیں جمع کردی جائیں کہ اُن سے ایک بالغ بندی بھی فائدہ اٹھا سکے عبارت پڑھنے کی مشق جیسے جیسے بڑھے گی کتب بینی کے شوق میں بھی اضافہ ہوگا۔ پھر اگر طالب علم کی استعداد کے مطابق اور اس کے مناسب حال کتابیں اور رسالے کتب خانہ میں فراہم کردئے جائیں تو تعلیم بالغان کا کام خود بخود بغیر کسی اُستاد کے جاری رہے گا۔

اَن پڑھ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے مندرجہ بالا تجاویز خاص بالغوں کی مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دی گئی ہیں، بالغوں کو بچوں کی طرح نہیں پڑھایا جاسکتا۔ بالغ آدمی کے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ فرصت کہ وہ باقاعدہ اور بالالتزام کسی کے پاس بیٹھ کر زیادہ عرصہ تک شاگردی کرے۔ لیکن وہ سمجھ دار ہوتا ہے، بہت سی باتوں کو ہم سے آپ سے زیادہ جانتا ہے اور سمجھتا ہے اور خود سیکھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کو صرف سہارے، اشارے اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اگر آپ کسی بالغ کی تعلیمی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ایسی سہولتیں بہم پہنچائیے کہ وہ کسی اُستاد کا کم سے کم محتاج اور پابند ہو اور جلد سے جلد وہ اس قابل ہوجائے کہ اپنا تعلیم کو خود جاری رکھ سکے۔

۴ - چند اشارے

حروف اوران کے جوڑوں اور آوازوں پر مشتمل "چند اشارے" کے عنوان سے ۳۰ × ۲۰ سائز کے چار بڑے بڑے پوسٹر تیار کرائے گئے تھے۔ اُن کے متعلق ہدایت تھی کہ کلاس کے وقت یہ پوسٹر آویزاں رہیں تاکہ طالب علم شکل کے وقت ان پوسٹروں سے مدد لے سکے۔ (یہ پوسٹر اب رکارڈس میں نہیں ہیں)۔

حروف شناسی کی منزل کے بعد مشقی تعلیم (پوسٹ لٹریسی فالواپ) کے لئے اس وقت تک حسب ذیل درسیات کا سلسلہ مرتب کیا جا چکا تھا:

۱- دس سبق ۲- حکایتیں حصہ اوّل ۳- حکایتیں حصہ دوم ۴- اماں بھی پڑھنے لگے۔ ۵- خط وکتابت۔

نصاب تعلیم سے متعلق باقی پہلوؤں کے سلسلے میں ادارے نے اُس وقت کیا سامان تیار کیا تھا اس کا اندازہ اس کے مطبوعہ فولڈر سے ہو جائے گا جو بالغوں کی تعلیم کا کام کرنے والے دوسرے کارکنوں اور اداروں کے پاس بھیجنے کے لئے چھپوایا گیا تھا۔

سامان تعلیم وترقی

اگر آپ کو بالغوں کی تعلیم اور ترقی سے دلچسپی ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ بستی کی خدمت کریں تو حلقۂ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے تجربات اور ادارہ تعلیم وترقی کی مطبوعات کو پڑھئے اور رائج کیجئے۔ یہ ادارہ اسی غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ تحقیق اور تجربہ کرکے بالغوں کی تعلیم کی راہیں معلوم کرے اور خاص بالغوں کے لئے ضروری سامان تعلیم تیار کرے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔

شفیق الرحمٰن قدوائی

ادارہ تعلیم وترقی جامعہ قرول باغ دہلی

خواندگی کا نصاب اردو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے حسب ذیل چار رسائل ادارہ نے تجویز کئے ہیں اس میں سے نمبر ۲ شائع ہو چکا ہے باقی زیر ترتیب ہیں:۔

پہلا زینہ ۱۔ حروف ۔ حروف شناسی کی مشق کے لئے

۲۔ قاعدہ ۔ حروف کو جوڑ کر پڑھنے کا قاعدہ

۳۔ دس سبق ۔ قاعدہ کی مدد سے عبارت پڑھنے کی مشق

۴۔ کاپی ۔ لکھنے کی مشق کے لئے

(نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے چارٹ تیار کئے جا رہے ہیں جن سے تعلیمی حلقوں کے درس میں مدد ملے گی۔)

تبلیغی مطبوعات مقامی حالات کو پیش نظر رکھ کر وقتاً فوقتاً مختلف قسم کی ہدایات، تعلیمات اور معلومات خوبصورت چھپوا کر مرکز کی طرف سے بستی میں گھر گھر تقسیم کی جاتی ہیں اور اس طریقے سے خواندہ و ناخواندہ سب لوگوں تک مرکز کا پیغام پہنچ جاتا ہے۔ جو لوگ خود نہیں پڑھ سکتے وہ کسی دوسرے سے پڑھوا کر سن ضرور لیتے ہیں۔ حسب ذیل تبلیغی مطبوعات شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ رسول پاک کی وصیت	قیمت	۱/
۲۔ ہمارا خط	"	/
۳۔ عیدی	"	۱/
۴۔ ایک شکایت	"	/

مرکزوں کے لئے ضروری سامان

۱۔ بستی کے جائزے کے فارم	فی عدد ایک پیسہ	ایک روپیہ سینکڑہ
۲۔ خدمت کا عہد	"	"
۳۔ طالب علم کا وعدہ	"	"
۴۔ درخواست رکنیت کتب خانہ تعلیم و ترقی	"	"

تعلیمی کتابات عام تعلیم کے لئے ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے تعلیمی کتابات کا یہ سلسلہ شروع

کیا ہے۔ ان کتبات میں اسلامی تعلیمات، سیاسی اور اقتصادی حالات، مدنی اور سماجی زندگی کے متعلق سبق آموز ہو رمفید معلومات دل آویز عبارتوں اور جاذب نظر نقشوں کے ذریعہ پیش کی جاتی ہیں، یہ کتبات مساجد، مکاتب مدارس، کتب خانوں، دارالمطالعوں اور انجمنوں وغیرہ کے لئے تیار کئے گئے ہیں اس لئے کہ بالغوں کے اجتماع کے یہی بڑے بڑے مرکز ہیں اور اسی لئے یہ تعلیم کے مرکز بھی بن سکتے ہیں۔

حسب ذیل چوبیس کتبات کا ایک سٹ شائع ہو چکا ہے:-

۱- سچی تعلیم۔ (قرآن پاک کی تعلیمات)　۸ کتبات (پوسٹر)

۲- اچھی تعلیم (حدیث شریف)　۴ کتبات

۳- نظمیں اور اشعار　۴ کتبات

۴- حفظان صحت　۴ کتبات

۵- اسلامی دنیا اور ہندوستان سے متعلق سیاسی اور تمدنی نقشے　۴ کتبات

تعلیمی کتبات بالغوں کی تعلیم و ترقی کی تدبیروں میں سب سے آسان نسخہ ہے۔ اس لئے قومی کارکن، خادمان ملت اور تمام پڑھے لکھے لوگوں کو ان کتبات کی اشاعت کے لئے کوشش کرنا چاہئے اور مخیر اصحاب کو خاص طور پر اس تعلیمی اور تبلیغی خدمت میں شریک ہونا چاہئے تاکہ ملک کے طول و عرض میں بستی بستی تعلیم و ترقی کا ایک درس جاری ہو جائے۔

کتبات کا سائز ۳۰ × ۲۰ ہے ان کو آویزاں کرنے کے لئے لکڑی کا ایک خوبصورت تختہ (۲ × ۳ فٹ) مقامی طور پر بنوا لیا جائے اور بجائے دیوار پر چپاں کرنے کے کتبات کو بٹنوں سے تختہ پر لگا دیا جائے۔ اگر لکڑی کا تختہ بنوانے میں دقت ہو تو کپڑے کے ایک ٹکڑے سے تختہ کا کام لیا جا سکتا ہے۔ البتہ اوپر اور نیچے دونوں طرف دو لکڑیاں ڈال دی جائیں تاکہ کپڑا ہوا سے اُلٹ نہ جائے اور کتبہ محفوظ رہے۔

قیمت تعلیمی کتبات

فی عدد ۱ر (چھ پیسے)

۲۴ کتبات کا سٹ ۲ر (دو روپئے)

محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

کتب خانہ تعلیم و ترقی

خاص بالغ بندیوں کے لئے اس وقت کوئی نصاب ہماری زبان میں موجود نہیں ہے۔ بچوں کی کتابیں بڑی عمر کے لوگوں کے لئے نہ دلچسپ ہوتی ہیں نہ موزوں۔ اس لئے ادارہ تعلیم و ترقی نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی ہے اور بالغ بندیوں کے حالات، مذاق اور اُن کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر کم و بیش تین سو رسائل کا ایک خاکہ تجویز کیا ہے جو بالغ بندیوں کے پورے نصاب تعلیم پر حاوی ہوگا۔ مذہب، ادب، تاریخ، جغرافیہ، مدنیات، سیاست، معیشت، تندرستی، بڑے بڑے لوگوں کے حالات، سائنس کی ترقیاں، پیشوں کی معلومات، حساب کتاب کے طریقے، تجارت اور زراعت وغیرہ جملہ مضامین کے متعدد موضوع تجویز کئے گئے ہیں، جن سے ایک عام آدمی کو روزانہ زندگی میں سابقہ پڑتا ہے اور ہر موضوع پر مختصر اور عام فہم رسائل، بول چال کی زبان اور دلچسپ انداز میں تیار کئے جا رہے ہیں، اس وقت تک حسب ذیل رسائل شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ نماز۔ (دعائیں اور طریقہ)
۲۔ حکایات۔ (سبق آموز قصے)
۳۔ حکایات۔ (″ ″)
۴۔ حبیب خدا۔ (سیرت پاک)
۵۔ نظمیں (ادب)
۶۔ میونسپلٹی (مدنیات)
۷۔ صدیق اکبر (بڑے بڑے لوگ)
۸۔ خط و کتابت (انشار)
۹۔ ضلع کا انتظام (مدنیات)
۱۰۔ قومی گیت (ادب)
۱۱۔ غزلیں۔ (ادب)
۱۲۔ ہمارا ہندوستان۔ (مدنیات)
۱۳۔ اماں بھی پڑھنے لگے۔ (ادب)
۱۴۔ عمر فاروق۔ (بڑے بڑے لوگ)
۱۵۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ (مدنیات)
۱۶۔ شہید کربلا۔ (بڑے بڑے لوگ)
۱۷۔ دنیا۔ (جغرافیہ)
۱۸۔ ایشیا۔ (″)
۱۹۔ یورپ (″)

ادارہ کی کوشش ہے کہ ۱۹۴۳ء کے ختم تک کم از کم سو رسائل چھپ کر شائع ہو جائیں۔ اس طریقہ سے انشاء اللہ بہت جلد ایک اچھا کتب خانہ بالغ بندیوں کے لئے تیار ہو جائے گا۔ ان رسالوں کے ذریعے کتب بینی کا شوق اگر پیدا ہو جائے تو بالغوں کی تعلیم کا سلسلہ خود بخود آئندہ جاری رہے گا۔

رسائل کی قیمت بہت کم رکھی گئی ہے یعنی فی رسالہ صرف ایک آنہ۔ گویا ڈیڑھ سو رسالوں کا ایک کتب خانہ

زیادہ سے زیادہ دس روپے میں فراہم کر دیا جائے گا۔

اُردو زبان کی ترقی اُس کی اشاعت پر موقوف ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اُردو پڑھنا لکھنا سکھلائیے اور ساتھ ساتھ کتب خانہ تعلیم و ترقی قائم کیجئے۔

کارکنوں کے لئے مطبوعات

ادارہ تعلیم و ترقی نے تجربہ اور تحقیق کے لئے اپنا ایک مرکز قرول باغ دہلی کے ایک حصہ میں قائم کیا ہے۔ اس مرکز کے تجربات اور تعلیم و ترقی سے متعلق مفید معلومات وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں جن کا مطالعہ بالغوں کی تعلیم و ترقی کا کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

حسب ذیل مطبوعات اب تک شائع ہو چکی ہیں:-

۱۔ دستور العمل ادارہ تعلیم و ترقی　　۱ر

۲۔ تعلیم و ترقی: ایک سال کا تجربہ　　۱ر

۳۔ تعلیم بالغان۔ چند تجاویز　　٫ر

۴۔ کتب خانے اور تعلیم بالغان　　٫ر

ادارہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ تعلیم و ترقی کے مرکزوں کے لئے خدام اور منتظمین تیار کرنے کا بھی انتظام کرنا چاہئے اور جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو موقع دیا جائے کہ ادارے کے تجربات کا مطالعہ اور مشاہدہ کریں، تعلیم و ترقی کے طریقے اور ادارے کے مجوزہ پروگرام کو سمجھ کر مقامی حالات کے مطابق بستی کی تعلیم و ترقی کی خدمت کریں، چنانچہ کارکنوں کے لئے وقتاً فوقتاً تعلیمی اجتماع منعقد کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ جو اصحاب تعلیمی اجتماع میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنے ارادے سے ناظم ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو مطلع فرما دیں۔

لاباخ کے نظریئے
اینچ ون پیچ ون کی تحریک

ڈاکٹر فرینک سی لاباخ خواندگی کی تحریک میں عالمگیر شہرت کا حامل ہے۔ اس امریکی معلم نے بالغوں کی خواندگی کا تجربہ سب سے پہلے امریکی نوآبادی فلپائن میں کیا تھا۔ فلپائن کی جس قوم (مورو) میں انھوں نے کام کیا، وہ ایک وحشی قوم تھی اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں تعلیم کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ کیفیت یہ تھی کہ لوگ ایک زبان تو ضرور بولتے تھے جو صرف کم و بیش تین سو الفاظ پر مشتمل تھی، لیکن اس کا کوئی رسم الخط نہیں تھا اور ظاہر ہے جب رسم الخط نہ ہو تو پڑھنے لکھنے کے چلن کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ڈاکٹر لاباخ ایک عیسائی مشن سے وابستہ تھے اور اس حیثیت سے ان کا کام ہی یہ تھا کہ ان وحشی اقوام کی ہر ممکن امداد کریں اور اس کے لئے جتنے مناسب سرمائے اور ساز و سامان کی ضرورت ہو صرف کریں۔ وہ تن من دھن سے اس قوم کی تعلیم و تربیت کے کام میں لگ گئے تھے اور آخر میں کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر لاباخ نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ اس زبان کے لئے رومن رسم الخط سے مستعار لے کر ۲۰ حروف کا ایک رسم الخط ایجاد کیا اور اہتمام یہ کیا کہ ان حروف کے نام نہ رکھے جائیں بلکہ وہ جو آواز دیتے ہیں، وہی آواز ان کا نام ہو۔ دوسری سب سے کارآمد تدبیر اس رسم الخط میں یہ کی گئی تھی کہ جو حرف جس جگہ آئے وہاں اس کی وہی آواز ہو، اس میں کسی قسم کی —— نہ شکل میں نہ آواز میں —— تبدیلی نہ واقع ہو۔ زبان کا ذخیرۂ الفاظ، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، بہت محدود یعنی کُل تین سو تھا۔ پھر کامیابی کی سب سے کارآمد اور موثر راہ یہ بھی تھی کہ جو بالغ، نوجوان یا ادھیڑ، خواندگی کی صلاحیت حاصل کر لیتا تھا، اُسے کسی نہ کسی بہانے سے آمدنی والا کوئی کام ضرور مل جاتا تھا اور سماج میں —— سرکاری اور غیر سرکاری دونوں میں اس کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا تھا۔

ڈاکٹر لاباخ نے یہ دیکھ کر کہ رسم الخط اس قدر آسان بنا دیا گیا ہے کہ اُسے پہچاننے والا اگر کسی دوسرے کو پڑھوانے تو یہ دوسرا شخص بھی آسانی سے پڑھنے لگے گا خواہ پڑھے ہوئے لفظ کا مطلب نہ سمجھ پائے اور یہ محسوس کر کے کہ پوری قوم کو

مشن کے چند کارکن اگر خواندہ بنانا چاہیں گے تو بہت زمانہ لگے گا یا سینکڑوں کی تعداد میں اُستاد فراہم کرنا ہوں گے۔ اپنے شاگردوں کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ خود پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد اپنے ایک ایک ساتھی کو بھی خواندہ بنا دیں۔ اور اسی طرح وہ اپنے شاگردوں سے ایک ایک شخص کو خواندہ بنانے کا عہد لیں۔ پڑھنا لکھنا سیکھنا، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اس قوم کے لئے آمدنی اور عزّت اور مرتبہ دونوں کا ضامن تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب کی یہ اسکیم چل گئی، اور اتنی کامیاب ہوئی کہ دیکھتے دیکھتے وہی وحشی قوم تعلیم یافتہ بن گئی۔ اس کامیابی سے ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ ترکیب ہر ناخواندہ ملک اور قوم کو قلیل سے قلیل مدّت میں خواندہ بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس اسکیم "اِیچ دن ٹیچ ون" کا نام دے کر اس کی باقاعدہ تحریک شروع کر دی اور فلپائن سے برما وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے اور یہاں کی چند زبانوں پر اپنے طریقۂ تعلیم کا تجربہ کیا (ڈاکٹر صاحب طریق الصوت (PHONIC METHAD) کے اصول پر بالغوں کو پڑھاتے تھے) یہ وہی زمانہ تھا جب ہندوستان میں بالغوں کی تعلیم کا خوب چرچا تھا اور گاندھی جی تعلیم کے میدان میں ایک نئے طریق تعلیم کے موجد کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔

ڈاکٹر لاباخ اپنے چارٹ وغیرہ لے کر گاندھی جی سے ملے اور اُن کو "اِیچ ون ٹیچ ون" کی اسکیم سے متعارف کیا۔ گاندھی جی نے پہلے تو یہ جواب دیا کہ "میں آپ کی کوششوں کا بڑی دلچسپی اور اشتیاق سے مشاہدہ کروں گا مگر مجھے اس میں شبہہ ہے کہ جس طرح آپ کے یہاں "ہر شخص نے ایک دوسرے شخص کو پڑھا دیا، یہاں ہندوستان میں بھی ہر شخص ایک دوسرے شخص کو پڑھائے گا"

"دوسرے سال" ڈاکٹر لاباخ کا بیان ہے "یہ دیکھ کر مجھے بے حد حیرت اور مسرّت ہوئی کہ گاندھی جی نے اپنے اخبار "ہریجن" میں لکھا کہ "خواندگی کے معاملے میں اب میرا عقیدہ یہ ہوگیا ہے کہ ہندوستان میں اگر ہر شخص ایک شخص کو پڑھا دے تو پورا ملک پانچ سال کی مدّت میں خواندہ ہو جائے گا"

گاندھی جی کی اس تحریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جا بجا خواندگی کے میدان میں لاباخ کے اس اصول پر مہمیں شروع ہو گئیں، اور لاباخ کی کتاب TOWARD WORLD LITERACY خواندگی کے اُستادوں اور ڈائرکٹروں کے حق میں "بائبل" بن گئی۔ اُسی زمانے میں حکومت صوبہ جات متوسّط و برار (جہاں اس وقت غالباً کانگریسی حکومت قائم تھی) کے محکمۂ تعلیمات نے خواندگی کے اُستادوں اور آرگنائزروں کے لئے "بالغ اَن پڑھوں کو پڑھانے اور ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کے طریقے" کے عنوان سے انگریزی میں ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس میں قریب قریب شروع سے آخر تک وہی الفاظ رکھ دئے گئے ہیں جو لاباخ کی مذکورہ بالا کتاب میں لکھے ہیں۔ پُر لطف بات اس پمفلٹ میں یہ ہے کہ "اِیچ ون ٹیچ ون" کے

نعرے کے بجائے " ایچ ون، ٹیچ ٹو " (ہر شخص دو اشخاص کو پڑھائے) کا نعرہ چھپا ہوا ہے۔
ظاہر ہے جامعہ ملیہ کے لئے جس کی تاسیس میں گاندھی جی کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے، اُن کے مضمون سے اثر قبول کرنا قدرتی بات تھی۔ چنانچہ اپنے قیام کے بعد نصاب تعلیم کی ترتیب کے ساتھ ساتھ ادارہ تعلیم و ترقی نے پہلا جو تجربہ کیا وہ بھی ایچ ون، ٹیچ ون کا تجربہ تھا۔ ادارے کے ڈائرکٹر شفیق صاحب مرحوم نے کام کا جو پہلا خاکہ مرتب کیا تھا، اس میں "پڑھنا لکھنا سکھانے کا کام" کے زیرِ عنوان انھوں نے حسب ذیل نظریہ بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی تحریک کا پورا پورا خاکہ بھی کھینچ دیا ہے۔

"پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے بالعموم مدارس شبینہ قائم کئے جاتے ہیں لیکن اس قسم کے مدارس قائم کرنے میں بعض ایسی انتظامی دشواریاں حائل ہیں جن پر عام طور پر قابو پانا بحالات موجودہ ہمارے لئے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تحریک شروع کی گئی ہے کہ ہر تعلیم یافتہ مرد اور عورت کم از کم ایک اَن پڑھ آدمی کو ہر حال پڑھنا لکھنا سکھانے کا ذمہ دار بن جائے۔ اس وسیع ملک میں جہاں سنّو میں بانوے آدمی اَن پڑھ گنے جاتے ہیں پڑھنا لکھنا سکھانے کا کام اسی طرح ممکن بھی ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اپنی جگہ پر ایک معلّم اور خادم بن جائے اور یہ تمدنی خدمت انجام دے ورنہ اتنی بڑی آبادی کے لئے بے شمار معلّم اور اُستاد کہاں سے آئیں گے جو یہ کام کریں نیز اس تحریک سے ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقے میں خدمت کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں اور یہ احساس بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ اَن پڑھ لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہر پڑھے لکھے کا قومی اور تمدنی فرض ہے جس سے ہم اسی وقت سبکدوش ہو سکتے ہیں جب سال میں کم از کم ایک اَن پڑھ کو ہماری وجہ سے پڑھنا لکھنا آجائے۔

جو لوگ خدمت کا عہد کریں گے اُن کو تعلیم دینے کے لئے ایک اَن پڑھ طالب علم بھی تلاش کرنا ہوگا لیکن ہمارے ملک میں اَن پڑھ لوگوں کی کیا کمی! ہر گھر میں کوئی غریب کوئی قریب، کوئی ملازم یا کوئی آنے جانے والا اَن پڑھ ضرور مل جائے گا اور سب سے پہلے تعلیم پانے کے حق دار یہی لوگ ہیں تاکہ چراغ کے نیچے اندھیرا نہ رہے، اس کے بعد پڑوس اور محلّہ میں کسی اَن پڑھ کو تلاش کرنا چاہئے۔

ان پڑھ طالب علم سے بھی ایک وعدہ پر دستخط لئے جائیں گے لیکن جو شخص پڑھنا نہیں جانتا وہ دستخط کیسے کرے گا؟ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جو اَن پڑھ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے آمادہ کیا جائے اس کو سب سے پہلے دستخط کرنا سکھایا جائے۔

دورانِ سال میں یہ کوشش کی جائے گی کہ بستی کے خدام کو کبھی کبھی جمع کر کے پڑھنا لکھنا سکھانے

THE TEAM

that launched the EXPERIMENT in 1939

AN EARLIER EVENING CENTRE

of pre-Idara days (1926)

کے مختلف طریقوں پر غور کیا جائے اور جو تجربات حاصل ہوں ان کے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے۔ طلبہ کے لئے سال میں تین مرتبہ امتحان کا انتظام کیا جائے گا اور یہ توقع کی جائے گی کہ ہر طالب علم سال کے دوران میں کسی ایک امتحان میں شریک ہو کر یہ ثبوت دے کہ اس نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے۔ کامیاب طلبہ کو ادارہ کی طرف سے سندیں تفویض کی جائیں گی، اور پھر وہ بھی حسب وعدہ خدام کی فہرست میں شریک ہو جائیں گے تاکہ اسی طرح دیے سے دیا جلتا رہے۔"

اس اسکیم کے اوپر بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کام ہوا، اور رضاکے کے مطابق مہم چلائی گئی۔ خدمت کے عہد اور طالب علم کا وعدہ کے عنوان سے نہایت اہتمام کے ساتھ فارم چھپوائے گئے، اور جامعہ کے اساتذہ، کارکنان اور مختلف بستیوں کے تعلیم یافتہ حضرات سے اُن کے اوپر دستخط لئے گئے۔ خدمت کا عہد کرنے والے "خادموں" کے جلسے کئے گئے اور کام شروع ہوا۔ لیکن جیسا کہ اس ایک سال کی رپورٹ اور اس کے ضمیموں سے معلوم ہوتا ہے، اسی ایک ہی سال کی مدت میں معلوم ہو گیا کہ یہ اسکیم کامیاب ہونے والی چیز نہیں ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مہم کے بارے میں ڈائرکٹر کی رپورٹ کا خلاصہ درج کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدمت کا عہد اور اس سلسلے کے دوسرے فارموں سے ناظرین کو متعارف کرا دیں۔ ان چیزوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو گا کہ "ایچ ون، ایچ ٹی ون" کی اس اسکیم پر کتنے خلوص اور عقیدت کے جذبات کے ساتھ کام ہوا تھا۔

نوٹ:- اس سلسلے کے تمام فارموں میں ٹائپ کی نہایت عمدہ طباعت اور مختلف رنگ کے عمدہ بینک پیپر کا اہتمام کیا گیا تھا۔

خدمت کا عہد

(تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے جو ایک ان پڑھ کو پڑھانے کا عہد کرتے تھے)

انسان کو خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ صحت کا شکر ہے بیماروں کی خدمت، دولت کا شکر ہے غریبوں کی مدد، بال بچوں کا شکر ہے لاوارث بچوں کی دستگیری، علم کا شکر ہے جاہلوں کو تعلیم دینا۔ اس لئے میں سچے دل سے عہد کرتا ہوں (کرتی) کہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت اور تعلیم و ترقی کے لئے جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا

کوشش کروں گا اور دوسری خدمات کے علاوہ سال میں کم از کم ایک اَن پڑھ آدمی کو پڑھنا لکھنا ضرور سکھلا دوں گا۔
گی

نام ....

پتہ ....

عمر .... پیشہ ....

مورخہ .... دستخط ....

میرا وعدہ

(ان پڑھ طالب علم سے جو پڑھنے کا عہد کرتے تھے)

میں علم کو انسان کے لئے بہت ضروری سمجھتا ہوں اور سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت تک علم حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا رہوں جب تک مجھے اچھی طرح پڑھنا لکھنا نہ آجائے۔ میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو علم حاصل کرنے کا شوق دلاؤں گا اور کم سے کم ایک شخص کو پڑھنا لکھنا سکھلاؤں گا۔

نام ....

پتہ ....

عمر .... پیشہ ....

وعدہ لینے والے کا نام اور پتہ ....
....

مورخہ .... دستخط ....

بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے

(خدمت کا عہد کرنے والوں کے لئے کام کی چند تجاویز)

(۱) خدمت کے عہد پر دستخط کیجئے اور ہر پڑھے لکھے آدمی کو اس عہد کے لئے آمادہ کیجئے۔

(۲) اَن پڑھ آدمیوں سے لکھنا پڑھنا سیکھنے کا وعدہ لیجئے اور ان کی تعلیم کا انتظام کیجئے۔

(۳) بالغ ہندیوں کے لئے کتب خانے اور دارالمطالعے قائم کیجئے۔

(۴) تعلیمی کتبات بستی کی مساجد اور خاص خاص مقامات پر لگا دیجئے ۔

(۵) وقتاً فوقتاً تعلیمی حلقے منعقد کیجئے اور زبانی تعلیم کا انتظام کیجئے

اس کے علاوہ اور جو خدمت آپ کرسکتے ہوں کیجئے اسی سے آدمی کی سیرت بنتی ہے اور قومیں ترقی کرتی ہیں۔

ایک درخواست

(بستی کے صاحب اثر حضرات سے)

بخدمت ... تعلیم وترقی

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مکرمی　　　　السلام علیکم

ادارہ تعلیم وترقی کے متعلق چند کاغذات ارسال خدمت ہیں۔ یہ ادارہ تعلیم بالغان کے لئے قائم کیا گیا ہے اتفاق ہے کہ دوسری بستیوں میں بھی بالغوں کی تعلیم وترقی کے لئے مجوزہ تدابیر اختیار کی جائیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس خدمت میں شریک ہوں اور اپنے حلقۂ اثر میں دوسرے احباب کو بستی کی تعلیم وترقی کے لئے آمادہ کریں۔

اگر کچھ اصحاب یہاں اپنی بستی کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائیں تو مطلع فرمائیے تاکہ ادارہ کی تجاویز اور مطبوعات وغیرہ سے آیندہ مطلع رکھا جائے۔ جواباً اگر دو سطریں آپ تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

نیازمند

شفیق الرحمٰن قدوائی

ناظم ادارہ تعلیم وترقی

جاگو اور جگاؤ

(بستی میں حلقہ قائم ہو جانے کی اطلاع اور تعاون کی درخواست)

حلقہ تعلیم وترقی [illegible] کا ایک مرکز آپ کے علاقے میں بھی قائم ہوگیا ہے۔ اس مرکز کے ذریعے

(۱) ان پڑھ [illegible] کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔

(۲) معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں رسائل اور اخبارات کا انتظام کیا جائے گا۔

(۳) وقتاً فوقتاً تعلیمی اور تفریحی جلسے منعقد کئے جائیں گے۔

(۴) اس کے علاوہ اور جو خدمت بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے ہم کر سکتے ہیں، کریں گے۔

اُمید ہے کہ آپ مرکز کی خدمات سے فائدہ اُٹھائیں گے اور اس نیک کام میں ہماری مدد کریں گے۔

مہتمم حلقۂ تعلیم و ترقی قرول باغ، دہلی

تعلیم و ترقی

فارم نمبر | نمبر شمار

نام اور نمبر مکان | گلی نمبر | محلہ | صاحب خانہ

نمبر شمار	بالغ افراد	عمر	پیشہ	تعلیمی حالت	کیفیت

ہدایات مہتمم

منتظم مرکز

تاریخ

فارم نمبر ۴ میں جن چند کاغذات کے بھیجے جانے کا حوالہ دیا گیا ہے، ان میں غالباً حسب ذیل کاغذات شامل ہوتے تھے۔

۱۔ مندرجہ بالا مختلف فارم۔ ۲۔ ادارۂ تعلیم و ترقی (پمفلٹ) ۳۔ سامان تعلیم و ترقی۔ ۴۔ فہرست مطبوعات ادارہ تعلیم و ترقی۔ ۵۔ اور غالباً نمونے کے لئے کتابت، خواندگی کے سلسلے کا سامان، قاعدہ وغیرہ کی ایک ایک کاپی

اسکیم کی ناکامی

اس تمام اہتمام اور سرگرمی کے باوجود بہت جلد معلوم ہو گیا کہ "اچھے دن پیچھے دن" کی مہم کا کامیاب ہونا اگر ناممکن

نہیں تو حوصلہ شکن حد تک مشکل ضرور ہے۔ شفیق صاحب نے ۲۹-۱۹۲۸ء کی رپورٹ کے ساتھ ضمیمے کے طور پر اس مہم کی روئداد بھی پیش کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد اُسے سرے سے خیرباد کہہ دیا گیا اس لئے کہ اس رپورٹ کے بعد آگے کے کسی سال کی رپورٹ میں اس مہم کا ذکر نہیں آتا سوائے ۳۳-۱۹۳۲ء کی رپورٹ کے (جو پورے ادارے کی رپورٹ نہیں، صرف مجلس تعلیم و ترقی کے ایک جلسے کی رپورٹ ہے) اس رپورٹ میں بھی مایوسی ہی کا اظہار کیا گیا ہے۔

رپورٹ کا یہ ضمیمہ شروع سے آخر تک شفیق صاحب کے مخصوص طنز یہ انداز تحریر سے پُر ہے اور اس قابل ہے کہ اسے ہاں جوں کا توں نقل کر دیا جائے لیکن گنجائش کی کمی کی وجہ سے اس کے چند ضروری اقتباسات یہاں دئے جا رہے ہیں۔

ایچ ون ٹیچ ون

ا۔ نظریہ اور عمل

"خدمت کے عہد کی اسکیم یعنی ہر پڑھا لکھا ایک بے پڑھے کو پڑھا دے بہت سادہ عام فہم اور خوشنما ہے۔ ہم جتنے لوگوں سے ملے سبھی بلا تفریق عالم و عامی اس خیال کی داد دی اور جہالت کے عفریت سے نبرد آزما ہونے کے لئے اسے بہترین حربہ قرار دیا۔ سوائے دو ایک حضرات کے جن کے اعتراض و انکار پر مجھے بے خلقی کم فہمی اور جذبہ خدمت سے محروم ہونے کا شبہہ ہوا تھا۔ ان کے نزدیک اوّل تو عہد کی حیثیت عرف عام سے کچھ بلند تھی دوئم انھوں نے فرمایا تھا کہ "پابندی کے ساتھ کسی کو تھوڑا سا وقت دینا بھی ممکن نہیں ہے اور تعلیم میں پابندی نہ برتی جائے تو وقت اور محنت دونوں رائگاں جاتی ہیں۔"

اب نظری دائرہ سے نکل کر عملی حلقہ میں آکر مجھے اس خیال کے قیمتی ہونے کا احساس ہو رہا ہے اور جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہمارے سوا سو معاہدین میں دس سے بھی کم ہیں جنھوں نے ایفا شروع کیا اور پانچ بھی نہیں ہیں جنھوں نے محض شروع کرنے پر بس نہیں کی بلکہ ختم کا خیال بھی رکھا۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان سوا سو میں سے پچاس کے قریب وہ لوگ ہیں جو جامعہ سے براہ راست متعلق ہیں اور جامعہ سے متعلق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں خدمت کا شوق تعلیم کا ڈھنگ طالب علم کی تلاش کی آسانیاں سامان تعلیم کی فراہمی کی سہولت اور احساس عہد وغیرہ تمام قیمتی صفات دوسروں سے زیادہ موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں اور باقی حضرات میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ باقی پچھتر معاہدین میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی نوع جامعہ اور اہل جامعہ

دید ضبط اور رسم و راہ رکھتے ہیں اور اس لئے تاکید یا دہانی اصرار اور نگرانی کے فرائض کی ادائگی کی اتنی سہولتیں ہمیں میسر رہی ہیں کہ کسی دوسری بستی اور دوسری جماعت میں میسر نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے حال اس کا بھی مایوس کن ہے۔

بنا بریں میرا خیال ہے کہ عام طور پر عہد کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے۔ یا اگر ہے تو وہ نگرانی یاددہانی اصرار اور تاکید کی اس درجہ محتاج ہے کہ فی نفسہ معاہد کی ذات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نگرانی یا دہانی اصرار تاکید تلقین اور افہام و تفہیم کے لئے ایک منظم باقاعدہ اور موثر نظام ہو۔ اس نظام کے قیام سے پہلے ہم کوئی توقع قائم نہیں کر سکتے۔

۲۔ طالب علم نہیں ملتے

معاہدین کی بڑی تعداد کو شکایت ہے کہ طالب علم میسر نہیں آتے اگر یہ شکایت صحیح ہے تو پھر ہمارا یہ کہنا غلط ہو کہ "ہمارے ملک میں ان پڑھ لوگوں کی کیا کمی ہر گھر میں کوئی عزیز کوئی قریب کوئی ملازم کوئی آنے جانے والا ان پڑھ ضرور مل جائے گا"۔ ہم جانتے تھے کہ ہر شخص کے پاس ملازم نہیں ہوگا لیکن عزیز قریب ملنے والے پڑوسیوں سے کون محروم ہوگا لیکن اس کے طالب علموں کے فقدان کی شکایت عام ہے اور ایسے معاہدین کی جانب سے جن کی دیانت اور سچائی میں شبہہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن تجربہ کہتا ہے کہ ہم بھی سچ ہیں اور وہ بھی سچ ہیں۔ ان پڑھ واقعی ہمارے ملک میں بے شمار ہیں لیکن ایسے ان پڑھ جن میں علم کی واقعی طلب ہو کم یاب ہیں۔ اور مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ایسے استاد بھی نایاب ہیں جن میں پڑھانے کی سچی لگن ہو۔

۳۔ معیار زندگی کے فرق کا اثر

ایک دشواری اور ہے اور وہ ہماری رہائش اور اوضاع و اطوار کے مدارج کی ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ قریب کے کچھ طالب علم محمود منزل میں جامعہ کے اساتذہ سے آکر پڑھ لیں لیکن انہیں بھی اصرار رہا کہ ہمیں تو ایسی جگہ انتظام کر دیجئے ان کی طبیعت رکتی ہے کوٹھی اور کمرہ والوں کے پاس جاتے ہوئے انہیں یہ یقین نہیں آتا کہ بڑے ماسٹر صاحب سے بھی ایسی بے تکلفی ہو سکتی ہے کہ وہ برابر والے کی طرح محبت اور اخلاق سے ان پر وقت صرف کریں گے اور ان کی کمزوریوں یا خامیوں کو سنبھالیں گے۔ ہاں ایک طرح ممکن ہے کہ "یہ بڑے ماسٹر صاحب"

خود سامنے والے دکان دار کے پاس آئیں جائیں دس پانچ منٹ بات چیت کریں اور پھر لوگوں سے کہیں کہ میں تم میں سے ایک کی پڑھائی کا ذمہ لیتا ہوں۔ اگر اونچا طبقہ اتنا نیچا ہونے کو تیار ہے تو عوام ان سے مانوس ہو سکتے ہیں اور انہیں طالب علم مل سکتے ہیں۔ ورنہ یہ شکایت عام ہی رہے گی۔ باوجود اس کے کہ ہمارا ملک جاہلوں کا ملک ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ بڑی عمر کے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے کسی خاص اُستاد کی ضرورت نہیں لیکن اب میں ایسا نہیں سمجھتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ بالغوں کے لئے بچّوں سے زیادہ اُستادی کی ضرورت ہے۔ دراصل ہمارے سامنے چند وہ تجربے تھے جس میں ایک بڑے آدمی نے اپنے چند خادموں کو پڑھانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں خادم چار و ناچار وقت پر حاضری کو لازمی جانتا اور آقا کے سبق کو حفظ کرنا بچوں کی نگرانی کے برابر جانتا اور اُستاد کی بات کو پوری توجہ سے سننا اپنی ترقی کا زینہ یقین کرتا ہے۔ لیکن جہاں یہ رعایات حاصل نہیں ہیں وہاں اُستادی کے بغیر کام چلنا مشکل ہے۔

۴۔ اعزازی کارکن سے کام نہیں چل سکتا

علاوہ ازیں اعزازی کارکن بلاناغہ حاضری کا ذمہ نہیں لے سکتا اور اگر ذمہ لیتا ہے تو حلقہ کے اعلیٰ ذمہ دار کو ان بزرگ کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ ہوتا یہ ہے کہ ان بزرگ کو یکایک کوئی کام ہو جاتا ہے اور وہ حلقہ آتے آتے رستہ میں سے لوٹ جاتے ہیں۔ حلقہ بند پڑا رہتا ہے اور لوگ پریشان ہو ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔ جو طالب علم یہ کوشش کرتے ہیں کہ ناغہ نہ ہو اور اس کی خاطر وہ گھر والوں مہمانوں اور بعض دوستوں کی بعض شکایتوں کو بھی مول لیتے ہیں۔ انھیں حلقہ کا اس طرح بند رہنا قدرتاً ناگوار ہوتا ہے۔ اور ان کے شوق کو صدمہ پہنچتا ہے۔

ادارے کا نیا دستور

اور

تعلیمی مرکزوں کی تحریک

ادارہ تعلیم و ترقی کیوں؟ ادارہ تعلیم بالغان کیوں نہیں

ایک موقع پر شفیق صاحب سے سوال کیا گیا کہ "ادارہ تعلیم و ترقی جب بالغوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا تو اس کا نام "تعلیم و ترقی" کیوں رکھا گیا، "ادارہ تعلیم بالغان" جامعہ" کیوں نہیں رکھا گیا"؟ شفیق صاحب مسکرائے اور بولے "یہ سوال آج پہلی مرتبہ مجھ سے کیا گیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میرے ساتھیوں ہی میں سے ایک نے کیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کو تعلیم بالغان سے واقعی دلچسپی ہے جو آپ کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی۔

"بات یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا اس وقت پورے ملک میں تعلیم بالغان یا اڈلٹ ایجوکیشن سے صرف بالغوں کی خواندگی مراد لی جاتی تھی۔ اس کے برعکس جامعہ والوں کے نزدیک ابتدا ہی سے تعلیمِ بالغان سے بالغوں کی ایسی تعلیم مقصود رہی ہے جو ان کے لئے ترقی کی راہیں کھول دے۔ تعلیم خواہ بالغوں کی ہو یا بچوں کی یا نوجوانوں کی، اُس وقت تک تعلیم کی تعریف میں نہیں آسکتی جب تک طالب علم کے حق میں ترقی کی ضمانت نہ کرے۔ اگر جامعہ اپنے اِس ادارے کا نام "ادارہ تعلیم بالغان" رکھتی تو اُس کا مطلب یہ ہوتا کہ تعلیم سے متعلق اپنے اس نظریئے کے باوجود اس نے بھی اپنے آپ کو بالغوں کی خواندگی تک محدود کرلیا ہے۔ اور ادارے نے اب تک تعلیم بالغان میں جو اتنے تجربے کئے ہیں، وہ نہ ہو پاتے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ بالغوں کے چند پرائمر بن جاتے، اور پرائمر کی حد تک کی تعلیم آپ خود سمجھ سکتے ہیں، کوئی تعلیم نہیں ہوتی اور ایسی تعلیم تو کسی حالت میں نہیں ہوتی جو طالب علم کے سامنے ترقی کی راہیں کھول دے۔"

تعلیم بالغان کے میدان میں جامعہ کی کوششوں کا اب تک جو ذکر کیا گیا ہے، اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ تعلیم بالغان سے متعلق یہ تصور ابھی ابتدائی منزل میں تھا، تاہم یہ ضروری تھا کہ اس کی جھلک ابتدائی کوششوں میں بھی ملتی ہے۔ خواندگی کی کلاسوں اور حلقوں کے علاوہ حلقہ تعلیم و ترقی میں دیواری اخبار، قرآن اور حدیث کی تعلیم کے

کتابت، ریڈیو، اخباری جلسے، مسجدوں میں قرآن کی تعلیم، نوجوانوں کی پارٹیاں مثلاً ڈراما پارٹی، اخبار پارٹی، صحت و صفائی پارٹی وغیرہ ایسی سرگرمیاں تھیں جو پوری بستی کی تعلیم کے لئے منعقد ہوتی تھیں جس میں ان پڑھ اور پڑھے لکھے، مرد، عورتیں اور بچے سب ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی تک ادارے کی خصوصی توجہ خواندگی ہی پر تھی، اگرچہ خواندگی کا معیار وہ نہیں تھا جو بالعموم پرائمری تعلیم ہی پر ختم ہو جاتا تھا۔

"حلقۂ تعلیم و ترقی" سے "تعلیمی مرکز"

"ایچ ون، پنچ ون" کی مہم سال ڈیڑھ سال کی کوشش کے بعد ختم کر دی گئی تھی اور ان پڑھ بالغوں کی خواندگی کے لئے "حلقۂ تعلیم و ترقی" کی جگہ "تعلیمی مرکز" قائم کر کے کلاسیں منعقد ہونے لگی تھیں، حلقۂ تعلیم و ترقی کا تصور یہ تھا کہ وہ خدمت کا عہد کرنے والے رضاکار خادموں پر مشتمل ہوں گے، ان کے لئے کوئی مستقل اور تنخواہ دار عملہ نہیں ہوگا۔ یہ تصور جیسا کہ "ایچ ون پنچ ون" کی رپورٹ میں شفیق صاحب نے خود بیان کیا ہے، دیکھنے میں تو بڑا خوش آیند ہے، لیکن عملاً اسی قدر ناممکن بھی ہے۔ ناکامی کے اس تجربے کے بعد ادارے نے "حلقۂ تعلیم و ترقی" کے بجائے "تعلیمی مرکز" کا نظریہ اختیار کیا جس میں شرائط ملازمت کا پابند تنخواہ دار عملہ کام کرتا ہے۔ تعلیمی مرکز کا یہ تصور جیسا کہ آگے کی سطور سے واضح ہوگا، بہت کامیاب رہا، اور تعلیم سے متعلق ادارے کا مذکورہ بالا تصور اس کے توسط سے نسبتاً زیادہ ابھرتا ہوا نظر آیا۔

ادارے کا نیا دستور

شفیق صاحب طبعاً قانون پرست آدمی تھے۔ اگرچہ جامعہ کی مجالس بالا کی طرف سے ادارے کے دستور سے اس طرح انحراف کرنے پر کسی قسم کا کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا لیکن خود شفیق صاحب کو ایسا معلوم ہوتا ہے یہ بات پسند نہیں کہ اپنی مجلس کے دستور کے منشا کے خلاف تعلیم و ترقی کے رضاکار حلقے قائم کرنے کے بجائے تنخواہ دار عملے والے تعلیمی مرکز قائم کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۴۵ء میں (ادارے کے قیام کے چھ سال کے بعد) ادارے کا ایک زیادہ جامع دستور مرتب کیا اور اسے جامعہ کی مجالس بالا سے منظور کرایا۔ اس دستور کے مطالعے سے (جس کا ایک حصہ جو اغراض و مقاصد سے متعلق ہے، یہاں نقل کیا جا رہا ہے) صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سات سال کے عرصے میں وہ تعلیم بالغان سے متعلق اپنے تصور میں کتنے آگے نکل گئے تھے۔ اس نئے دستور کی رو سے ادارہ تعلیم و ترقی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

اغراض و مقاصد:

یہ ادارہ اس غرض سے قائم کیا جا رہا ہے کہ تحقیق اور تجربے کے بعد ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے مخصوص حالات میں بالغوں اور عوام کی تعلیم کے لئے

۱۔ مناسب راہیں متعین کرے، نصاب تعلیم اور طریقِ تعلیم تجویز کرے اور ان کی ترویج اور اشاعت کی کوشش کرے۔

۲۔ بطور نمونہ ضروری تعلیمی سامان تیار کرے اور اس کی اشاعت کا بندوبست کرے۔

۳۔ کارکنوں کی ٹریننگ کا بندوبست کرے اور اُن کی ہدایت کے لئے مناسب لٹریچر تیار کرے اور اس کی اشاعت کا بندوبست کرے۔

۲۔ مقاصد کی تکمیل کے ذرائع اور طریقے

ان مقاصد کے حصول کے لئے منجملہ اور طریقوں کے حسب ذیل طریقے سر دست تجویز کئے جاتے ہیں:

۱۔ ایک کتب خانہ اور ایک میوزیم ادارہ میں قائم کیا جائے۔ کتب خانہ ادارہ میں بالخصوص بالغوں کی تعلیم پر مفید مطلب کتابیں، رسائل اور لٹریچر جمع کیا جائے، اور میوزیم میں ماڈل، آلات، اور ایسا سامان جمع کیا جائے جس سے بالغوں اور عوام کی تعلیم میں مؤثر طریقے پر کام کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ ایک نمونے کا تعلیمی مرکز قرولباغ میں قائم کیا جائے اور اس کو ناخواندہ، کم خواندہ اور خواندہ طبقے کی تعلیم کے لئے تجربہ گاہ بنایا جائے۔

۳۔ ایک نمونے کا تعلیمی مرکز "ہال" قرولباغ میں قائم کیا جائے اور اس میں بستی کے تعلیم یافتہ طبقے کے لئے تعلیم، تفریح، اور ورزش کا انتظام کیا جائے اور اراکین ہال کے لئے سماجی خدمت کے موقعے پیدا کئے جائیں۔

۴۔ دوسری بستیوں میں بھی اسی نمونے کے تعلیمی مرکز اور تعلیمی مرکز ہال قائم کرنے کی تحریک شروع کی جائے۔

۵۔ بالغ مبتدیوں کے لئے کتابت، رسائل اور کتابیں تیار کی جائیں اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔

۶۔ کارکنوں کے لئے وقتاً فوقتاً تعلیمی حلقے منعقد کئے جائیں، اور اُن کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ادارہ کی طرف سے مناسب انتظام کیا جائے۔

۷۔ عوام اور بالغوں کی تعلیم کا کام کرنے والے دوسرے اداروں اور کارکنوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور پیشِ نظر مقاصد کے لئے ان کا تعاون اور اشتراک حاصل کیا جائے۔

تعلیمی مرکزوں کی تحریک کا نیا خاکہ

ادارہ تعلیم و ترقی کے نئے دستور کو ذہن میں رکھتے ہوئے کام کا ایک نیا خاکہ مرتب کیا گیا جو شفیق صاحب کے مخصوص طریقۂ کار کے مطابق صرف کام کے عنوانات پر مشتمل تھا۔ (شفیق صاحب تفصیل و شرح تحریر سے عموماً پہلو بچایا کرتے تھے۔ اس کے برعکس جو کام انھیں کرنا ہوتا تھا، اس کے پوائنٹ نوٹ کر لیتے تھے، اُن کی تفصیلات ان کے ذہن میں ہوتی تھیں، جو الفاظ کے بجائے کاموں کی شکل میں ظاہر ہوا کرتی تھیں) یہ خاکہ حسب ذیل ہے۔

مقاصد

۱۔ تعلیم بالغان کی تحریکات کے متعلق مواد فراہم کرنا اور مطالعہ اور تحقیق کے بعد ضروری اور مفید معلومات بہم پہنچانا۔

۲۔ کسی بستی کی عام تعلیم اور ترقی اور بالخصوص بالغ آبادی کی تعلیم و ترقی کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل تیار کرنا اور اس کی ترویج اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۳۔ رضاکار اور مستقل کارکن تیار کرنا جو اپنے اپنے علاقوں میں تعلیم و ترقی کا کام کریں۔

پہلا حصہ

پہلا مقصد: تعلیم بالغان کی تحریکات کے متعلق مواد فراہم کرنا اور مطالعہ اور تحقیق کے بعد ضروری اور مفید معلومات بہم پہنچانا۔

حسب ذیل طریقوں سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۔ تعلیم بالغان کے متعلق ہندوستان اور بیرون ہند سے لٹریچر فراہم کیا جائے۔

۲۔ اس موضوع پر جو کتابیں اور مطبوعات شائع ہوں اس کو جمع کیا جائے۔

۳۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں ان سے تبادلہ خیال کیا جائے مشاورت کے لئے مواقع تلاش کئے جائیں اور اُن کی کانفرنسوں میں شرکت کی جائے۔

۴۔ جو مفید معلومات ان طریقوں سے حاصل ہوں ان کو اخبارات یا رسائل میں یا کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

۵۔ جن علاقوں میں اس قسم کا کام ہو رہا ہے اُن سے واقفیت حاصل کی جائے۔

دوسرا حصہ

مقصد:- کسی بستی کی عام تعلیم اور ترقی اور بالخصوص

بالغ آبادی کی تعلیم و ترقی کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل تیار کرنا اور اس کی ترویج و اشاعت کا انتظام کرنا۔

تعلیم و ترقی کے دستور العمل کو حسب ذیل پانچ شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اوّل: مذہبی تعلیم　دوم: ذہنی تعلیم
سوم: سماجی تعلیم　چہارم: معاشی تعلیم
پنجم: جسمانی تربیت

ان میں سے ہر شعبہ کی تعلیم کے جو وسائل ہو سکتے ہیں وہ مثالاً حسب ذیل ہیں۔

شعبہ مذہبی تعلیم

۱۔ بستی کی مسجد کو مرکز قرار دیا جائے۔
۲۔ ہر مسلمان کو بستی کی کسی نہ کسی مسجد سے وابستہ کیا جائے۔
۳۔ مذہبی مواعظ اور جلسوں کا انتظام کیا جائے۔
۴۔ قرآن پاک کی تعلیم اور ترجمہ کا انتظام کیا جائے۔
۵۔ مسجدوں میں مذہبی کتابوں کا کتب خانہ قائم کیا جائے۔
۶۔ تعلیمات اسلامی کے کتبے آویزاں کئے جائیں۔
۷۔ ائمہ مساجد کے مشاورتی جلسے منعقد کئے جائیں اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے ائمہ مساجد کو تدابیر بتلائی جائیں اور وسائل بہم پہنچائے جائیں۔
۸۔ مسجد کے متعلق غربا اور مساکین بیماروں اور لاچاروں کی پرورش نگہداشت اور خدمت کی جائے۔

شعبہ نمبر ۲ ذہنی تعلیم

اس شعبہ کے دو حصے ہیں

۱۔ خواندگی کی تعلیم　۲۔ معمولی پڑھے لکھے لوگوں کی تعلیم

(الف) ناخواندوں کی تعلیم

۱۔ چھوٹے چھوٹے حلقے قائم کئے جائیں جو بالعموم پانچ سے دس تک طالب علموں پر مشتمل ہوں، ایک پڑھا لکھا آدمی اس حلقے کا ذمہ دار استاد ہو، ہر حلقے کے لئے پورا سامان تعلیم جو مثلاً حسب ذیل اشیاء پر مشتمل ہو فوقتاً فراہم کیا جائے

۱۔ قاعدے (۲) سلیٹ (۳) تختہ سیاہ یا اس کا بدل (۴) قاعدے کے لئے چارٹ اور نقشے وغیرہ (۵) رہنمائے قاعدہ (۶) حساب کا قاعدہ (۷) سلسلہ تدریجی تعلیم

۲۔ زبانی تعلیم کے لئے ایک سال کا نصاب تیار کیا جائے جو دستور العمل کے مقررہ پانچ شعبوں کی ضروری معلومات پر مشتمل ہو۔ جملہ معلومات چھوٹے چھوٹے مضامین کی صورت میں علیحدہ علیحدہ شائع کئے جائیں جو ابتداءً تعلیمی حلقوں کے اساتذہ کے کام آئیں گے اور بعض طلبہ بھی بجائے ریڈروں کے انہیں مضامین کو پڑھیں گے اس لئے ان مضامین کی زبان سادہ ہوگی ان مضامین کی جملہ معلومات جاذب نظر نقشوں، چارٹ، تصاویر، وال پیپر اور تعلیمی پوسٹروں میں لائی جائے گی تاکہ ان کو دیکھ کر طلبہ خود اس کے متعلق دریافت کر کے استفادہ کریں۔

۳۔ تعلیمی نمائش۔ ۴۔ میوزیم۔ ۵۔ ریڈیو۔ ۶۔ سینما۔

۹۔ طلسمی لالٹین۔ ۱۰۔ تھیٹر

(ب) خواندہ لوگوں کی مزید تعلیم کے لئے

۱۔ گشتی کتب خانے ۲۔ دارالمطالعے

۳۔ مباحثے کے جلسے ۴۔ خاص خاص موضوعات پر اساتذہ کی تقاریر کا سلسلہ ۵۔ STUDY CIRCLES ۶۔ تعلیمی نمائش ۷۔ ریڈیو۔ ۸۔ سینما۔ ۹۔ ڈراما۔ ۱۰۔ طلسمی لالٹین

شعبہ نمبر ۳۔ سماجی تعلیم

(۱) محلہ یا بستی کی پنچایت

(۲) میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ، نوٹی فائڈ ایریا، اور صوبہ کی نمایندہ مجالس سے محلہ یا بستی کا تعلق، ان سے فائدے، توقعات اور مایوسیاں

(۳) انتخابات کے ہنگامے اور ان میں رائے دہندگان کی رائے کی اہمیت۔

(۴) موجودہ سیاسی گروہ بندیاں، ان کے بنیادی اصول

(۵) بنیادی حقوق (۶) تمدنی تحفظات، مذہب، زبان

(۷) قومی دن، مشترک جلسے

(۸) پڑوسیوں کے حقوق، آپس کے تعلقات، ہندو مسلم اختلافات۔ لڑائیاں جھگڑے۔ ان کے نتائج

(۹) سوراج

(۱۰) سرائے، چوپال، مسافرخانہ، قبرستان۔

(۱۱) قومی جلسے میلے (۱۲) سیوا سمتی، لنگر خدام

شعبہ نمبر ۴۔ معاشی تعلیم

(۱) معاشی برادریاں (۲) بے روزگاروں کا رجسٹر

(۳) کم سرمایہ والی گھریلو صنعتوں کا رواج

(۴) چھوٹی چھوٹی دستکاریاں سکھلانے کا انتظام

(۵) ٹائپ، شارٹ ہینڈ، بک کیپنگ، تجارتی خط و کتابت وغیرہ سکھلانے کے لئے شبینہ مدارس

(۶) دیسی مصنوعات، اور دستکاریوں کی نمائش

(۷) کوآپریٹیو اسٹور، کوآپریٹیو سوسائیٹی۔

شعبہ نمبر ۵۔ صحت اور حفظان صحت کی تعلیم

(۱) یوم صحت۔ (۲) بے بی ویک

(۳) زچہ خانے اور ان کا انتظام (۴) اسپتال اور دواخانے

(۵) وبائی بیماریوں سے بچنے کی تدابیر (۶) اکھاڑے۔

(۷) پارک (۸) کھیل کود کے مقابلے۔ (۹) غسل خانے، پاخانے (۱۰) کنویں اور پانی۔ (۱۱) کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ، گرد و غبار سے بچنے کی تدابیر

(۱۲) گلیاں، راستے، اور تالابوں کی صفائی (۱۳) غذائیات

تیسرا حصہ

مقصد: "کارکن تیار کرنا جو اپنے اپنے حلقوں میں تعلیم و ترقی کا کام کریں"

تعلیم و ترقی کے کام کے لئے رضاکار کارکن ہوں گے

لیکن ان کارکنوں کی نگرانی اور ان کی رہنمائی اور مدد کے لئے مستقل ٹرینڈ کارکن ادارہ کی طرف سے مقرر کئے جائیں گے۔ رضا کار کارکن قرطاس خدمت کی خانہ پری کے بعد (خدام) کی فہرست میں داخل کئے جائیں گے۔

۱۔ ان کی ٹریننگ کے لئے ایک ہفتہ یا نصف ہفتے کے کورس مقرر کئے جائیں گے۔ ۲۔ ادارہ کے مقاصد و طریقۂ عمل پر ایک کتاب کارکنان کے لئے تیار کی جائے گی۔ ۳۔ خدام کے لئے ایک عام امتیازی نشان مقرر کیا جائے گا مختلف خدمات کے لئے علیحدہ علیحدہ نشانات بھی تفویض کئے جائیں گے۔ ۴۔ خدام کے مشاورتی جلسے منعقد کئے جائیں گے۔ ۵۔ خدام کی کارگزاریوں کی اطلاع اور اس کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔ ۶۔ خدام کو ادارہ کی طرف سے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گے مستقل کارکن۔ اُن لوگوں کی پوری ٹریننگ کا انتظام ادارہ کی طرف سے کیا جائے گا یہ لوگ پورا وقت تعلیم و ترقی کی تحریک پر صرف کریں گے۔ مرکز تعلیم و ترقی کی نگرانی کریں گے۔ اور خدام کی رہنمائی اور مدد کریں گے۔ جن علاقوں میں کم از کم دس مرکز تعلیم و ترقی کے قائم ہو جائیں گے وہاں کے صدر مقام پر حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک حلقۂ تعلیم و ترقی کا قائم کیا جائے گا اور یہ مستقل کارکن یعنی منتظمین یا مہتممین حلقہ تعلیم و ترقی کے ذمہ دار کارکن ہوں گے۔

نصاب تعلیم

مقصد:۔ جہالت دور ہو اور تحصیل علم کے مواقع ملیں۔

۱۔ قاعدہ:۔ بالغ عمر کے لوگ کم از کم مدت کے اندر پڑھنا اور لکھنا سیکھ جائیں۔ موجودہ قاعدوں میں سے کوئی قاعدہ منتخب کیا جائے یا ایک نیا قاعدہ تیار کیا جائے جو قاعدہ رائج کیا جائے اس کے ساتھ ایک رہنمائے قاعدہ بھی اُستاد کے لئے ہونا چاہیے اور مشق کے لئے نقشے۔

(۱) انجمن ترقی اردو کا قاعدہ (۲) ڈاکٹر سید الظفر خاں صاحب کا قاعدہ (۳) حکومت بہار نے اس غرض سے جو قاعدہ اور نقشے تیار کئے ہیں (۴) یسرنا القرآن کا قاعدہ یا اور جو قاعدے مل سکیں (عبدالغفار صاحب۔ عبدالغفور صاحب سندھی صاحب سے مشورہ کیا جائے)

۲۔ اسباق کا سلسلہ:۔ مقصد۔ ایک عاقل و بالغ آدمی پورا کورس ختم کرلے کے بعد اخبارات، رسائل اور معمولی کتابیں اچھی طرح پڑھ اور سمجھ سکے۔ چار مختلف معیار کے اسباق کا سلسلہ تیار کیا جائے ان جملہ اسباق میں مروجہ مذہبی، ادبی، سیاسی، معاشی اور بین الاقوامی اصطلاحات اور معلومات کا کم از کم ذخیرہ جو کام چلانے کے لئے ضروری ہونا چاہیے۔ اسباق کی تعداد اسی لحاظ سے مقرر کی جائے۔ تعداد صفحات ۸۔ ۱۶۔ ۲۴۔ ۳۲ کاپی سائز ہونا چاہیے۔

ان اسباق کے بعد جملہ علوم و فنون پر مبتدیوں کے لئے نہم

رسائل کا ایک سلسلہ اردو میں ہونا چاہیئے تاکہ تعلیم کا سلسلہ اس کے ذریعہ برابر جاری رہے۔ رسم الخط نسخ ہو یا نستعلیق؟ اگر نستعلیق کے مقابلہ میں نسخ خط سیکھنے میں بہت زیادہ وقت صرف نہ ہو تو نسخ ہی کو ترجیح دیا جائے۔ اردو زبان زیادہ تر مسلمان سیکھیں گے اور ہر مسلمان کے لئے قرآن پڑھنا بھی ضروری ہے اس لئے دو رسم الخط کے بجائے ایک ہی سے کام نکل سکتا ہے۔ علاوہ بریں نسخ کا ٹائپ موجود ہے اور روز بروز ترقی کر رہا ہے۔

ہر معیار کے اسباق کی تصنیف و تالیف کے لئے حسب ذیل وسائل اختیار کئے جائیں۔

(۱) موجودہ درسی کتب سے مفید مطلب مضامین اخذ کرلئے جائیں (۲) اخبارات اور رسائل سے مضامین اخذ کرلئے جائیں (۳) ریڈیو کی تقاریر سے مفید مطلب مضامین اخذ کرلئے جائیں (۴) جن موضوعات پر مضامین دستیاب نہ ہوں وہ لکھوائے جائیں اور اس میں جامعہ اور بیرون جامعہ اہلِ قلم سے مدد لی جائے۔ نصاب تعلیم کے لئے ریڈر اور اسباق اور مبتدیوں کے لئے کتب کی تیاری کے سلسلہ میں انجمن ترقی اُردو سے بھی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ عام تعلیم کے لئے

ہفتہ وار تعلیمی پوسٹر۔ نقشوں اور تصاویر کے ذریعہ عام معلومات بہم پہنچانے کے لئے یہ پوسٹر تیار کئے جائیں۔ اور بستی کے نمایاں مقامات پر بالخصوص مساجد کے سامنے اور کچہریوں یا اس طرح کے اور مرکزی مقامات پر لٹکا دیئے جائیں۔ پوسٹر میں مذہبی، معاشی، سماجی، اور حفظانِ صحت کے متعلق معلومات ہونا چاہیئے۔ ایک سال کے لئے ۵۲ پوسٹر سلسلہ وار پہلے سے تیار کرکے ہفتہ وار شائع کئے جائیں گے۔ اس سلسلے میں

(۱) ایک اچھا آرٹسٹ تلاش کیا جائے جو خیالات اور معلومات کو رنگ روپ دے سکے۔ ایک سال کے لئے مضامین طے کئے جائیں۔

(۲) یہ معلوم کیا جائے کہ بڑے بڑے پوسٹر کس سائز کے دہلی میں چھپ سکتے ہیں اور بلاک تیار کرنے کا کیا انتظام ہو سکتا ہے۔

(۳) ریڈ کراس اور بنگال اڈلٹ ایجوکیشن سوسائٹی اور جو ادارے پوسٹر نکالتے ہوں اُن سے پوسٹر فراہم کئے جائیں۔ اگر پوسٹر اچھے ہیں تو اپنے سلسلہ میں شامل کرلیا جائے انھیں پیشِ نظر رکھ کر ان سے بہتر پوسٹر تیار کئے جائیں۔

وال پیپر:۔ وال پے پر کے نمونے کہیں سے حاصل کئے جائیں یہ مقامی لوگوں کے لئے ہوں، عام فائدہ کے لئے، اس کی ترتیب وغیرہ (سعید صاحب سے مشورہ)

تعلیمی جلسے:۔ تقاریر کے ذریعہ زبانی تعلیم کا انتظام کیا جائے ڈرامے۔ اس میں بجلی کی لالٹین، سینما اور ریڈیو سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

تعلیمی نمائش:۔ ہر قسم کے علمی اور تعلیمی مفید معلومات اور اشیا نقشے وغیرہ جمع کئے جائیں جن کو دیکھ کر تحصیل علم کا شوق پیدا ہو، سائنس کے کرشمے جدید ایجادات آلات اور مشینیں عام دلچسپی کا باعث نہیں گی۔

مطالعہ خانے اور کتب خانے۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اخبارات اور رسائل، لوگوں کے سیاسی عقائد اور مذاق کے مطابق فراہم کئے جائیں۔

۲۔ کتب خانے۔ مختلف معیار کے کتب خانوں کی فہرستیں تیار کرائی جائیں۔ اور ان کی قیمت تخمینہ اور کوشش کی جائے جو تعلیمی حلقے یہ کتب خانے قائم کریں ان کو یک جا یا درا کتب خانہ بہ مع ضروری سامان کتب خانے کے فراہم کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔

جلسہ مباحثہ:۔ تعلیم یافتہ آبادی کے لئے اس قسم کے جلسے منعقد کئے جائیں تاکہ مسائل حاضرہ پر تبادلۂ خیال ہو سکے اور مسائل کو سمجھنے کے لئے موافق اور مخالف رائیں معلوم ہو سکیں۔

اساتذۂ فن اور مشاہیر سے استفادہ کرنے کے لئے خاص خاص جلسے منعقد کئے جائیں۔

بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے
تعلیمی مرکز

کام کے مذکورہ بالا خاکے کے مطابق نئے سرے سے کام شروع ہوا۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ادارہ چھ سات سال تک کام کرنے کے بعد اب اس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ اپنی اپنی بستی کی تعلیم و ترقی سے دلچسپی رکھنے والے اداروں اور اشخاص کو اپنے آزمائے ہوئے نہج پر کام کرنے کی دعوت دے۔ چنانچہ اپنے مرکزوں میں تجربہ و تحقیق کے کام کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اس نے تعلیمی مرکزوں کی دعوت و تبلیغ کے لئے لوگوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے اردو اور انگریزی میں لٹریچر کا ایک سیٹ تیار کر لیا تھا جسے اچھی خاصی بڑی تعداد میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس تبلیغی سیٹ میں عملی کام کا ایک نقشہ بھی تھا، جسے نیچے نقل کیا جا رہا ہے۔ یہ نقشہ کوئی فرضی یا خیالی دستاویز نہیں تھا بلکہ عملی تجربات کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا۔ غالباً اسی بات کا ثبوت پیش کرنے کی غرض سے اس کے ساتھ "ہمارا مرکز" کے عنوان سے ایک اور مطبوعہ پمفلٹ بھی اس سیٹ میں شامل کیا جاتا تھا جس میں دیباچے کے طور پر شفیق صاحب نے یہ سطریں لکھی تھیں:۔

"ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے تعلیم بالغان کے تجربے کے لئے قرول باغ دہلی میں ایک مرکز "تعلیم و ترقی" کا قائم کیا ہے۔ گذشتہ دو سال میں اس مرکز نے جس طریقے پر بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے [illegible]

کی اس کی یہ مختصر کیفیت اس غرض سے شائع کی جا رہی ہے کہ جو لوگ بالغوں کی تعلیم کے کام اداروں کی تجاویز کے مطابق کرنا چاہیں، وہ اس مرکز کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

تعلیمی مرکز: کام کا عملی نقشہ

(۱) ہر محلہ اور ہر بستی میں حسب ضرورت ایک یا ایک سے زائد تعلیمی مرکز قائم کئے جائیں۔ کم و بیش ڈھائی تین سو گھروں کے لئے ایک تعلیمی مرکز کافی ہے۔ یہ مرکز کسی ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں لوگ آسانی سے جمع ہو سکیں۔ بازار کی کوئی دکان مناسب ہوگی ورنہ کسی خانگی مکان کے ایک کمرے سے کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

(۲) تعلیمی مرکزوں کی آرائش کا خاص اہتمام کیا جائے اور تعلیمی نقشے اور کتبے، خاکے اور چارٹ، تصاویر اور کارٹون نیز بستی کی مصنوعات اور دستکاریوں کے نمونے جمع کئے جائیں اور انھیں چیزوں سے مرکز کی آرائش کی جائے لیکن سادگی اور صفائی مرکز کی نمایاں خصوصیت ہو۔

(۳) بستی کا ہر گھر مرکز کا رکن سمجھا جائے۔

(۴) بستی کا جائزہ لیا جائے اور حسب ذیل نقشے مرتب کئے جائیں مثلاً

۱۔ تعلیمی حالت کا نقشہ (ناخواندہ، خواندہ، تعلیم یافتہ) ۲۔ بچوں کی تعلیمی حالت کا نقشہ (مدرسے جانے والے بچے اور جن کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔) ۳۔ بستی کی کاروباری حالت کا نقشہ ۴۔ گھریلو صنعتوں کا نقشہ ۵۔ تعلیمی اور سماجی اداروں کا نقشہ۔

(۵) اخبارات کے تراشوں سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبار خاص مرکز کے لئے تیار کیا جائے۔ وقتاً فوقتاً مسائل حاضرہ پر خاص نمبر بھی نکالے جائیں

(۶) بڑے اخبار کی خبریں۔ روزانہ ایک مقررہ وقت پر سنانے اور سمجھانے کا انتظام کیا جائے۔ خبروں پر تبصرہ کیا جائے اور خبروں کے تعلق سے تاریخی، جغرافی، معاشی، سیاسی، مدنی اور مذہبی غرض ہر قسم کی معلومات دی جائیں۔ اس سلسلے میں نقشوں اور خاکوں سے خاص طور پر مدد لی جائے۔ اور آخر میں حاضرین کو بھی گفتگو اور بحث کا موقع دیا جائے۔

(۷) مرکز کے لئے ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں خاص طور پر بالغ مبتدیوں کے لئے اور عورتوں اور بچوں کے لئے مناسب حال کتابیں جمع کی جائیں اور بستی کے خواندہ لوگوں اور بچوں کو پڑھنے کے لئے تقسیم کی جائیں۔ انتظام ہو سکے تو گھر گھر کتابیں پہنچائی جائیں۔

(۸) مختلف قسم کے درس کے لئے وقتاً فوقتاً درسی حلقے قائم کئے جائیں۔ بستی کے دس بارہ آدمی جب کبھی کسی قسم کے درس کے لئے

خواہش کریں اور اُستاد کا انتظام ہو جائے تو ایک معینہ مدت یا معینہ نصاب کے لئے مرکز میں یا مرکز کے زیر اہتمام کسی جگہ کوئی درسی حلقہ قائم کیا جاسکتا ہے مثلاً

۱۔ پڑھنا لکھنا سکھلانے کے لئے درسی حلقہ ۔ ۲۔ معمولی پڑھے لکھے یعنی خواندہ لوگوں کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔ ۳۔ دینی تعلیم کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔ ۴۔ حساب کتاب سکھلانے کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔ ۵۔ صرف لکھنا سکھلانے کے لئے درسی حلقہ ۔ ۶۔ مشاغل بے کاری کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔ ۷۔ کسی گھریلو صنعت کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔ ۸۔ کسی خاص پیشے سے متعلق معلومات دینے کے لئے کوئی درسی حلقہ ۔

(۹) تعلیمی مطبوعات اور تعلیمی کتابت کی اشاعت بستی میں کی جائے (سلسلۂ تعلیم و ترقی کے کتابات اور مطبوعات یا اس نمونے کے دوسرے کتبے اور مطبوعات بستی کے حالات کے مطابق شائع کئے جاسکتے ہیں)

(۱۰) تعلیمی جلسے وقتاً فوقتاً منعقد کئے جائیں ۔ مثلاً

۱۔ مختلف مضامین پر تقریریں کرائی جائیں ۔ اور اس سلسلے میں نقشوں اور تصویروں کا خاص اہتمام کیا جائے ۔ ۲۔ اکابرین اور رہنمایان قوم اور علماء کی تقریروں اور وعظ کا انتظام کیا جائے ۔ ۳۔ مسائل حاضرہ پر مباحثے کے جلسے کرائے جائیں ۔ ۴۔ مکالمے، ڈرامے نقلیں اور مشاعرے کئے جائیں ۔ ۵۔ تہواری جلسے منائے جائیں ۔ وغیرہ

(۱۱) بستی کے بچوں کے لئے تعلیمی پروگرام ۔ وقتاً فوقتاً رکھے جائیں (ترانے، بیت بازی، تعلیمی کھیل اور مقابلے)

(۱۲) تعلیمی ہفتے منائے جائیں ۔ مثلاً

۱۔ میلہ اور نمائش کا ہفتہ ۔ ۲۔ صحت اور صفائی کا ہفتہ ۔ ۳۔ توسیع تعلیم کا ہفتہ ۔ ۴۔ مرکز کے مصارف کے لئے چندہ جمع کرنے کا ہفتہ وغیرہ

(۱۳) بستی کے مختلف پیشوں کی برادریاں قائم کی جائیں اور ان کو تعلیم و ترقی کے کاموں کی طرف متوجہ کیا جائے ۔

(۱۴) ورزش اور تفریح کا انتظام کیا جائے ۔ ورزش گاہ قائم کی جائے ۔

منتظمین مرکز

مندرجۂ بالا تجویزوں کو پیش نظر رکھ کر ہر محلے اور ہر بستی میں تعلیمی مرکز قائم کئے جاسکتے ہیں مقامی حالات اور وسائل کے اعتبار سے جو کام آسانی سے شروع کئے جاسکتے ہوں انہیں سے ابتدا کی جائے اور رفتہ رفتہ مرکز کی دلچسپیوں میں اضافہ کیا جائے تعلیمی مرکزوں کی کامیابی کا اصل دارومدار ایک اچھے منتظم مرکز پر ہے ۔ یہ اپنی بستی کا اُستاد بھی ہوگا اور بستی کا خادم، مشیر اور

رہنما بھی اور وہی شخص اچھا منتظم ہو سکتا ہے جو اپنی بستی کی خدمت کا جذبہ شوق اور صلاحیت رکھتا ہو۔ منتظمین مرکز کو ادارہ تعلیم و ترقی کی تجویزوں کے مطابق کام کرنے کا طریقہ بتلانے کا انتظام ادارہ کی طرف سے کیا جائے گا چنانچہ ادارہ نے اپنے مقامی تعلیمی مرکز کے تجربات کی روشنی میں ایک مختصر نصاب خاص منتظمین مرکز کے لئے تجویز کیا ہے۔

بستی کی تعلیم و ترقی کے کام سے دلچسپی رکھنے والے افراد اور اداروں کو تعلیمی مرکزوں کی تحریک سے جو لٹریچر بھیجا جاتا تھا، اس کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ تعلیم بالغان

۲۔ ایک تجویز پر غور فرمائیے: بستی کی تعلیم و ترقی کے لئے محلے محلے اور بستی بستی تعلیمی مرکز قائم کئے جائیں (مطبوعہ شفیق نمبر ۱۹۶۳ء)

۳۔ تعلیمی مرکز: کام کا عملی نقشہ

۴۔ ہمارا مرکز: ادارے کے قائم کئے ہوئے تعلیمی مرکز کی دو سال کی مختصر رپورٹ

۵۔ تعلیمی سامان اور کتابوں کی فہرست

۶۔ انھی پمفلٹوں کے انگریزی ترجمے

۷۔ جائزے کے اور دوسرے فارموں کے نمونے

۱۔ بستی کا جائزہ ۲۔ خدمت کا عہد ۳۔ طالب علم کا وعدہ ۴۔ درخواست رکنیت کتب خانہ تعلیم و ترقی

مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی تعلیم

مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی تعلیم ادارہ تعلیم وترقی کے پروگراموں کا ایک اہم جزو رہی ہے، اس کی وجہ ایک تو جامعہ کا اسلامی رنگ تھا اور دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ قرول باغ کی جس بستی میں "بستی کی تعلیم وترقی" کے تصور کا تجربہ شروع کیا گیا تھا، وہ خالصتہً مسلمانوں کی بستی تھی۔ ادارے کے قیام کے وقت کام کا جو پہلا خاکہ مرتب کیا گیا تھا، اس میں حلقہ تعلیم وترقی کے پروگراموں کا ذکر کرتے ہوئے شق نمبر ۲ میں لکھا گیا تھا کہ

"اسلامی تعلیمات کے کتبے اور مدنی اور سماجی زندگی کے متعلق ضروری معلومات کا ایک سلسلہ تیار کیا جارہا ہے جو مساجد میں، دکانوں میں اور گھروں میں اور مدرسوں میں آویزاں کئے جائیں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ ضروری معلومات اور ہدایات کا ایک سبق ہر ہفتے شائع ہو جائے۔"

۱۹۳۹ء میں ایک سال کے کام کی جو رپورٹ چھپی تھی اس میں اس باب میں حسب ذیل رپورٹ دی گئی:

.... اور سب سے پہلے قرآن مجید اور احادیث کے کتبے (مطبوعہ پوسٹر) "سچی تعلیم" اور "اچھی تعلیم" کے عنوان سے شائع کئے گئے۔ اب تک کل سولہ کتبے شائع ہوئے ہیں جن میں چار "اچھی تعلیم" کے ہیں اور بارہ "سچی تعلیم" کے۔ اس سال اس ضمن میں ارادہ ہے کہ دہلی میں نیز بیرون دہلی زیادہ سے زیادہ مساجد سچی تعلیم کے کتبات سے آراستہ ہو جائیں۔"

ادارے کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات کے ان چھپے ہوئے پوسٹروں کی نمائش کے علاوہ پہلے حلقہ تعلیم وترقی کے ماتحت اور بعد کو تعلیمی مرکزوں کی تحریک کے سلسلے میں مسجدوں میں مذہبی واخلاقی تقریروں کے سلسلے میں بھی جاری کئے گئے اور ان سے بھی بڑھ کر مسجدوں میں قرآن شریف کی باقاعدہ تعلیم (ترجمہ وتفسیر سنانے کی شکل میں) بھی جاری ہوگئی تھی۔

مسجدوں کے اس زبردست اور موثر وسیلے کے علاوہ مذہبی موقعوں کو بھی لوگوں کی دینی تعلیم کے لئے خوب جی کھول کر استعمال کیا گیا جب کہ لوگ از خود موقعے کے حسب حال معلومات حاصل کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور وہ وقت بچ رہتا ہے جو معلومات بہم پہنچانے سے پہلے لوگوں کو معلومات قبول کرنے کے لئے تیار کرنے میں صرف ہوتا ہے اور جو بہت زیادہ صبر آزما کام ہے ــــ اتنا صبر آزما کہ لوگ حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں اور میدان سے بھاگ لیتے ہیں! یہ سلسلہ جاری رہا چنانچہ ۱۹۴۱ء کی رپورٹ میں اس سلسلے کے جو اعداد وشمار دیئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسجد میں (جمعے جمعے) پچاس سے زاید تقریریں ہوں : اسلامی تاریخ، تمدن اور معاشرت پر۔

۲۔ تقریباً پانچ سو سبق : ترجمہ قرآن پاک کے منعقد ہوئے

۳۔ ایک سو سے زاید مذہبی کتابت : مسجد اور مرکز میں لگائے گئے۔

۱۹۴۲ء سے تک جب ادارے کا نیا دستور بن گیا تھا اور تعلیمی مرکزوں کی تحریک زوروں پر تھی "سلسلۂ ہدایات و تعلیمات" کے عنوانات حسب ذیل مذہبی مطبوعات شائع ہو چکی تھیں جن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ "وقتاً فوقتاً مختلف قسم کی ہدایات، تعلیمات اور معلومات بہت سادہ اور سہل زبان میں خوبصورت دو ورقوں (فولڈروں) کی شکل میں چھپوا کر بستی میں گھر گھر تقسیم کی جاتی ہیں اور اس طریقے سے خواندہ اور ناخواندہ سب لوگوں تک ضروری ہدایات اور تعلیمات پہنچا دی جاتی ہیں جو لوگ خود نہیں پڑھ سکتے وہ کسی دوسرے سے پڑھوا کر ضرور سُن لیتے ہیں"؛

۱۔ کلمہ (معنی اور مطلب)	۲۔ رسول اللہ (مختصر حالات)
۳۔ رسول پاک کی وصیت (رسولؐ کا آخری خطبہ)	۴۔ قرآن پڑھیے
۵۔ روزہ رکھیے (ضروری مسائل بتائے گئے ہیں)	۶۔ زکوٰۃ دیجیے (ضروری مسائل بتائے گئے ہیں)
۷۔ حج کیجیے (حج کے آداب وضوابط بتائے گئے ہیں)	۸۔ نماز عید (نماز عید کا طریقہ سمجھایا گیا ہے)

یہ تو وہ سرگرمیاں ہیں جو صرف چھپی ہوئی چیز گھر گھر پہنچانے تک محدود تھیں۔ مسجدوں میں تقریروں اور قرآن شریف کے اسباق کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے جو سال بہ سال تجربات کی کسوٹی پر منجھ منجھ کر اور زیادہ منظم ہو گیا تھا۔

"سچی تعلیم" اور "اچھی تعلیم" کے کتبات

مذکورہ بالا فولڈروں کی حیثیت بیشتر وقتی ہوتی تھی جو تیوہاروں کے موقعوں پر بہت مؤثر ثابت ہوتے تھے مذہبی تعلیم کے مستقل لٹریچر کی حیثیت ان کتبات کو حاصل تھی جو "سچی تعلیم" اور "اچھی تعلیم" کے عنوان سے ۲۰×۳۰ سائز کے پورے شیٹ پر نہایت خوشنما اور موٹے قلم میں چھپوائے گئے تھے۔

اس وقت یعنی ۱۹۴۲ء تک "سچی تعلیم" کے ۱۵ اور "اچھی تعلیم" کے ۴ کتبات شائع ہو چکے تھے۔

قلمی دیواری اخبار

روزانہ ہفتہ وار اسپشل

دیواری اخبار (WALE PAPER) بالغوں کی تعلیم میں ایک نہایت موثر وسیلہ ثابت ہوا ہے۔ اس وسیلے سے کام لینے میں ادارہ تعلیم و ترقی کو تعلیم بالغان کے کم سے کم دہلی کے حلقے میں موجد کا درجہ حاصل ہے۔

شفیق صاحب بالغوں کے معلم تو تھے، اس کے علاوہ وہ سیاسی کارکن بھی تھے اور بڑے سرگرم کارکن۔ اور جنگ آزادی کے زمانے کے سیاسی کارکنوں کی نظر ہمیشہ عوام کی نفسیات اور ان کے احساسات کے رُخ پر رہتی تھی۔ اُس زمانے میں پبلک جلسے عام تھے اور اُن کے اعلان کے لئے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات آئے دن عام گذرگاہوں پر آویزاں اور چسپاں کئے جاتے تھے شفیق صاحب دیکھتے تھے کہ جب کبھی کوئی نیا اشتہاری پوسٹر کہیں نظر آتا ہے تو لوگ دیوانہ وار اس کی طرف لپکتے ہیں اور جو لوگ پڑھ نہیں سکتے وہ اپنے پاس کے پڑھے لکھے لوگوں سے پوچھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ان کے ذہن میں اسلامی تعلیمات کے کتبات کی اشاعت کا خیال غالباً ان کے اسی مشاہدے کا نتیجہ تھا۔

دس روزہ "ہمارا اخبار"

سب سے پہلا دیواری اخبار "ہمارا اخبار" کے نام سے شروع ہوا تھا جس کے متعلق شفیق صاحب نے پہلے سال کی مطبوعہ رپورٹ "چند ابتدائی کوششیں" میں لکھا ہے کہ

> "ایک مصور دیواری اخبار جس کا نام "ہمارا اخبار" ہے، ہر دسویں دن شائع ہوتا ہے جس کی جان اگرچہ تصویریں ہیں لیکن ان تصویروں کے ساتھ ایسی عبارتیں، لطیفے، خبریں اور اشعار بھی ہوتے ہیں جو بے پڑھوں کے دل میں دوسروں سے سُن کر گدگدی پیدا کرتے ہیں۔ اس اخبار نے بڑی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ خواندہ، ناخواندہ دونوں قسم کے لوگ کثرت سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔"

روزانہ اخبار "جنگ"

اس دس روزہ اخبار کے بعد جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی، ایک روزانہ دیواری اخبار "جنگ" کے نام سے شائع ہونے لگا۔ اس روزانہ اخبار کے متعلق شفیق صاحب نے حسب ذیل رپورٹ جامعہ کو دی:

"ہمارا روزانہ اخبار جو یورپ میں معرکۂ کارزار گرم ہوتے ہی "جنگ" کے نام سے نکل آیا تھا، آہستہ آہستہ ایک مستقل اخبار بن گیا جس کے قارئین کا دائرہ، اس وقت کچھ نہیں تو دو سو کی تعداد تک ضرور ہے۔ اخبار میں خبروں کا کاٹ کر لگانا بھی ایک عقل طلب کام ہے۔ لیکن ہم نے محض اسی پر بس بھی نہیں کی۔ معلوماتی تصویریں، تاریخی جغرافیائی چیزیں، اور عام ہدایات بھی اس میں برابر نکلتی رہیں۔ کبھی کبھی لطیفے اور اشعار بھی اس کی زینت کو بڑھاتے تھے اگر اخبار کے فائل کو سلسلہ دار دیکھا جائے تو بڑی خوشی اور اطمینان کی بات یہ نظر آتی ہے کہ اخبار برابر ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کیا بہ اعتبار مضامین اور کیا بہ اعتبار تزئین و آرائش؟

"مرکز میں آنے والوں کی تعداد میں جب مختلف وجوہ سے کمی ہوگئی تو اخبار کی داد دینے والے بھی نظر نہیں آتے تھے۔ لیکن جب لوگ ہماری طرف نہیں آئے تو ہم خود ان میں جا پہنچے اور اخبار کو بیچ بازار میں ایک بہت نمایاں جگہ پر ٹانگ دیا گیا۔ یہ شہد تھا، پھر شاہدین شہد کے لذت آشناؤں کی کیا کمی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ بے بصر راندے کو کہیں سے آنکھیں مل گئیں۔ شائقین و قارئین کے اس ہجوم نے ہمارے حوصلے بھی بڑھا دیے اور اخبار بجائے دو صفحے کے چار صفحے کا کر دیا گیا: دو کے اوپر خبریں، ایک پر تصویریں، اور ایک گویا اڈیٹر کا صفحہ۔ اس صفحے پر کبھی مرکز کی خبریں، کبھی بستی کی خبریں، اپنے کاموں کی تفصیل، مرکز کی خدمات شائع کی جانے لگیں۔"

دیواری اخبار آہستہ آہستہ مرکز کی مصروفیتوں کا ایک نہایت "اہم جزو" بن گیا۔ جس کا معمول یہ تھا کہ یہ اخبار روزانہ صبح کو تیار کر کے بستی کے بازار میں ایک نمایاں جگہ پر آویزاں کر دیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ روزانہ تین چار سو آدمی اس اخبار کو پڑھتے ہیں۔ دن بھر اخبار بازار میں رہتا ہے اور شام کو مرکز میں لگا دیا جاتا ہے۔ یہ اخبار چار فٹ لمبا اور چوڑا ہوتا ہے۔" ان روزانہ دیواری اخباروں کی تعداد ہر سال اوسطاً ڈھائی سو ہوا کرتی تھی

ہفتہ وار اور اسپیشل نمبر

اس تجربے پر سال ڈیڑھ سال کام کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ بالغوں کی تعلیم میں اس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ

کچھ آگے چل کر اس اخبار نے ہفتہ وار اور اسپشل نمبر بھی شائع ہونے لگے۔ خاص نمبروں کا سائز عموماً چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا ہوتا تھا۔ یہ اسپشل نمبر عام طور پر تیوہاروں اور دوسرے مخصوص موقعوں پر نکلتے تھے جب ان موضوعوں سے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے کی خواہش لوگوں میں ازخود اُبھرتی ہے۔ اسپشل نمبروں کے چند عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ حج نمبر ۲۔ محرم نمبر ۳۔ کعبہ نمبر ۴۔ ہندوستان نمبر ۵۔ دہلی نمبر ۶۔ روس نمبر ۷۔ انقلاب روس نمبر ۸۔ چین نمبر ۹۔ جاپان نمبر ۱۰۔ کارٹون نمبر ۱۱۔ غذا نمبر وغیرہ

یہ اسپشل نمبر عام طور پر ۳۰ × ۲۰ سائز کے چار چار سے آٹھ آٹھ شیٹ پر شائع ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض نمبر اتنے مقبول ہوئے تھے کہ نئے سرے سے دوبارہ مرتب کیا گیا تھا اور تصویروں وغیرہ کے اہتمام کے علاوہ ان کی کتابت کاتبوں سے اُجرت ادا کر کے کرائی گئی تھی۔

اخباری جلسے دیواری اخباروں کی افادیت کو بڑھانے کے لئے ایک ضرورت یہ تسلیم کی گئی ہے کہ جب اخبار کے مطالعے کا وقت ختم ہو جائے (عموماً دن ڈوبنے سے کچھ پہلے یا اس کے بعد) اُس وقت ایک غیر رسمی جلسہ کرنا چاہئے ——— غیر رسمی اس معنی میں کہ بستی والوں کو معلوم ہو کہ خبروں کا جلسہ فلاں وقت ہوگا تاکہ وقت کی روز کے روز اطلاع دینے کی ضرورت نہ پڑے ——— اس جلسے میں خبروں کے تراشوں کی ——— جو بالعموم خبروں کی سُرخیوں کے تراشے ہوتے ہیں ——— تفصیلات بیان کر دی جائیں اور اسی بہانے مرکز کی مصروفیتوں کی اطلاعات اور دوسرے اعلانات بھی سُنا دئے جائیں۔

قرولباغ کی زندگی میں ادارہ تعلیم و ترقی کے دیواری اخبارات کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی مگر اخباری جلسوں کے نام سے خبروں کے جلسے منعقد نہیں ہوتے تھے۔ دیواری اخبار کا یہ پہلو ادارے کے کاموں کے دوسرے دور میں اُبھرا جب شہر دہلی میں بیک وقت پانچ تعلیمی مرکز قائم ہو گئے تھے۔ پھر بھی قرولباغ کے تجربی تعلیمی مرکز "خبروں کا جلسہ" کے نام سے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی ایک مجلس روزانہ ہوتی تھی۔ خبریں سنانے سے پہلے انھیں ایڈٹ کر لیا جاتا تھا اور ایسے حوالے بھی موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ دیواری اخبار کی بہت سی خبریں اس جلسے کے دائرے میں آجاتی تھیں۔

دیواری اخبار کی نوعیت اور ٹکنیک

۱۹۴۷ء کے بعد جب شہر دہلی میں ادارے نے اپنی تعلیمی مرکزوں کی تحریک چلائی تو ان دیواری اخباروں کا لالچ کارکنوں اور بستی کے باشندوں دونوں کو اس قدر ہو گیا تھا کہ ان کے اوپر بے تحاشا روپیہ خرچ ہونے لگا، یہاں تک کہ بعض کارکن نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے اخبار کے روزانہ اور اسپشل نمبر نکال دینے ہی کو مرکز کا کام سمجھنے لگ گئے تھے۔ اِس صورت حال کو روکنے کی غرض سے شفیق صاحب نے مرکزوں کے منتظموں کے نام ایک مراسلہ گشت کرایا جو بیک وقت افسر ادارہ کا حکم نامہ بھی ہے اور دیواری اخبار کی نوعیت اور ٹکنیک کا ایک سبق بھی۔

چند ہدایتیں

آپ کے بڑے اخبار کی موجودہ ساخت، اس کا تعلیمی پہلو اور اس کے کثیر مصارف یہ سب باتیں آپ کی خاص توجہ کی محتاج ہیں میرا خیال ہے کہ گذشتہ تجربات کی روشنی میں حسب ذیل باتوں کا اگر لحاظ رکھا جائے تو مصارف میں بھی بہت کمی ہو سکتی ہے اور آپ کا اخبار ہمارے تعلیمی اغراض کے لئے بھی مفید ہو سکتا ہے

(۱) اس اخبار کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جو بہت معمولی پڑھے لکھے ہیں یعنی لٹریٹ اور وہ اخبارات پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں

(۲) انہیں لوگوں کو

(الف) اخبارات کا پڑھنا سکھلانا ہے　　(ب) اخبارات کی موٹی موٹی باتیں سمجھانی ہیں

(ج) اصطلاحات اور مشکل الفاظ کے معنی اور مطالب اور خبروں کی فہم کے لئے کچھ جغرافیہ وغیرہ بھی بتلانا ہے تاکہ اس اخبار کو پڑھنے والے ایک مدّت کے بعد رفتہ رفتہ خود اخبار بین بن جائیں اور اخبارات پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

(۳) مرکز سے ایک روزانہ اخبار زیادہ سے زیادہ ۳۰ × ۲۰ سائز کا نکلنا چاہئے، یہ اخبار روزانہ اخبار کے تراشوں سے مرتب کیا جائے۔ صبح کو تیار کر کے۔ سہ پہر کو اس کے مرکز میں لگایا جائے۔

(۴) اس میں جگہ کی تقسیم بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر پورا صفحہ دس حصّوں میں تقسیم کیا جائے تو اخبار کے مواد کے لئے جگہ کی تقسیم اندازاً حسب ذیل ہونی چاہئے۔

(۱) ٹائٹل ½ (۲) اشتہار ½ (۳) ملکی خبریں ۳-۴ (۴) بیرونی خبریں ½ (۵) شہر بستی اور مرکز ½۱۔
(۶) معنی مطلب اور نقشے ۲ (۷) تصویریں اور کارٹون ۱　کل ۱۰

(۵) ہفتہ وار یا پندرہ روزہ اخبار کچھ بڑے سائز پر نکالا جائے لیکن ۴۰ × ۳۰ سے زیادہ نہ ہو، اس میں ہفتے یا دو ہفتے کی خبروں میں سے کسی ایک کو خبر کی بنیاد بنا کر اسی موضوع سے متعلق تصویریں، کارٹون، کتبے اور اخبارات کے تراشے دیئے جائیں۔

(۶) ادارہ کی طرف سے جغرافی نقشے اور خاکہ چھپوا کر مرکزوں کو دیئے گئے تھے۔ اُن کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ روزانہ اخبارات میں بھی اور ہفتہ وار یا پندرہ روزہ میں بھی۔

(۷) روزانہ اخبار کا تعلیمی مقصد کم پورا ہوگا اگر اس اخبار کو زبانی سمجھانے کے لئے روزانہ ایک صحبت منعقد نہ کی جائے۔ اخبار اگر نکالا جائے تو بالالتزام روزانہ نکالا جائے اور اس صحبت کا انعقاد بھی بالالتزام ہونا چاہئے۔"

نوسکھ بالغوں کا ادب

ابتدا

جامعہ میں تعلیم بالغان کا کام کرنے والے اساتذہ کے سامنے غالباً ابتدا ہی سے نوسکھ بالغوں کے لئے ایک مخصوص سلسلۂ کتب کی ضرورت کا احساس تھا۔ اس کی ابتدا کے متعلق ادارۂ تعلیم وترقی کے کسی ابتدائی کارکن نے ایک واقعہ بیان کیا تھا جس کا کوئی تحریری ثبوت تو موجود نہیں ہے لیکن واقعے کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے انکار کرنا آسان نہیں ہے کہ ایک مرتبہ بستی میں ایک بڑی تقریب کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کے لئے دعوت ناموں کے اوپر پتے لکھنے کی ضرورت تھی۔ طے یہ پایا کہ جن لوگوں کو پہلے خواندہ بنایا گیا تھا، اُن سے یہ کام لیا جائے۔ اُن نوسکھ بالغوں کو مرکز میں بلایا گیا اور اُن سے اس کام کی فرمائش کی گئی۔ جواب میں قریب قریب سب نے یہ بات بتائی کہ "اب تو کچھ بھی یاد نہیں ہے؛ نہ پڑھنا نہ لکھنا"۔ کہتے ہیں کہ اسی واقعہ سے تعلیم بالغان کا نصاب بنانے والوں کو یہ احساس ہوا کہ نوسکھ بالغوں کے بھی طور پر پڑھنے کے لئے الگ سے ایک مخصوص ادب کی ضرورت ہے۔ شفیق صاحب نے ادارے کے پہلے سال کے کام کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ

"ادارۂ تعلیم وترقی نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی کہ بالغ مبتدیوں کی دلچسپی، مذاق اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر ایک ایسا سہل اور مدرّجی نصاب تیار کیا جائے جس سے خواندگی کی مشق اور کتب بینی کا شوق پیدا ہو اور ساتھ ہی ساتھ معلومات میں اضافہ ہو تاکہ ایک ان پڑھ آدمی پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد کسی اُستاد کی مدد کے بغیر کتب خانہ تعلیم وترقی کے ذریعہ اپنی تعلیم کو آپ جاری رکھ سکے ورنہ ظاہر ہے کہ پڑھنے لکھنے کی مشق جاری نہ رہنے سے لوگ پڑھ لکھ کر سب بھول جاتے ہیں اور اس طرح پڑھنے والے اور پڑھانے والے دونوں کی محنت ضائع جاتی ہے۔

اس بیان کے خط کشیدہ حصہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ یقیناً سرزد ہوا ہوگا اور تعلیم بالغان کے اساتذہ اور کارکنوں کے حق میں ایک زبردست محرک ثابت ہوا ہوگا۔

بھر ۱۹۳۸ء میں جب ادارے نے بالغوں کی تعلیم کے تجربات کے لئے مرکز قائم کئے، اس وقت سب سے اہم مسئلہ جو سامنے تھا

دہ خواندگی کے سلسلے میں بالغ مبتدیوں کے لئے قاعدے کا انتخاب تھا۔ بچوں کو پڑھانے کے لئے اس وقت عام طور پر ـــــ اور یہ کیفیت اب بھی متعدد مقامات پر جوں کی توں قائم ہے' ـــــ جو قاعدے رائج تھے' انھیں ایک ایک کرکے آزمایا گیا، مگر معلوم ہوا کہ یہ قاعدے بالغ مبتدیوں کے مطلب کے نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کی ترتیب و تالیف میں بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جو بالغوں کی نفسیات سے بنیادی طور پر مختلف ہوتی ہے۔ اس اُصول کے پیش نظر مرکز نے خود ایک قاعدہ بنایا جو بچوں کے قاعدوں سے مختلف تھا۔ اس پر تجربہ کیا گیا تو پہلے قاعدوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ بالغوں کے مطالعہ کے لئے ایک بالکل الگ ادب کی ضرورت اسی قاعدے کے ذریعے محسوس ہوئی اور اسی کے ساتھ یہ اصول بھی متعین ہوا کہ بالغوں کے لئے صرف قاعدہ ہی کا الگ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ قاعدے کے بعد کی پڑھائی کو جاری رکھنے کے لئے بھی الگ ادب کی ضرورت ہے اس لئے کہ

(۱) نوسکھ بالغ کی پڑھنے کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے بچوں کی درسی کتابیں یا عام کتابیں بہت مشکل ہوتی ہیں' اور جب وہ انھیں پڑھنے سے اپنے آپ کو معذور پاتا ہے تو اس کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے اور خواندگی کی صلاحیت کو اپنے لئے بے کار محض سمجھنے لگتا ہے۔ اس لئے اس کے مطالعے کی غرض سے

(۲) کتابوں کا مختصر اور کم ضخیم ہونا ضروری ہے۔

(۳) کتابوں کی زبان اُس کی روزمرہ کی بول چال میں ہونی چاہئے۔

(۴) کتابوں کا موضوع بیشتر تفریحی ہونا چاہئے۔

(۵) مفید معلومات پر جو کتاب لکھی جائے وہ بھی دلچسپی اور تفریح کا پہلو لئے ہوئے ہو۔

انھی اصولوں کی بنیاد پر قاعدے کے بعد ایک اور کتاب لکھی گئی جس کا عنوان تھا "دس سبق"، یہ کتاب موٹے موٹے حروف میں خوب کھلی کھلی لکھوائی گئی۔ نوسکھ بالغوں نے اس کتاب کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور اسی طرح کی اور کتابوں کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے "حکایتیں"، "خط و کتابت"، "نماز" اور "امامی بھی پڑھنے لگے" اور دوسری کتابیں جو اب "کتب خانہ تعلیم و ترقی" کے پہلے زینے کے سلسلے میں شمار کی جاتی ہیں، لکھی گئیں۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ نوسکھ بالغ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد سب سے پہلے مشہور مشہور کہانیوں کی طرف زیادہ جھکتے ہیں مثلاً لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، پدمات، گل بکاؤلی، وغیرہ ان کے بعد جب ان کتابوں کے مطالعے سے ان کے پڑھنے کی لیاقت بڑھ جاتی ہے' وہ مفید معلومات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ادارے نے اسی مشاہدے کی بنیاد پر دوسرے قدم میں کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا اور پھر پیشے، اس کے بعد تاریخ، پھر جغرافیہ

ٹا ہو سکتا ہے مختلف مقامات پر یہ تجربہ مختلف ثابت ہو۔

اور علوم مفیدہ مثلاً مدنیات، سیاسیات، معاشیات وغیرہ۔

بالغوں کے اس ادب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور بالغوں کے ادب کے علاوہ کارکنوں کی رہنمائی اور والدین کی تربیت کے لئے بھی کتابوں کے سلسلے شروع کئے گئے چنانچہ ۱۹۴۵ء کے ختم ہونے ہوتے اس کے سلسلۂ کتب میں حسب ذیل کتابیں اردو میں تیار اور شائع ہوگئیں:۔

۱۔ نیچے لکھے ہوئے مضامین پر سولہ سولہ صفحے کے قریب قریب دو سو رسالے

الف۔ مذہب

ب۔ مشہور آدمیوں کی زندگی کے حالات

ج۔ مشہور کتابوں کا خلاصہ

د۔ نامی گرامی شاعر اور ان کے کلام کے نمونے

ہ۔ بڑے بڑے ادیب اور افسانہ نگار

و۔ ہندوستان اور دنیا کی تاریخ

ز۔ دنیا کا جغرافیہ (نقشوں میں)

ح۔ پیشے

ط۔ عام معلومات

۲۔ حسب ذیل مضامین پر قریب قریب ۳۶ بڑے پوسٹر (موٹے حرفوں میں)

الف۔ قرآن شریف کی تعلیمات (رنگین تعلیم کی سرخی کے ساتھ)

ب۔ پیغمبر اسلام کے اقوال (اچھی تعلیم کی سرخی کے ساتھ)

ج۔ صحت و صفائی کے اصول

د۔ دنیا کے ملکوں کی اہم باتیں (اعداد و شمار)

ہ۔ مشہور قومی گیت

۳۔ دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم بالغان کا جو کچھ کام ہوا ہے، اس کے بارے میں چھوٹی چھوٹی کتابیں (کارکنوں کے مطالعے کے لئے) مثلاً

ا۔ چین میں عوامی تعلیم کی مہم

۲۔ انگلستان کے مزدوروں کی تعلیمی انجمن۔

۳۔ فلپائن میں خواندگی کی مہم

۴۔ سویڈن کے عوامی کالج

۵۔ بالغوں کی نفسیات وغیرہ

۴۔ بچوں کے مسائل تربیت کے بارے میں چھوٹے چھوٹے ۸ رسائل (خاص کر والدین کے مطالعے کے لئے)

۱۹۴۶ء میں جب جامعہ کی سلور جوبلی منائی گئی تھی اُس وقت "بالغوں کا کتب خانہ" کے عنوان سے ان تمام کتابوں کو یکجا کر کے پورے ملک میں پھیلانے کی غرض سے یہ اہتمام کیا گیا کہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا خوبصورت کیس بنوایا گیا جس میں دو خانے تھے۔ اوپر والے خانے میں کتابوں کو مضمون وار گتے کے الگ الگ ڈبوں میں بند کر کے رکھنے کی گنجائش تھی اور نیچے خانے میں جو نسبتاً تنگ تھا، مذہبی، معلوماتی اور صحتی کتابات کے رکھنے کے لئے انتظام تھا۔ گتے کے ڈبوں کی پشت پر ایک نہایت خوبصورت چھپی ہوئی پٹی چپکا دی گئی تھی جس کے اوپر مضمون کا عنوان اور کتابوں کی تعداد درج ہوتی تھی۔

اوقاتِ فرصت کے صحت مند استعمال کے لئے

کمیونٹی سنٹر

سائنس کی ترقی کی ابتدائی تاریخ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سائنس کی متعدد ایجادات، قوانین قدرت کا انکشاف اتفاقی حوادث اور ان کا مشاہدہ کرنے والی ذہین شخصیتوں کا رہین منت رہا ہے۔ کچھ یہی کیفیت ادارہ تعلیم و ترقی کے تجربات کی بھی رہی ہے۔ تعلیم بالغان کے بارے میں ادارے کا یہ نظریہ تو ابتدا ہی سے رہا ہے کہ اس سے فرد اور جماعت کی تکمیل مراد ہے مگر تعلیم کی اس منزل تک پہنچانے کے لئے جن وسائل اور طریقوں کی ضرورت ہے، وہ ادارے نے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر حاصل کئے جو یکے بعد دیگرے سامنے آتے رہے تھے۔

بستی کے لوگوں کے اوقاتِ فرصت کے صحت مند استعمال کے لئے کمیونٹی سنٹر کا تجربہ بڑی حد تک دو واقعات سے متاثر ہو کر شروع کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۴۴ء میں جب انگلستان میں نیا ایجوکیشن ایکٹ منظور ہوا تو اس کی بڑی دھوم تھی، خصوصاً اس کے اُس حصّے کی جسے (زائد تعلیم) کہتے ہیں اور جس میں وہ تمام کام اور سرگرمیاں آگئی ہیں جو کسی نہ کسی پہلو سے انسان کی تعلیم کا باعث بن سکتی ہیں، حتیٰ کہ اڈلٹ ایجوکیشن بھی۔ اس حصّہ کی ایک اہم دفعہ "کمیونٹی سنٹر" کے عنوان سے ہے جس میں بستی کے لوگوں کے اوقاتِ فرصت کے صحیح اور صحت مند استعمال کے اصول و منہاج سے بحث کی گئی ہے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب حکومتِ ہند کے مُشیر تعلیم سارجنٹ صاحب تھے۔ انہوں نے جنگ کے بعد کے زمانے میں نظام تعلیم کی نئی تنظیم کا ایک خاکہ مرتب کیا تھا۔ اس تعلیمی دستاویز میں جو باتیں درج ہیں، وہ بہت بڑی حد تک انگلستان کے ایجوکیشن ایکٹ سے متاثر ہیں۔ اس اسکیم کے اس حصّے کا مطالعہ کیجئے جو بالغوں کی تعلیم سے متعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کے چودہ پندرہ سال گذر جانے کے باوجود ابھی ہم اس منزل سے کوسوں دور ہیں جو ایک انگریز ماہر تعلیم نے ہمارے لئے متعین کی تھی۔ اس اسکیم میں بھی کمیونٹی سنٹر کی طرح کی ایک تنظیم کا جال بچھانے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

اسی اثنا میں ایک اتفاق یہ پیش آیا کہ کان پور میں آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کا اجلاس ہوا جس کے صدر

سردار کے۔ ایم۔ پانیکار تھے۔ سردار صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس نے ہمارے خیال میں ہندوستانی ایڈلٹ ایجوکیشن کا رُخ پلٹ دیا۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ ہندوستان میں ناخواندہ بالغوں کو خواندہ بنانا ہی اڈلٹ ایجوکیشن کی منزل نہیں ہے بلکہ ملک کے نام نہاد تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم بھی اس کے فرائض میں شامل ہے اس لئے کہ اسکول یا کالج یا یونیورسٹی سے پڑھ کر فارغ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے اپنی مزید تعلیم کا کوئی اور وسیلہ نہیں رہ جاتا۔ شفیق صاحب اس کانفرنس میں شریک تھے۔

ہم نے اوپر اتفاق و حوادث کی بات اس لئے کہی ہے کہ کان پور کے اجلاس سے واپس آنے کے بعد ہی انھوں نے ایک ایسے مرکز کا ابتدائی خاکہ بنانا شروع کر دیا تھا جس میں بستی کے صرف تعلیم یافتہ لوگ مرکز کے اراکین کی حیثیت سے آئیں گے۔ جنوری فروری کے دو مہینے خاکہ بندی اور مناسب عملے کی تلاش میں گذرے اور ان مراحل سے گذرتے ہی مارچ ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں "تعلیمی مرکز ہال"[1] کے نام سے ادارے کے پہلے کمیونٹی سنٹر کا افتتاح ہو گیا۔

بنیادی مقصد

سنٹر کا رسمی افتتاح ہو جانے کے بعد اس کے کام کا ایک خاکہ شائع کیا گیا جس کے ساتھ رکنیت کا فارم بھی منسلک تھا۔ اس خاکے میں سنٹر کے قیام کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت اور بستی کے پڑھے لکھے لوگوں سے اس کا ممبر بننے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس خاکے کے چند ضروری اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

ہماری زندگی

"انسان کے کام اور مشین کے کام میں فرق ہے وہی فرق جو جان دار اور بے جان میں ہوتا ہے۔ اگر انسان کے کام میں جان ہے تو اس کی زندگی بھی جان دار ہے اور اگر اس کے کام میں جان نہیں ہے تو اس کی زندگی بھی مشین کی طرح بے جان اور بے کیف ہے۔

آئیے اس معیار پر ہم اپنی زندگی کو پرکھیں۔

"آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہم میں سے بیشتر لوگ مادی حیثیت سے مطمئن ہونے کے باوجود اپنی زندگی سے خوش نہیں نظر آتے، حالانکہ کام کے اوقات ۲۴ میں سے چھ سات گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتے۔ جس سے پوچھئے، یہی جواب ملتا ہے

[1] اس کمیونٹی سنٹر کا نام تعلیمی مرکز ہال رکھنے کی ایک مخصوص وجہ تھی۔ یہ سنٹر جامعہ ملیہ کے ایک پرائمری اسکول "تعلیمی مرکز" کی عمارت میں واقع تھا۔ جو غیر مقیم (نان ریزیڈنشل) طالب علموں کے لئے مخصوص تھا۔ اس عمارت میں پڑھائی کے کمروں کے علاوہ ایک بڑا ہال، اس کے اوپر تین طرف گیلریاں، اور سامنے کی طرف چہار دیواری سے گھرا ہوا ایک کشادہ صحن تھا۔ اس وقت اُس بستی میں اس سے بڑا کوئی ہال نہیں تھا چنانچہ بستی میں اسے "تعلیمی مرکز ہال" کے نام سے بچہ بچہ جانتا تھا۔

"صاحب، پیٹ سے مجبور ہیں ورنہ یہ کام ہم بھولے سے بھی نہ کرتے۔"

"لیکن اس بیزاری کی وجہ کیا ہے؟ کام تو اگر زندگی مقصود ہے بہرحال کرنا ہے۔ بے روزگار آدمی بھی اپنا وقت سوکر نہیں گذارتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مشینی دور میں ہمارے کام کی نوعیت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنی شخصیت کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کام کے متعدد حصّوں میں سے کسی ایک حصّے کو بار بار دہراتے رہتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کسی مشین کا بیرم LEWER چلتا ہے۔ ظاہر ہے اس میں ہمارے قلب و دماغ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ شاید ہم آنکھیں بند کرلیں اور ہاتھ چلاتے رہیں تب بھی کام پورا ہوجائے گا۔ اس دور سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ہمہ وقت اپنے کام ہی میں لگے رہتے تھے اور پھر بھی خوش تھے۔ اس زمانے میں بھی آرٹسٹ کی زندگی کا مطالعہ کیجئے، وہ جب کسی مرقعے یا مجسّمے کی تعمیر شروع کرتا ہے تو اُسے خواب و خور کی پروا نہیں رہتی، نہ کپڑے لتے اور نہانے دھونے کی فکر ہوتی ہے۔ وہ چوبیس نہیں اڑتالیس گھنٹے کام کرے، پھر بھی نہیں تھکے گا۔ اس کے برعکس اسے مجسّمے کے صرف ایک حصّے، ہاتھ یا ٹانگ یا آنکھ —— کے لئے کام کرنا پڑتا، دوسرے حصّے دوسرے آرٹسٹ بنانے اور سب کو جوڑ کر پورا مجسمہ کھڑا کر دیا ہوتا، تو شائد دوسرے ہی دن وہ اس زندگی سے پناہ مانگنے لگتا۔

"کام کی بے لطفی کی وجہ یہ ہے کہ اسے چھوٹے چھوٹے اجزا میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلے ایک کام مع اس کی جزئیات کے ایک ہی آدمی کرتا تھا۔ اس میں تکرار (REPETITION) نہیں ہوتی تھی۔ اس کا کام اس کے سامنے روزانہ نئے پہلو پیش کرتا تھا۔ یہی رنگا رنگی اُسے اپنے کام سے لگاؤ پیدا کر دیتی تھی وہ اس پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتا تھا یہی نیت نیا پن وہ پہلو ہے جو ہمارے کام سے خارج ہوگیا ہے اور یہی کمی ہماری زندگی کو عذاب بنائے ہوئے ہے۔
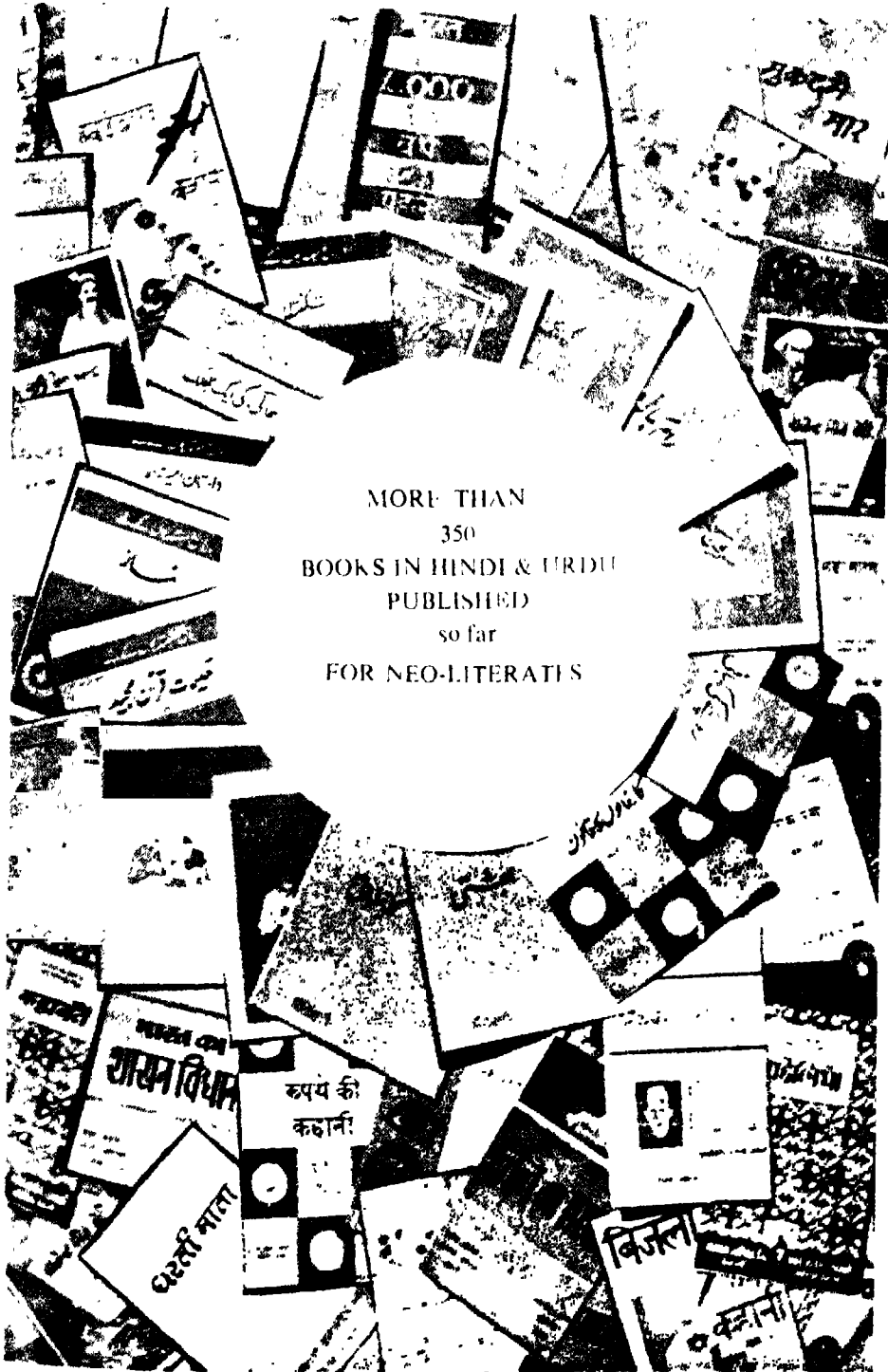
"لیکن ہم اس دور کو تو نہیں بدل سکتے۔ کام ہمیں اس طرح کے کرنے ہیں اس لئے کہ ہمارے دور کی یہی خصوصیت ہے۔ پھر زندگی کی بے لطفی کا کیا علاج ہو؟

"یہ مسئلہ کچھ ہمارے ہی اور آپ کے سامنے نہیں ہے۔ دنیا کی ہر متمدن قوم اس سلسلے میں سوچ بچار کر رہی ہے۔ چنانچہ برطانیہ کی وزارت تعلیم کی طرف سے یہ اہتمام کیا جا رہا ہے کہ نہ صرف شہروں اور قصبوں میں بلکہ گاؤں میں بھی فرصت کے اوقات کو مفید طریقے پر صرف کرنے کے لئے سماجی مرکز (کمیونٹی سنٹر) قائم ہوجائیں۔ اس غرض کے لئے ماہرین تعلیم کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا، اس نے اپنی تجویزیں ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی ہیں۔ جس میں مندرجہ ذیل خیال ظاہر کیا گیا ہے

"آج کل مردوں اور عورتوں کی بہت بڑی اکثریت اپنی روزی ایسے کاموں کے ذریعے حاصل کرتی ہے جن میں ایک ہی کام کو بار بار دہرانا پڑتا ہے۔ ایسے کاموں کے لئے نسبتاً بہت کم مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سے
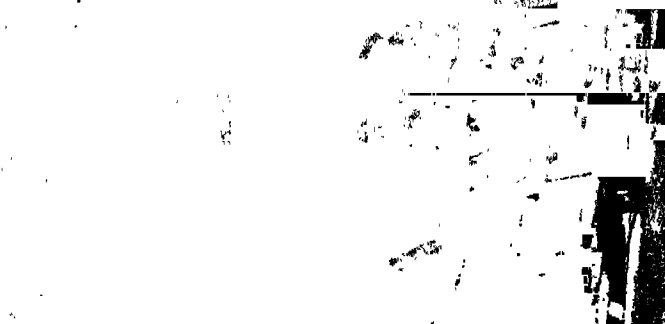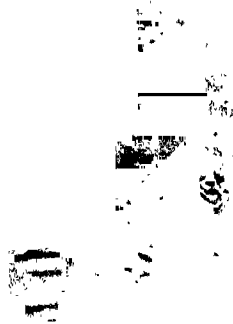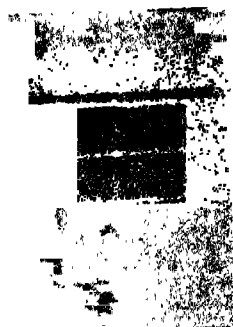
MORE THAN
350
BOOKS IN HINDI & URDU
PUBLISHED
so far
FOR NEO-LITERATES

کارکن کی، بہ حیثیت انسان پوری پوری نشو و نما قریب قریب ناممکن ہے۔ اگر یہ چیز مقصود ہے تو اس کی تکمیل محض اوقاتِ فرصت میں ممکن ہے اور ہماری رائے ہے کہ اوقات فرصت کے دانش مندانہ اور مسرت بخش استعمال کے لئے اجتماعی سہولتوں کا فراہم کرنا جہاں کہیں بھی اس کی ضرورت ہو' ملک کے تعلیمی نظام کا ایک ضروری حصّہ ہے"۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے "سنٹر" کے افتتاح کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی' اس سے بھی اس مسئلے پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"جو لوگ اسکولوں اور کالجوں سے نکلنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ اُن کی تعلیم مکمل ہوگئی اور اب انھیں کسی قسم کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے، وہ دھوکے میں ہیں۔ تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہے کہ اسکولوں میں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے یا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انھیں چند گنی چنی کتابیں پڑھادی جائیں۔ تعلیم کے یہی دو مین ممانہیں ہیں بلکہ پڑھے لکھوں کی تعلیم کا انتظام کرنا اور انھیں اپنے علم کو تازہ رکھنے کے مواقع فراہم کرنا بھی کسی تعلیمی نظام کا ایک بہت بڑا منصب ہے۔

'یہ ادارہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے جو مجھے امید ہے کہ آپ کی ہمت اور حوصلے کی بدولت کامیاب ہوگی؛ مگر یہ نہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا کام یہیں ختم ہوجاتا ہے کہ آپ صرف اپنی ہی تعلیم تکمیل کرتے رہیں اور اپنے علم کو تازہ کرتے رہیں' اس ادارے کی منزل اس سے بھی آگے ہے۔ آپ کی برادری میں بہت سے لوگ ہوں گے جن کو اپنی تعلیم کی تکمیل کا اتنا بھی موقع نہیں ملتا ہوگا جتنا آپ کو ملا ہوگا۔ اگر آپ اپنی برادری کے اس حصّے سے بے خبر ہوجاتے ہیں تو یاد رکھیے آپ بھی ختم ہوجائیں گے۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہوجائیں کہ آپ کے ذریعے آپ کی برادری کا پسماندہ حصّہ بھی کچھ پڑھ لکھ لے، کچھ سیکھ لے' اور کچھ ترقی کرلے تو آپ بہت بڑا کام انجام دیں گے۔"

ہماری بستی

"اپنی بستی کو اس کی آبادی کے اعتبار سے دیکھیے تو اس میں ہر طرح کے لوگ نظر آئیں گے، دفتروں کے کلرک بھی اور کارخانوں پر کام کرنے والے مزدور بھی' اسکولوں اور کالجوں کے طالب علم بھی اور علمی کام کرنے والے عالم بھی، پڑھے لکھے لوگ بھی اور اَن پڑھ بھی' جھونپڑیوں میں رہنے والے غریب بھی اور کوٹھیوں میں رہنے والے سرمایہ دار بھی۔ غرض یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو:

(۱) اپنا فارغ وقت مفید علمی اور ادبی، تعلیمی اور تفریحی صحبتوں میں صرف کرنا چاہتے ہیں؛

(۲) حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنا چاہتے ہیں؛

(۳) کچھ سیکھنے اور سکھانے کا شوق رکھتے ہیں؛

(۴) اپنی بستی کے لوگوں سے تعارف اور ہم مذاق لوگوں سے میل جول اور ملاقات کے آرزومند ہیں؛

(۵) اپنی بستی کی تعلیم و ترقی کے کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے بس بھر اپنی بستی کی خدمت میں شریک ہونے کا شوق اور حوصلہ رکھتے ہیں۔

"تعلیمی مرکز ہال" ہماری بستی کے تعلیم یافتہ طبقے کے انھی تقاضوں کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے جو ابھی تجربے کی منزل میں ہے۔ یہ تجربہ کہاں تک کامیاب ہوگا، اس کا انحصار ہماری سعی و کوشش کے علاوہ آپ کی توجہ اور حوصلہ افزائی، آپ کی دلچسپی اور آپ کے تعاون پر ہے۔ اگر آپ کو اس اسکیم سے اتفاق ہے، تو آپ ہماری امداد کیجئے اور ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔ آپ ہماری امداد اس طرح کر سکتے ہیں کہ

(۱) "ہال" کے ممبر بن جائیں؛

(۲) "ہال" کی سرپرستی قبول فرمائیں،

(۳) اپنے حلقہ احباب میں اس اسکیم کا چرچا کریں،

(۴) نقدی یا سامان سے "ہال" کی امداد فرمائیں، اس لئے کہ اس کے پاس کوئی مستقل سرمایہ نہیں ہے۔

(۵) اپنی بستی میں اس طرح کا مرکز قائم کریں۔

(۶) اگر آپ کوئی فن جانتے ہیں یا کسی خاص مضمون میں مہارت حاصل کی ہے تو تعلیمی مرکز ہال کے توسط سے اُسے دوسروں تک پہنچائیں۔"

"یہ کمیونٹی سنٹر جو دلی میں وائی۔ ایم۔ سی۔ اے اور سماج کے اونچے طبقے کے دوسرے کلبوں سے قطع نظر عام آبادی کے لئے اپنی نوعیت کا پہلا سنٹر تھا مارچ ۱۹۴۵ء سے ستمبر ۱۹۴۷ء تک نہایت کامیابی سے کام کرتا رہا؛ اور بستی میں اس قدر مقبول ہوگیا تھا کہ اس کے روزانہ اور میقاتی پروگراموں میں شریک ہونے والے مجمع پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔

ایک سال کام کرنے کے بعد غالباً مئی ۱۹۴۶ء میں اس کا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس موقعے پر اس کے وارڈن (مہتمم) نے سنٹر کی سالانہ رپورٹ پیش کی جس کے اقتباسات سے اس کی سرگرمیوں اور مقبولیت کا ایک حد تک اندازہ ہو جائے گا۔

ایک سال کا کام

"جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ادارہ تعلیم و ترقی نے ایک عرصے سے اپنے اہتمام میں اَن پڑھوں کی تعلیم اور تفریح کے لئے ایک مرکز کھول رکھا ہے، اور ان کے لئے بہت سا سامان تیار کیا ہے۔ اس ادارے کے پیش نظر اَن پڑھوں کی تعلیم و تفریح کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقے کے انہی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک مرکز کھولنے کا منصوبہ تھا، چنانچہ اس نے مارچ ۱۹۵۸ء میں "تعلیمی مرکز ہال" کے نام سے ایک ادارہ اپنے تعلیمی مرکز ۱ (واقع اجمل خاں روڈ، قرول باغ) میں قائم کیا۔ اس "ہال" کے پیش نظر مندرجہ ذیل منصوبے ہیں:-

(۱) ایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے جس میں اچھے اچھے اخبارات و رسائل کا انتظام ہو،

(۲) ایک کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں خصوصیت کے ساتھ حالات حاضرہ اور ادب سے متعلق کتابیں جمع کی جائیں۔

(۳) کتب خانہ سے ملحق ایک حلقۂ علم و ادب قائم کیا جائے جس میں تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے والے لوگ اپنے ذوق کے مطابق مطالعہ کریں اور حلقے کی نشستوں کے ذریعے اپنے نتائج فکر و مطالعہ کا اظہار کریں۔

(۴) علمی، ادبی اور تہواری جلسے منعقد کئے جائیں جن کے ذریعے شعراء کے کلام، ادیبوں کے مضامین اور مشاہیر کی گفتگو اور تقریروں کے علاوہ ماہرین کے تجربات سے استفادہ کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

(۵) فرصت کے اوقات کو کارآمد بنانے کے لئے آسان، مفید اور آرائشی حرفوں کی کم مدت کی کلاسوں کا انتظام کیا جائے مثلاً چمڑے اور گتے کا کام، سلائی کا کام، کرسی اور جال بننا وغیرہ۔ ان کلاسوں کے نصاب اور شرائط داخلہ شائع کئے جائیں اور شائقین کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

(۶) مختلف قسم کے فرشی اور میدانی کھیلوں، ورزشی اکھاڑوں اور تفریحی مجلسوں کا انتظام کیا جائے اور ان کھیلوں میں زندگی پیدا کرنے کے لئے ٹورنامنٹ منعقد کئے جائیں۔

موجودہ انتظامات

"مذکورہ بالا سب منصوبے تو ابھی تک پورے نہیں ہوئے ہیں اس لئے کہ اُن کے لئے جس قدر سرمائے اور سامان کی ضرورت ہے وہ ہال کو حاصل نہیں ہے۔ مگر ان میں سے چند پر کام ہو رہا ہے مثلاً

(۱) ریڈنگ روم قائم ہے جس میں انگریزی اور اُردو کے ممتاز اخبارات اور رسائل آتے ہیں۔

(۲) ایک عمدہ ریڈیو سیٹ کا انتظام ہے۔
(۳) فرشی کھیلوں میں شطرنج، کیرم، ڈرافٹ کا اور میدانی کھیلوں میں والی بال، بیڈمنٹن، اور وزن اندازی کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ ایک اکھاڑے کا بندوبست ہے جہاں ورزش جسمانی اور کشتی کی بھی مشق کی جا سکتی ہے۔
(۴) مرتب شدہ پروگرام کے مطابق مختلف قسم کے علمی، ادبی اور تفریحی جلسے منعقد کئے جاتے ہیں مثلاً سیاسی، معاشی تعلیمی، ادبی مسائل پر لکچر، مقالے، تقریریں، موسیقی کی محفلیں، ڈرامے، ورائٹی پروگرام وغیرہ۔ ان جلسوں کے علاوہ ہال کے ممبروں کے کاروباری جلسے بھی وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے ہیں، جن میں لوگ مل جُل کر اپنی بستی کی ترقی و بہبود کے لئے منصوبے اور پروگرام سوچتے ہیں اور اس کے مطابق کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
(۵) سال میں دو ایک مرتبہ فرشی اور میدانی کھیلوں کے مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ لوگوں کو آپس میں ملنے جُلنے اور تعارف پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے۔
(۶) ایک حلقۂ علم و ادب قائم ہے جہاں علمی و ادبی کام کرنے والے لوگ اپنی تصنیفات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان پر دوستانہ انداز میں تبصرہ ہوتا ہے۔ اس حلقے کے پیش نظر یہ کام بھی ہے کہ جو لوگ تصنیف و تالیف کی اہلیت رکھتے ہیں مگر انھیں اپنے افکار کے اظہار کا موقع نہیں ملتا، ان کے لئے موقع پیدا کیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

پالیسی

تعلیمی مرکز ہال خالصتہً تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کے اراکین میں ہر مذہب و ملت اور ہر رائے اور عقیدے کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کے زیر اہتمام جتنے جلسے، مباحثے، مقالے یا پروگرام ہوتے ہیں سب کی حیثیت محض معلوماتی ہوتی ہے۔ اخذ نتائج یا کسی خیال یا عقیدے کی تبلیغ و اشاعت اس کا منصب نہیں ہے اس کی تمام کارروائیاں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے مندرجہ ذیل ارشاد کی رہنمائی میں ہوتی ہیں۔

"ہال کا کام اور پروگرام دونوں اچھے ہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ مشکل بھی ہیں۔ بڑی ہمت اور محنت کی ضرورت ہے۔ اگر ان لوگوں میں اتنی بات بھی پیدا کردی گئی کہ وہ ایک ساتھ مل کر بیٹھ سکیں اور ایک دوسرے کے خیالات کو سننے کے لئے اپنے اندر رواداری کا جذبہ پیدا کرلیں، تب بھی بہت بڑا کام ہوگا۔ مگر ایک بات کا خیال رکھئے کہ اس ادارے کو کسی خاص رائے کا پابند نہ بنایئے کامیاب آپ اسی وقت ہو سکتے ہیں جب آپ بالکل غیر جانبدار رہ کر کام کریں"۔

چنانچہ بستی کا ہر تعلیم یافتہ شخص تعلیمی مرکز ہال کا ممبر بن سکتا ہے بشرطیکہ
(۱) اس نے فیس رکنیت ادا کر دی ہو، (۲) اس کی عمر کم از کم بیس سال ہو۔ (۳) وہ ہال کے قواعد و ضوابط کی پابندی

کرے اور یہاں آکر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے "ہال" کے انتظام میں خلل واقع ہو یا اس کی بدنامی ہو یا اس کا طرز عمل دوسرے اراکین "ہال" کے لئے باعث تکلیف ہو۔ (۴) ہال کے آداب وقواعد کا احترام کرے۔

فیس رکنیت (۱) ہال کی فیس رکنیت صرف تین روپے سالانہ ہے تاکہ اہل ذوق زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کے ممبر بن جائیں۔

سرپرستی (۲) جو صاحبان یکمشت سو روپے یا اس سے زیادہ رقم عطا فرمائیں گے، ان کا شمار "ہال" کے سرپرستوں میں کیا جائے گا اور وہ اس "ہال" کے مستقل رکن ہوں گے۔

دیگر مطالبات (۳) مبلغ تین روپے سالانہ گویا ہال کی فیس داخلہ ہے اس کے ماتحت شعبوں مثلاً بیڈمنٹن کلب، والی بال کلب، اکھاڑہ وغیرہ کی شرکت کے لئے ان کی مقرر کی ہوئی فیس الگ سے ادا کرنی ہوگی۔ (۴) "ہال" کی اُن تقریبوں میں شرکت کے لئے جن پر ٹکٹ لگایا جاتا ہے ٹکٹ خریدنا ہوگا۔

ہال کا وقت "ہال" روزانہ بالعموم ۶ بجے شام سے ۹½ بجے رات تک کھلا رہتا ہے مگر اس میں موسم کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی رہتی ہے مثلاً گرمیوں میں وقت ۶ بجے شام سے ۱۰ بجے رات تک اور سردیوں میں ۵ بجے شام سے ۸ بجے رات تک کھلا رہتا ہے۔

ہفتے میں جمعے کو ہال میں چھٹی رہتی ہے، اس کے علاوہ بڑے بڑے تہواروں کے موقعوں پر بھی "ہال" ایک روز دو روز بند رہتا ہے۔

مجلس مشاورت ویسے تو "ہال" کے تمام کاموں کا ذمے دار مہتمم ہے اور وہی "نگران ہال" کے سامنے جواب دہ ہے مگر اس کی امداد اور مشورے کے لئے "ہال" کے سرگرم اراکین کی ایک مجلس مشاورت قائم ہے جس کے کچھ ممبر "ہال" کے مختلف شعبوں کے اعزازی کارکن اور دیگر ممبران مشیر کی حیثیت سے اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

سرگرمیاں: اعداد وشمار کی روشنی میں

"کام کے آغاز میں ہمارے سامنے مندرجہ ذیل منصوبے تھے

(۱) ایک دارالمطالعہ قائم کرنا جس میں اچھے اچھے اخبارات ورسائل کا انتظام ہو۔ (۲) ایک کتب خانے کا قیام جس میں خصوصیت کے ساتھ حالاتِ حاضرہ اور ادب کے متعلق کتابیں ہوں اور کتب خانے کے لئے ایسی سہولتیں ہوں کہ [illegible] گھروں میں پہنچا دی جائیں تاکہ پردہ نشین خواتین بھی کتب خانے سے استفادہ کر سکیں [illegible] علمی، ادبی اور تہواری [illegible] [illegible] شعرا کے کلام، ادیبوں کے مضامین۔ علما اور مشاہیر کی گفتگو اور تقریریں ان کے علاوہ ماہرین کے تجربات سے

استفادہ کرنے کے مواقع میسر آسکیں، (۴) تحصیل علم و فن کا شوق رکھنے والوں کے لئے وقتاً فوقتاً اساتذہ اور ماہرین کی نگرانی میں کسی خاص نصاب کے ماتحت درسی حلقے قائم کرنا۔ یہ درسی حلقے شائقین کی استعداد اور علمی، ادبی اور فنی مذاق کے لحاظ سے مختلف قسم کے ہوں گے۔ تعلیم یافتہ طبقے کے لئے بھی۔ اہل حرفہ کے لئے بھی ہوں اور کاروباری لوگوں کے لئے بھی۔ ان درسی حلقوں کے نصاب اور داخلے کی شرائط شائع کی جائیں اور شائقین کو شرکت کی دعوت دی جائے (۵) مختلف قسم کے کھیل، تفریحی مجالس اور ورزشی اور فرشی کھیلوں کے مقابلے منعقد کرنا

اس پروگرام کے ساتھ ۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کو تعلیمی مرکز ہال کا افتتاح ہوا۔ ۳۱ر مئی سنہ ۱۹۴۶ء تک جو کچھ کام ہوا ہے اسے نوعیت کے لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) رکنیت (۲) ریڈنگ روم اور ریڈیو
(۳) فرشی اور ورزشی کھیلوں کا اہتمام (۴) علمی، ادبی اور تفریحی مجالس

(۱) رکنیت

۳۱ر مئی سنہ ۱۹۴۶ء تک ہال کے کل ۲۵۰ ممبر تھے جن کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

(۱) پیشے کے اعتبار سے

ملازم ...... ۱۵۷ کاروباری ...... ۴۲ طالب علم ۲۱
دیگر (طبی اور صنعتی اداروں میں کام کرنے والے) ۳۰

(۲) علمی استعداد کے اعتبار سے

گریجوایٹ ..... ۱۰۰ انڈر گریجوایٹ ..... ۴۰ میٹرک ۹۰
دیگر تعلیمی و فنی استعداد رکھنے والے ۲۰

رکنیت کی رفتار

جنوری سنہ ۱۹۴۵ء میں کل تعداد ۲۹ تھی — فروری سنہ ۱۹۴۵ء میں کل تعداد ۶۵ — مارچ سنہ ۱۹۴۵ء میں کل تعداد ۱۰۰

اپریل " "	۱۱۳	مئی " "	۱۲۸	جون " "	۱۳۵
جولائی " "	۱۴۲	اگست " "	۱۵۸	ستمبر " "	۱۶۱
اکتوبر " "	۱۷۴	نومبر " "	۱۷۷	دسمبر " "	۱۸۰
جنوری سنہ ۱۹۴۶ء "	۱۹۰	فروری سنہ ۱۹۴۶ء "	۳۰۹	مارچ سنہ ۱۹۴۶ء "	۳۲۴
اپریل " "	۲۳۱	مئی " "	۲۵۰		

ہال سے دلچسپی کی رفتار

"ہال میں روزانہ حاضری کا نقشہ حسب ذیل ہے۔ یہ اعداد و شمار مارچ ۱۹۴۵ء سے مئی ۱۹۴۶ء تک کے ہیں۔

مارچ ۱۹۴۵ء میں	۳۸۷	اپریل ۱۹۴۵ء میں	۲۸۰	مئی ۱۹۴۵ء میں	۴۱۴
جون " "	۴۳۸	جولائی " "	۷۹۱	اگست " "	۷۷۰
ستمبر " "	۸۰۵	اکتوبر " "	۱۲۸۴	نومبر " "	۸۵۰
دسمبر " "	۸۰۵	جنوری ۱۹۴۶ء "	۷۶۰	فروری ۱۹۴۶ء "	۹۶۲
مارچ ۱۹۴۶ء "	۱۱۲۸	اپریل " "	۱۳۳۹	مئی " "	۱۱۷۳

(۲) ریڈنگ روم اور ریڈیو "ریڈنگ روم میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ جتنے اخبارات و رسائل آئیں سب معیاری ہوں۔ سال بھر تک جو اخبار و رسائل آتے رہے ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں

(الف) روزنامے

(۱) ہندوستان ٹائمز (۲) اسٹیٹسمین (۳) ڈان (۴) ہندوستان ٹائمز شام کا ایڈیشن (۵) تیج
(۶) منشور

(ب) ہفتہ وار

(۱) السٹریٹیڈ ویکلی (۲) پیپلز وار (۳) اورینٹ ویکلی (۴) تیج ویکلی (۵) قومی جنگ
(۶) "مدینہ" سہ روزہ

(ج) ماہنامے

(۱) جامعہ (۲) معارف (۳) آجکل (۴) ساقی (۵) ادب لطیف (۶) ادیب (۷) ہمایوں (
(۸) ترجمان القرآن

(د) ریڈیو

ریڈیو روزانہ عموماً ۶ بجے شام سے ۹ ½ بجے رات تک کھلا رہتا تھا تاکہ حاضرین ۹ بجے نشر ہونے والی تازہ خبریں سن لیا کریں۔

(۳) فرشی اور ورزشی کھیل "فرصت کے اوقات کی تفریح میں فرشی کھیلوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ہال میں جن کھیلوں کا انتظام رہا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) شطرنج ۳ سیٹ (۲) ڈرافٹ ۲ سیٹ (۳) کیرم ۲ سیٹ

ورزشی کھیلوں میں مندرجہ ذیل چیزوں کا انتظام تھا۔

(۱) بیڈمنٹن (۲) والی بال (۳) وزن اندازی (۴) اکھاڑہ

"ان کھیلوں کے الگ سے کلب بنے ہوئے ہیں اور ان میں شریک ہونے والوں سے فیس رکنیت کے علاوہ ماہوار کچھ فیس لی جاتی ہے اس لئے کہ ان کھیلوں پر جو کچھ خرچ آتا ہے اس کی ادائیگی کا بندوبست ہو جائے۔

ان کھیلوں کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات پیدا کرنے کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے۔ اس میں اور وسعت پیدا کرنے کے لئے "ہال" کے زیر اہتمام ٹورنامنٹ بھی منعقد کئے گئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ شطرنج کا ٹورنامنٹ منعقدہ جولائی ۱۹۴۵ء جس میں داخلوں کی تعداد ۲۹ تھی

۲۔ کیرم کا ٹورنامنٹ " نومبر " " " ۲۳ "

"سالانہ جلسے کے موقع پر مارچ ۱۹۴۶ء میں شطرنج، کیرم اور بیڈمنٹن تینوں کھیلوں کے ٹورنامنٹ ایک ساتھ منعقد کئے گئے اور کوشش کی گئی کہ شہر کے دوسرے حصوں سے بھی داخلے حاصل کئے جائیں تاکہ اچھے کھلاڑیوں کے کھیل بھی دیکھنے میں آئیں۔ ان ٹارنامنٹوں میں داخلوں کی تعداد حسب ذیل تھی۔

(۱) بیڈمنٹن ۱۷ داخلے (۲) شطرنج ۲۲ داخلے (۳) کیرم ۲۴ داخلے

"بیڈمنٹن میں پہلا انعام تعلیمی مرکز ہال کے ایک رکن پرم جیت سنگھ کپور نے۔ دوسرا انعام منٹو کلب کے رکن کشن سنگھ لامبا نے حاصل کیا

"شطرنج میں پہلا انعام جامع مسجد کے حکیم جمال الدین صاحب نے اور دوسرا انعام تراہا بہرام خاں کے سید محی الدین صاحب نے حاصل کیا۔

کیرم میں پہلا انعام پہاڑ گنج کے ضمیر احمد صاحب نے اور دوسرا انعام پہاڑ گنج کے فرید احمد صاحب نے حاصل کیا۔

"ان فرشی کھیلوں کے مقابلوں کے بعد ورزشی اور میدانی کھیلوں کے ٹورنامنٹ بھی منعقد کئے گئے۔ ان ٹورنامنٹوں میں یہ خصوصیت رکھی گئی کہ پڑھے لکھے اور ان پڑھ اور پسماندہ طبقے کے لوگ شانہ بشانہ شریک ہوں ان مقابلوں کے شاید اسی پہلو کا نتیجہ تھا کہ تعلیم یافتہ طبقے نے زیادہ دلچسپی نہیں لی لیکن "ہال" کے ممبروں میں سے بہت سے لوگ شریک ہوئے اور آغاز بہرحال امید افزا رہا۔

یہ ٹورنامنٹ مندرجہ ذیل کھیلوں میں ہوئے۔

(الف) جماعتی مقابلوں میں (۱) کبڈی (۲) گلی ڈنڈا۔

(ب) انفرادی مقابلوں میں (۱) لمبی کود (۲) اونچی کود (۳) وزن اندازی (۴) کشتی

(۴) علمی، ادبی اور تفریحی مجالس "ان مجالس کو نوعیت کے لحاظ سے تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) علمی و ادبی مجالس:۔ اس سلسلے کی مجالس میں مندرجہ ذیل جلسے اور نشستیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) یالٹا کانفرنس لکچر از پروفیسر محمد مجیب (۲) ن۔م۔ راشد کی شاعری مقالہ از حیات اللہ انصاری (۳) تنظیم مابعد جنگ لکچر از پروفیسر محمد عاقل (۴) سان فرانسسکو کانفرنس لکچر از پروفیسر محمد مجیب (۵) مسئلہ پاکستان کے متعلق کمیونسٹ پارٹی نظریہ تقریر از کامریڈ مقیم الدین فاروقی (۶) سفر انگلستان کے تاثرات تقریر از ڈاکٹر ڈاکر حسین (۷) ترقی پسند ادب کیا ہے کیا نہیں مقالہ از سید وقار عظیم

(ب) تفریحی مجالس

(۱) محفل موسیقی (۲ موقعوں پر) از دہلی میوزک سوسائٹی (۲) مشترک افطار (۳) شطرنج، کیرم اور بیڈمنٹن کے ٹورنامنٹ ۲ موقعوں پر

(ج) کاروباری مجالس

(۱) جلسہ افتتاح ہال از ڈاکٹر ذاکر حسین (۲) جلسہ عام اراکین ہال، شہر کی فضا سے فرقہ وارانہ کشیدگی کی افواہوں کو دور کرنے کے سلسلے میں چند تجاویز اور کام کے طریقے طے کئے گئے (۳) سالانہ جلسہ اور تقسیم انعامات زیر صدارت پروفیسر اے۔ ایس۔ ڈائرکٹر جنرل براڈکاسٹنگ۔"

سالانہ جلسے کے بعد سنٹر نے ڈیڑھ سال (ستمبر ۱۹۴۶ء) تک اور کام کیا۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں جب جامعہ کی سلور جوبلی منائی گئی تھی تو اس سنٹر نے جوبلی کے زمانے تک کے لئے جامعہ نگر میں جوبلی کے مہمانوں کے "خیموں کی بستی" میں اپنا کیمپ لگایا اور اس خیموں کی بستی میں وہی سرگرمیاں منظم کی گئیں جو اس کاروزکا معمول تھیں۔

ان سب باتوں کا اثر یہاں تک پہنچا تھا کہ شہر دہلی کے دو تین محلّوں کے نوجوان اپنی تحریک سے اپنی اپنی بستیوں میں اسی نمونے کے کمیونٹی سنٹر قائم کرنے کے منصوبے مکمل کر چکے تھے کہ اتنے میں ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کی آندھی آئی اور اپنے ساتھ یہ اور اسی طرح کے اور بہت سے منصوبے اڑا لے گئی۔

لیکن محنت اور خلوص کے ساتھ جو کوشش کی جاتی ہے وہ بے نتیجہ نہیں ہوتی۔ فسادات کی آندھی کے تھمنے پر جب ۱۹۴۸ء میں ادارے نے شہر دلی کے دوسرے محلّوں میں اپنا کام شروع کیا تو کارکنوں اور بستی والوں کے سامنے اس سنٹر کا نمونہ ابھی تازہ تھا۔ جتنے سنٹر قائم ہوئے سب اسی نمونے پر قائم اور بالآخر ۱۹۵۰ء میں دلی کی میونسپلٹی نے ہو بہو اسی نمونے پر ۲۰ مختلف بستیوں میں کمیونٹی سنٹر قائم کئے جو اب تک برابر اپنا کام کر رہے ہیں۔

تجربات کا دوسرا دور

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک

ابتدا : ریلیف ورک

سنہ ۱۹۴۷ء کے آخری تین چار مہینے قیامت کے تھے۔ سیاسی آزادی ملک کے لئے نادان بچے کے ہاتھ میں ایک تیز خنجر کی مثال تھی جو اس کے استعمال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس طرح کھیلا کہ اپنے ہی ہاتھ پاؤں اور چہرے کو لہولہان کر ڈالا دہلی کی سرزمین نے ایسے بہت سے خونیں ناٹک دیکھے تھے، اور اس کی بدولت نہ جانے کتنی مرتبہ اس کا سہاگ لٹا۔ مگر سنہ ۱۹۴۷ء ـــ اگر ملک کا بوڑھا ناخدا اپنی جان کی بازی نہ لگا دیتا، تو اس کے لئے موت کا پیغام بن گیا تھا۔

مختصراً یہ تھے وہ حالات جب ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ نے جو قرول باغ سے صرف جان بچا کر نکل آیا تھا، بالغوں کی تعلیم کا اپنا تجربی کام از سر نو شروع کیا۔

شہر دہلی مسلمانوں کے لئے تنگ ہو گیا تھا، جو لوگ گھر سے بے گھر ہو کر ریفیوجی کیمپوں میں پناہ گزیں تھے، ان کے قافلے دھڑا دھڑ پاکستان کو جا ہی رہے تھے، جو لوگ خالص مسلم محلوں میں فسادات کی آندھی سے بچ گئے تھے، وہ بھی برابر پر تول رہے تھے، اور اپنے اپنے گھر چھوڑ یا بیچ کر ریفیوجی کیمپوں کی طرف رواں تھے۔

دوسری طرف مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ شرنارتھی تھے۔ یہ غریب دُہرے عذاب میں مبتلا تھے۔ ایک طرف غم و غصہ جو سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی کی نئی تعمیر کے منصوبے نہیں بنانے دیتا اور دوسری طرف پریشان حالی جس میں فسادات کی وجہ سے اور اضافہ ہو گیا تھا، نہ زندگی کی ضرورتیں میسّر، نہ بچوں کی تعلیم کا انتظام، نہ کاروبار کا موقع نہ تفریحات اور دل بہلاؤ کا ٹھکانہ۔ غرض بہ ظاہر انسانی زندگی کی صرف دو کیفیتیں باقی رہ گئی تھیں، مایوسی اور نفرت، اور باقی سب قدریں فسادات کے سیلاب کی نذر ہوتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو یقین دلایا جاتا کہ حالات آہستہ آہستہ راہ پر آ رہے ہیں اور انھیں مایوس اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کی امداد کی جاتی اور ان کے دلوں سے نفرت اور غم و غصّے کی کیفیت ختم کی جاتی۔

انھی دو ضرورتوں کے ماتحت ادارہ تعلیم و ترقی نے پہلے پہل اپنا سوشل ایجوکیشن کا کام شروع کیا۔ اور باڑہ ہندو راؤ میں اپنا پہلا تعلیمی مرکز قائم کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ یہ کام ایک ایسی جگہ سے شروع ہوا جہاں ایک طرف شرنارتھیوں کی بستیاں اور کیمپ تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے محلے۔ گویا یہ تعلیمی مرکز بتیس دانتوں کے درمیان زبان کی طرح تھا اور ایک ذرا سی حرکت سے اس کا عدم اور وجود برابر ہو سکتا تھا۔ مگر یہ غالباً کام کے خلوص اور صحیح راستے پر چلنے کا نتیجہ تھا کہ وہی مرکز اب ایک ماڈل اسکول اور بستی کے مرکز (COMMUNITY CENTRE) کی شکل اختیار کر چکا تھا جہاں ہندو، مسلمان اور سکھ بچے اور بالغ اس طرح ملتے جلتے پڑھتے لکھتے اور اکٹھا ہوتے تھے جیسے تربینی کے سنگم پر گنگا جمنا اور سرسوتی کے دھارے۔

اسی زمانے میں چند اور ادارے بھی کچھ اسی قسم کا کام کرنے کے لئے منصوبے بنا رہے تھے جن میں انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس سروس اور کانگریس کا قائم کیا ہوا شانتی دل خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ادارے کے تعلیمی مرکز کو عمارت کے مل جانے کی وجہ سے ایک اقامتی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جس نے فسادات کی آگ بجھانے والے اس دستے کے لئے اڈے کا کام کیا۔ اس نوجوان دستے نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد حسب ذیل راستے نکالے:۔

۱۔ مصیبت زدہ ہندو مسلم عورتوں کے لئے ایک ٹریننگ سنٹر کھولا گیا۔

۲۔ ہندو مسلم بچوں کو مشغول رکھنے اور ان کی تھوڑی بہت تعلیم کے لئے بچوں کا کلب قائم کیا گیا۔

۳۔ مسلمان محلوں میں ان کی گھبراہٹ اور سراسیمگی دور کرنے کے لئے تبلیغی ٹولیاں بنائی گئیں جو روزانہ کئی کئی مرتبہ محلے کا گشت کرتی تھیں۔

۴۔ مسلمان محلوں میں ان کی معاشی دشواریاں حل کرنے کے لئے سوشل سروس کا ایک دستہ بنایا گیا۔

ان کاموں کا بہت اثر ہوا اور خاص طور پر بچوں کے ملے جلے جلسوں اور تقریروں کا تو اتنا اچھا نتیجہ مرتب ہوا کہ وہی ہندو اور سکھ شرنارتھی جو مرکز کی عمارت کو حریفانہ نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور مسلمان محلوں کی موجودگی کو اپنے لئے کانٹا سمجھتے تھے، اب ایک جگہ بے تکلف آنے جانے اور ملنے جلنے لگے اور بچوں کا کلب آہستہ آہستہ مدرسے کی شکل اختیار کرنے لگا۔ ہندو مسلم اور سکھ بچوں نے اپنے ایک جلسے میں اپنے بڑوں اور بزرگوں کو بھی بلایا تھا، اس موقع پر بستی کے ایک سکھ دوست نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا:

"کاش یہ مرکز اور اس طرح کے بچوں کے کلب ہم ہندوستان میں اب سے پہلے قائم کر سکتے تو آج ملک کو یہ برے دن نہ دیکھنے پڑتے"

یہ تھا مختصراً کام کا آغاز۔ اس ہنگامی کام کے دوران میں چند نہایت قیمتی تجربے ہوئے:

(۱) بڑوں تک پہنچنے اور انھیں متاثر کرنے کا ایک کامیاب ذریعہ بچے ہیں،

(۲) سوشل ایجوکیشن میں بچوں کی تعلیم خواہ وہ طالب علم ہوں، یا دکانوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے، اتنی ہی ضروری ہے جتنی بالغوں کی تعلیم۔

(۳) سوشل ایجوکیشن کا کوئی پروگرام (کم ازکم سردست کہ بالغ دماغ فوری افادہ کا عادی ہے) اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں سوشل سروس کی بھی آمیزش نہ ہو، اور کارکن اپنے عمل سے بستی کے لوگوں پر یہ اثر نہ بیٹھا دے کہ وہ انہی میں کا ایک فرد ہے۔

یہ ہنگامی پروگرام ایک بستی میں پورے طور پر کامیاب ہو چکا تھا، دوسری بستیوں میں بھی اسی قسم کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، ادارہ اس کوشش میں تھا کہ کم از کم شہر کی مسلم بستیوں میں اس طرح کے ایک ایک تعلیمی مرکز قائم ہو جائیں مگر ان کی حیثیت بھی اس طرح اقامتی ہو۔ اس منصوبے میں ایسی جگہ ملنے کی دشواری سامنے تھی جو مستقل بھی اور اتنی وسیع بھی ہو کہ اس میں ایک وقت میں بہت سے آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش بھی نکل سکے۔ ایک ایک کرکے اس مسئلے کا حل بھی نکل آیا اور مارچ ۱۹۴۸ء تک شہر کے چار اور مسلم علاقوں میں ادارے کے تعلیمی مرکز قائم ہوئے۔

اس وقت سے لے کر تقریباً ایک سال تک کام کی نوعیت بیشتر ہنگامی ہی رہی، خالصتاً سوشل ایجوکیشن کی راہیں متعین نہیں تھیں، مگر جوں جوں حالات سدھرتے گئے اور امن کی فضا پیدا ہوتی گئی، ان تعلیمی مرکزوں کے پروگرام تعلیمی شکل اختیار کرتے گئے۔

تعلیمی مرکزوں کی نئی تحریک

پانچ مرکز

۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد ادارہ تعلیم و ترقی نے جب اپنی تعلیمی مرکزوں کی تحریک کو نئے سرے سے منظم کیا تو اُس وقت شہر کے سنگین حالات کا تقاضا تھا کہ اس تحریک کو تجربی منزل سے نکال کر پچھلے تجربات کی روشنی میں زیادہ بڑے اور وسیع پیمانے پر چلایا جائے۔ ادارے کے ریلیف ورک کے دور میں پہلے صرف دو مرکز قائم تھے؛ ایک خالصۃً مسلمانوں کے محلے میں اور ایک مسلمانوں اور شرنارتھیوں کے ملے جلے محلے میں۔ ان مرکزوں اور ادارے کے کارکنوں کی محنت سے جو خوشگوار فضا پیدا ہوگئی تھی اس سے ادارے کو حوصلہ ہوا کہ اس طرح کے اور مرکز بھی قائم کئے جائیں، چنانچہ مارچ ۱۹۴۸ء تک مختلف علاقوں میں حسب ذیل پانچ تعلیمی مرکز قائم ہو گئے۔

۱۔ تعلیمی مرکز باڑہ ہندو راؤ دسمبر ۱۹۴۷ء ۲۔ تعلیمی مرکز قصاب پورہ فروری ۱۹۴۸ء

۳۔ تعلیمی مرکز پل بنگش فروری ۱۹۴۸ء ۴۔ تعلیمی مرکز گلی قاسم جان مارچ ۱۹۴۸ء

۵۔ تعلیمی مرکز علاقہ جامع مسجد ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء

ان مرکزوں میں اس دور کے آخر ۱۹۵۳ء تک جو کام ہوتے رہے، ان میں نوعیت کے اعتبار سے پہلے دور کے کاموں سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں تھا، صرف اُن کاموں کا پیمانہ وسیع ہوگیا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ پیمانے کی اس وسعت کی بدولت بہت سے نئے مسائل ادارے کے سامنے آئے۔ جن کا حل تلاش کرنے میں وہ باتیں جو بستی کی مکمل تعلیم کے نظرئیے میں واضح نہیں ہوئی تھیں، کُھل کر سامنے آگئیں اور بالغوں کی تعلیم کی تعریف میں آنے والے طبقات اور انھیں تعلیم دینے کے وسائل اور ذرائع آئینے کی طرح صاف ہو گئے۔ خاص تجربے کے نام سے اس دور میں صرف دو نئے تجربے کئے گئے: ایک بچوں کی برادری کا تجربہ اور ایک بالک ماتا سنٹر کا تجربہ۔ ان تجربات کی داستان آگے آئے گی۔ یہاں اس مضمون میں مختصراً ان وسائل اور طریقۂ کار کا ذکر کیا جائے گا جو ان مرکزوں میں بالعموم

اختیار کئے گئے تھے۔

ادارے نے ان مرکزوں کے کاموں میں ربط اور ترتیب پیدا کرنے کی غرض سے ایک الگ دفتر قائم کیا جس نے مختلف کاموں کا جائزہ لے کر کام کا ایک نقشہ مرتب کیا تاکہ وہ منتشر ہونے کے بجائے متعینہ راہوں پر آجائیں اور گہرائی اور ایک سوچے سمجھے پلان کے مطابق ہو۔ کام کا یہ نقشہ ادارے کے ماہانہ رسالے تعلیم و ترقی میں شائع ہوا اور اس کے بعد بستی کی تعلیم کے عنوان سے کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔

تعلیم بالغان سے فائدہ اٹھانے والے طبقے

کام کے اس نقشے کے مطابق بستی کی آبادی کو جس کی تعلیم و تربیت مقصود تھی، حسب ذیل طبقوں میں تقسیم کیا گیا

۱۔ بستی کے بچے ۲۔ بستی کے نوجوان ۳۔ بستی کے صاحب اولاد لوگ (والدین)
۴۔ بستی کے ان پڑھ بالغ ۵۔ بستی کی عورتیں ۶۔ بستی کے اور دوسرے لوگ

۱۔ بستی کے بچے: بچوں کے مسائل کے باب میں مفصل جائزہ "بچوں کی برادری" کے زیر عنوان مضمون میں دیا گیا ہے یہاں اتنا ذکر کافی ہے کہ ان مرکزوں میں سے ہر ایک میں بچوں کے کلب قائم تھے۔ ان کلبوں میں (۱) بچے اپنی پسند کے فرشی اور میدانی کھیل کھیلتے تھے (۲) اپنی پسند کی کتابیں اور رسالے پڑھتے تھے (۳) اپنے جلسے کرتے تھے اور ان میں لطیفے کہانیاں، نظمیں اور اپنے لکھے ہوئے مضمون پڑھتے تھے۔ (۴) صاف ستھرے ہو کر آتے تھے اس لئے انھیں صاف ستھرا رہنے کی عادت پڑتی تھی (۵) کبھی کبھی شہر کے باہر کسی جگہ جا کر کھیلتے کودتے اور کھاتے پیتے تھے (۶) مختلف قسم کے پروجیکٹ مثلاً دعوت پروجیکٹ، دکان پروجیکٹ کرتے اور ان کے ذریعے کام کی باتیں سیکھتے تھے۔

۲۔ بستی کے نوجوان: تعلیمی مرکزوں میں بستی کے نوجوانوں (پندرہ سے پچیس برس کی عمر کے) کے کلب تھے جن میں وہ (۱) ہر طرح آزاد ہوتے تھے، اور اپنا دستور اور اپنا پروگرام خود بناتے تھے۔ مرکز کا مہتمم سرکاری حیثیت سے ان کا صدر تھا (۲) اپنے خالی اوقات کو فرشی کھیلوں اور کتب بینی میں گذارتے تھے (۳) اپنے علم کو بڑھانے اور تحریر اور تقریر کی مشق کے لئے علمی و ادبی جلسے منعقد کرتے تھے کبھی کبھی کوئی ڈراما یا نقل بھی اسٹیج کرتے تھے جس کے ایکٹر، ڈائرکٹر اور آرٹسٹ وہ خود تھے (۴) انتظامی صلاحیت کی مشق کے لئے مرکز کے جلسوں اور عام کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے (۵) بچوں کے کلبوں کی طرح یہ نوجوان کلب بھی پکنک اور ایکسکرشن کے پروگرام بناتے تھے۔

۳۔ بستی کے صاحب اولاد لوگ (والدین) شیر خوارگی سے لے کر پانچ چھ سال کی عمر کے بچوں کی پرورش

پرداخت، ان کا رکھ رکھاؤ اور تربیت ایک مستقل فن ہے جس سے ہندوستان ہی میں کیا، اچھے خاصے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی لوگ واقف نہیں ہوتے اس فن کی نظریاتی تعلیم تو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جتنی بھی ہو جائے مگر عملی تعلیم کا موقع آتے آتے لوگ ان درسگاہوں سے باہر آجاتے ہیں اور اس وقت سوائے اس کے کہ بستی کی تعلیم کے یہ مرکز ان کی رہنمائی کریں، اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ ادارۂ تعلیم و ترقی نے اس ضرورت کو اپنے تجربات کے پہلے دور ہی میں سمجھ لیا تھا اور سرپرستوں کے مطالعے کے لئے چھوٹی چھوٹی چند کتابیں بھی شائع کی تھیں لیکن مرکز کے توسط سے باقاعدہ اس فن کی معلومات کے لئے مطالعے کے حلقے اسی دور میں شروع ہوئے تھے۔ چنانچہ ان پانچ مرکزوں میں سے ہر ایک میں والدین کی انجمنیں قائم تھیں لیکن اس کام میں مرکزوں کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہئے تھی۔ پھر بھی ان انجمنوں کی رکنیت اتنی ہوتی تھی کہ مرکز کے کارکن اُن سے مایوس نہیں ہوتے تھے اور لیکچروں، نمائشوں، بے بی شو وغیرہ جیسے پروگرام چلاتے رہتے تھے۔

۴۔ بستی کے ان پڑھ بالغ، بستی کے ان پڑھ، نیم خواندہ اور خواندہ بالغوں کے باب میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اُن کاموں کا ذکر کرنا مقصود ہے جو ان پانچ مرکزوں میں بالعموم ان کے لئے ہوتے تھے۔

۱۔ درسی حلقے: ایک حلقے کی ایک تعداد مقرر ہوتی تھی اور جب اتنی تعداد میں طلبا بھرتی ہو جاتے تھے، تو وہ درسی حلقہ شروع ہو جاتا تھا۔ ان حلقوں کی نوعیت حسب ذیل تھی:

۱۔ اردو خواندگی (بالکل ان پڑھ بالغوں کے لئے) ۲ ماہ　　۲۔ خواندگی کے بعد کی مشقی تعلیم ۲ ماہ

۳۔ ہندی (اُردو اور انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں کے لئے) ۲ ماہ　　۴۔ انگریزی (انگریزی کے حرف شناس بالغوں کے لئے) ۲ ماہ

۵۔ بستی کی عورتیں: بستی کی عورتوں کی تعلیم و تربیت کا کام ادارے کے ماتحت پہلی بار اسی دور میں شروع ہوا۔ ابتدا بستی کی ہندو اور سکھ شرنارتھی خواتین سے ہوئی۔ اس کے بعد پڑھی لکھی مسلمان عورتیں بستی کے "خواتین کلب" کی طرف متوجہ ہوئیں اور ان سے حوصلہ پا کر پہلے پردہ نشین لڑکیاں اور بعد کو عورتیں بھی آنے لگیں۔ ان کے کلب کی سرگرمیوں کے لئے ایک وقت مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ انھیں اپنے تحفّظ کا ہر طرح یقین رہے۔

خواتین کے کلبوں میں بالعموم وہی پروگرام چلتے تھے جو بچّوں اور نوجوانوں کے کلبوں میں منظم ہوتے تھے۔ بچوں کی تربیت کے فن سے متعلق جو تقریریں ہوتی تھیں ان میں عورتوں کی شرکت کے لئے پردے میں الگ نشست کا بندوبست ہوتا تھا۔

۶۔ بستی کے دوسرے لوگ: ان طبقات سے الگ بستی میں وہ طبقہ رہ جاتا تھا جو تعلیم یافتہ کہلاتا ہے۔ اس طبقے کی دلچسپی کے لئے کم و بیش وہ پروگرام چلائے جاتے تھے (اور تقریبًا انھی اصولوں پر) جن کا ذکر "کمیونٹی سنٹر" کے زیرِ عنوان مضمون میں کیا جا چکا ہے۔

That worked in the 2nd Education Centres Movement in the city of Delhi in 1950.

THE FIVE
EDUCATION
CENTRES OF
THE IDARA
IN THE CITY
OF DELHI
(1950)

تعلیمی مرکزوں کے کام: اعداد و شمار کی روشنی میں

کام کا پہلو	بالغوں میں		بچوں میں		اشارات
	تعداد یا داخلہ	اوسط حاضری	تعداد یا داخلہ	اوسط حاضری	
۱. مرکز میں حاضری کا اوسط					
ا۔ ریڈنگ روم	-	۱۰۰	-	-	
ب۔ ریڈیو کے پروگرام	-	۳۰	-	-	
ج۔ انجمن والدین	۲۲۷	-	-	-	انجمن والدین میں ممبر عموماً روزانہ نہیں آتے ان کے جو
د۔ انجمن خواتین	۱۲۴	۳۷			جلسے ہوتے ہیں ان میں شریک ہوتے ہیں
ھ۔ تفریحات (فرشی کھیل وغیرہ)	۵*	۲۵			*۔ اس تعداد سے کھیلوں کی قسموں کی تعداد مراد ہے
و۔ کلب	۱۰۹*	۶۰	۴۲۱	۱۸۸	*۔ خاص طور پر نوجوان کلب جو ۱۶ سال سے اوپر کی عمر والوں کے لئے ہے
۲. کتب خانہ					
ا۔ کتابیں	۹۰۰	-	-	-	ہر مرکز کے کتب خانے میں تعلیم و ترقی کی بیں بھی
ب۔ کتابیں جو تقسیم کی گئیں	۵۷۷۸	-	-	-	ہوتی ہیں جنھیں نو سکھے بالغ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں
۳. دیواری اخبار					
ا۔ عام (روزانہ، ہفتہ وار)	۱۸۹	۱۳۱۵۵			
ب۔ خاص نمبر	۳۹	۴۸۰۰۰	۱۵	۳۰۰۰۰	بچوں کے لئے ایک اخبار بچوں کی برادری کی طرف سے بنتا تھا جو باری باری سے برادری کے ہر کلب میں بھیجا جاتا تھا۔
۴. جلسے					
ا۔ انتظامی	۹۰	۵۹	۶۰	۴۰	
ب۔ لکچر	۹۳	۴۷۲	۹۰	۹۲	اس تعداد میں فلم شو میں آنے والوں کی تعداد شامل نہیں ہے
ج۔ عام (سیاسی، تہواری، تفریحی)	۳۸	۲۳۰	۳۹	۲۴	اس تعداد میں ڈرامے، موسیقی کی محفلیں، سیر اور کھانے پینے کی صحبتیں شامل ہیں۔
۵. خواندگی اور مزید تعلیم					
ا۔ اُردو کلاس	۹۲	۶۰	-	-	
ب۔ ہندی کلاس	۱۶	۱۳			
ج۔ انگریزی کلاس	۴۳	۳۵	-	-	
د۔ مزدور بچوں کی کلاس	-	-	۱۹	۱۳	
ھ۔ طالب علموں کے حلقے	-	-	۵۲	۳۴	اسکول کا کام کرنے اور اپنی کمزوری کو دور کرنے کے لئے مل جل کر مطالعہ کرنے کے حلقے۔
و۔ پیشے کی کلاس	۲۵	۲۴	-	-	صرف چپل بنانے کی ایک کلاس ہوتی۔
ز۔ دیگر (عورتوں کی سینکاری وغیرہ)	۳۷	۳۰	-	-	اس تعداد میں زیادہ تر وہ کلاسیں شامل ہیں جو انجمن خواتین کی طرف سے کشیدہ کاری، سوئٹر بننا اور سلائی کے لئے قائم ہوتیں۔

نوٹ: یا عداد ۵ مرکزوں کے مجموعی اوسط روزانہ کو ظاہر کرتے ہیں جلسوں، دیواری اخباروں، اخباروں کے پڑھنے والوں اور تجارتی شدہ کتابوں کی تعداد پر چل اصلی ہے

بچّوں کے خالی وقت کی تنظیم

بچّوں کی برادری

"بچوں کی برادری" کی تنظیم کسی وقتی مصلحت یا خیال کی پیداوار نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے چھوٹے چھوٹے پیمانے پر تجربات کا ایک سلسلہ ہے۔ سب سے پہلے بچوں کی غیر نصابی تربیت کا خیال ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوا۔ قرول باغ دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی منزل ابتدائی کی ایک شاخ "تعلیمی مرکز نمبر ا" کے نام سے قائم تھی جہاں شہر کے بچے پڑھنے آتے تھے۔ یہ بچے بیشتر شہر کے دور افتادہ حصّوں سے مدرسے کی بس میں بیٹھ کر آتے تھے اور وہی بس اُن کو چھوڑ بھی آتی تھی۔ مدرسے میں حسبِ معمول شام کے وقت کھیلوں کا بھی شعبہ تھا، مگر چونکہ زیادہ تر بچے ان کھیلوں میں شریک ہونے کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نہیں آسکتے تھے اس لئے کھیل کا میدان اکثر خالی رہتا تھا، کچھ تھوڑے سے مقامی بچے جمع ہو جاتے تھے اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ کھیل کر چلے جاتے تھے۔ یہ میدان "اجمل پارک" بہت بڑا اور تفریح کے لئے ایک نہایت عمدہ جگہ تھی اور بستی کے بہت سے بچے اس میں دوڑا بھاگا کرتے تھے اور آپس میں لڑائیاں اور گالی گلوج کیا کرتے تھے۔ مدرسے کے کھیل کے انچارج مدرسے کے بچوں کی کمی کو بہت محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر اُنھوں نے مدرسے کے بچّوں کے ساتھ اِدھر اُدھر پھرنے والے چند بچوں کو بھی ملا لیا اور اس طرح ایک پوری ہاکی ٹیم بنالی۔ بچّے تو اس تاک میں تھے ہی، خوشی سے اس میں شریک ہو گئے، اور اس ملی جلی ٹیم کا نام "تعلیمی مرکز کلب" پڑا۔ اس کلب میں آہستہ آہستہ بہت سے بچّے شامل ہو گئے اور اس کے کچھ قواعد و ضوابط بھی بن گئے اور اس کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے کچھ فیس بھی مقرر ہو گئی جس کا تعین کلب کے بچوں نے خود کیا۔ ان بچّوں کے سرپرستوں نے دیکھا کہ بچّے کو آوارہ اور بے مقصد پھرنے سے بچانے کا اچھا موقع ہے اور کلب ایک اچھے مدرسے کی نگرانی میں قائم ہوا ہے تو اُنھوں نے نہ صرف اپنے اپنے بچّوں کو جو دوسرے اسکولوں میں پڑھتے تھے، اس میں شریک ہونے کی اجازت دی بلکہ کلب کی روپے اور دوسرے ذریعوں سے مدد بھی کرنے لگے۔ یہ تجربہ بھی ہوا کہ بچّے بالغوں کو ایک مقام پر جمع کرنے اور ان کے دماغوں سے غیریّت اور علیحدگی کے جذبات کو نکالنے کا نہایت کارگر ذریعہ بن سکتے ہیں

بچوں کا یہ کلب دو سال تک قائم رہا اور اتنا مقبول ہو گیا تھا کہ قرول باغ میں رہنے والے بچوں کی ایک بڑی تعداد اس میں شامل ہو گئی تھی۔ کلب کی دلچسپیاں اب صرف چند میدانی کھیلوں تک محدود نہ تھیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس نے بچوں کے لئے ایک کتب خانہ، ایک ریڈنگ روم اور ایک انجمن بنائی تھی جس کے ماتحت قریب قریب ہر ہفتے ان کا ایک جلسہ ہوتا تھا اور اس کی صدارت، سکریٹری کا کام، تقریریں خود بچے ہی کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں، بچوں نے ایک موقع پر آگرہ اور ایک دوسرے موقع پر شملے کی سیر بھی کی۔ جامعہ اسکاؤٹس ایسوسی ایشن کے ماتحت اپنا ایک دستہ بنایا، اور جامعہ کی سلور جوبلی کے موقع پر اس کی مرکزی ریلی میں شریک ہوئے۔

مگر دہلی میں فسادات کی آندھی نے بہت سے مفید کاموں اور تجربوں کے ساتھ بچوں کے اس کلب کو بھی لپیٹ میں لے لیا اور اس کا کام ختم ہو گیا۔ اواخر ۱۹۴۸ء میں جب حالات ذرا ساز گار ہوئے تو ادارے نے اپنا تعلیم بالغان کا کام پھر شروع کیا اور اتفاق کی بات کہ یہ کام ایسی جگہ سے شروع کیا گیا جہاں تعصب اور فساد کے ڈر سے سہمے ہوئے مسلمان اور گھر سے بے گھر ہوئے ہندو اور سکھ پناہ گزیں دونوں قریب قریب رہتے تھے۔ دونوں میں باہمی عداوت و تعصب کی آگ ابھی سلگ رہی تھی، شہر کا سماجی، سیاسی اور سب سے زیادہ تعلیمی نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ بڑے اور ان سے زیادہ ان کے بچے اسکولوں کے بند ہو جانے کے سبب سے بے کار ہو رہے تھے اور انھیں اِدھر اُدھر آوارہ پھرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ ادارے کے مرکز نے ان حالات کے پیش نظر جہاں بالغوں کی سوشل سروس کے بہت سے پروگرام شروع کر رکھے تھے بچوں کو بھی ایک جگہ جمع کر کے انھیں صحت مند سرگرمیوں میں مشغول رکھنے اور تھوڑی بہت تعلیم دینے کا کام شروع کیا۔ بچوں کی دنیا بڑوں کی دنیا سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ جہاں بالغ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین اور اقدار کی نہیں بلکہ فطرت کی کارفرمائی ہوتی ہے، جہاں بچے ایک دوسرے کو صرف انسان کی شکل میں دیکھتے ہیں اور بس۔ مرکز میں آنے والے بچوں میں مسلمانوں کے بچے بھی تھے اور پاس کی بستیوں میں پناہ گزین ہندوؤں اور سکھوں کے بچے بھی، باہمی نفرت اور تعصب کی اتنی زبردست آندھی کے باوجود بچوں کی اس چھوٹی سی دنیا میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی تھی، قرول باغ کے بچوں کے کلب کا تجربہ کارکنوں کے سامنے تھا، چنانچہ اسی کی بنیاد پر ان بچوں کی تنظیم کی گئی اور ایک باقاعدہ بچوں کا کلب قائم ہو گیا۔

اس عرصے میں ادارے کے ماتحت چار اور بستیوں میں بھی تعلیم بالغان کے مرکز کھل گئے تھے اور ان میں بھی بستی کا سب سے اہم اور اولین مسئلہ بستی کے بچوں ہی کا تھا چنانچہ اُنھوں نے بچوں کے مذکورۂ بالا کلب قائم کئے اور ان کے ذریعے ان کے سرپرستوں تک پہنچ کر بالغوں کی تعلیم کے ڈول ڈالے۔

جس زمانے میں گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اپنا آخری برت رکھا تھا، اس وقت ہندو مسلمان، سکھ بچوں کی اس متحدہ تنظیم کے ذریعے مرکز کے کارکنوں نے بہت مفید کام کیا اور جب انھوں نے برت توڑا تو اس کلب کے بچوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ انھوں نے اپنا ایک جلوس نکالا اور اس کے دوسرے دن مرکز میں جمع ہوئے۔ اس اجتماع میں کلب کے صرف باضابطہ ممبر بچے ہی نہیں آئے تھے بلکہ مسلمان اور پناہ گزیں بستیوں کے قریب قریب سبھی بچے امڈ آئے تھے۔ اس موقعے پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین بھی تشریف لائے تھے اور انھوں نے کم و بیش ایک ہزار بچوں کو جنھیں دیکھ کر دل میں گنگا، جمنا، سرسوتی کے سنگم کی کیفیت طاری ہوتی تھی، اپنے ہاتھ سے مٹھائی اور پھل تقسیم کئے۔

ڈاکٹر صاحب بچوں کی اس دنیا میں گاندھی جی کے خواب کو پورا ہوتے دیکھکر اتنے متاثر ہوئے کہ ایک خط میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال کو لکھا کہ ادارہ تعلیم و ترقی کی رہنمائی میں بچوں کی اخلاقی تعمیر کا جو کام ہو رہا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسے ترقی دینے اور آگے بڑھانے کی بہت ضرورت ہے۔

اس خط کے جواب میں پنڈت جی نے ڈاکٹر صاحب کو جو خط لکھا اس کا وہ ٹکڑا جو بچوں کی اخلاقی تعمیر سے متعلق ہے یہ ہے:۔

"مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کہ بچوں کی اخلاقی تعمیر - MORAL RE-HABILITATION OF CHILDREN اور ان کی اصلاح کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے اور آپ اور شفیق الرحمٰن کو اس باب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے میں اس کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

اس خط کے بعد پنڈت جی کے اور بھی خطوط آئے اور انھوں نے زبانی بھی بچوں کے کلب کے طریقوں پر شہر دہلی اور اس کے آس پاس کے بچوں کی تنظیم پر زور دیا اور اس سلسلے میں روپے پیسے سے امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔

اس وقت تک تعلیمی مرکزوں کے کلب الگ الگ قائم تھے اور ان کو ملا کر ایک تنظیم کے ماتحت کر دینے کی بات ادارے کے سامنے ایک عرصے سے زیر غور تھی۔ اب جو پنڈت جی کا اصرار ہوا اور ان کی طرف سے ہمت افزائی ہوئی تو یہ خیال پختہ ہو گیا اور ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء کو اس مقصد کے لئے مختلف کلبوں کے نمائندوں کے ایک جلسے میں ان سب بچوں کی ایک مرکزی تنظیم کی تجویز منظور ہو گئی اور اس کا نام "بچوں کی برادری" دہلی رکھا گیا۔

بچوں کی برادری کا دستور

"برادری" کا دستور وفاقی قسم کا تھا اس کی رکنیت دو طرح کی رکھی گئی تھی، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ انفرادی رکنیت

کے قاعدے کے مطابق "برادری" کا ممبر ہر بچہ بن سکتا تھا (۱) جس کی عمر کم سے کم پانچ سال اور زیادہ سے زیادہ چودہ سال ہو (۲) جو برادری کے قاعدے قانون اور سنٹرل کمیٹی کے بنائے ہوئے قاعدوں کی پابندی کرے۔

اجتماعی رکنیت کے لئے یہ قاعدے تھے:

(۱) جب کسی بستی میں برادری کے کم سے کم دس ممبر ہو جائیں گے تو وہ "بچوں کا کلب" قائم کریں گے۔

(۲) جب کلب قائم ہو جائے گا تو وہ برادری کی سنٹرل کمیٹی سے (فارم داخلہ کے ذریعے) درخواست کرے گا کہ کلب کو برادری کا ایک ممبر بنا لیا جائے اور اس کے نمائندوں کو سنٹرل کمیٹی میں نمائندگی دی جائے۔

(۳) "برادری" کسی کلب کو اپنا ممبر اس وقت مانے گی جب وہ کلب "برادری" کے فارم داخلہ کو بھر کر ۲ روپے فیس سالانہ ادا کرے اور (۴) کلب کا نگراں (جو بستی کا کوئی ذمہ دار فرد ہوگا) اس بات کا یقین دلائے کہ اس کے پاس کم از کم ایک سال کے لئے خرچ کا انتظام ہے یا ہو سکتا ہے۔

"برادری" انفرادی ممبر کو ممبری کے نشان کے طور اپنا بلّہ (بیج) دے گی اور ممبر کلب کو اپنا لٹریچر" اور دوسری ضروری معلومات بھیجے گی اور جہاں تک ہو سکے گا، اس کے کاموں میں اس کی رہنمائی کرے گی۔

برادری کی سنٹرل کمیٹی میں، جس کے صدر، نائب صدر، اور سکریٹری اس کلب کے ممبروں میں سے چنے جاتے تھے جس کے یہاں برادری کا صدر دفتر ہوتا تھا، ہر "ممبر کلب" کے نمائندے شامل ہوتے تھے، اور یہی کمیٹی گویا "برادری" کی قانون ساز مجلس تھی۔ اس کمیٹی میں نمایندگی حسب ذیل فارمولے کے مطابق ہوتی تھی۔

(۱) ہر کلب کے ۱۰ ممبروں پر ۱ نمائندہ (۲) ہر کلب کے ۲۵ ممبروں پر ۲ نمائندے (۳) ہر کلب کے ۵۰ ممبروں پر ۳ نمائندے (۴) ہر کلب کے ۸۰ ممبروں پر ۴ نمائندے (۵) ہر کلب کے ۱۰۰ ممبروں پر ۵ نمائندے (۶) ۱۰۰ ممبروں کے بعد ہر پچاس ممبروں پر ایک نمائندہ۔

مرکزی حیثیت سے برادری کے یہ کام تھے:- (۱) بچوں کی عام (غیر نصابی) تعلیم و تربیت، ان کی سیر و تفریح کا بندوبست اور ان میں مل جل کر رہنے، کھیلنے اور اپنے بل بوتے پر کام کرنے کی عادت پیدا کرنا (۲) بستی بستی میں بچوں کے کلب قائم کرنا۔

ان کاموں کو پورا کرنے کے لئے "برادری" اپنی طرف سے

(۱) ہر سال "گاندھی ٹرافی" کے نام سے ایک تحریری و تقریری مقابلہ منعقد کرتی ہے (۲) وقتاً فوقتاً بچوں کے میلے، تہواری اور قومی جلسے، کیمپ، اور ٹورنامنٹ منعقد کرتی ہے۔

(۳) قومی رہنماؤں سے مل کر بچوں کے نام ان کے پیغام حاصل کرنا اور اسے ایک ایک بچے تک پہنچانا۔ اس کے علاوہ دوسرے تعلیمی لٹریچر تیار کر کے ان کی رہنمائی کرنا۔

کتب خانہ تعلیم بالغان کی توسیع

نئی تنظیم

۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد جب شہر دہلی میں تعلیمی مرکزوں کی تحریک پھر سے شروع کی گئی تو نو سکھ بالغوں کے لئے کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام بھی از سرِ نو منظم کیا گیا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ادارۂ تعلیم و ترقی نے یہ منصوبہ پکا کر لیا تھا کہ تعلیم بالغان کے اس کتب خانے میں اور اضافے کئے جائیں اور کتابوں کی تعداد بڑھا کر پانچ سو کر دی جائے نیز اس تمام لٹریچر کو ہندی زبان میں بھی شائع کیا جائے۔ چنانچہ جب ۱۹۴۸ء میں کام پھر سے شروع ہوا اُس وقت اسی منصوبے کو ہاتھ میں لیا گیا۔ اس زمانے میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ چونکہ یہ کتابیں اور پوسٹر ملک کی آزادی سے پہلے لکھے اور لکھوائے گئے تھے اور ملک کے حالات کے بدل جانے کی وجہ سے بعض مضامین کی نوعیت بھی بدل گئی ہے اس لئے اس پر نظرِ ثانی بھی کر لی جائے تو بہتر ہو گا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں کام حسبِ ذیل تقسیم کے مطابق ہوا۔

۱۔ تمام کتابوں اور پوسٹروں پر نظرِ ثانی

۲۔ نئے مضامین اور مسائل سے متعلق نئی کتابوں کی ترتیب و تالیف

۳۔ تمام کتابوں کا ہندی میں ترجمہ

۴۔ پورے لٹریچر کی از سرِ نو طباعت و اشاعت

موخر الذکر کام اتنا بڑا تھا اور اتنا سرمایہ چاہتا تھا کہ ادارہ خود یہ کام ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اس کے لئے بمبئی کے ایک پبلشر کی خدمات حاصل کیں اور اردو اور ہندی دونوں کی طباعت و اشاعت کا کام اس کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر ادارے کی بدقسمتی کہ پبلشر نے ہمت ہار دی اور ابھی اٹھارہ ہی کتابچے اردو میں چھپے تھے کہ اس نے ٹھیکہ منسوخ کرا لیا اور طباعت و اشاعت کا کام کچھ عرصے کے لئے پھر رک گیا۔

مگر اس عرصے میں ترتیب و تالیف اور ترجمے کا کام بدستور جاری رہا اور ۱۹۴۹ء کے ختم ہوتے ہوتے نظرِ ثانی اور ہندی میں ترجمے کا کام قریب قریب مکمل ہو گیا اور نئی کتابیں اور پوسٹر بھی کافی تعداد میں تیار ہو گئے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہندوستان کے

وہ لوگ جو نہ ہندی پڑھ سکتے ہیں نہ اردو، ان کو اس لٹریچر سے استفادہ کرنے کا موقع دینے کے لئے ان کتابوں کو رومن رسم الخط میں شائع کیا جائے۔ اس خیال کے مطابق چند کتابوں کا رومن رسم الخط میں مسودہ بھی تیار کر دیا گیا۔ لیکن یہ منصوبہ سرمائے کی کمی کی وجہ سے پورا نہیں ہوا۔

حکومت ہند کی سرپرستی

اس عرصے میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے اہتمام میں بالغوں کی تعلیم کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا تھا اور نوسکھ بالغوں کے پڑھنے کی کتابوں کی ضرورت اور مانگ بہت تھی۔ ادارے کے اس خواندگی کے بعد کے ادب (POST-LITERACY READING MATERIAL) کا تعارف یوں تو ملک میں پہلے ہی ہو چکا تھا، یونیسکو کے سیمنار (میسور) میں اس کا اور تعارف ہوا۔ حکومت ہند نے اس ضرورت اور مانگ کے پیش نظر اس پورے کتب خانے کو منگوا کر اس کا جائزہ لیا اور آخر میں اُسے تعلیم بالغان اور خواندگی کے مرکزوں کے لئے موزوں پایا۔ مگر حکومت کی ضرورت ادارے کے محدود واسٹاک سے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ ادارے نے پیش کش کی کہ اگر حکومت اپنی ضرورت کے بقدر ان کتابوں کی طباعت کے لئے رقم دے تو وہ اتنی تعداد میں انھیں چھپوا سکتا ہے۔ حکومت نے ادارے کی اس پیش کش کو منظور کر لیا اور مارچ ۱۹۵۰ء میں ہر کتاب کے دس دس ہزار نسخے (ہندی زبان میں) چھپوانے کے لئے ادارے کو سوا دو لاکھ روپئے کی گرانٹ دی۔ اب ادارے نے اس مقصد کے لئے الگ سے ایک دفتر قائم کیا جس نے اپنی محنت اور جانفشانی کی بدولت ۱۹۵۲ء کے ختم ہوتے ہوتے اس پورے کتب خانے کا ہندی ایڈیشن چھپوا کر تقسیم کر دیا۔

ایک نقصان

حکومت ہند کی شاہانہ امداد کا جہاں یہ فائدہ ہوا کہ ملک کے سامنے نوسکھ بالغوں کے مخصوص ادب کی ضرورت واضح ہو گئی اور اس کے بعد بہت سے مصنف اور پبلشر اس طرف متوجہ ہو گئے وہاں ادارے کو ایک نقصان بھی ہوا۔ امید یہ تھی کہ جب حکومت ہند نے ادارے کے تیار کئے شائع کئے ہوئے ادب کو نوسکھ بالغوں کے لئے مفید تسلیم کیا ہے تو وہ وہی کتابیں چھپوائے گی جنھیں ادارہ پہلے سے اردو میں شائع کر چکا ہے؛ اور اس طرح ادارے کی خدمات کا صلہ ملے گا لیکن حکومت کی طرف سے جو لوگ اس کام پر مامور تھے، انھوں نے ادارے کی پہلے سے تیار اور شائع کی ہوئی کتابوں میں سے جن کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی، بس ایک محدود تعداد ہی گرانٹ کی رقم سے چھپوانے کے لئے منظور کی۔ باقی کتابیں جن کی کل تعداد ۵۰ تھی، نئے مضامین پر از سر نو لکھنے اور

لکھوانے کی فرمائش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادارے کی زیادہ تر کتابیں جوں کی توں پڑی رہ گئیں اور ان کے ہندی ترجمے اب تک نہیں چھپ سکے۔ جن نئے عنوانات پر حکومت نے ادارے کی معرفت کتابیں لکھوائیں، اس میں شک نہیں کہ وہ بھی اہم اور ضروری عنوانات ہیں لیکن نو سکھ بالغوں کے لئے کتاب لکھنے کا ایک مخصوص ڈھنگ جو ادارے نے اپنی نو دس سال کی محنت سے نکالا تھا اور جس کے لئے صبر اور وقت دونوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے، اس ڈھنگ کے مطابق یہ کتابیں نہیں لکھی جا سکیں۔

اس کے علاوہ ادارے نے تعلیم بالغان کے کارکنوں کی رہنمائی اور والدین کی تربیت کے لئے جو کتابچے بڑی محنت سے تیار کئے تھے وہ بھی اس گرانٹ کی رقم سے نہ چھپ سکے۔ ادارے کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ہندی کے ایڈیشن خود شائع کرتا اس لئے اس کی یہ محنت اکارت گئی اور کارکنوں اور والدین کا یہ لٹریچر یوں ہی پڑا رہ گیا۔

حکومت ہند کی سرپرستی میں جو کتابیں ہندی میں چھپ کر تقسیم ہوئیں ان کی مضمون وار تقسیم اس طرح ہے:

۱۔ پہلا زینہ	۳ کتابیں	۲۔ لوک گیت	۱۰ کتابیں
۳۔ ڈراما	۸ 〃	۴۔ زراعت	۲۵ 〃
۵۔ پیشے	۱۰ 〃	۶۔ صحت وصفائی	۱۶ 〃
۷۔ مشہور کتابیں	۱۶ 〃	۸۔ مشہور شاعر	۷ 〃
۹۔ مشہور ادیب	۵ 〃	۱۰۔ سوانح عمری	۱۶ 〃
۱۱۔ عام معلومات	۶ 〃	۱۲۔ جغرافیہ	۶ 〃
۱۳۔ سوکس	۱۳ 〃	۱۴۔ کھیل کود	۴ 〃
۱۵۔ تاریخ	۴ 〃	۱۶۔ پنج سالہ پلان	۱۱ 〃
۱۷۔ سماجی خرابیاں	۱۵ 〃		

ننھے بچّوں اور ان کی ماؤں کی تربیت کا مرکز
بالک ماتا سینٹر

بالک ماتا سنٹر شفیق صاحب مرحوم کا بالغوں کی تعلیم کے سلسلے میں آخری تجربہ تھا جو ابھی تجربے ہی کی منزل میں تھا کہ ان کی رہنمائی سے محروم ہوگیا۔ اُن کے انتقال کے کچھ عرصے کے بعد ان کی بیگم محترمہ صدیقہ قدوائی مرحومہ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اس منزل میں چھوڑ کر مری ہیں کہ اسے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں نمایاں جگہ مل سکتی ہے۔

بالک ماتا سنٹر کا خیال ادارہ کے کارکنوں کو اس وقت پیدا ہوا جب انھوں نے بڑے پس و پیش کے بعد مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی کام کرنے کی ابتدا کی (یاد رہے کہ ادارے نے ۱۹۵۱ء تک سوشل ایجوکیشن کا پروگرام صرف مردوں تک محدود رکھا تھا اور یہ غالباً اس سبب سے تھا کہ ان کا کام بیشتر مسلمان محلّوں اور بستیوں میں ہوتا تھا جہاں عورتیں پردے میں رہتی ہیں اور غیر مرد تو کیا غیر عورتوں سے بھی پردہ کرتی ہیں) جیسا کہ اس وقت تک دستور تھا (اور یہ دستور اب بھی بہت بڑی حد تک باقی ہے) سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں میں لوگوں کی شرکت ایک مسئلہ بنا رہتا تھا اور اُسے حل کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کرنے پڑتے تھے۔ یہی مسئلہ ان بہنوں کو بھی پیش آیا جو ادارے کے ماتحت عورتوں میں کام کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھیں ان کی رپورٹوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ ان کی سب سے بڑی مشکل اُن کے پروگراموں میں عورتوں کی عدم شرکت ہے جسے وہ حل نہیں کر پاتیں اور اس سے دل تنگ رہتی ہیں۔

بچّے: والدین کو مرکز سے وابستہ کرنے کا بہترین ذریعہ:۔

مردوں کے معاملے میں بچوں کی برادری کے تجربے سے یہ بات صاف ہوگئی تھی کہ اگر بڑوں کو اپنے پروگراموں کی طرف متوجہ کرنا ہے تو پہلے ان کے بچّوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے اسی اصول سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ماؤں کو ادارے کی تعلیمی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کرنا ہے تو ان ننھے ننھے بچّوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے جو ابھی اسکول نہیں جاتے اور ماں کی گود کے مکتب میں پلتے ہیں۔

بالک ماتا سنٹر کے تجربے کی تحریک تو اسی خیال سے ہوئی لیکن تجربے کے شروع ہونے میں شاید بہت دیر لگتی اگر اس کی پشت پر ایک اور خیال نہ ہوتا۔ شفیق صاحب کا بالغوں کی تعلیم کا تصور بہت وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ وہ تعلیم کے مواقع سے محروم ہر طبقے کی تعلیم کو ــــ خواہ وہ بالغ ہو یا نوعمر لڑکا یا لڑکی یا نرسری جانے کی عمر کا ننھا سا بچہ ــــ اپنے تعلیم و ترقی کے تصور کے مطابق

اس کے پروگرام کا جزو تسلیم کرتے تھے۔ وہ جس محلے میں رہتے تھے بیشتر غریب مسلمانوں کا محلہ تھا۔ آتے جاتے ان کی نظر دو دو تین تین سال کے ننھے ننھے بچوں پر پڑتی تھی جو ننگ دھڑنگ یا سردی کا زمانہ ہوا تو چیتھڑے لپیٹے ہوئے میلے کچیلے بے یار و مددگار گلیوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ دراصل یہی منظر تھا جس نے شفیق صاحب کے دل میں اس تجربے کو شروع کرنے کے خیال کو پختہ ارادے کی شکل میں تبدیل کیا۔

جس وقت یہ تجربہ شروع کیا اس وقت سنٹر کے سامنے کام کا نقشہ حسب ذیل تھا۔

۱۔ بستی میں تین سے پانچ سال کی عمر تک کے بچوں کے لئے کم خرچ پر نرسری کلاس چلانا تاکہ معمولی اور اوسط گھرانوں کے بچے اس تربیت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۲۔ بالک ماتا سنٹر کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کی تربیت میں ماؤں کی مدد کی جائے۔ سنٹر میں بچے کو جو ماحول اور تربیت ملے وہ اسے گھر میں بھی میسر ہو تاکہ تعلیم کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بالک ماتا سنٹر میں مائیں بھی آئیں اور استانیوں کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ایک دوسرے کی مشکلوں کو سمجھیں اور بچوں کے عام مسائل کو مل جل کر حل کریں۔

۳۔ بالک ماتا سنٹر کا یہ بھی کام ہوگا کہ وہ گھروں کا ماحول بدلنے، ماؤں اور ہونے والی ماؤں کو گھر گرہستی کے مفید طریقے سیکھنے اور ان کی صلاحیتوں کو ابھارنے میں ان کی مدد کرے۔ چھوٹی عمر کے بچوں کی تربیت سے ماؤں کا بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے بالک ماتا سنٹر کو اپنے پروگرام میں ماؤں کی ٹریننگ کو بھی شامل کرنا ہوگا۔

۴۔ سنٹر کی یہ کوشش ہوگی کہ بالک ماتا سنٹر قائم کرنے اور انھیں چلانے کی ذمہ داری میں بستی کے لوگ پوری طرح شریک رہیں تاکہ آہستہ آہستہ وہ اپنے سینٹر خود چلانے لگیں۔

۵۔ بالک ماتا سنٹر کے ساتھ ایک ماتا سبھا ہوگی۔ ہر ماں کے لئے جس کا بچہ سنٹر میں داخل ہوگا، ماتا سبھا کی رکنیت لازمی ہوگی۔

یہ تو تھا مختصراً بالک ماتا سنٹر کا تعارف اور اس کے مقصد کی تشریح۔ اب رہا سوشل ایجوکیشن کا مفہوم تو اتنی بات تو ہر اہل طے ہے کہ اگر والدین کی تعلیم و تربیت کا معقول بندوبست ہو جائے تو سوشل ایجوکیشن کا کچھ نہیں تو آدھے سے زیادہ کام پورا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ سوشل ایجوکیشن کو اگر خالصتاً بالغ آبادی ہی کی تعلیم کا پروگرام کہا جائے تو ملک کی بالغ آبادی آدھی سے زیادہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو بال بچے والے ہیں مگر بال بچوں کی پرورش و پرداخت کے اصول سے یکسر بے بہرہ ہیں لیکن اس کے باوجود جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں شاید سب کچھ ہوتا ہو مگر نہیں ہوتا تو والدین کی تنظیم اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام۔ اس کے علاوہ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ جب تک ملک اس قابل نہیں ہو جاتا کہ اسکول اور نرسری کی عمر کے تمام بچوں کے لئے گاؤں گاؤں اور بستی بستی اسکول اور نرسری کھول سکے، اس وقت تک اسکول اور نرسری کی تعلیم سے محروم تمام بچوں کی کم سے کم غیر رسمی تعلیم کا بندوبست بھی سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کا ایک جزو رہے گا۔

ایک پنتھ دو کاج: سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والا چاہے وہ محکمہ تعلیمات کی طرف سے کام کرتے ہوں چاہے کمیونٹی ڈیولپمنٹ

کی طرف سے یا غیر سرکاری اداروں کے زیر اہتمام اس بات کی شہادت دیں گے کہ ان کے پروگراموں میں مرد ہوں یا عورتیں کوئی آسانی سے شرکت نہیں کرتا، اور خواندگی کے بارے میں تو یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ محض خواندگی کے لئے ناخواندہ بالغ نہ کبھی آئے ہیں اور نہ کبھی آئیں گے، لیکن اگر اُن کو یہ بات ذہن نشین کرا دی جائے کہ ان کے بچے اُن کے ناخواندہ ہونے کی وجہ سے بگڑ رہے ہیں تو بچے ان کے نزدیک اتنی بڑی دولت ہوتا ہے کہ اسے لٹنے سے بچانے کے لئے جو کچھ بھی اُن کے بس میں ہوگا وہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں یہ بات اور اس طرح کی دوسری باتیں ذہن نشین کرانے کے لئے طرح طرح کے طریقے ایجاد کئے گئے ہیں۔ مگر یہاں ہم صرف بالک ماتا سنٹر کے طریقے کا مختصر سا ذکر کریں گے۔

بالک ماتا سنٹر میں ابتدا بچوں کی نرسری قائم کر کے کی جاتی ہے۔ بالکل صاف سی بات ہے کہ بچے تو بچے ہیں ہندوستانی ایک بکری کا بچہ بھی جو اس کے گھر میں پلا بڑھا ہوتا ہے کسی کے ہاتھ بیچتا ہے تو اگرچہ اُسے اس کے دام بھی مل چکے ہوتے ہیں وہ خریدنے والے کے ساتھ بہت دور تک بکری کے بچہ کو دیکھنے جاتا ہے اور حسرت سے دور تک جبتک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا اسے کھڑا دیکھتا رہتا ہے۔ اس نفسیاتی حقیقت کی روشنی میں غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کسی ماں کے لال کو اپنے یہاں لائیں گے اور اسے دو تین گھنٹے اپنے پاس رکھیں گے تو اسے اگر تشویش نہیں تو اشتیاق تو یقیناً پیدا ہوگا کہ دیکھوں میرے بچے کا کیا حال ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے ایسی صورت میں آپ کو بچے کی ماں سے اپنے یہاں آنے کے لئے کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود کھنچی چلی آئے گی۔ اس موقع پر آپ اس سے جو کچھ بھی کہیں گے، وہ کم سے کم اُسے سُنے گی اور غور سے سنے گی۔ اُسے ماننے اور اُس کے اوپر غور کرنے کی منزل چاہے بعد میں آئے۔

ایک سوال اور اُس کا جواب: مگر ابھی ایک سوال کا جواب باقی رہ جاتا ہے ہمارے اس بیان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے، کہ ہم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ ہر ماں اپنے بچے کو ہمارے نرسری سنٹر میں بھیجے گی ہی ہندوستانی مزاج کی ایک خصوصیت شک و شبہ اور کوئی نئی بات شروع کرنے میں تذبذب بھی تو ہے! ———— یہ سوال اپنی جگہ بالکل بجا ہے یہ مسئلہ دو طرح حل کیا جا سکتا ہے ایک تو وہی دوائیں بیچنے کے لئے مجمع لگانے والوں کا طریقہ جو دو چار آدمیوں کو اپنے آس پاس خالباً کرایہ دے کر جمع کر لیتے ہیں اور انہی کے سامنے تقریر شروع کر دیتے ہیں دوسرے لوگ دو چار آدمیوں کو ایک جگہ جمع دیکھ کر کم سے کم جھانکنے کے لئے ہی آجاتے ہیں بالکل یہی نفسیاتی ڈھنگ بالک ماتا سینٹر شروع کرتے وقت اختیار کیا جا سکتا ہے بستی میں دو چار آدمی ایسے ضرور ہوتے ہیں جو اسکیم کی افادیت کو دوسروں کی نسبت جلد سمجھ جائیں گے جب ان سمجھدار ماؤں کے بچے آنے لگیں گے تو پڑوسن کے دل میں بھی کھوج پیدا ہوگی اور وہ وقت نکال کر کم سے کم جھانکنے ہی کی غرض سے سنٹر میں آئیں گی۔ اس موقع پر اب یہ بات کارکن کی سوجھ بوجھ اور بات کرنے کے آرٹ پر منحصر ہے کہ وہ اُن جھانکنے والیوں کو اپنا گرویدہ بنا لے ———— دوسرا طریقہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں جانا پہچانا ہے یعنی یہ کہ کارکن اپنا کام اسی وقت کر سکے گا جب وہ بستی والوں کا اعتماد حاصل کر چکا ہو۔ بستی والوں کا اعتماد حاصل ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی ماں یا باپ اپنے بچے کو ایک اچھے ادارے میں نہ بھیجے۔

آپ کی نرسری شروع ہوگئی اور اس سے ماؤں کو دلچسپی بھی ہوگئی۔ وہ آپکے سنٹر میں بن بلائے آنے لگیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ بالک ماتا سنٹر کے کام کے نقشے کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے' نرسری کی استانی اپنے وقت کا ایک حصہ بچوں کے ساتھ نرسری میں صرف کرے گی اور ایک حصہ بچوں کے گھروں کا گشت کرنے میں۔ گویا ملاقات کا سلسلہ صرف سنٹر تک محدود نہیں رہا گھروں تک پہنچا۔ کارکن اور بچے کی ماں، اور اُس کے قریب رہنے والی دوسری عورتوں اور لڑکیوں کے درمیان قربت کا درجہ قریب سے قریب تر ہوگیا۔ ظاہر ہے جان پہچان اور قربت اس درجہ تک پہنچ جائے تو کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ آپنے بچوں کو اس لئے لیا تھا کہ مائیں آپکے قریب آئیں اور آپ ان کو کام کی باتیں سکھا سکیں مگر ایک ہی محنت میں دو کام ہو رہے ہیں ماؤں اور ہونے والی ماؤں کا آپکے کام میں تعاون تو حاصل ہی ہوگیا جو آپ کا اصل مقصد تھا۔ اور ننھے ننھے بچوں کی صحت مند تربیت بھی ہو رہی جو لیھا ڈیزی

اعتماد اور یگانگت کا اثر:۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص یا گروہ کسی شخص یا جماعت کو اپنا سمجھ لے تو پھر وہ بے تکلف اس کی ترقی' اس کی کمیوں اور کمزوریوں کو دور کرکے اس کی اصلاح واستحکام کے لئے نہ صرف سوچتا ہے بلکہ ان باتوں کے سلسلے میں منصوبے بنا کر اُن کے اوپر عمل کرنے لگتا ہے۔ اس بیان پر بالک ماتا سنٹر کی ۱۹۵۶ء کی رپورٹ کی روشنی میں غور کیجئے۔

"جب کسی چیز یا جگہ سے وابستگی بڑھ جاتی ہے تو انسان کے مطالبات بھی اُسی نسبت سے بڑھ جاتے ہیں۔ ان عورتوں اور لڑکیوں نے آہستہ آہستہ لکھنے پڑھنے اور کچھ سیکھنے اور اپنی صلاحیت کو بڑھانے کی خواہش ظاہر کرنا شروع کی۔ ادارہ نے دیکھا کہ کہاں ایک دن وہ تھا کہ تعلیمی پروگراموں میں شرکت کرنے کے لئے ان عورتوں اور لڑکیوں کی خوشامد کی جاتی تھی اور پھر بھی وہ نہیں آتی تھیں اور کہاں اب یہ وقت ہے کہ یہ اپنی صلاحیت کو بڑھانے اور سیکھنے سکھانے کے لئے جان کھائے لیتی ہیں۔ اس نے بالک ماتا سنٹر کی اسکیم پر نظر ثانی کی اور یہ طے کیا کہ بالک ماتا سنٹر کو ماؤں اور جوان لڑکیوں کی پوری تعلیم و تربیت کا مرکز بنا دینا چاہئے۔

اس فیصلے کے مطابق ادارہ کے بالک ماتا سنٹر سکشن میں حسب ذیل سرگرمیوں کا اضافہ کردیا گیا۔

(۱) گھریلو دستکاریوں کا سیکشن جس میں سلائی' کٹائی' بنائی' کھلونے بنانے اور کشیدہ کاری کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اس سیکشن میں ایک تربیت یافتہ (ٹرینڈ) استانی کام کرتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بستی کی سگھڑ بہنیں بھی مختلف کام مفت سکھاتی ہیں۔

(۲) ان پڑھ اور کم پڑھی عورتوں کے لئے خواندگی کا سیکشن۔

(۳) ٹیوٹوریل ایجوکیشن سیکشن جہاں پانچویں چھٹی جماعت تک پڑھی ہوئی نوجوان لڑکیوں کو میٹرک کے امتحان کی تیاری کرائی جاتی ہے۔"

پرنٹر سلشہ برکت علی ذاتی نے محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Registered No. D. 1126

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI.

تعلیم و ترقی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ شمارہ ۴
اپریل ۱۹۶۳ء

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:۔
تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر۔
نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔
سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے
فون ۲۶۴۴۴

ترتیب

اشارات

سیاسی پارٹیاں اور سوشل ایجوکیشن

انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے اپریل ۱۹۷۲ء کے شمارے میں "سیاسیات اور سماجی تبدیلی" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جو "ماس ایجوکیشن سوسائٹی گوندہ کے بانی شری شانگ رام پٹھک کے ساتھ تبادلۂ خیال" کے اوپر مبنی ہے۔ مضمون کے چند اقتباسات یہ ہیں:

"آزادی سے قبل بہت سے لوگ سوشل ایجوکیشن کے کام میں لگے ہوئے تھے جن کے پاس نہ جیپ گاڑیاں تھیں اور نہ اپنے آپ کو نوکیا، اپنی سرگرمیوں کو قائم رکھنے کے لئے آمدنی کا کوئی یقینی وسیلہ تھا مگر ان کے سامنے ایک مقصد تھا جس کے لئے وہ اور ان کے ساتھ عوام بھی قربانیاں کرتے تھے۔ یہ بات کیوں واقع ہوتی تھی؟ اس لئے کہ کارکنوں کے سامنے جو مقصد تھا وہ ایسا تھا کہ عوام ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کے سامنے آج کون سا مقصد ہے جس کے لئے عوام ان کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں؟ کیا سماجی تبدیلی کا مقصد ایسا مقصد ہے جس پر عوام اسی طرح لبیک کہہ سکیں جیسے وہ آزادی کے مقصد پر لبیک کہتے تھے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ "کیوں نہیں ہے؟" اس لئے کہ اسی سماجی تبدیلی کو بروئے کار لانے کے لئے تو آزادی کی لڑائی لڑی گئی تھی!"

اس کے بعد مسٹر ایبان کا ایک قول نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے یو۔ این کی سائنس اور ٹکنالوجی کی کانفرنس میں کہا تھا:

"نوع انسانی کی یہ پہلی نسل ہے جس میں افلاس اور بیماری کی بیخ کنی ممکن ہوئی ہے اور اس امکان کی جنم داتا سائنس ہے۔ اب سائنس داں انسانی مصائب اور انسانی توقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے لیباٹریوں میں منھ نہیں چھپاتے۔ ان میں انسانی آبادی کی صورت حال کو بدل کر رکھ دینے کی صلاحیت بھی ہے اور عزم بھی۔ اگر ہم صرف یہ کر سکیں کہ ان سائنس دانوں کے عزم وارادے کو پختہ تر کر دیں اور ان کی صلاحیتوں کی تنظیم کر دیں تو تاریخ کا رُخ موڑ دیں گے"

اس بیان کو نقل کر کے کہا گیا ہے کہ "یہ بیان سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے ایک للکار بھی ہے اور ان کے سا

اس سے کام کی راہیں بھی کھلتی ہیں۔ اس للکار کا جواب کس طرح دیا جائے؟" پھر اس سوال کا جواب دیا گیا ہے:

"انسانی آبادی کی صورتِ حال کو بدلنے کی بہت سی تدبیریں ہیں۔ ایک تدبیر یہ ہے کہ ایک سیاسی پارٹی اٹھے اور سماجی تبدیلی کے اس عمل میں حصہ لینے کے لئے عوام کی رہنمائی کرنے کی مثال قائم کرے۔ اس مثال سے سبق لے کر دوسری سیاسی پارٹیاں بھی اس کام کے لئے اٹھ کھڑی ہوں گی لیکن سیاسی پارٹیوں کی اس دوڑ کا مقصد عوام کی سیوا ہونا چاہئے، ان کے اوپر حکومت کرنا نہیں۔"

جب سے ملک آزاد ہوا ہے اُس وقت سے جہاں ملک میں اور بہت سے رجحانات کا جنم ہوا ہے، وہاں ایک رجحان یہ بھی دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ ہمارے عمل کا نتیجہ فوراً کے فوراً ہمارے سامنے آنا چاہئے۔ "اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے" کا یہ تاجرانہ رجحان سائنس اور ٹکنالوجی اور تجارت اور کاروبار جیسے میدانوں میں تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن انسان کی تعمیر ایک ایسا میدان ہے جس میں نتائج جلد سامنے نہیں آتے۔ اس حقیقت کے باوجود ہم انسان کی تعمیر سے متعلق جتنے پروگرام شروع کرتے ہیں، ان کے بارے میں اس رجحان فکر سے اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتے اور یہی وجہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے معاملے میں بھی قدم قدم پر ہمیں یہ بے صبری نظر آتی ہے۔ چنانچہ ٹھک صاحب ہوں یا ہم میں سے کوئی اور شخص جس کے دل میں قوم کی تعمیر و ترقی کی تمنا جوش زن ہے، اگر وہ سوشل ایجوکیشن کے نتائج ٹھوس شکل میں دیکھنے کے لئے بے صبری کا اظہار کرتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

سماجی تبدیلی میں حصہ لینے کے لئے عوام کی رہنمائی کرنے کا کام جو دراصل سوشل ایجوکیشن کا کام ہے اُس کا مطالبہ سیاسی پارٹیوں سے کرنا نہ دنیا کے کسی ملک کے لئے نئی بات ہے نہ ہندوستان کے لئے، گاندھی جی کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ اسی کام میں صرف ہوا ہے، لیکن موجودہ حالات میں یہ مطالبہ کرنے سے پہلے دائیں بائیں آگے پیچھے دور دور تک دیکھ لینا ضروری ہے۔ ٹھک جی نے جس بات کو اپنے اس خیال کی بنیاد بنایا ہے، وہی دراصل ان کے خیال کی مخالف بھی ہے۔ پہلے حصول آزادی کے لئے لوگ قربانیاں کرتے تھے۔ آج کون سی سیاسی پارٹی ہے جو سماجی تبدیلی کے لئے کام کرنے کے معاملے میں قربانی کرنے کو تیار ہے؟ کہا گیا ہے کہ "پارٹیوں کی اس دوڑ کا مقصد عوام کی سیوا کرنا ہے، ان کے اوپر حکومت کرنا نہیں"۔ کیا بھوکے سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ برسوں کی بھوک کو مٹانے کے لئے نہیں لپکے گا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس کے امکانات بھی قریب ہوں؟

خواندگی کے مختلف طریقے

فروری ۱۹۶۳ء کے شمارے میں خواندگی کے ہیتھک مینتھڈ کا تعارف پیش کیا گیا تھا۔ زیر نظر شمارے میں ہم حیات اللہ انصاری صاحب (ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ) کے طریقۂ تعلیم کا تعارف دے رہے ہیں جسے "پکچر ورڈ میتھڈ" کہتے ہیں اور جو عُرف عام میں "دس دن میں ہندی" کے نام سے مشہور ہے۔

—— ایڈیٹر

دس دن میں ہندی

حیات اللہ انصاری صاحب

حیات اللہ انصاری صاحب قومی سیاست اور اردو ادب کے ایک ممتاز فرد کی حیثیت سے کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں ہیں وہ لکھنؤ کے مشہور قوم پرست اُردو اخبار روزنامہ "قومی آواز" کے ایڈیٹر اور یو پی کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ایک باا ثر ممبر ہیں۔ اردو ادب میں وہ افسانہ نگار کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ان کے افسانوں کے مجموعے "انوکھی مصیبت" اور "بھرے بازار میں" شائع ہو کر اُردو کے ادیبوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں

بالغوں کی تعلیم خصوصاً "خواندگی" کے میدان میں بھی حیات اللہ صاحب کا مقام اونچا ہے۔ اس میدان میں انھوں نے سب سے پہلے ان پڑھ بالغوں کو اردو سکھانے کے طریقے پر تجربے کئے اور ایک عرصے کے مسلسل کام اور محنت کے بعد "دس دن میں اردو" کے نام سے ایک قاعدہ تصنیف کیا۔ اس قاعدے کو بڑی شُہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی چنانچہ اسی کامیابی سے حوصلہ پا کر انھوں نے ہندی کی طرف توجہ کی اور "دس دن میں ہندی" کے عنوان سے ہندی کی پرائمر تصنیف کی جو اس وقت

लाला

लाला ला
ला लाला

ताला
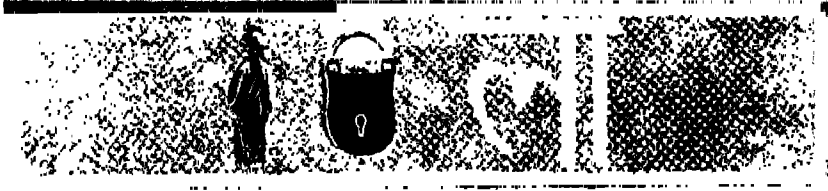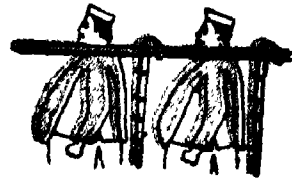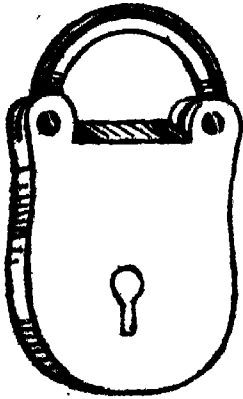
लाला ताला ला ।
ला लाला ताला ।
ताला लाला ला ।
लाला ला ताला ।
ताला ला लाला ।

ला ताला ला
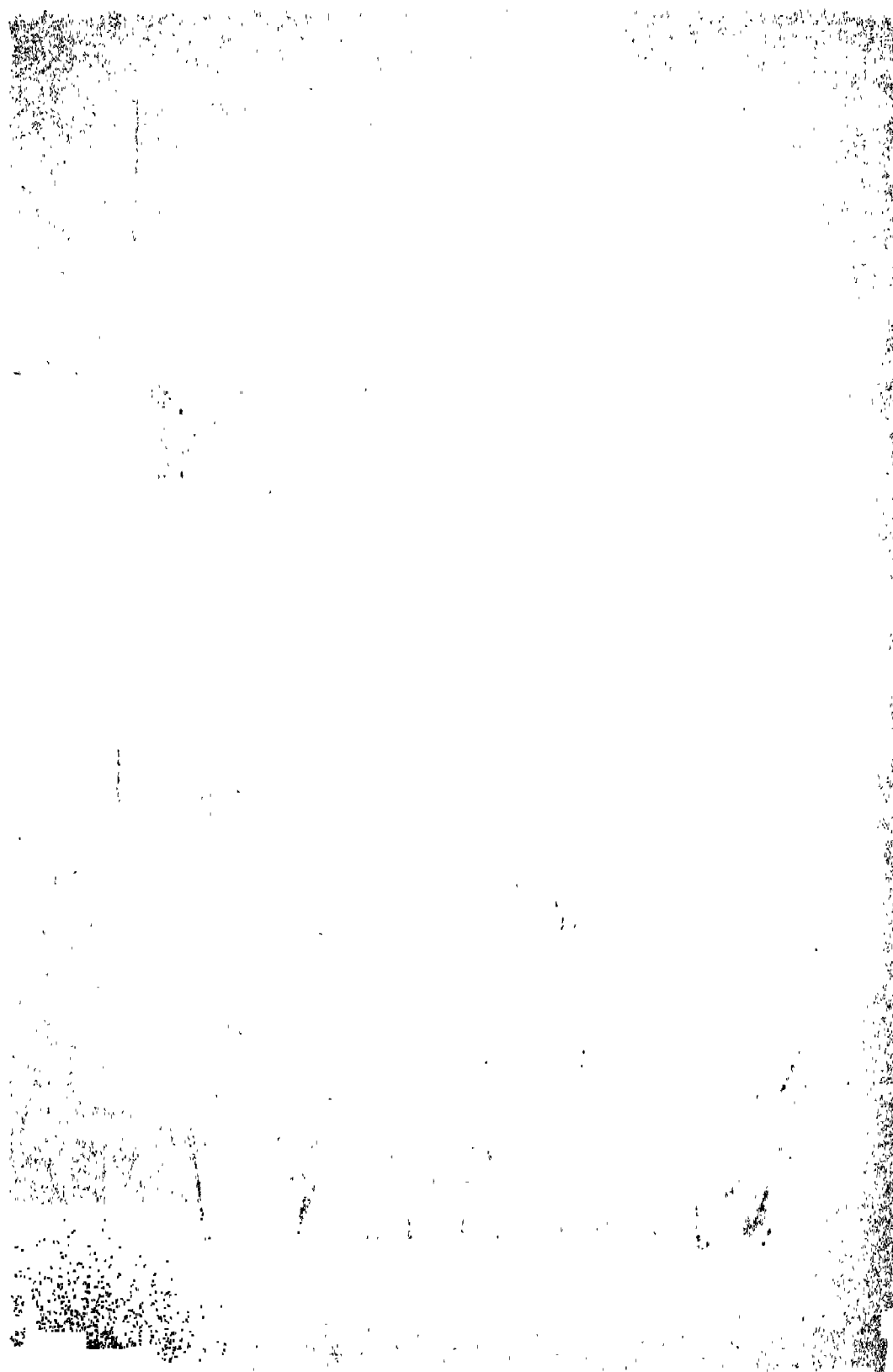
ہمارے سامنے ہے حکومت ہند نے جامعہ ملیہ کے ریسرچ ٹریننگ اینڈ پروڈکشن سنٹر کے توسط سے اس پرائمر کی افادیت کی جانچ بھی کرائی ہے جس کی رپورٹ زیر ترتیب ہے۔

اس پرائمر کے ذریعے دس دن میں ہندی سکھانے کی ایک شرط یہ رکھی گئی ہے کہ بالغ مبتدی روزانہ دو گھنٹے پڑھیں۔ عام طور پر بالغوں کی خواندگی کی کلاس گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ مدت کی نہیں ہوتی۔

میتھڈ کا تعارف

دس دن میں ہندی کے میتھڈ کی اصل بنیاد تعلیم کے مشہور اصول "معلوم سے نامعلوم کی طرف" کے اوپر ہے اور طریقہ تعلیم کی بنیاد لفظی طریقے (ورڈ میتھڈ) پر رکھی گئی ہے جس میں تعلیم کو با معنی بنانے کی غرض سے ابتداً حروف کی پہچان نہیں کرائی جاتی بلکہ بسم اللہ ایک یا ایک سے زیادہ با معنی اور عام بول چال کے الفاظ سے ہوتی ہے۔

"معلوم سے نامعلوم کی طرف" کا طریقۂ کار یہ ہے کہ لفظ جن حروف یا ٹکڑوں سے مل کر بنا ہے ان میں سے ایک حرف یا ٹکڑا طالب علم کو پہلے سے معلوم ہو۔ اس سے یہ ہوگا کہ جب طالب علم اس لفظ کو زبان سے ادا کرے گا تو چونکہ اس مرکب آواز کا ایک حصہ جانتا ہوگا اس لئے دوسرے ٹکڑے کو خود پہچان لے گا۔

تعلیم کے اس اصول پر زبانی بھی عمل ہو سکتا ہے، لیکن حیات اللہ صاحب نے سیکھنے کے عمل میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے سیکھے جانے والے حروف و الفاظ کو چیزوں کے ناموں سے مربوط کیا ہے اور ان ناموں کی تصویریں دی ہیں۔ تصویروں کا اہتمام اس حد تک ہے کہ جہاں کسی نام سے کام نہیں چلتا ہے وہاں حرکات کی تصویروں سے کام لیا ہے مثلاً "کاٹا"، "جلا"، "چلا"، "ناچا" وغیرہ۔ اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس طریقۂ خواندگی کو "پکچر ورڈ میتھڈ" (یا تصویر الفاظ کے طریقے) سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

خواندگی کے اس پرائمر میں اُس طریقے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جسے عام طور پر لاباخ میتھڈ کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی کسی ایسی چیز کی تصویر کا استعمال جس کا پہلا حرف اُس چیز کی شکل سے مشابہ ہو مبتدی کے سامنے پہلے وہ شکل رکھی جاتی ہے اور اس کے بعد اُس شکل کو اس نام کے پہلے حرف کی شکل میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے۔

لاباخ کے اس طریقۂ خواندگی پر ایک اعتراض یہ عائد ہوتا ہے کہ جس چیز کی تصویر مبتدی کے سامنے پیش کی جاتی ہے، اُس کے بارے میں اس کی کیا ضمانت ہے کہ مبتدی اُس چیز کا وہی نام بتائے گا جس کا پہلا حرف سکھائے جانے والے حرف سے مشابہ ہو، مثلاً سانپ کی تصویر ہے۔ کیا ضروری ہے کہ مبتدی اس تصویر کو دیکھ کر "کالا" ہی کہے، وہ اسے "سانپ" اور "ناگ"

بھی کہہ سکتا ہے! اس اعتراض کے باوجود ڈاکٹر لاباخ کا اصرار اسی بات پر ہے کہ تصویر کو دیکھ کر اس کا نام بتندی خود بتائے اور وہی نام بتائے جو اُستاد دیا جاتا ہے۔ حیات اللہ انصاری صاحب اس سے متفق نہیں معلوم ہوتے چنانچہ وہ اُستاد کو ہدایت نہیں دیتے کہ پرائمر پڑھانے سے پہلے تمام تصویروں کے نام بتندی کو بتا دئے جائیں تاکہ نام کی تبدیلی کا اندیشہ نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے پرائمر کے ٹائٹل کے پہلے اور چوتھے دونوں صفحوں میں تمام تصویریں جن سے پرائمر میں کام لیا جانا ہے چھاپ دی ہیں اور اُستاد کو ہدایت کی ہے کہ پرائمر شروع کرنے سے پہلے وہ خود طالب علموں کو ان تصویروں کے نام بتلا دے۔

مگر حرف کی شکل سے مشابہ چیزوں کی تصویروں کے اس لازمی طریقے کا استعمال زیر نظر پرائمر میں صرف چودہ حروف

ल، त، र، ज، अ، ब، क، ट، प، य، न، द، च اور ई تک

کیا گیا ہے اور اس استعمال میں یہ بھی ضروری نہیں سمجھا گیا ہے کہ سکھایا جانے والا لفظ پہلا ہی ہو۔ بلکہ اُسے لفظ کے دوسرے اور درمیانی مقام پر بھی رکھا گیا ہے اور غالباً کی بنیاد یہ ہے کہ سیکھنے کا عمل تو "معلوم سے نامعلوم کی طرف" کے اصول پر خود واقع ہوگا، تصویر کا منصب تو لفظ کے ٹکڑوں کو زبان سے ادا کرنے میں آسانی پیدا کرنا ہے۔

ایک اور خصوصیت اس پرائمر کی یہ ہے کہ مذکورہ بالا چودہ حروف کو سکھانے کے لئے "انھیں" T کی ماترا کے ساتھ پیش کیا گیا ہے یعنی اس کی پہچان صرف ल کی نہیں بلکہ ला کی شکل میں کرائی گئی ہے۔ مجرد حروف کی شکلوں کا تعارف بہت آگے یعنی پرائمر کا ایک تہائی حصہ ختم کرانے کے بعد کرایا گیا ہے۔ اس کے آگے "T" کی ماترا کے ساتھ حرف کی پہچان کرانے کے اُصول کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ اس طریقۂ کار کی مصلحت غالباً یہ ہے کہ "T" کی ماترا کے ساتھ حرف کا تعارف کرانے سے فوراً کے فوراً بامعنی الفاظ کے ساتھ ساتھ بامعنی فقروں کی ترکیب کا بھی امکان رہتا ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کو روز اول ہی سے "عبارت" پڑھ سکنے کا مسرت خیز احساس پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے اس کو آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے۔

پرائمر

حروف کا تعارف

ٹائٹل کے بعد پرائمر کے پہلے صفحے پر زبن کی تصویر ہے ...... پر دی گئی ہے) ایک لال پٹی کے اندر ایک شخص کی تصویر جسے "لالا" کا نام دیا گیا ہے اور ایک تالے کی تصویر دی گئی ہے اور آخر میں لفظ ला چھپا ہے۔ یہ گویا ابتدا ہے۔ اس شخص کا نام "لالا" مقرر کر دیا گیا ہے، تالا کی تصویر دیکھ کر بتندی یقیناً تالا ہی کہے گا (قفل بالعموم نہیں کہے گا)۔ اس پٹی کی تصویریں دیکھ کر ان پڑھ بتندی ताला लाला تک اپنی زبان سے ادا کرے گا۔ اس کے آگے جو لفظ ला ہے، وہ بتانا پڑے گا۔

یہ لفظ بتا دینے کے بعد مبتدی लाला ताला ला کہہ لے گا۔ یہی لفظ ला دراصل حروف اور الفاظ کے خزانے کی گویا کنجی ہے۔ حیات اللہ صاحب کے قول کے مطابق "اس (پرائمر) کا صرف پہلا لفظ ला اور جملہ ला लाला ला بتانے کی ضرورت ہوگی۔ دوسرے الفاظ وہ سابقہ لفظ کے پہچانے ہوئے ٹکڑے کی واقفیت اور دوسرے لفظ کی تصویر کی مدد سے خود سمجھ لیا کرے گا۔ مثلاً پہلے ہی صفحے پر دوسرا لفظ آتا ہے ताला جس کا آخر کا ٹکڑا یعنی ला طالب علم پہچانتا ہے اب 　 کو وہ تالے کی تصویر کی مدد سے خود سمجھے اور پہچان لے گا۔

اس کلیدی حرف ला کو پہچنوانے کے لئے مصنف نے بڑے اہتمام سے کام لیا ہے مثلاً لاباخی طریقے کا استعمال لالا کی تصویر ایسی بنوائی گئی ہے کہ کندھے پر پڑی ہوئی چادر کے دو لٹکے ہوئے سروں سے حرف ला کا پہلا اور تیسرا گھماؤ بن جاتا ہے۔ بیچ کی گھنڈی کے لئے لالا کے ہاتھ کا استعمال کیا گیا ہے، اور ان کی چھڑی سے ा کی ماترا کا کام لیا گیا ہے۔

دوسرا حرف جو سمجھانا مقصود ہے ता ہے۔ اس کی پہچان کرانے کے لئے کھلے ہوئے تالے کی شکل کی مدد لی گئی ہے اس طرح کہ تالے کی گولائی سے ता کا پہلا گھماؤ त بن جائے اور تالے کا کنڈا وہ کھڑی لکیر بن جائے جسے "پائی" کہتے ہیں اور جو ہندی کے بیس حروف میں ان کے لازمی جزو کے طور پر لگائی جاتی ہے۔

دوسرے صفحے پر شروع میں لفظ तारा لکھا ہے، اس کے بعد سیاہ زمین پر سفید رنگ میں ایک تارا بنا ہوا ہے۔ اس سے آگے جو تصویر بنی ہے وہ بھی پانچ کونوں والے تارے کی ہے لیکن اس کے بیچ میں ता لکھ کر اس کے داہنے پہلو کو रा بنا دیا گیا ہے اور آگے ा کی ماترا لگا دی گئی ہے۔ تصویر کے اس اہتمام کے ساتھ وہی معلوم سے نامعلوم کی طرف کے اصولِ تعلیم کا سہارا لے کر रा کی پہچان کرائی گئی ہے، اس طرح کہ مبتدی اس لفظ کے ٹکڑے ता کو جانتا ہے اس لئے تصویر کی مدد سے دوسرا ٹکڑا रा خود پہچان لے گا۔

دوسرے نمبر پر اس صفحے میں "جالے" کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ مکڑی کے جالے سے ज کا نیچا والا حصہ بن جائے اور جس ٹہنی سے جالا لٹکا ہوا ہے اُس سے ज کی پائی بن جائے۔ پھر ला سے واقفیت اور جالے کی تصویر کی مدد سے طالب علم کو ा کی ماترا کے ساتھ حرف जा کی پہچان کرائی گئی ہے۔ تیسری تصویر تلوار کی شکل کے دو خمدار آروں کی ہے۔ تصویر سے پہلے لفظ आरा حسبِ معمول لکھ دیا گیا ہے۔ پھر دو آروں کو ملا کر حرف आ کے شروع کے تین شوشوں کا بیان کرایا گیا ہے، اور اس پر جو پائی لگی ہے اسے بھی دندانے دار بنایا گیا ہے گویا یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ आरा آروں ہی سے بن جاتا ہے جس میں دو خمدار اور ایک سیدھا آرا لگا ہوا ہے۔ اور پھر रा کی واقفیت سے आ کی پہچان۔

حروف کی پہچان کرانے میں اس لاباخی طریقے کا اہتمام کل چودہ حروف ला، ता، रा، जा، आ

باقی حروف جو ख ، क ، ट ، प ، य ، न ، द ، च اور ई میں کیا گیا ہے۔ تقریباً نصف پرائمر پڑھ لینے کے بعد آتے ہیں، ان کی پہچان کرانے میں صرف تصویر کا استعمال کیا گیا ہے، اُس کا سکھائے جانے والے حروف سے مشابہ ہونا پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ البتہ یہ اہتمام ضرور ہے کہ جس لفظ کے ذریعے مطلوبہ حرف کی پہچان کرائی ہے، اُسے اُس کی تصویر کے پاس لال رنگ میں چھاپا گیا ہے۔

ماترا کا تعارف

"ा" کی ماترا کا گیان تو پرائمر کے پہلے صفحے ہی پر کرا دیا گیا ہے جس کے لئے لالاجی کی چھڑی سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کی ماترائیں پرائمر کا ایک چوتھائی حصّہ پڑھا دینے کے بعد آتی ہے۔ ी کی ماترا سمجھانے کے لئے پانی کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ ایک گلاس میں جگ سے پانی انڈیلا جا رہا ہے۔ اس طرح جگ کی خمدار گردن پانی کی دھار اور گلاس سے جو خم بنتا ہے اسے تصویر ہی کی شکل میں पा ना کے لفظ میں ना کے اوپر رکھ دیا گیا ہے، اور पाना اور पानी کے تصویری فرق کو واضح کرکے ी کی ماترا اور اس کے اثر کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور پھر متعدد فقروں میں اس کی مشق کرائی گئی ہے۔

ماترائیں سمجھانے کے لئے تصویروں کا یہ اہتمام بھی صرف دو ماتراؤں ी اور े کے لئے کیا گیا ہے۔ باقی ماترائیں محض چیزوں کی تصویریں بنا کر اور پہلے سے پہچانے ہوئے ٹکڑے کی مدد سے سمجھائی گئی ہے۔

آدھے اور پورے حروف کا جوڑ

ہندی میں مشدد اور مجزوم الفاظ کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ جو حرف مشدد ہو اس کا نصف اور پھر اس سے ملا کر پورا حرف لکھتے ہیں جیسے गन्ना اور مجزوم الفاظ میں جس حرف پر جزم ہوتا ہے اُسے نصف لکھ کر اس کے بعد والے پورے حرف سے اسے ملا دیتے ہیں جیسے कन्दर ۔ اس قاعدے کا تعارف چونکہ پرائمر کے تقریباً آخری حصّے میں آتا ہے اس لئے اس کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں ہے، صرف تصویر بنا کر اُس کا نام سُرخ رنگ میں لکھ دیا گیا ہے اور پھر اس کی جُملوں میں خوب مشق کرائی گئی ہے۔

لال اور کالے رنگ کا استعمال پرائمر میں بڑے اہتمام سے کیا گیا ہے؛ لال رنگ کا استعمال تشدید اور جزم کے تعارف کے علاوہ ان حروف کے تعارف کے لئے بھی کیا گیا ہے جو مذکورہ بالا چودہ حروف کے علاوہ ہیں، مثلاً ह ، श्र ، स ، श غیر

"دس دن میں ہندی" کے مقصد کا یہ مختصر تعارف دینے کے بعد مناسب ہوگا کہ اس پرائمر کی خصوصیت اور سکھانے کے طریقے سے متعلق خود پرائمر کے مصنف حیات اللہ انصاری صاحب کا بیان پڑھ لیا جائے۔ حیات اللہ صاحب کا بیان ہے کہ

"یہ قاعدہ ایسا ہے کہ اس کو ایک ہوشیار طالب علم بلا اُستاد کے ختم کر سکتا ہے۔ اس کو صرف پہلا لفظ लाना اور

پہلا جملہ ला लाला ला بتلانے کی ضرورت ہوگی۔ लाला کے بعد آتا ہے ताला جس کے برابر ताला کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ طالب علم چونکہ ला پڑھ چکا ہے اس لئے وہ تصویر کی مدد سے ताला پڑھ لے گا۔ اس کے بعد آتا ہے तारा جس میں طالب علم ता پہچانتا ہے، اس وجہ سے وہ تصویر کی مدد سے तारा پڑھ لے گا۔ اسی طرح پورا قاعدہ ہے کہ جو بھی نیا لفظ آتا ہے، اس کے ایک ٹکڑے کو طالب علم جانتا ہے اور دوسرے کو تصویر کی مدد سے بوجھ سکتا ہے۔

"اس قاعدے کو ہر شخص پڑھا سکتا ہے۔ اُس کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ جو نیا لفظ آئے اُس کے نیچے دئے ہوئے جملوں کو پڑھوا اور لکھائی کی کتاب کی مدد سے لکھوا کر یاد کرا دے۔ پھر آگے کا سبق پڑھائے۔ اگر نیچے لکھی ہوئی باتوں پر عمل کیا جائے تو طالب علم کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔"

ا۔ تمثیل پر تصویریں بنی ہوئی ہیں اور ان کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے اُستاد طالب علم کو ان تصویروں کے نام بتا دے۔ (مگر ان کا پڑھنا نہ بتائے کہ یہ लाला ہے، یہ ताला ہے وغیرہ) تاکہ طالب علم پڑھتے وقت ان کو "آدمی" یا "قفل" نہ کہے۔ پھر ان میں جو جو لفظ طالب علم پڑھتا جائے، اُسے تمثیل پر بھی پڑھوا دیا جائے۔ اگر کبھی وہ ان پڑھی ہوئی میں سے کوئی چیز بھول جائے تو اس سے کہا جائے کہ "قاعدے کے تمثیل کو دیکھ کر بوجھو"۔

۲۔ طالب علم جب کسی لفظ کا کوئی ٹکڑا پڑھے تو اُسے جملے میں استعمال کرکے اس کی مشق کرا دی جائے۔ مثال کے طور پر جب रा پڑھ لے تو اُسے صرف रा یا तारा نہ یاد کرایا جائے بلکہ اُسے ला लाला तारा جیسے جملوں کی مدد سے یاد کرایا جائے۔

حروف اور الفاظ کے تاش اگر حروف اور الفاظ کے تاش (کارڈ) میسر ہو سکیں تو ان کی مدد سے ورنہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مختلف حروف اور الفاظ لکھ کر اُن کی مدد سے طالب علم سے الفاظ اور جملے بنوائے جائیں، مثلاً लाला ' बया ' ला बाजा राजा وغیرہ

لکھائی کی کتاب جو سبق بھی پڑھایا جائے اسے لکھائی کی کتاب پر لکھوایا ضرور جائے اور پھر سادی کاپی پر املا لکھوایا جائے۔ لکھائی کے اوپر بہت زیادہ زور دیا جانا چاہئے۔ طالب علم خواہ کتنا ہی خراب کیوں نہ لکھے اس سے لکھائی کی کتاب پر ہدایات کے مطابق الفاظ اور جملے اور سادی کاپی پر املا لکھوانے میں کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔

یہ قاعدہ چودہ سال کی محنت اور مسلسل تجربات کے بعد لکھا گیا ہے اور چھپنے کے بعد مختلف مقامات پر اس کے مظاہرے کئے جا چکے ہیں۔ ان مشاہدات سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس کے دعوے بے بنیاد نہیں ہیں۔

منصوبے جو پورے نہیں ہوئے

اس شمارے سے ہم ایک نئے سلسلۂ مضامین کی ابتدا کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان منصوبوں کا ذکر ہوگا جو شفیق صاحب مرحوم اور اُن کے ساتھیوں نے ان کی رہنمائی میں سوچے تھے مگر کچھ تو ادارے (ادارہ تعلیم و ترقی) کی مالی پریشانیاں اور کچھ کارکنوں کی مصروفیتیں یہ منصوبے "زیرِ غور" ہی کی حد تک رہ گئے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین کو اس سلسلۂ مضامین سے دلچسپی ہوگی۔

جنتا کالج: ایک مختصر خاکہ

ا۔ تنظیم

۱۔ مقصد۔ ملک کی بیشتر آبادی گاؤں میں بستی ہے۔ گاؤں کی آبادی کسی ملک کے لئے قوت اور حیات کا ذخیرہ سمجھی جاتی ہے۔ آزاد ریاست سے پہلے کے نظامِ حکومت نے غالباً اس مقصد سے کہ یہ چشمہ سوتا ہی رہے تو اچھا ہے اسے ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔

مگر آزاد ریاست جب تک اس چشمے کو نہیں کھولے گی، اس کا مستحکم اور پائدار بنیاد پر قائم ہونے کا خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔ شاید اسی احساس سے اس نے دیہات سدھار اور دیہات میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک چلا رکھی ہے، یونیسکو سیمنار جو ہندوستانی سرکار کی دعوت پر میسور میں منعقد ہوا تھا اس کے غور و بحث کا موضوع "رورل اڈلٹ ایجوکیشن" خالی از مصلحت نہیں تھا۔

اس تحریک کو کامیاب بنانے کی بہت سی تدبیریں سوچی اور اختیار کی جا رہی ہیں مثلاً "خواندگی کی مہم" (LITERACY COMPOIGN) سوشل ایجوکیشن کے منصوبے میں پھرتی کالشکا [illegible]

لیکن یہ سب ترکیبیں ادھوری رہیں گی جب تک بستی کے لوگوں کو اپنی تعلیم اور اپنے سدھار کے لئے خود ہاتھ پاؤں مارنے کا سبق نہیں دیا جائے گا۔ لیکن خود کفیلی کا یہ سبق دینے کے لئے بھی استاد درکار ہیں۔ لیڈر چاہئے ہوں گے، اور یہ اُستاد، یہ لیڈر ان ہی میں سے ہوں گے، ان کے اپنے لوگ ہوں گے، ان ہی کے ساتھ دن رات

اٹھنے بیٹھنے والے، رہنے سہنے والے ہوں گے تب کوئی بات بنے گی۔ اگر سوشل ایجوکیشن کے افسر اور کارکن دوسرے لوگ ہوں گے، اپنے کام کی تنخواہ لیں گے، اور تنخواہ لیں گے دوسروں سے، اس لئے یہ لوگ جن میں کام کریں گے ان کی طرف نہیں، بلکہ اپنا کام دکھانے اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے افسروں، تنخواہ دینے والوں کی طرف نظر رکھیں گے۔

یہ اُستاد، یہ لیڈر جو دیہاتوں کی زندگی میں رس بس جائیں، کہاں سے آئیں؟ اس بڑے مسئلے کو حل کرنے کے لئے جتنا کالجوں کی ضرورت ہے جہاں ہونے والے دیہاتی لیڈروں کی باضابطہ ٹریننگ ہوگی۔

اس خیال کا تجربہ کرنے کے لئے اس اسکیم پر ابھی چھوٹے پیمانے پر عمل کیا جائے گا۔ اس کا اصل روپ ایک بار تجربہ کرنے کے بعد اُبھرے گا۔

۲۔ جگہ:۔ یہ کالج کسی ایک تحصیل کے لئے مخصوص کیا جائے اور کسی ایسی جگہ ہو۔

(۱) جو بارہ پندرہ گاؤں کے علاقے کی مرکزی حیثیت رکھتی ہو۔

(۲) جہاں کوئی نہ کوئی اسکول ہو، بیسک اسکول ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

(۳) جہاں آس پاس طالب علموں اور دس بارہ آدمیوں کے اسٹاف کے رہنے کے لئے گنجائش نکل سکتی ہو۔

۳۔ طلبا کی تعداد اور عمر:۔ اس اسکیم پر چونکہ ابھی کام تجربے کے لئے کرنا ہوگا اس لئے کام کا دائرہ چھوٹے سے چھوٹا رکھنا چاہئے تاکہ تجربہ کے دوران میں آسانی ہو، اس کے ہر پہلو پر نظر رکھی جا سکے۔

یہ کالج چونکہ جیسا کہ مقصد کے ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے خود کفیلی (SELF HELP) کے پرچار کے لئے لیڈروں کی تربیت کی غرض سے قائم کئے جائیں گے اس لئے عمر کا اوسط ایسا ہونا چاہئے جس میں بالغ نظری کے ساتھ ساتھ کام کی طاقت اور حوصلہ بھی ہو اس لئے:۔

(۱) ابتدا ۲۵۔ ۳۰ طالب علموں سے کی جانی چاہئے جو علاقے کے گاؤں سے گاؤں پیچھے دو طالب علم کے حساب سے آسانی سے مل سکتے ہیں۔

(۲) داخلے کے لئے عمر کا معیار کم سے کم ۲۲ سال اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال ہو تو اچھا ہے۔

۴۔ زمانہ تعلیم:۔ جس زمانے میں جوتنے بونے اور سینچائی اور نرائی کا کام ہوتا ہے اس وقت کسان چاہے زمیندار کی حیثیت میں ہو یا زراعتی مزدور کی حیثیت میں، ضروری سے ضروری اور مفید سے مفید بات کے لئے وقت نہیں نکال سکتا، اس لئے کالج کا سشن ایسے زمانے میں رکھنا چاہئے جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہوتا ہے۔ سال میں عام طور پر

دو تین مہینے ایسے آتے ہیں جب کہ اسے کوئی کام نہیں ہوتا۔ شروع شروع میں ان دو تین مہینے کا سیشن ہونا چاہئے۔

ایک مرتبہ جب چھوٹے پیمانے پر یہ تجربہ کامیاب ہو جائے گا اور دیہاتیوں کو اس کا فائدہ معلوم ہو جائے گا تب گاؤں کے لوگ اپنے آپ کچھ لوگوں کو بڑی مدت کے لئے بھی کالج میں بھیجنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

۵ - کالج سکونتی (RESIDENTIAL) ہونا چاہئے۔

انسان کے دل و دماغ پر ماحول کا جو کچھ اور جیسا اثر پڑتا ہے وہ اب وضاحت کا محتاج نہیں ہے اور یہی نفسیاتی مسئلہ ہے جس کے ماتحت اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو سکونتی بنانے کا خیال تعلیم کے ماہروں کے یہاں عام ہو گیا ہے، یہ کالج اگر سکونتی نہ بنایا جائے گا تو اس میں جو کچھ ہوگا وہ طالب علموں کے لئے لکچر بازی اور میلے سے زیادہ کچھ اور حیثیت نہ رکھے گا۔

اس کے برعکس اگر ایک عرصے تک انھیں تعلیمی ماحول میں، اپنے استادوں اور ساتھیوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے ایک سوچے ہوئے نظام اوقات کے ماتحت رہنے کا موقع ملے گا تو وہ جو کچھ سنیں گے، دیکھیں گے، کریں گے، اس پر سوچنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ اور چونکہ مقررہ وقت تک انھیں اور کوئی کام نہیں ہوگا اس لئے یہ سوچنا ایک مسلسل اور تعلیمی ماحول سے مربوط اور مرتب فکر کا نتیجہ ہوگا۔ ظاہر ہے مربوط اور مرتب فکر کا نتیجہ بہت تعمیری ہوتا ہے۔

اس لئے اس کالج کا سکونتی RESIDENTIAL ہونا ضروری ہے تاکہ ایک مدت تک طلبا کو ایک ساتھ رہنے سہنے کھانے پینے، پڑھنے لکھنے اور سوچنے بچارنے کا موقع ملے۔

۶ - مالی پہلو:- تعلیم اور قیام کی فیس وغیرہ

"اپنی مدد آپ" کا اصول سوشل ایجوکیشن میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کالج کی مالیات کے پیچھے اسی اصول کی کارفرمائی ہونی چاہئے۔ اور یہ خیال نیا نہیں ہے بلکہ بہت پرانا ہے اور گاندھی جی نے آشرموں، کانگریس کے اجلاسوں اور ٹریننگ کیمپوں میں اس تجربہ پر بہت زور دیا ہے۔

ہونا یہ چاہئے کہ طالب علموں سے تعلیم اور بورڈنگ کی فیس زیادہ تر جنس کی صورت میں لی جائے، اگر کچھ نقد بھی ہو سکے تو اچھا ہے۔ لیکن دیہات کا کسان نقد کے نام سے ایک روپئے کو بھی گراں محسوس کرتا ہے، جنس کی شکل میں اس سے سیروں غلہ لے لیجئے تو وہ بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔

کھانے پینے کے لئے عام طور پر غلہ، گھی، تیل، گڑ، ایندھن اور تھوڑے سے نمک مرچ کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیشن کی مدت میں فی کس خرچ کا حساب پھیلا کر جو اوسط آئے اس سے کچھ زیادہ مقدار میں بھی چیزیں طالب علم سے فیس کے طور پر لی جائیں۔ یہی کچھ زیادہ والا حصہ نقد کی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس سے تعلیم کے سلسلے کے دوسرے خرچ نکل سکتے ہیں۔

مگر ہو سکتا ہے خرچ کے معاملے میں پہلے پہل کچھ دشواریاں پیش آئیں انھیں سرکاری روپئے سے دور کیا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر جب کہ ایک کورس کامیاب ہو جائے گا، تو اس کے بعد دیہاتی بے کھٹکے سارا خرچ اٹھانے کو تیار ہو جائیں گے، اور اپنے کالج کو آپ چلانے لگیں گے۔

۲۔ نصاب تعلیم

پہلا حصّہ

۱۔ پڑھنے لکھنے کی قابلیت اور مشق۔

کالج میں جو طالب علم آئیں گے وہ کالج سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے گاؤں میں ترقّی اور سدھار کے کام میں اپنی زندگی اور خیالات میں دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ ہوں گے اس لئے اس میں پڑھنے لکھنے کی استعداد گاؤں کی عام سطح سے اونچی ہونی چاہیے۔ کالج میں ابتدا سے خواندگی کا کام ہونا چاہئے بلکہ خواندگی کی سطح اونچا کرنا ہوگا۔ اس کام کے لئے ادارہ تعلیم و ترقّی جامعہ کے کتب خانہ تعلیم و ترقی کی کتابیں جو (POST-LITERACY-READING) کے اصول پر ترتیب دی گئی ہیں کارآمد ہوں گی۔

۲۔ معلومات عامہ:۔

اس سکشن کے دو رخ ہوں گے، ایک کے ذریعے طالب کے ذہن میں ہندوستان کی موجودہ کیفیت بٹھائی جائے گی اور اسے بتایا جائے گا کہ ملک کا ہر حیثیت سے پیچھے رہنا اس کی قسمت میں لکھا نہیں گیا ہے بلکہ اس کی وجہ خارجی اسباب ہیں یوں اس کے اندر وہ تمام امکانات اور اوصاف موجود ہیں جو کسی ملک کو اونچا اٹھانے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

اس پہلو کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ طالب علم یہ سمجھ لے کہ اس کا ملک اب کیا کچھ ہے۔ اس کے دوسرے پہلو کا موضوع یہ ہونا چاہئے کہ اگر صحیح طریقے پر کام ہو تو "اس کا ملک" کیا کچھ ہو سکتا ہے۔

ان دو پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس سلسلے میں موضوعات کی فہرست یہ ہونی چاہئے۔

ا۔ حالات

(۱) ہندوستان کی جغرافی حالت
(۲) اس کا تاریخی پس منظر
(۳) اس کی معاشی حالت
(۴) اس کی سیاسی تاریخ
(۵) اس کی سماجی پستی
(۶) اس کی ترقی پر محکومی کے اثرات

۲۔ دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے حالات بالخصوص :۔
(۱) روس (۲) امریکہ (۳) انگلستان (۴) جاپان (۵) جرمنی (۶) ڈنمارک
(۷) ناروے اور سوئڈن

اوّل الذکر پہلو کے سلسلے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے

(۱) GLIMPSES OF WORLD HISTORY BY NEHRU

(۲) INDIA DIVIDED BY DR. PRASAD

(۳) DISCOVERY OF INDIA BY NEHRU.

اس کے علاوہ حسب ذیل موضوع بھی شریک نصاب کئے جانے چاہئیں، اس لئے کہ یہ بھی نظر اور معلومات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

(۱) بین الاقوامی سیاست میں ہندوستان کی پالیسی اور ایشیا میں اس کا درجہ۔ (۲) جنرل سائنس
(۳) صحت اور صفائی (۴) اصول غذا اور غذائیات (۵) آرٹ یا کلا

ان مضامین کی تعلیم میں لکچروں، درسی حلقوں اور فورموں کے طریقے تو برتے ہی جائیں گے، مگر (VISUAL AID) کا سہارا لینا بھی ضروری ہوگا

لکچر اور فورم میں تقریروں کی زبان اور اسلوب کا سہل، براہ راست اور سادہ ہونا بہت ضروری ہے بلکہ ممکن ہو تو طلباء کی روزمرہ کی زبان استعمال کی جائے

دوسرا حصّہ

مفید مطلب معلومات

دیہات سدھار کے کام کی اہمیت اور ضرورت کا ملک کی حکومت کو زبردست احساس ہے، اور اس کے مختلف پہلوؤں

کے لئے اس کی طرف سے ایک دو نہیں، دسیوں محکمے قائم ہیں اور ان پر ہر سال لاکھوں روپے کا سرمایہ اور ہزاروں کارکنوں اور افسروں کی محنت صرف ہوتی ہے۔ کیا کچھ نہیں ہے۔ شہری حقوق کی حفاظت کے لئے پولیس کا محکمہ، تہذیب و تمدن کی ترویج کے لئے تعلیم کا محکمہ، کھیتی باڑی میں ترقی کرنے کے لئے زراعت کا محکمہ اور اس کے ماتحت اچھی کھاد اور اچھے بیج فراہم کرنے کی ایجنسیاں مویشیوں کی نسل میں اصلاح کرنے کے لئے نسل کشی (ANIMAL HUSBANDRY DEPARTMENT) کا محکمہ، پیداوار نکاسی اور کھپت کے لئے مارکیٹنگ کا محکمہ، سنچائی کا محکمہ، دیہی معیشت کو فروغ دینے کے لئے COOPERATIVE MOVEMENT) حفظانِ صحت اور اس کے ماتحت کام کرنے کے لئے دوسرے محکمے، غرض دیہات کے سدھار کے لئے محکموں کی کمی نہیں ہے۔

مگر ان تمام کوششوں کے باوجود گاؤں کی حالت جہاں ان محکموں کے کھلنے سے پہلے تھی وہیں اب بھی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حالات کا جائزہ لینے سے اس کی جو سب سے بڑی وجہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) دیہات والوں کو خود اپنی ضرورتوں کا علم نہیں ہے۔ وہ اگر دبے ہوئے ہیں تو دبے ہوئے رہنے کو اپنی قسمت کا لکھا سمجھتے ہیں اور اس عقیدے کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اس حالت سے نکالنے کا ذکر آجاتا ہے تو انہیں حیرت ہوتی ہے۔ وہ تعجب سے کہتے ہیں "قسمت کے لکھے کو کوئی کیسے مٹائے گا؟" اگر ان پڑھ ہیں اور پکی عمر میں پڑھائی کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں "جب بچپن اور جوانی میں نہیں پڑھ سکے تو اب کس طرح پڑھ سکتے ہیں؟" غرض پرانی ڈگر سے ہٹ کر نئی راہ پر لگنے کا نہ انھیں علم ہے نہ یقین۔

(۲) جو لوگ سدھار کے کاموں پر مامور ہیں وہ اوّل تو انگریزوں کے زمانے کے دفتر شاہی طریقے کے جال میں پھنسے رہتے ہیں جس کا عمل یہ رہا ہے اور اب تک ہے کہ کام ہو یا نہ ہو ترقی ضرور ہو۔ کام کے معاملے میں بعض اوقات یہ کیفیت دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے دیہاتوں میں دورہ کرنے، دیہاتیوں سے ملنے جلنے، جلسے اور سبھائیں کرنے یہاں تک کہ طالب علموں کی تعداد اور حاضری کے اوسط کی بھی رپورٹیں تصنیف کر کے آگے بھیج دی جاتی ہیں۔

دوسرے ان کے دماغ کچھ اس طریقے پر سوچتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس جائیں تو وہ کچھ بتائیں یا دیں۔ انھیں گھر گھر، بستی بستی گھومنے، ان کی ضرورتیں معلوم کرنے اور ان کا حل بتانے کے چکّر میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اُن کے سامنے یہ اصول رہتا ہے کہ "پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔" حالانکہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ پیاسا تو پیاس کے مارے مرجانے پر قناعت کئے بیٹھا ہے۔ پھر کنوؤں نے اپنے آپ کو ان سے اس قدر دور کر رکھا ہے کہ ان تک پہنچنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہونا یہ چاہئے کہ کنواں اپنی فیض رسانی کے جوش میں چھلک کر منڈیروں سے اوپر آجائے اور نشکل بندوں کو توڑتا ہوا پیاسے کے گھر تک پہنچ جائے۔

جنتا کالج کے نصاب تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ ہوگا کہ اس کے ذریعے :-

(۱) دیہاتیوں میں اپنے سدھار کے سلسلے میں ضرورتوں کا احساس پیدا ہو اور ان کی تکمیل کے لئے وسائل اور ذرائع کی تلاش کی عادت پڑے۔

(۲) اس تلاش کے دوران میں وہ جو کچھ دیکھیں، سنیں، پائیں، اسے اپنی زندگی میں برتنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔

(۳) اپنی ضرورت کو سمجھانے اور دوسروں سے ان کے حل کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ یہی دراصل تعلیم کا منصب ہے جنتا کالج نے اگر اپنا یہ منصب بھی بجانب پورا کر دیا ہے تو سدھار کے سلسلے میں کام کرنے والے محکموں کا دماغی فراہم بھی بدل جائےگا اور فرض کی انجام دہی سے بھاگنا بھی چاہیں گے تو نہ بھاگ سکیں گے۔

نصاب کے اس حصے کے سلسلے میں حسب ذیل موضوع رکھے جا سکتے ہیں:-

(۱) زراعت کے موجودہ طریقے اور ان کا سدھار

(۲) اچھی کھاد کی اہمیت اور اس کے استعمال کے طریقے

(۳) اچھے بیج، اہمیت، فراہمی کے ذرائع اور ان کی حفاظت

(۴) اچھے مویشی: ان کا افادہ اور ان کی نسل کی اصلاح

(۵) غلے کی حفاظت اور اس کے طریقے

(۶) پیداوار کی کھپت کے لئے بازار اور منڈی۔ اصول اور طریقے۔

(۷) امداد باہمی: اصول اور طریقے (۸) دیہاتی پنچایتیں (۹) تعلیم:- بچوں کی تعلیم، والدین کی تعلیم (۱۰) شہری حقوق اور ان کی حفاظت، پولیس کی ضرورت اور ان سے کام لینا (۱۱) حفظان صحت: صحت و صفائی اہمیت، اس کے اصول اور طریقے۔ (۱۲) دیہات سدھار کی دوسری اسکیمیں۔

ان موضوعات پر معلومات دینے کے سلسلے میں دیہات سدھار کے محکموں کے افسروں اور کارکنوں کو اپنے ساتھ ملانا کالج کے لئے ضروری ہوگا، یہ اشتراک جس صورت سے بھی ممکن ہو ——— قانونی پابندی کے ذریعے یا باہمی تعاون کی اخلاقی پابندی کے زیر اثر ——— کالج کے سیشن کے دوران میں نظام اوقات کی پابندی کے ساتھ آئیں اور ——— ان باتوں کے سلسلے میں وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ نہایت صفائی کے ساتھ کالج کے طلبا کو بتائیں ان کی مشکلوں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور ان کا انہیں حل بتائیں۔

تیسرا حصّہ
مفید مشغلے

سات آٹھ ہفتے کی یہ مدت صرف سیکھنے کے لئے مقید ہوگی اور طالب علم کو اپنے دماغ کو ہر طرف سے ہٹا کر اور ہر قسم کے افکار سے بچا کر سکون کے ماحول میں رہنے کا موقع ملے گا۔ طالب علمی کے زمانے میں جہاں ایک نظام اوقات کی پابندی ہوگی وہاں فرصت کے اوقات بھی ملیں گے انہی اوقات کو کام میں لاکر اگر وہ کوئی مفید اور نتیجہ بخش کام یا مشغلہ اختیار کرلے اور اس بہانے کوئی چھوٹا موٹا فن سیکھ جائے تو وہ جتنا کالج سے اگر کورا بھی نکلے گا تو کم سے کم اتنا تو ہوگا کہ "چلو ہمیں ڈیڑھ دو مہینے اکارت تو گئے مگر کمائی کا ایک ذریعہ ہاتھ آگیا یہی کیا کم ہے!"

کالج اگر جا ہے تو اس کے لئے کلاسیں لگوا سکتا ہے لیکن اگر باقاعدہ کلاسیں نہ ہوں تو ان کے لئے اس کا کم سے کم ماحول ضرور ہونا چاہیئے، جو اساتذہ کی ہم نشینی، میوزیم، کتب خانے وغیرہ سے بن سکتا ہے۔

حسب ذیل مشغلوں میں مشق بہم پہنچائی جاسکتی ہے:۔

(۱) تکلی اور چرخے سے سوت کاتنا، روئی دھنکنا، پونیاں بنانا۔ (۲) کوئی مقامی گھریلو صنعت اور اس میں ترقی کی راہیں۔ (۳) مرغی پالنا، شہد کی مکھی پالنا (۴) مٹی اور کاغذ کے کھلونے بنانا۔ (۵) بانس اور جھاؤ کی ٹوکریاں بنانا (۶) موم بتیاں اور صابن بنانا۔

چوتھا حصّہ
تفریحات اور کھیل

ترقی یافتہ سماج میں تفریحات کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ سب پر ظاہر ہے۔ جن ملکوں نے ترقی حاصل کرلی ہے ان کے یہاں بچے اور جوان ہی نہیں، ساٹھ ساٹھ ستر ستر سال کے بوڑھے بھی اپنے مقررہ وقتوں میں کھیلتے ہیں، دل بہلاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ یہاں ہمارا یہ حال ہے کہ بوڑھا تو خیر بوڑھا ہے اگر بچہ اور نوجوان بھی ذرا شوخی کرتا ہے تو اس کے اوپر تیز تیز نظریں پڑنے لگتی ہیں۔

ملک کی تعمیر نو میں ترقی کی دوسری راہوں کے دوش بدوش تفریح اور دل بہلاؤ کی اہمیت بھی نظر رہنی چاہیئے۔ کالج میں ملکہ نصاب کے اس حصّے پر بھی اسی طرح توجہ دینی ہوگی جس طرح حصّہ اوّل اور حصّہ دوم پر۔ یہ تجویز یہاں پر نامناسب نہ ہوگی کہ تفریحات اور کھیل کی اہمیت کو طلبا کے ذہن نشین کرنے کی غرض سے پرنسپل، ڈائرکٹر اور دوسرے اُستاذ بھی پابندی اور دلچسپی کے ساتھ ان کھیلوں اور تفریحات میں حصّہ لیں۔

اس سلسلے میں حسب ذیل چیزیں شریک نصاب کی جاسکتی ہیں:

(۱) صبح کی ورزش

(۲) میدانی کھیل جیسے کبڈی، فٹ بال، گلی ڈنڈا، والی بال

(۳) فرشی اور ورزشی کھیل جیسے شطرنج، سولہ گوٹ، کیرم وغیرہ

(۴) ناٹک، گانا بجانا، سوانگ اور نقلیں۔

کالج کا اسٹاف

کالج میں تعلیم کے نظری پہلو سے اس کا عملی پہلو زیادہ اہم ہوگا۔ نئی تعلیم میں اب یہ اصول وضاحت کا محتاج نہیں رہا ہے کہ سیکھنے والا دیکھ اور سن کر اتنا نہیں سیکھتا جتنا "کرکے" سیکھتا ہے۔ بنیادی تعلیمی اسکیم کی ساری عمارت اسی اصول کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہے اور یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن نے اپنی سفارشات میں تعلیم کی تمام منزلوں میں اسی اصول کو بنیاد بنانے پر زور دیا ہے۔

کالج میں ایسے کام جو کھانا پکانے، صفائی کرنے، کپڑے دھونے اور بورڈنگ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں، طلبا اور اُستاد خود کریں گے ان کے لئے کسی اسٹاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔

لکچر دینے والے اور مظاہرہ کرنے والے بھی یا تو رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات انجام دیں گے یا ان میں سے چند کے ساتھ لکچروں کی تعداد کے حساب سے ٹھیکہ کرنا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود کالج کے سیشن تک چند آدمیوں کی مستقل خدمات کی ضرورت ہوگی مثلاً

(۱) کالج کے تمام کاموں کی رہنمائی اور دیکھ بھال کے لئے ایک ڈائرکٹر۔

(۲) نصاب وغیرہ مرتب کرنے اور تفصیلات کی خاکہ بندی کرنے کے لئے ایک پرنسپل۔

(۳) ایک ٹائپسٹ کلرک

(۴) کلچرل اور ورزشی پروگراموں کو ترتیب دینے اور چلانے کے لئے ایک فزیکل کلچرسٹ۔

(۵) ایک سائکلسٹ چپراسی

ان سب لوگوں اور کم سے کم دیہات سدھار کے محکموں کے افسروں اور کارکنوں کا کالج کے پورے سیشن تک کالج میں رہنا ضروری ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ ایکٹ

اور

ذیلی قواعد و ضوابط

تعلیم و ترقی کے پچھلے شماروں میں ہم "اڈلٹ ایجوکیشن کی تنظیم"[5] کے عنوان سے تنظیم کے طریقے کی چند تجویزیں پیش کر چکے ہیں جو مختصراً یہ تھیں کہ پنچایت سمتیوں کو اپنے ماتحت اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ بنانے کا قانونی اختیار دے کر اڈلٹ یا سوشل ایجوکیشن کا تمام تر کام انھی بورڈوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس قانون کی ایک دوسری شکل یہ تجویز کی گئی تھی کہ اگر الگ سے اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ ایکٹ بنانے میں کوئی قباحت ہو تو پنچایت ایکٹ ہی کے اندر ایک باب اس مضمون کا ہو کہ پنچایت سمتیاں اپنے ماتحت اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ بنائیں گی اور اڈلٹ اور سوشل ایجوکیشن کے سلسلے کے تمام کام اسی بورڈ کے توسط سے انجام پائیں گے۔

زیر نظر مضمون میں مصنف نے اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ کے ایکٹ کا ایک خاکہ پیش کیا ہے اگلے شمارے میں دبشرط موقع ان قواعد و ضوابط کا ایک خاکہ پیش کیا جائے گا جن کی بنیاد پر بورڈ اڈلٹ ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کا کام کرے گا۔

—— ایڈیٹر

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ ایکٹ

کسی قانون ساز جماعت جیسے پارلیمنٹ یا اسٹیٹ اسمبلی میں جو ایکٹ بنتے ہیں، وہ بجائے خود بہت طویل طویل نہیں

---

[5] اس عنوان کے سلسلے کے مضامین کے لئے ماہنامہ تعلیم و ترقی کے جلد ۱۲ شمارہ ۵ مئی ۱۹۶۱ء

ہوتے بلکہ ایک مخصوص قانونی زبان میں قانون کے موضوع سے متعلق اس جماعت کا منشا ظاہر کرتے ہیں جس کی حیثیت مالک کے حکم کی ہوتی ہے۔ اصل چیز اس قانون کی رُو سے ہونے والے کام کی وہ تفصیلات ہوتی ہیں جنھیں طے کرنے کا وہ قانون کسی شخص یا عموماً کسی انجمن کو اختیار دیتا ہے اور جنھیں اس قانون کے ذیلی قواعد وضوابط کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانون ساز جماعت اس قواعد وضوابط کی بھی خود ہی تصدیق کرتی ہے۔ اس لئے اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ ایکٹ۔ یا پنچایت ایکٹ میں اس مضمون کا ایک باب ہو، اس کا مسودہ زیادہ طول طویل نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی عبارت حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ قانون کی ضرورت (پری ایمبل)

اس باب میں اس قانون کی ضرورت واضح کی جائے گی جس کا مضمون کم وبیش یہ ہوگا کہ

۱۔ بالغ عوام کی تعلیم وتربیت کا کام اگرچہ حکومت کی ذمّے داری ہے لیکن اس کی انجام دہی اچھے ڈھنگ پر اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ خود عوام کے اپنے ہاتھ میں ہو مگر چونکہ عوام کے نمایندہ ہونے کے رشتے سے ذمّہ داری حکومت کی ہے اس لئے وہ عوام کو اس کام کے لئے مالی اور فنّی اعتبار سے سہارا دے کر اپنی اس ذمّے داری کو پورا کرنا چاہتی ہے اس اعتبار سے ضرورت ہے کہ اس کام کو عوام کے چنے ہوئے نمایندوں کے ایک بورڈ کے سپرد کردیا جائے اور اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اس مقصد کے لئے بنے ہوئے قواعد وضوابط کے مطابق عوام کی تعلیم کی خدمات انجام دے۔ اور

۲۔ چونکہ اس کام کو انجام دینے کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوگی اس لئے حکومت اپنے بھالانہ میزانئے میں اس قانون کے تحت بنے ہوئے بورڈوں کے لئے رقم کی گنجائش رکھے گی۔

۳۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر پنچایت سمتی ایک اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ بنائے گی جس کا دستور حسب ذیل ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ کا دستور

۱۔ اس بورڈ کا نام اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ . . . . (پنچایت سمتی کے علاقے کا نام) ہوگا۔

۲۔ اس بورڈ کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے

(الف) پنچایت سمتی (علاقے کا نام) کے بالغ عوام کی تعلیمی خدمات انجام دینا

(ب) اس خدمت کو انجام دینے والے افراد اور اداروں کے سیمنار اور کانفرنسیں منعقد کرنا اور اُستادوں اور کارکنوں کی ٹریننگ کا انتظام کرنا۔

(ج) بالغوں کی تعلیم کو فروغ دینے اور افراد اور عوام کے اداروں کو اس کام پر آمادہ کرنے کی غرض سے تبلیغی ادب تیار کرنا اور اس کی اشاعت کرنا۔

۳۔ اس بورڈ کی تشکیل حسب ذیل طریقے پر ہوگی۔

(ا) گرام پنچایتوں کے نمایندے جو کم سے کم پانچ ہزار اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار کی آبادی پر ایک کے حساب سے منتخب ہو کر آئیں گے۔ ان نمایندوں کا انتخاب پنچایت سمتی کے اہتمام اور نگرانی میں ہوگا جو انتخاب کے حلقے مقرر کرنے میں اس بات کا خیال رکھے گی کہ پانچ یا سات ہزار کی آبادی کی اِکائی ایسے گاؤں کو ملا کر بنے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔

(اا) پنچایت سمتی کے نمایندے　۲　(ان نمایندوں کا انتخاب پنچایت سمتی خود اپنے ممبروں میں سے کرے گی)

(ااا) پنچایت سمتی کے علاقے میں کام کرنے والے سماج سیوی اداروں کے نمایندے

(iv) عوام کی تعلیم کے ماہرین　۲　(جنھیں ضلعے کا سوشل ایجوکیشن آفیسر نامزد کرے گا)

۴۔ اس بورڈ کے عہدہ دار حسب ذیل ہوں گے:

(ا) صدر — پنچایت سمتی کا صدر اپنے منصب کے لحاظ سے بورڈ کا صدر ہوگا۔

(اا) سکریٹری — اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ کا اعلیٰ انتظامی افسر جو اس کا تنخواہ دار ملازم ہوگا، اپنے منصب کے لحاظ سے بورڈ کا سکریٹری ہوگا لیکن اسے رائے دینے کا حق نہیں ہوگا اگرچہ وہ بورڈ کے جلسوں میں باقاعدہ شرکت کرے گا اور زیر غور معاملات پر اظہار خیال کر سکے گا۔

(ااا) خازن — اس عہدے کے لئے بورڈ اپنے ممبروں میں سے تین آدمیوں کا انتخاب کرکے فہرست صدر کے پاس بھیجے گا جس میں وہ (صدر) اپنی مرضی کے مطابق ایک شخص کو منتخب کرے گا یہی شخص بورڈ کا خازن ہوگا۔

نوٹ (ا) سکریٹری اور خازن اپنے فرائض کی انجام دہی میں مدد لینے کی غرض سے ضرورت کے مطابق عملہ رکھیں گے۔

(اا) بورڈ کا جو کچھ بھی سرمایہ ہوگا وہ سب خازن کی تحویل میں رہے گا جسے وہ منظور شدہ میزانئے کے مطابق خرچ کرے گا۔

(ااا) سکریٹری اور خازن ایک دوسرے سے مل کر سال بھر کے کام کا نقشہ اور بجٹ تیار کریں گے اور اسے بورڈ کی منظوری کے لئے پیش کریں گے۔

۵۔ بورڈ کے عام معاملات جیسے جلسوں کے انعقاد، کورم، فیصلہ، نوٹس، عدم اعتماد وغیرہ کے باب میں انھی قواعد وضوابط پر عمل ہوگا جو پنچایت سمتی کے لئے نافذ ہوں گے۔

۶۔ بالغ عوام کی تعلیم کا کام جو بورڈ کا خصوصی مقصد ہے، بورڈ ان قواعد وضوابط کے مطابق جو اس سلسلے میں وضع کئے جائیں گے، عوام کے نمائندوں اور اداروں کے توسط سے انجام دے گا لیکن موقع اور ضرورت کے لحاظ سے خود بھی اپنے اہتمام اور نگرانی میں انجام دے گا۔

۷۔ بورڈ کے تمام کام مع متعلقہ کاغذات و دستاویزات کے، ضلع سوشل ایجوکیشن آفیسر کے معائنے کے لئے کھلے ہوں گے۔ بورڈ اس آفیسر کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوگا سوائے اس کے کہ اگر بورڈ کے جملہ ممبروں کی تین چوتھائی تعداد اس کی کسی ہدایت یا ہدایات کے خلاف ہو تو ضلع سوشل ایجوکیشن آفیسر ایسی اس ہدایت یا ہدایات پر نظر ثانی کرے گا۔ لیکن اگر نظر ثانی شدہ ہدایت یا ہدایات کو بھی بورڈ کے ممبروں کی تین چوتھائی تعداد مسترد کر دے یا ضلع سوشل ایجوکیشن آفیسر نظر ثانی کے لئے تیار ہی نہ ہو تو یہ معاملہ ریاست کے ڈائرکٹر تعلیمات کے پاس ثالثی کے لئے بھیجا جائے گا اور اس کا فیصلہ دونوں یعنی ضلع سوشل ایجوکیشن آفیسر اور متعلقہ اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ کے لئے آخری طور پر قابل قبول ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن ایکٹ یا پنچایت ایکٹ کے باب بعنوان "اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ" کا مضمون کچھ اس شکل کا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس خاکے کو پیش کرنے کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ یہ مضمون آخری ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے اس کی حیثیت صرف اسی حد تک ہے کہ قانون کا منشا معلوم ہو جائے اس کی زبان اور دفعات کی ترتیب و تقسیم کیسی ہوگی؛ یہ قانون کے ماہرین کے سوچنے کا کام ہے اور اسے وہی اچھے طریقے پر انجام دے سکتے ہیں۔

خواندگی کی کلاس کے کھیل

کچھ مشورے

خواندگی کی کلاس میں کھیل سے لطف بھی پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کو دم لینے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ان کھیلوں کو مفید اور تعلیمی نقطۂ نظر سے کارآمد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اُستاد اس کے لئے ایک سوچا سمجھا منصوبہ تیار کرے جس سے کہ وہ طالب علم ایک دوسرے سے تعاون کرنے، لیڈرشپ، مستعدی اور نظم وضبط پیدا کرنے اور پڑھنے لکھنے کی صلاحیت کو بڑھانے میں مددگار بنے۔

کچھ کھیل ایسے ہو سکتے ہیں جنھیں طالب علم پہلے سے جانتے ہوں۔ ان کھیلوں کی حوصلہ افزائی ضرور کرنی چاہئے۔ اُستاد کو کبھی یہ بات اپنی زبان پر نہیں لانی چاہئے کہ جو کھیل وہ کلاس میں کرانے جارہا ہے وہ ان کھیلوں سے بہتر ہے جنھیں طالب علم پہلے سے جانتے ہیں۔ اس کا فیصلہ طالب علموں پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کلاس میں اس بات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ تعلیم کے کاموں میں مددگار رہنے والے تمام کھیل جمع کئے جائیں۔

اُستاد کے لئے ہر طرح کے کھیل جاننا ضروری ہے جس سے کہ وہ موسم، موقع اور ضرورت کے اعتبار سے جس کھیل کو مناسب سمجھے چن لے۔ اچھا ہو کہ اس کی کھیلوں کی ایک کتاب ہو جس میں وہ ان تمام مفید اور دلچسپ کھیلوں کا مختصر تعارف لکھ رکھا کرے جنھیں وہ سیکھ چکا ہے۔

کسی کھیل کو شروع کرنے سے پہلے اُستاد کا اس کے لئے اچھی طرح تیار ہونا ضروری ہے اس کھیل سے وہ جو مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کے سامنے واضح ہونا چاہئے۔ کھیل کے آداب، جیتنے ہارنے کے معیار اور کھیل کے وقت کے بارے میں تمام باتیں اسے تفصیل سے معلوم ہونی چاہئیں۔ اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی کھیل اپنے مقصد کو پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے یا طالب علم اس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں تو وہ کھیل اسے بہت دیر تک نہیں جاری رکھنا چاہئے۔

مناسب موقع پر اسے بند کر دینا چاہیئے۔ اُستاد کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے کہ کب کھیل کا بدلنا مناسب ہوگا۔
طالب علم یکسانیت کے مقابلے میں رنگا رنگی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مختلف طریقے کے کھیل ایک منصوبے کے ماتحت ہونے چاہئیں یعنی خاموشی سے کھیلے جانے والے کھیل کے بعد زرا ہنگامہ مچانے والا کھیل رکھا جائے جس میں حرکات وسکنات کو زیادہ دخل ہو۔

اُستاد کو کھیل کا سامان پہلے سے جمع کر لینا چاہیئے۔ اگر اسے دوسرے آدمیوں کی مدد کی ضرورت ہو تو اسے اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ لوگ مقررہ وقت اور جگہ پر ضرور موجود ہوں اور انھیں یہ باتیں معلوم ہوں کہ انھیں اس کھیل میں کیا کردار ادا کرنا ہے۔

کھیل کی تنظیم کرتے وقت اُستاد کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ وہ سیانے آدمیوں سے معاملہ کر رہا ہے وہ بچّے نہیں ہیں کہ ان کے اوپر جس طرح ہو بات لادی جائے۔ انھیں کھیل کے طریقے کے بارے میں بہت اطمینان سے اور اچھی طرح سمجھا کر باتیں بتانی چاہئیں۔

استاد ایک کھلاڑی کی حیثیت سے کھیل میں شرکت کر سکتا ہے۔ جب کبھی ضرورت ہو یا کوئی موقع آپڑے تو وہ انھیں ضروری باتیں بھی سمجھا سکتا ہے۔

چند دلچسپ کھیل

یہاں کچھ کھیل بتائے جا رہے ہیں جنھیں بہت ہی معمولی یا ایک طرح سے بغیر کسی ساز وسامان کی مدد سے کھیلا جاسکتا ہے

یادداشت کا کھیل

کھلاڑیوں کی تعداد ، سے ۲۰ تک (جماعتی حیثیت سے بھی اور فرداً فرداً بھی)

سامان چند عام چیزیں جیسے ایک ماچس، ایک پنسل کا ٹکڑا، کوئی قلم، ایک دوات، پتھر کا کوئی ٹکڑا، کاغذ اور دھاگے کا ٹکڑا وغیرہ

کھیل کھیل کرانے والا ان تمام چیزوں کو ایک تولیئے میں یا کسی اور چیز سے ڈھکا رکھے وہ زرا سی دیر کے لئے۔ کوئی ایک منٹ کے لئے — اوپر سے تولیہ ہٹالے تاکہ طالب علم

ان تمام چیزوں کو تھوڑی دیر خاموشی سے دیکھ لیں۔

کھیل میں حصّہ لینے والے اس طرح بیٹھے ہوں کہ سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور سب لوگ تولیہ ہٹنے پر ان چیزوں کو صاف صاف دیکھ سکیں۔

ایک منٹ پورا ہوتے ہی تولیہ ان چیزوں پر پھر ڈھک دی جائے۔ اب کھیلنے والوں سے کہا جائے کہ وہ ان تمام چیزوں کے نام یاد کر کے بتائیں جو انھوں نے ابھی تولئے کے نیچے دیکھی تھیں۔ ہر ٹیم یا ہر لڑکے کو علیحدہ علیحدہ بلایا جائے جس سے کہ دوسروں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان سے پہلے کے لوگوں نے کیا کیا نام بتائے ہیں اگر کھیلنے والوں نے لکھنا سیکھ لیا ہے تو ان سے فرمائش کی جائے کہ وہ ان تمام چیزوں کے نام یاد کر کے لکھ کر دکھائیں۔ اس کے لئے انھیں کاغذ اور پنسل پہلے سے دے دیا جائے۔

ہار جیت کا فیصلہ ہر صحیح جواب پر ہر لڑکے کو ایک نمبر دیا جائے اس طرح ان نمبروں کو جوڑ کر ہار جیت کا فیصلہ کیا جائے۔

(چیزوں کے بجائے حروف، الفاظ، تصویروں اور رنگوں کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔)

سکّے کا کھیل

کھلاڑیوں کی تعداد دو ٹیمیں الف اور ب ہوں۔ ہر ایک میں ۹ سے ۱۰ کھلاڑی ہوں

سامان ایک سکّہ

کھیل دونوں ٹیمیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو قطاروں میں بیٹھ جائیں۔ ہر ٹیم اپنا لیڈر چُن لے۔

جو ٹیم کھیل شروع کرے (مثال کے لئے ب کو لیجئے) اس کے پاس وہ سکّہ رہے۔ اس ٹیم کے تمام لوگ اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے رکھیں اور سکّہ ہاتھوں ہاتھ ایک دوسرے کو دیتے رہیں۔

مخالف ٹیم (الف) کا لیڈر کسی موقع پر چلّائے "ہاتھ اوپر"۔ پہلی ٹیم کے تمام کھلاڑی فوراً اپنے ہاتھ اٹھائیں۔ مٹھی بدستور بند رہے۔

مخالف ٹیم (الف) کو یہ اندازہ لگانا ہے کہ سکّہ کس آدمی کے پاس ہے۔ لیڈر اپنے ساتھیوں سے مشورہ

کرکے مخالف ٹیم والوں سے ایک ایک کرکے مٹھی کھولنے کو کہتا ہے۔ سوائے ایک آدمی کے جس کے بارے میں انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ سکہ اس کے پاس موجود ہے۔

ہار جیت کا فیصلہ اگر سکہ آخری آدمی سے پہلے برآمد ہوتا ہے تو سکہ بدستور اس ٹیم کے پاس رہ جاتا ہے یعنی کھیلنے والی ٹیم جیت جاتی ہے: جیتنے والی ٹیم کو پانچ پوائنٹ مل جاتا ہے۔ اگر دوسری پارٹی (الف) کا اندازہ صحیح نکلتا ہے تو وہ جیت جاتی ہے اور اسے پانچ پوائنٹ مل جاتا ہے۔

کھیل میں حصہ لینے والوں اور ٹیموں کا نام اور ان کے جیتے ہوئے نمبر بورڈ پر لکھے جائیں۔

پیغام رسانی کا کھیل

کھیلنے والوں کی تعداد ۲ سے ۱۰ ممبروں کی ٹولیوں میں خواہ کتنی ہی تعداد ہو۔

سامان کوئی پیغام جیسے "ہوشیار" یا "پندرہ اگست ہماری آزادی کا دن ہے" یا "پنڈت نہرو ہمارے وزیر اعظم ہیں۔"

کھیل کا طریقہ ہر ٹیم ایک دائرے میں بیٹھ جائے۔ ٹیم کا ہر ممبر اپنے نمبر سے جانا جائے (جیسے ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ وغیرہ) نمبر ایک والا اس گروپ کا لیڈر رہو۔ دو آدمیوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر چپکے سے کسی آدمی سے کوئی بات کہی جائے تو دوسرا نہ سن سکے۔

اُستاد دونوں جماعتوں کے لیڈروں کو بلا کر اُن کے کان میں آہستہ سے کوئی پیغام سنا دے۔ اس بات کو وہ تین بار دہرائے۔

دونوں لیڈر اپنی اپنی جماعتوں میں واپس جا کر آہستہ سے نمبر دو کے کان میں وہ بات بتائے۔ نمبر دو تین سے کہے اور نمبر تین سے چار اور یہ سلسلہ آخیر تک چلتا رہے۔ بات آہستہ سے کان میں کہی جائے۔

ٹیم کا آخری آدمی اُستاد کے پاس جائے اور بتائے کہ اُسے کیا پیغام ملا ہے۔

ہار جیت کا فیصلہ جس ٹیم کا آدمی زیادہ صحیح پیغام سُنائے، وہ ٹیم جیت جائے گی۔ ہار جیت کا فیصلہ ہو جانے پر وہ پیغام بورڈ پر جلی حروف میں لکھا جائے۔

کہانی کا کھیل

حصہ لینے والوں کی تعداد ۵ سے ۲۰ تک

سامان ایک جانی پہچانی کہانی

کھیل کا طریقہ ٹیم کا لیڈر کسی کہانی کا مفہوم کھیلنے والوں کو بتا دے۔ وہ کہانی کا خاکہ بورڈ پر لکھ بھی سکتا ہے۔ حصہ لینے والا ہر آدمی کہانی کو مکمل کر کے اپنی زبان میں سُنائے۔ لیکن کہانی سُنانا شروع کرنے سے پہلے کھیل میں حصہ لینے والوں کو یہ طے کرنا ہوگا کہ فلاں فلاں لفظ کا استعمال (لفظ ایسا ہو کہ اس کے بغیر وہ کہانی آسانی سے مکمل نہ ہوتی ہو) متروک سمجھا جائے گا۔ ایسے الفاظ بورڈ پر لکھ دیے جائیں۔

کوئی آدمی کہانی سنانے کے لئے کھڑا ہو تو دوسرے دیکھیں کہ اس میں متروک الفاظ میں سے کوئی لفظ تو نہیں آرہا ہے۔

ہر آدمی کو اجازت ہو کہ وہ کہانی اپنے طور پر مکمل کرے مگر اصل مفہوم سے ہٹنے کی اجازت کسی کو نہ ہو۔

ہار جیت کا فیصلہ کہانی سُنانے والا جیسے ہی کوئی متروک لفظ استعمال کرے تو اُسے ٹوک دیا جائے۔ کہانی سُنانے کی اس کی باری وہیں ختم ہو جائے گی۔ اب دوسرا لڑکا کہانی سُنانا شروع کرے۔

متروک الفاظ کا استعمال کئے بغیر جو لڑکا صحیح صحیح کہانی سُنائے گا وہ جیت جائے گا۔

گنتی کا کھیل

حصہ لینے والوں کی تعداد ۱۰ سے ۵۰ تک

سامان کچھ نہیں

کھیل کا طریقہ حصہ لینے والے ایک دائرے میں بیٹھ جائیں۔ نمبر ایک والا گروہ کا لیڈر ہوگا۔ اس کے بائیں طرف سلسلے دار نمبر ۲ نمبر ۳ وغیرہ ہوں گے۔

جب پہلی بار نمبر شمار شروع ہو تو سب لڑکے اپنا نمبر بتائیں۔

جب دوسری بار نمبر شمار شروع ہو تو نمبر سات متروک سمجھا جائے۔ اب دوسرے شمار میں

سات یا اس سے ضرب کیا جانے والا کوئی بھی نمبر متروک ہوگا۔ اس شمار میں جب ۷ یا اس سے ضرب ہونے کے نمبر کی باری آئے تو وہ آدمی اپنا نمبر بتانے کے بجائے "ہرّے" بولے گا۔ اس کے بعد پھر نمبر شمار اپنی ترتیب سے جاری رہے گا۔ مثال کے لئے ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ وغیرہ "ہرّے" نمبر ہو جائے گا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "ہرّے" بولنے کی باری دوسرے نمبر شمار سے شروع ہوتی ہے۔

اگر نمبر جلدی جلدی بولا جائے تو اس سے اور بھی لطف پیدا ہوتا ہے۔

ہار جیت کا فیصلہ اگر کوئی آدمی غلطی کرتا ہے (یعنی ہرّے غلط جگہ بولتا ہے یا "ہرّے" بولنے کی جگہ نمبر بتا دیتا ہے) تو وہ دائرے سے باہر آجاتا ہے۔

اب دوبارہ نمبر شمار شروع ہوتا ہے۔ اس طرح دائرے میں جو آخری آدمی رہ جاتا ہے وہ کامیاب سمجھا جاتا ہے۔

مان لیجئے کہ کھیل میں حصہ لینے والوں کی تعداد ۱۰ ہے اس میں

پہلا نمبر شمار ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ہوگا

دوسرا نمبر شمار ۱۱ ۱۲ ۱۳ "ہرّے" ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ہوگا

تیسرا نمبر شمار "ہرّے" ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ "ہرّے" ۲۸ ۲۹ ۳۰ وغیرہ

خواندگی اور شہریت کی تعلیم میں دلچسپ تعلیمی مشغلہ بننے کے علاوہ اس طرح کے کھیل کلاس میں طالب علموں کی دلچسپی کو بنائے رکھنے میں بھی بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اس سے دوسرے ناخواندہ لوگوں کو بھی کلاس میں آنے کی ترغیب ہوتی ہے اس طرح ان کے اندر کسی دن خواندگی کی کلاس میں آنے کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے۔

بوڑھا توتا

بوڑھا توتا بھی پڑھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر فرینک سی لاباخ نے اپنی کتاب "ٹورڈ ورلڈ لٹریسی" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اُس زمانے میں جب بوڑھے توتے نہیں پڑھ سکتے تھے، پڑھانے کا ڈھنگ کچھ ایسا ہی تھا کہ بوڑھے تو بوڑھے، توتوں کے چوزے بھی پڑھائی سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے؛ اب بوڑھے توتے بھی پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ پڑھائی کا ڈھنگ بدل گیا ہے۔

یہ واقعہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ بالغوں کے معلموں کے لئے یہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا ——— ایڈیٹر

پنجاب میں ایک مشہور شہر ہے بٹالہ۔ اس میں ایک گاؤں گُھمّن ہے۔ اس کے مکھیا چودھری دیوتا ستر سال کے بزرگ تھے لیکن تھے نپٹ اَن پڑھ۔ ان سے جب پہلی بار پوچھا گیا کہ "کہو بابا پڑھنا چاہتے ہو؟" تو یہ بات سنتے ہی وہ بے اختیار ہنس پڑے۔ وہ ستر برس کے بوڑھے تھے، تیز اور چکا چوند پیدا کرنے والی دھوپ میں برسوں کام کرتے کرتے ان کی آنکھیں کمزور پڑ چکی تھیں۔ بھلا ایسی حالت میں پڑھائی لکھائی کا کیا سوال تھا!

اس وقت انھیں ایک کتاب دی گئی اس کے حرف اتنے بڑے بڑے تھے کہ چودھری کی کمزور آنکھیں بھی آسانی سے پڑھ سکتی تھیں۔ چودھری نے شک و شبہ کے انداز میں اپنے کندھے ہلائے اور کتاب پر جھک گئے۔ اور بتائی ہوئی ہدایتوں کے مطابق پڑھنے لگے۔

کوئی آدھے گھنٹے میں وہ چند شکلیں یا حرف پہچان گئے اور اس صفحے میں جہاں جہاں یہ حرف آئے ان پر انگلی رکھنے لگے۔ انھوں نے یہ بھی سیکھ لیا کہ ان کا تلفظ کیسے کیا جاتا ہے اور ان کے معنی کیا ہیں۔ پھر بھی ان کا شک و شبہ پورے طور پر

دور نہیں ہوا تھا۔ وہ دوسرے دن درجے میں نہیں آئے۔ ایک آدمی کے ذریعے انھیں بلوایا گیا اور وہ آگئے۔ مگر اُن کی آنکھوں سے ایک طرح کی شرم اور ڈر سا جھلکتا تھا۔ ہم نے اُن سے کہا "ڈرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے اگر آپ پڑھنے میں غلطی کریں گے تو کوئی آپ کا مذاق نہیں اڑائے گا"۔ اب چودھری کی عزت گویا محفوظ تھی۔ وہ پھر پڑھنے لگے۔ اور جب آدھے گھنٹے کا آخری حصہ ختم ہونے سے پہلے ہی انھوں نے محسوس کیا کہ وہ آسان جملے پڑھ سکتے ہیں تو خود اچنبھے میں پڑ گئے۔

تیسرے دن سے تو دیو یا چودھری ہمارے بڑے پرجوش طالب علم بن گئے۔ جہاں کہیں بھی جاتے کتاب اپنے ساتھ لے جاتے اور پکّے ارادے پورے جوش اور ولولے کے ساتھ کتاب کو پڑھتے۔ دھیرے دھیرے دیو یا چودھری نہ صرف ہمارے بالغوں کی پڑھائی کے پروگرام کے زبردست حامی بن گئے بلکہ گاؤں کے دوسرے لوگوں کو پڑھنا لکھنا بھی سکھانے لگے۔

(ترجمہ از محمد حسین حسّان)

ودیادان کی تحریک

اڈلٹ ایجوکیشن کی تیرھویں سالانہ کانفرنس نے جو ۱۹۵۶ء میں اُدے پور میں ہوئی تھی، ملک کے ارباب علم کے سامنے ودیادان کی تحریک شروع کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن نے اپنے اس مہینے کے اداریے میں مرکزی وزیر تعلیم کے ایک مراسلے کا خیر مقدم کیا ہے جس میں کہ موصوف نے ریاستی وزیروں سے ودیادان کی تحریک شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ آج ملک جس نازک صورت حال سے گذر رہا ہے اس کے پیش نظر یہ ایک ضروری اور مبارک قدم ہے۔

عالمی خواندگی کا دس سالہ منصوبہ

یونیسکو نے عالمی خواندگی کا ایک دس سالہ منصوبہ تیار کیا ہے جو ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے اس سال سے شروع ہو جائے گی۔ یہ اسکیم جو خاص طور سے افریقہ، ایشیا، اور لاطینی امریکہ کے لئے بنائی گئی ہے۔ یونیسکو نے اس کے لئے ۸۸۳۰ کروڑ ڈالر کا تخمینہ منظور کیا ہے۔ ہندوستان میں اس منصوبے کے ماتحت کام کے کل خرچ کا ایک تہائی یونیسکو نے دینا منظور کیا ہے بقیہ رقم کا انتظام خود حکومت کو کرنا ہوگا۔

یونیسکو کی اڈلٹ ایجوکیشن کی بین الاقوامی کمیٹی میں جس میں اس منصوبے پر مارچ کے تیسرے ہفتے میں پیرس میں غور کیا گیا تھا، ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شری جے. سی ماتھر نے شرکت کی تھی۔ شری ماتھر نے ۱۲ مارچ کو پیرس سے واپسی پر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں ایڈلٹ ایجوکیشن کے کارکنوں کے ایک جلسے میں اپنے تاثرات سُنائے۔ مرکزی وزارت کے سوشل ایجوکیشن کے مشیر شری اے. آر. ڈیش پانڈے نے اس موقع پر کہا کہ تجربے اور تحقیق اور ایک ملک سے دوسرے ملکوں میں ماہرین آمدورفت جیسے خرچیلے اور بھاری بھرکم کاموں کے مقابلے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواندگی کے عملی کاموں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔ انھوں نے یونیسکو کے اس مالی پہلو پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ بہت سے ملک جس میں ہندوستان بھی شامل ہے؛ یونیسکو کی امداد حاصل کرنے کی شرط کے مطابق اپنے طور پر اتنی بڑی رقم فراہم نہیں کر سکیں گے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ یونیسکو کو چاہیئے کہ وہ ممبر حکومتوں کو اس شرط کے بغیر امداد دے ۔ اور انھیں آزادی ہونی چاہئے کہ وہ خواندگی کی اپنی مہموں پر یہ رقم جس طرح چاہیں مصرف میں لائیں۔

دنیا جہالت کے اندھیرے میں

اس وقت دنیا میں ناخواندہ بالغوں کی تعداد ۷۰ کروڑ ہے یعنی ۱۵ سال یا اس سے اوپر کی ۴۴ فی صدی آبادی ابھی جہالت کے اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔

۱۹۶۰ء میں دنیا کے مختلف براعظموں میں ناخواندگی کی کیفیت مندرجہ ذیل تھی :-

یورپ ۹ فی صدی؛ افریقہ ۸۰ فی صدی، ایشیا ۶۵ فی صدی، وسطی امریکہ ۴۲ فی صدی؛ جنوبی امریکہ ۴۴ فی صدی۔

ہندوستان میں اس وقت ناخواندگی کا اوسط ۵۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہے۔

دنیا کے سیاہ اور سفید

دنیا کا ایک نقشہ سیاہ اور سفید دو رنگوں میں شائع ہوا ہے۔ سیاہ حصّہ میں دنیا کا وہ علاقہ دکھایا گیا ہے جہاں ۲۰۰ کروڑ یعنی دنیا کی پوری آبادی کے دو تہائی انسان بستے ہیں اور سفید رنگ میں وہ علاقہ ہے جہاں کی آبادی ۱۰۰ کروڑ ہے۔

۱۰۰ کروڑ کی آبادی کا علاقہ اس کرۂ زمین پر پیدا ہونے والی تمام غذا کے تین چوتھائی کا حصّے دار ہے اور سیاہ علاقے کے دو تہائی انسان محض ایک چوتھائی حصّے پر گذر بسر کر رہے ہیں۔ ایشیا جس میں دنیا کی تقریباً آدھی آبادی بستی ہے کُل غذا کے صرف چھٹے حصّے کا حصّے دار ہے۔

جو ملک سیاہ رنگ میں دکھائے گئے ہیں وہ غریبوں، بھوکوں اور بیماروں کے ہیں۔ اور یہی وہ ملک ہیں جہاں جہالت کے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں۔

مزدوروں کی تعلیم پر ورکشاپ

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں ۲۴ سے ۲۸ اپریل تک "مزدوروں کی تعلیم میں مزدور سبھاؤں کا کردار" کے موضوع پر ایک ورکشاپ منعقد ہونے والا ہے۔ ورکشاپ میں مندرجہ ذیل امور پہ خاص طور سے غور کیا جائے گا :

۱۔ مزدوروں کی تعلیم کا مفہوم، مقصد و منشا اور حدود

۲۔ مزدور سبھاؤں کو مزدوروں کی تعلیم میں دلچسپی ہی کیوں لینی چاہئے؟ کیا مزدوروں کی تعلیم سے مزدور سبھاؤں کی تحریک کو سہارا مل سکتا ہے؟

۳۔ مزدوروں کی تعلیم کے کام میں ٹریڈ یونینوں کو کس طرح سے حصّہ لینا چاہئے؟

۴۔ مزدوروں کی تعلیم کی تنظیم کیا ہو؟

May 1963

تعلیم و ترقی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ شمارہ ۵

مئی ۱۹۶۳ء

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراقؔ

رفیق محمد شاستری

دفتر:-

تعلیم و ترقی - جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت :-

سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۴۰ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۲۲۶۳

ترتیب

ناشر و طابع برکت علی فراقؔ نے محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

خواندگی کی تعلیم کے بنیادی اُصول

ہندوستان بالخصوص ہندوستان کے اُن علاقوں میں جہاں ہندی اور اُردو بولی جاتی ہے بالغوں کی خواندگی کے جتنے طریقے رائج ہیں یا کبھی رائج تھے ان کی بنیاد اُن طریقوں میں سے ایک نہ ایک طریقے پر ہے جو بچوں کو خواندگی کی تعلیم دینے کے لئے ہندوستان اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ بالغوں کی خواندگی کے مختلف طریقوں کا تعارف دینے سے پہلے ان بنیادی طریقوں کا سرسری طور پر ہی سہی مطالعہ کر لیا جائے۔

ان طریقوں میں تجربہ اور تحقیق کی بنیاد پر آئے دن اصلاحات اور تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں چنانچہ خواندگی کی تعلیم کے نئے نئے اصول مرتب ہو گئے ہیں اور نئے نئے رُخ متعین ہوتے جا رہے ہیں، لیکن ہمیں ابھی اس طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہئے بلکہ اپنے مقصد کے پیشِ نظر صرف انہیں طریقوں کو سامنے رکھنا چاہئے جو معروف ہیں جن پر اسکولوں میں عمل ہوتا ہے اور جن کے تدریجی ارتقاء کی ایک تاریخ ہے۔

خواندگی کی تعلیم کے ان بنیادی طریقوں کو ماہرین نے دو گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ طریقے جو ابتدا سے الفاظ اور ان کی آوازوں کے عناصر ترکیبی پر زور دیتے ہیں جن کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ پہلے طالب علم کو ان اجزاء سے پوری طرح واقف کرانا چاہئے جن کی ترکیب سے الفاظ بنتے ہیں۔ دوسرا گروپ ان طریقوں کا ہے جو معنویت پر زور دیتے ہیں جن کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ سیکھنے کے عمل میں طالب علم کے سامنے جو کچھ آئے وہ بامعنی ہو اور وہ اُسے سمجھ سکتا ہو۔

الف۔ وہ طریقے جن کی بنیاد الفاظ کے عناصر ترکیبی پر ہے

۱۔ ابجدی طریقہ

ابجدی طریقۂ تعلیم وہ ہے جس میں حروف کے نام بتائے جاتے ہیں اور طالب علم تمام حروفِ ہجا اور حروفِ علت کو پہچان لیتا ہے

اس کے بعد حروفِ علت کی مدد سے اُن سے الفاظ بنوائے جاتے ہیں، اور پھر الفاظ کی ترکیب سے فقرے اور جملے اور آخر میں جملوں کی ترکیب سے عبارت پڑھائی جاتی ہے۔

یہ طریقۂ تعلیم بہت قدیم ہے اور اپنی قدامت کے اعتبار سے طالب علم کے حق میں بے کیف ہونے کے باوجود پسماندہ ممالک (اور قدامت پرست ترقی یافتہ ملکوں کے بھی) کے نظامِ تعلیم میں اس قدر گھر کر گیا ہے کہ اب تک کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔

ابتدا میں اس طریقۂ خواندگی کی بنیاد پر جو قاعدے لکھے جاتے تھے ان میں بچے کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ اُستاد کی ہدایات کے مطابق ان کا پڑھنا اس کا فرض تصور کیا جاتا تھا خواہ اس سے اُسے دلچسپی ہو یا نہ ہو۔ لیکن آگے چل کر اب سے تقریباً دو ہزار سال پہلے جب پڑھائی کے عمل میں بچے کے لئے دلچسپی اور دلبستگی پیدا کرنے کی ضرورت تسلیم کی گئی تو اس طریقۂ تعلیم میں اصلاحات کا سلسلہ شروع ہوا اور قاعدوں میں مطلوبہ حروف سے شروع ہونے والی چیزوں کی تصویریں دی جانے لگیں، اور بچوں کو اس طرح پڑھایا جانے لگا کہ الف سے انگور، ب سے بندر وغیرہ۔ اس ترکیب کے علاوہ حروف کی شکل کی مٹھائیاں بنوائی جاتیں اور طالب علم سے کہا جاتا کہ جو حرف وہ یاد کرلے اس کے شکل کی مٹھائی منھ میں رکھ لے۔ غرض بچے کے دل میں پرائمر پڑھنے سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اسی طرح کی اور بھی بہت سی تدبیروں سے کام لیا جانے لگا اور ہندوستان میں اب تک اس کے دیہی اسکولوں میں انھی ترکیبوں سے کام لے کر پرائمر پڑھائی جاتی ہے۔

لیکن ان ترکیبوں کی ایجاد کے باوجود ابجدی طریقے کو (خصوصاً مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں) بے جان اور بے کیف ہی سمجھا گیا اور آہستہ آہستہ اس کے بجائے دوسرے نسبتاً زیادہ موثر طریقے اختیار کئے گئے۔ ہندوستان میں بھی خصوصاً شہروں کے اور شہروں کے بھی ان اسکولوں میں جہاں اساتذہ کو ایجاد و اختراع کا موقع ہوتا ہے، مغربی اساتذہ کی تحقیقوں کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جدید ترین طریقوں کا رواج عام ہو گیا ہے اور اس قدیم طریقے کو آہستہ آہستہ ترک کیا جا رہا ہے۔

۲۔ صوتی طریقہ

اس طریقۂ تعلیم میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، حروف کے نام بتلانے کے بجائے ان کی آوازیں بتائی جاتی ہیں۔ اس طریقے کی سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ جب حروف کی آوازیں تیزی سے ادا کی جاتی ہیں تو اُن سے لفظ اپنے آپ بن جاتے ہیں جیسے ہندی کے حروف क म ल کو تیزی سے پڑھئے تو لفظ कमल خود بخود بن جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم کو حروف سے لفظ بنانا سکھانے کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر رہتی بھی ہے تو بہت کم۔ صوتی طریقۂ تعلیم صوتیاتی (PHONETIC) زبانوں کو سکھانے کے لئے بہت موزوں اور موثر ثابت ہوتا ہے جن میں حروف کی شکلوں اور ان کی آوازوں میں یکسانیت ہوتی ہے۔ البتہ جو

دنیا میں کلیتہً صوتیاتی نہیں ہیں بلکہ ان کے بعض حروف کی شکلوں اور آوازوں میں یکسانیت نہیں ہوتی ان کے ان حروف میں تھوڑی بہت تبدیلی کی ضرورت پڑتی ہے۔

ماہرین تعلیم کا اتفاق ہے کہ صوتی طریقے سے پڑھانے میں اتنا تو فائدہ ہوتا ہے کہ طالب علم حروف کی پہچان کے ساتھ ہی ساتھ الفاظ بھی پہچاننے لگتا ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے اسے اتنی مدت نہیں لگانی پڑتی جتنی ابجدی طریقے پر پڑھانے میں لگانی پڑتی ہے۔ لیکن جہاں ابجدی طریقے کے مقابلے میں اس طریقے کو ترجیح دینا مفید قرار دیا گیا ہے وہاں بعض ماہرین نے اس کے اوپر اعتراضات بھی کئے ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اگرچہ اس کے ذریعے الفاظ کو پہچاننے میں سہولت ہوتی لیکن الفاظ کے معنی سمجھ کر پڑھائی میں جو لطف آتا ہے ——— اور جو پڑھائی کے عمل کو مؤثر اور کارآمد بنانے کے لئے بہت ضروری ہے ' وہ لطف نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ بچہ جو کچھ پڑھتا ہے' اس کے متعلق یہ نہیں سمجھ پاتا کہ کیا پڑھتا ہے۔ اسی طرح ایک اعتراض یہ ہے کہ صوتی طریقے سے پڑھانا عموماً رسمی قسم کا ہوتا ہے جس میں بے معنی الفاظ کو بار بار دہرانا اور رٹنا پڑتا ہے' جس سے پڑھائی بے لطف اور غیر دلچسپ ہو جاتی ہے۔

ان اعتراضات سے متاثر ہو کر بعض اساتذہ نے اس طریقہ میں بھی دلچسپی اور معنویت پیدا کرنے کی تدبیریں کیں اور ان کی ان ایجادوں سے ان اعتراضات کا بہت حد تک حل ہو گیا ہے۔ ان ترکیبوں میں بیشتر ایسی ہیں جن کا تعلق انگریزی اور دوسری ایسی زبانوں سے ہے جو صوتیاتی نہیں ہیں اور جن میں حروف کے نام ہوتے ہیں' اس لئے ان کا ذکر ہمارے لئے زیادہ مفید نہ ہوگا' اور بحث بھی طویل ہو جائے گی۔ اس لئے ہم اس طرح کی صرف ایک ترکیب کا ذکر کر کے صوتی طریقے کی بحث کو ختم کر دیں گے۔

بنیادی اصول ہے کہ نئے حروف اور ان کی آوازوں کو حافظے میں بٹھانے کے لئے ایک نہ ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے' اور سہارا بھی ایسا جس سے طالب علم زیادہ سے زیادہ مانوس ہو۔ اس اصول کی بنیاد پر صوتی طریقہ تعلیم کو دلچسپ بنانے کے لئے ایک ترکیب ایسی ایجاد کی گئی جسے "تشبیہی طریقہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی تلاش کی جاتی ہیں جن کی شکلیں سیکھے جانے والے حروف سے مشابہ ہوں اور اس چیز کے نام کا پہلا حرف وہی ہو جس کی شکل اس چیز کی شکل سے ملتی جلتی ہو۔ گویا طالب علم پر یہ نقش بٹھانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حرف اسی چیز سے نکلا ہے۔

اس ترکیب کا استعمال سب سے پہلے ہندوستان میں بمبئی کارپوریشن کے میئر نے کیا تھا لیکن اسے شہرت حاصل ہوئی ڈاکٹر فرینک سی لاباخ کی بدولت جنھوں نے اس ترکیب کو اپنی خواندگی کی مہموں میں بین الاقوامی پیمانے پر استعمال کیا۔

ب۔ وہ طریقے جن کی بنیاد ابتدا سے معنویت پر ہوتی ہے

اس گروپ کے طریقوں کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ سکھانے کے عمل میں الفاظ، فقرے اور جملے نقطۂ آغاز ہونے چاہئیں جب یہ

لسانی اکائیوں کی واقفیت ہو جائے تو دوسرے نمبر پر چھوٹے ٹکڑوں میں ان کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ اس طریقہ کار کو "بنیتر" "گرویل میتھڈ" کی اصطلاح سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ نفسیات کی زبان میں بڑی اکائیوں کو چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرنے کا عمل "تجزیہ" کہلاتا ہے اس لئے اس گروپ کے طریقوں کو "تجزیاتی طریقے" بھی کہتے ہیں۔ ایک بات یہاں یہ کہنی ہے کہ جس وقت طالب علم لفظ کے اجزائے ترکیبی سے واقف ہو جائے اسی وقت ان اجزا کی مدد سے نئے الفاظ پہچنوائے جانے چاہئیں تاکہ سیکھنے کے عمل میں تجزیاتی اور ترکیبی دونوں عمل ساتھ ساتھ واقع ہوں۔

اس طریقۂ تعلیم کی حمایت میں دو دلیلیں خاص طور پر دی جاتی ہیں۔ چونکہ پڑھنا ایک خیال آفریں عمل ہے (یعنی آدمی پڑھتا اس لئے ہے کہ وہ خیالات سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ پڑھنے سے دماغ میں خیالات پیدا ہوتے ہیں) اس لئے سیکھنے کے عمل میں ابتدا ہی سے با معنی مواد کا استعمال کیا جانا چاہئے تاکہ طالب علم کو روز اوّل ہی سے با معنی اور بامقصد مطالعے کی عادت رہے۔ اس سے سیکھنے کا عمل دلچسپ، مسرت انگیز اور نتیجہ خیز عمل بن جاتا ہے اور اس طرح ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

پھر جیسا کہ ماہرین نفسیات کا نظریہ ہے، چونکہ بچہ پہلے چیزوں اور خیالات کو "کل" کی شکل میں پہچانتا ہے اور اجزا کی منزل کی پہچان بتدریج بعد کو آتی ہے، اس لئے خواندگی کی تعلیم میں یہ "کل" کے طریقے بچوں کی فطرت کے عین مطابق پڑتے ہیں۔

اس گروپ میں چار طریقے لفظی طریقہ (ورڈ میتھڈ) فقرے کا طریقہ (فریز میتھڈ) جملے کا طریقہ (سنٹنس میتھڈ) اور کہانی کا طریقہ (اسٹوری میتھڈ) شامل ہیں۔ لیکن ہم صرف لفظی طریقہ، جملے کے طریقے اور کہانی کے طریقے کا تعارف دیں گے اس لئے کہ فقرے اور جملے کے طریقوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔

۱۔ لفظ سے شروع کرنے کا طریقہ

خواندگی کی تعلیم میں لفظ سے شروع کرنے کا طریقہ اب سے تین سو سال پہلے ۱۶۵۷ء میں ایجاد ہوا تھا۔ ایک ٹیچر کومینیس (COMENAUS) تھا جو اُس وقت کے مروجہ ابجدی طریقے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے ایک کتاب (ORBIS PICTUS) لکھی ہے جس میں اس نے لفظ سے شروع کرنے کے طریقے کی حمایت میں لکھا ہے کہ "جب طالب علم کے سامنے تصویروں کے ساتھ لفظ پیش کئے جاتے ہیں تو ان کو وہ روایتی ابجدی طریقے کے مقابلے میں جو دماغ پر خواہ مخواہ کا بوجھ ڈالتا ہے نسبتاً زیادہ تیزی سے سیکھ لیتا ہے۔" یہی بات ہمارے زمانے کے ممتاز ماہرین بھی کہتے ہیں جن کے بیان کی بنیاد یہ ہے کہ "الفاظ چونکہ خیال اور پہچان کی بنیادی اکائیاں ہیں اس لئے طالب علم کی توجہ ابتدا ہی سے پڑھی جانے والی بات کے معنی پر رہتی ہے۔ اس سے طالب علم کے اندر روز اوّل ہی سے بامعنی مطالعے کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اس کا پڑھائی کا عمل اس کے سامنے مسرت اور معلومات کا ایک وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔

طریقۂ کار

ان طریقہ میں ہوتا یہ ہے کہ ابتدا کے چند اسباق میں طالب علم کے سامنے بامعنی الفاظ ایک پوری بامعنی بات کے ماحول میں رکھے جاتے ہیں اور انھیں طالب علم کو "دیکھو اور کہو" کے اصول پر سکھایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ الفاظ کی اپنی ایک مقررہ شکل ہوتی ہے جسے یاد کیا اور یاد رکھا جا سکتا ہے۔ بعض ممالک میں یہ طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے کہ طالب علم نئے نئے لفظوں سے بنے ہوئے جملے اور شعر یاد ہے دیکھ دیکھ کر اونچی آواز میں بار بار دھراتا ہے یہاں تک کہ جب وہ لفظ یا جملے اس کی نظروں کے سامنے آتے ہیں تو وہ انھیں دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے۔ اس عمل میں مدد دینے کی غرض سے پرائمروں میں الفاظ کے ساتھ ساتھ تصویریں ہوتی ہیں جو ان کے معنی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر الفاظ کی ترتیب میں احتیاط اور منصوبہ بندی سے کام لیا جائے تو بامعنی پڑھائی کی اچھی خاصی مشق بہت پہلے ہو جاتی ہے۔

الفاظ کی پہچان کے اس عمل کے ساتھ ہی ساتھ طالب علم کی توجہ الفاظ کے اجزائے ترکیبی کی طرف یعنی اس کے ٹکڑوں، حروف اور ان کی آوازوں کی طرف بھی مبذول کراتے رہتے ہیں اور جب طالب علم ان اجزاء کو پہچان لیتا ہے تو ان کی ترکیب سے اس سے اپنے طور پر نئے نئے الفاظ کی پہچان اور ان کا تلفظ کرایا جاتا ہے۔

ابتدا میں لفظ سے شروع کرنے کے طریقے کی بنیاد پر جو پرائمر لکھے گئے وہ بالعموم بے کیف اور غیر دلچسپ ہوتے تھے چنانچہ الفاظ کی پہچان ایسے جملوں کی رٹائی کے ذریعے ہوتی تھی جن کی طالب علم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ اس کی عمر اور ذوق کے حسب حال ہوتے تھے۔ ایک طرح سے یہ صورتِ حال لفظ سے شروع کرنے کے طریقے کے مقصد ہی کو ختم کر دیتی تھی اور کہا جا سکتا تھا کہ جب رٹائی ہی کرنی ٹھہری تو پھر ابجدی اور صوتی طریقے میں کیا برائی ہے۔

یہ اعتراض اپنی جگہ بڑا معقول اعتراض تھا چنانچہ بعد کو آنے والے اساتذہ اور معلموں نے ایسے پرائمر لکھے جو ان خامیوں سے پاک تھے۔ ان میں جملے ایک مخصوص ترتیب سے آتے اور طالب علم کے ذوق اور مزاج کے حسبِ حال ہوتے۔ اس کے علاوہ پرائمر کو اور زیادہ دلچسپ بنانے کی غرض سے لفظوں اور جملوں کو رنگین تصویروں سے ظاہر کیا جانے لگا۔ پرائمر کے علاوہ سیکھنے کے عمل میں مزید آسانی پیدا کرنے کی غرض سے بہت سا تعلیمی سامان مثلاً لفظوں کے تاش جن کے ایک طرف لفظ چھپا ہوتا اور دوسری طرف اس کے معنی کو ظاہر کرنے والی تصویر۔ اس تاش سے طالب علم اپنی غلطی اور بھول کو درست کر لیتا تھا۔ غرض اس طرح درجہ بدرجہ لفظ سے شروع کرنے کے طریقے کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مقبول بنا دیا گیا۔

(مسلسل)

نوخواندہ بالغوں کی کتابیں

مندرجہ ذیل مضمون ایک لیکچر کا خلاصہ ہے۔ جو پچھلے دنوں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے زیر اہتمام سنٹرل انٹلی جنس بیورو کے خواندگی کے اساتذہ کے ٹریننگ کورس میں دیا گیا تھا۔ اس ٹریننگ کورس میں شرکت کرنے والے خفیہ پولیس کے سپاہی تھے اور چونکہ انھیں پولیس اور فوج کے محکمے کے ان پڑھ لوگوں کے درمیان خواندگی کا کام کرنے کے لئے ہی خاص طور سے اس تربیتی کورس کا اہتمام کیا گیا تھا اس لئے مقالہ نگار نے اس میں نوخواندہ بالغوں کی کتابیں مواد اور موضوع پر بحث کرتے ہوئے پولیس اور فوج کے محکمے کے لوگوں کو ہی اپنے پیش نظر رکھا ہے۔

—— ایڈیٹر

آپ جن لوگوں کو خواندہ بنائیں گے انھیں اس کی مشق کو بنائے رکھنے کا اگر موقع نہ ملا تو ان کا یہ علم تھوڑے دنوں میں ہی الٹی میں بدل جائے گا۔ کلاس میں آپ انھیں کتنے ہی دن کیوں نہ رکھیں، تین مہینے، چار مہینے، چھ مہینے، اس کے بعد آپ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ اس منزل پر انھیں اپنی خواندگی کی مشق کو تازہ رکھنے اور اس میں ترقی کرنے میں سب سے زیادہ مددگار کتابیں ہو سکتی ہیں۔ مگر کیسی کتابیں؟ یہی ہماری آج کی بات چیت کا موضوع ہے۔

خواندگی کے مرحلے سے آگے سمجھ کر تیزی کے ساتھ پڑھنے کی منزل تک پہنچنے میں سب سے بڑی دشواری نوخواندہ بالغوں کے لئے مناسب کتابوں کا دستیاب نہ ہونا ہے۔ ایسی کتابیں جسے وہ اپنے فرصت کے وقت میں اپنے شوق سے پڑھ کر اپنی خواندگی کی مشق کو تازہ رکھ سکیں اور اس میں ترقی کر سکیں۔ یہ بات آپ کو کچھ عجیب سی لگے گی کیونکہ آپ یہ جانتے ہیں کہ ابھی کروڑوں کتابیں ان پڑھی ہوئی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کتابوں کے موجود نہ ہونے کی شکایت کی کہاں گنجائش رہ جاتی ہے! اگر غور کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کروڑوں کتابوں کی شکل میں محفوظ علم کا یہ خزانہ نوخواندہ بالغوں کی رسائی سے باہر ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علم و دانش کے ان شہ پاروں سے قطع نظر جو زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں بچوں کے لئے کتنی ہی

کتابیں آسان زبان میں موجود ہیں جنھیں نوخواندہ بالغ آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

بچوں اور بالغوں کی کتابوں کا فرق

مگر یہ کتابیں بھی نوخواندہ بالغوں کے کام کی نہیں ہیں۔ آپ کسی بھی کام کے لئے کسی کو مجبور کر سکتے ہیں، مگر پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آدمی پڑھتا اسی وقت ہے جب خود اس کا دل پڑھنے پر مائل ہو۔ کوئی کتاب سامنے موجود ہو، اس کا موضوع اس کی پسند کا ہو تو وہ اسے اٹھا لے گا، الٹ پلٹ کر دیکھے گا۔ کام کی بات سمجھ میں آئی تو پڑھ لے گا، نہیں تو الٹ پلٹ کر یوں ہی چھوڑ دے گا۔ زبان آسان، طرز تحریر دلچسپ، طباعت دل کش ہوئی تو نوخواندہ اس کتاب کو پڑھتا چلا جائے گا۔ خیال میں الجھاؤ یا زبان میں دشواری قدم قدم پر آتی رہی تو درمیان میں ہی پڑھنا بند کر دے گا۔ آگے نہیں بڑھے گا۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ بچوں کی کتابیں آسان اور سلجھی ہوئی زبان، اور دلچسپ انداز میں لکھی ہوئی اور خوبصورت چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ نوخواندہ بالغ ان کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں اور اس طرح خواندگی کی مشق کو تازہ رکھ سکتے ہیں۔

مگر ایسا نہیں ہے۔ بچوں کو زندگی کا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ ان کا ذخیرۂ الفاظ نہایت محدود اور قوت فکر مفقود ہوتی ہے۔ اس لئے بچوں کی کتابیں محض زبان کے اعتبار سے ہی نہیں، خیال، موضوع اور طرز نگارش کے اعتبار سے بھی بچکانی ہوتی ہیں۔ انھیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کتابوں میں بتائی جاتی ہیں، جو بالغوں کو اگر کتابوں میں بتائی جائیں تو انھیں ہنسی آجائے کہ بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔ اسے کون نہیں جانتا! اس لئے ایسی کتابیں، جو خاص طور سے بچوں کے لئے لکھی ہوتی ہیں، ان کے لئے کچھ بہت زیادہ دل کش نہیں ہوتیں، سب سے پہلی بات یہ کہ ان کتابوں کا موضوع ان کی طبیعت کا نہیں ہوتا، اس لئے اپنے فرصت کے وقت میں ان کتابوں کو اپنے شوق سے پڑھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

پھر کیسی کتابیں؟

نوخواندہ بالغوں کے لئے کوئی بھی کتاب اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب وہ دو مقصد کو پورا کرے۔ ایک تو زبان سکھانے میں مددگار ہو اور دوسرے ان کی فکر و نظر میں وسعت پیدا کرے۔ نوخواندہ بالغوں کی کتابیں ان دونوں مقاصد کو پورا نہیں کرتی ہیں تو وہ بے کار ہیں۔ نوخواندہ بالغوں کی حالت پر غور کیجئے۔ یہ بالغ انسان ہیں۔ انھیں زندگی کا وسیع تجربہ ہے

ان کا ذخیرۂ الفاظ بچوں کی طرح محدود نہیں ہے۔ زبان کا لکھنا پڑھنا انھوں نے ضرور نیا نیا سیکھا ہے مگر اس زبان کا استعمال وہ بہت دنوں سے کرتے چلے آرہے ہیں اور اس زبان کے روزمرہ استعمال کے بہت سے مشکل الفاظ اور اُن کے مناسب استعمال کو جانتے ہیں۔ ضبط تحریر میں جب یہ الفاظ آجاتے ہیں تو انھیں پہچاننے میں دشواری ضرور ہوتی ہے۔ اس صورتِ حال میں غور کرنے پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نوخواندہ بالغوں کی کتابیں ہر اعتبار سے بچکانی نہیں ہونی چاہئیں۔ زبان بول چال کے عام معیار کے قریب کی ہونی چاہئے مگر ان کا موضوع "گڑیے گڈے کا کھیل" جیسا بچکانہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں جن چیزوں کا ذکر آئے، ان کی تشریح اس طرح نہ کی جائے جس طرح بچوں کے لئے کی جاتی ہے۔ بالغوں کی توقعات اور نوخواندوں کی دشواریوں کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا تو کتاب ان کے لئے جاذبِ نظر نہیں ہوگی۔

نوخواندہ؟

یہاں اپنی سہولت کے لئے ہم یہ سمجھ لیں کہ کوئی بھی بالغ جس نے پڑھنے لکھنے کا بنیادی فن تو سیکھ لیا ہو مگر تیزی کے ساتھ بغیر اٹکے اور سمجھ کر پڑھنے میں مشاق نہ ہوا ہو، وہی نوخواندہ بالغ ہے۔

کتاب

کتاب کے دو کام میں ابھی بتا آیا ہوں۔ ایک زبان سکھانا، دوسرے فکر و نظر اور معلومات میں وسعت پیدا کرنا۔ مگر خود کتاب کیا چیز ہے؟ وہ لکھنے والے کے خیالات کو پڑھنے والوں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ لکھنے والا اپنے خیالات پڑھنے والوں تک پہنچانے کے لئے کوئی موضوع چنتا ہے۔ اس موضوع کے بارے میں اپنے خیالات اور معلومات کو اپنی زبان میں قلمبند کرتا ہے جو چھپ جانے کے بعد کتاب بن جاتی ہے۔ اس طرح آپ غور سے دیکھئے تو کتاب کے یہ تین پہلو آپ کو صاف دکھائی دیں گے (۱) کتاب کا موضوع اور خیال (۲) وہ خیال جس انداز میں پیش کیا گیا ہے یعنی زبان اور بیان وغیرہ اور (۳) کاغذ پر چھپ کر کتاب کی شکل میں بندھی ہوئی چیز ——— کیونکہ اس کے بغیر "کتاب" وجود میں آتی ہی نہیں ہے۔ اب ہم یہاں انھیں تین پہلوؤں پر علیحدہ علیحدہ غور کر کے یہ دیکھیں گے کہ تینوں باتوں کو دیکھتے ہوئے کون سی کتابیں نوخواندہ بالغوں کے لئے کارآمد ہو سکتی ہیں۔

کتاب کا موضوع

اسے آپ کتاب کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہی وہ روح ہے جو زبان کے قالب میں ڈھل کر اور طباعت و تجلید کا جامہ پہن کر

کتاب کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ نوخواندہ بالغوں کو کون سی کتاب پسند ہو گی اس کا انحصار بہت کچھ کتاب کے موضوع پر ہوتا ہے۔ لوگ اپنی دلچسپی کے موضوع پر کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ ایک مثلاً اصول یہ ہے کہ لوگوں کی دلچسپی (INTREST) پڑھنے والوں کی زندگی کے معیار ان کی زندگی کے اقتصادی، سماجی اور تہذیبی پس منظر اور کاروباری حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ ایک نوخواندہ وہی کتاب پڑھنا پسند کرے گا، جس کا موضوع اس کی دلچسپی کا ہو۔ ایک کسان لوہے کے کارخانے کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب میں اتنی دلچسپی نہیں لے گا، جتنی "کھیت کی مٹی بہتر بناؤ" کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب میں۔ اسی طرح لوہے کے کارخانے میں کام کرنے والا مزدور "کھیت کی مٹی بہتر بناؤ" میں اتنی دلچسپی نہیں لے گا جتنی کارخانے کی زندگی کے بارے میں لکھی ہوئی کتاب میں۔ اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ نے جن لوگوں کو خواندہ بنایا ہے اور خواندگی کے بعد کے مرحلے میں کتاب پڑھنے کا شوق آپ جن لوگوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کی دلچسپی کس طرح کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کے لئے کتابوں کا انتخاب کرتے وقت اگر اس پر توجہ نہ دی گئی تو آپ کی کتابیں الماریوں میں بند رہ جائیں گی۔ انھیں پڑھنے کے لئے کوئی اٹھائے گا نہیں۔ اگر کبھی کسی نے شوق یا مروّت میں آ کر کتاب لے بھی لی تو ضروری نہیں کہ وہ شروع سے آخر تک پڑھ ہی لے اور اس طرح کتاب کا مقصد پورا ہو جائے۔ کیونکہ کتاب کا مقصد اس کے پڑھے جانے پر ہی پورا ہوتا ہے۔ آپ کو پولیس اور فوج کے لوگوں کو خواندہ بنانا ہے۔ ان لوگوں کی دلچسپی کھیتی لوہاری وغیرہ کے مقابلے میں بہادری، ہمت اور جواں مردی کی کہانیوں میں زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی کتابیں اگر خواندگی کے بعد کے مرحلے پر انھیں ملتی رہیں تو ان کتابوں کو وہ شوق سے پڑھیں گے، محظوظ ہوں گے۔ اس طرح اپنے شوق سے کتابیں پڑھنے سے نئے نئے الفاظ، ان کی ساخت، اور مطلب اور استعمال سے واقف ہوں گے، پڑھنے میں ان کی رفتار بڑھے گی اور آپ کا مقصد کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں اپنے شوق سے کتابیں پڑھ کر خواندگی میں مہارت حاصل کرتے جائیں پورا ہو جائے گا۔

مگر صرف پڑھنے والوں کی دلچسپی (INTREST) پر ہی توجہ دی گئی تو آپ ان کو اپنی دلچسپی کے موضوع کے محدود دائرے سے باہر نہیں لا سکیں گے۔ اور کتاب کا دوسرا مقصد کہ ان کے سامنے گیان کی نت نئی راہیں کھلتی رہیں پورا نہیں ہوگا۔ اس لئے اور کیسی کتابیں آپ ان کے سامنے رکھیں اس میں ان کی دلچسپی کے علاوہ ایک اور بات کا دھیان رکھنا ضروری ہو گا۔ وہ ہے ان کی ضروریات (NEEDS)۔ آج ہم جس زمانے میں زندگی گذار رہے ہیں، جس سماج میں ہم رہتے سہتے ہیں، جس کام کو ہم کرتے ہیں ان سب کا یہ تقاضا ہے کہ ہمیں کچھ باتوں کی معلومات لازمی طور پر ہو۔ یہ معلومات ہماری آج کی اہم ضرورت ہے۔ ضرورت اگر بہت شدت اختیار کر جائے تو ہماری دلچسپیوں کا جزو بن سکتی ہے۔ مگر یہ اُسی وقت جب کہ ہمیں ان کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوں اور ان کے بارے میں کچھ اور باتیں جاننے کی خواہش ہمارے اندر جاگ اُٹھے۔ آپ کے سامنے پولیس اور فوج کے سپاہیوں کی دلچسپی

کے موضوع کا ذکر کرتا آیا ہوں، اب اس سے ذرا ہٹ کر ان کی ضروریات پر غور کیجئے یعنی ایسے موضوع کے بارے میں سوچئے جن کے بارے میں جاننا ان کے لئے ضروری ہے، خواہ انفرادی طور پر اس میں ان کی دلچسپی ہو یا نہ ہو یا ایسے موضوع جن پر کتاب اگر ان کے سامنے موجود ہو تو وہ اسے اس مقصد سے اُٹھا لیں کہ یہ کتاب ان کے کام میں مددگار ہوگی یا اس میں انھیں کچھ اپنے مطلب کی باتیں ضرور پڑھنے کو مل جائیں گی۔ ایسے موضوع کا انتخاب کرتے وقت آپ کو ان کی دلچسپی سے ذرا اُوپر اُٹھ کر سوچنا ہوگا۔ وہ پولیس اور فوج کے محکمے کے آدمی ہیں اس محکمے کے قواعد وضوابط فوجی نظم وضبط کی زندگی اور دوسری پیشہ ورانہ فنی معلومات سے متعلق کتابیں ہوں تو ان کو پڑھنا وہ اپنے کام کو ٹھیک ڈھنگ سے کرنے کے لئے ضروری سمجھیں گے۔ اسی طرح ایک ملک کے شہری اور بھی خواہ ہونے کی حیثیت سے کچھ دوسری باتوں کی واقفیت رکھنا ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ آج جس ترقی یافتہ سائنسی دنیا میں ہم آپ رہتے ہیں اس میں یہ ضروری ہو گیا ہے کہ دنیا میں ہونے والی ترقیوں کی کچھ تھوڑی بہت معلومات سب کو ہو۔ معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ ضروریات کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔ ایک ہوش مند معلم کے لئے نوخواندوں کی کتابوں کا انتخاب کرتے وقت جہاں ان کی دلچسپیوں کا دھیان رکھنا ضروری ہوتا ہے وہاں ان کی ضروریات کا دھیان رکھنا بھی لازمی ہوتا ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

زبان

یہ تو رہی کتاب کے موضوع کے بارے میں دو باتیں جن پر کتابوں کا چناؤ کرتے وقت دھیان رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ کتاب کا موضوع، پڑھنے والے کے لئے کتاب کا انتخاب کرنے میں مددگار رہتا ہے، اس کے پڑھنے میں نہیں۔ کتاب تو وہی پڑھی جائے گی جو پڑھنے والے کے معیار کے مطابق زبان میں لکھی ہوئی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ "تیر کے شکار" یا "جھانسی کی رانی" جیسے موضوع پر لکھی ہوئی ہر کتاب —— جس کا موضوع ان کی دلچسپی کا ہے اور جس کا عنوان دیکھ کر ہی وہ اُسے پڑھنے کے لئے اٹھا بھی سکتے ہیں —— ان کے کام کی ہو۔ کتاب میں صرف وہ بات ہی اہم نہیں ہوتی جو اس میں کہی گئی ہے، بلکہ کس انداز میں کہی گئی ہے اس کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ خاص طور سے نوخواندہ بالغوں کی کتابوں کے بارے میں تو اس دوسری بات کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ ان کے پڑھنے کے لئے سب سے بڑی شرط یہی ہوتی ہے کہ وہ ایسی زبان میں لکھی ہوئی ہو جسے وہ آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں۔ کس کتاب کی زبان آسان ہے، اس کا فیصلہ (۱) کتاب میں آنے والے الفاظ، ان کے مطلب، لکھاوٹ کی پیچیدگی اور (۲) جملوں کی ساخت اور (۳) طرزِ تحریر پر منحصر ہوتا ہے۔ اب یہاں میں ان تین پہلوؤں پر الگ الگ غور کر کے یہ بتانے کی

کوشش کروں گا کہ نوخواندہ بالغوں کے لئے کس معیار کی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں زیادہ مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں اور کتاب کا انتخاب کرتے وقت آپ کس طرح ان کو پرکھ سکتے ہیں۔

الفاظ کا استعمال

یہ بات میں آپ کو بتا آیا ہوں کہ بالغ افراد کا ذخیرہ الفاظ بچوں کی طرح محدود نہیں ہوتا۔ ہاں الفاظ کی تحریری شکل ضرور نئی ہوتی ہے۔ پڑھنے لکھنے میں مشاق آدمی تحریری عبارت بڑی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ ہر جملے پر نظر ڈالتے ہی وہ پورا پورا جملہ پڑھ جاتا ہے۔ مگر نوخواندوں کے لئے ہر قدم پر رکاوٹ ہوتی ہے۔ ہر لفظ ان کے سامنے رکاوٹ بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ ایک لفظ جب اس کے تمام حروف کو ملا کر وہ پڑھ لیتا ہے تب دوسرے لفظ پر پہنچتا ہے اور اسی طرح دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے لفظ پر اور اسی طرح جملے کے آخیر تک۔ پڑھنے کی مشق جتنی کم ہوتی ہے پڑھنے والا اتنا ہی زیادہ اٹکتا ہے۔ الفاظ آسان ان کے جانے پہچانے ہوں تو وہ انھیں ایک ہی نظر میں پہچان لیتا ہے۔ الفاظ مشکل ہوں ـــ مطلب کے اعتبار سے ـــ تو پڑھنے کی رکاوٹ طے کر لینے کے بعد سمجھنے کی رکاوٹ بھی درپیش ہوتی ہے اور ان کا یہ نیا پڑھا ہوا لفظ "کالا اکچھر بھینس برابر" جیسا بے معنی ہوتا ہے۔ کچھ الفاظ ہوتے ہیں کہ ان کا مطلب تو جانا پہچانا ہوتا ہے یعنی وہ بول چال کی زبان کے لفظ ہوتے ہیں مگر ضبط تحریر میں آنے پر ان کی شکل اتنی پیچیدہ بن جاتی ہے کہ ان کو پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں طرح کے الفاظ نوخواندہ بالغوں کی کتابوں میں جتنے کم آئیں گے، پڑھنے اور سمجھنے میں نوخواندہ بالغوں کے سامنے اتنی ہی کم الجھنیں پیش آئیں گی اور ایک بار کتاب کا موضوع پسند کرنے کے بعد جب وہ اُسے پڑھنا شروع کریں گے تو زبان کی دشواری ان کے آگے بڑھتے رہنے کے شوق میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ مطلب اور لکھاوٹ کے لحاظ سے مشکل الفاظ کی مثال آپ خود سوچ سکتے ہیں۔

جملوں کی ساخت

زبان کی دشواری محض آسان لفظوں کے استعمال سے ہی دور نہیں ہو جاتی ہے۔ آسان سے آسان لفظ جملوں میں اس طرح استعمال ہو سکتے ہیں کہ ان کا مطلب الجھ کر رہ جائے۔ یہ بات میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ایک نوخواندہ آدمی ہر لفظ کو علیحدہ علیحدہ پڑھ کر سمجھتا ہے۔ پورا جملہ ایک بار میں اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر جملہ آسان لفظوں سے بنا ہے مگر بہت لمبا ہے تو نوخواندہ لوگوں کے لئے الگ الگ الفاظ کو پڑھ کر پورے جملے کے مطلب کو ایک بار میں سمجھ لینے کی دشواری اسی طرح قائم رہتی ہے۔ اس لئے نوخواندہ بالغوں کے لئے جو کتابیں آپ چنیں اس میں جہاں یہ دیکھیں کہ ان کا موضوع ان کی پسند اور

ضروریات کے مطابق ہے، آسان لفظوں کا استعمال ہوا ہے وہاں یہ بھی دیکھیں کہ اس کے جملے الجھے ہوئے یا بہت لمبے نہیں ہیں چھوٹے جملے بھی اُلجھے ہوئے ہو سکتے ہیں اور لمبے جملے سُلجھے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں مگر جملے جتنے چھوٹے ہوں نوخواندوں کو پڑھنے اور پڑھ کر سمجھنے میں اتنی ہی آسانی ہوگی۔

طرزِ تحریر

طرزِ تحریر کو پرکھنا سب سے مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بہت یقینی اصول قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک جانی پہچانی کہانی بھی جب کوئی منجھا ہوا فن کار لکھتا ہے تو اس میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیتا ہے۔ یہ جاذبیت صرف لفظوں کے انتخاب اور استعمال کی وجہ سے ہی نہیں پیدا ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ کہانی لکھنے والے نے اس میں ایک خاص طرز اختیار کی ہے۔ طرزِ تحریر الفاظ کے انتخاب اور جملوں میں استعمال کے لئے مصنف کے سامنے ایک معیار ضرور قائم کرتی ہے۔ مگر وہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہوتی۔ اس میں اصل چیز وہ زاویہ نگاہ ہے جس سے لکھنے والا اپنے زیرِ بیان موضوع کو دیکھتا اور پیش کرتا ہے۔ وہ تو ایک طرف سے مصنف کی شخصیت ہوتی ہے جو اس کی تحریر میں جھلکتی ہے نوخواندوں کی کتابیں ایسے انداز میں لکھی ہونی چاہئیں کہ اس میں بیان کی ہوئی باتیں پڑھنے والوں کے لئے سمجھنا آسان ہو۔ ہر جملہ دوسرے جملے کو پڑھنے کے لئے اکسائے اور ہر پیراگراف دوسرے پیراگراف کی طرف پڑھنے میں مدد دے۔

نوخواندوں کے لئے کس انداز میں لکھی ہوئی کتابیں زیادہ مناسب ہوتی ہیں یہ بات بہت کچھ کتاب کے موضوع پر منحصر ہوتی ہے۔ کہانی اور مکالمے کے انداز میں لکھی ہوئی کتابیں زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں۔ ایسی کتابوں کو پڑھنے میں گویا انھیں سہارا ملتا ہے پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ پڑھ نہیں رہا ہے بلکہ کسی سے بات ہی بات میں نئی نئی باتیں پوچھتا جا رہا ہے۔ پڑھائی کا تصور بالغوں کے لئے بچوں کے مقابلے میں زیادہ بھیانک ہوتا ہے ان کے تحت شعور میں پڑھنے کی طرف سے ایک حجاب کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔

آسان الفاظ اور سُلجھے ہوئے جملوں کے ساتھ اندازِ تحریر کا دلکش اور سُلجھا ہوا ہونا بھی ایک بڑی شرط ہے۔ اگر کسی کتاب کا موضوع ان کی پسند کا ہے اس میں مناسب الفاظ کا چھوٹے چھوٹے اور آسان جملوں میں استعمال بھی ہوا ہے مگر کتاب بہت غیر دلچسپ انداز میں لکھی ہوئی ہے تو اس کتاب کی طرف سے اُن کا دل جلد ہی اچاٹ ہو جائے گا۔ ایسی کتاب کو ایک بار شروع کرنے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ نوخواندہ اُسے ختم کر کے ہی چھوڑے۔

طباعت و تجلید

اب ایک کتاب لیجئے۔ اس میں اوپر بتائی ہوئی ساری خصوصیات موجود ہیں یعنی کتاب کا موضوع نوخواندہ بالغوں کی دلچسپی اور پسند کا ہے۔ سلجھی ہوئی زبان، دلچسپ انداز میں کتاب لکھی ہوئی ہے یعنی نوخواندہ بالغوں کے لئے ایک اچھی کتاب کی ساری خوبیاں اس میں موجود ہیں۔ مگر کتاب بہت باریک چھپی ہے، گندی چھپی ہے، کاغذ خراب ہے، تصویریں وغیرہ نہیں ہیں، یوں سمجھئے کہ اخبار کی ردّی کو کتاب کی شکل میں باندھ دیا گیا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ایک نوخواندہ ایسی کتاب کو پڑھنے کے لئے تیار ہوگا یا نہیں۔ ایک مثل مشہور ہے کہ "گھی کا لڈو ٹیڑھا بھی بھلا"، مگر پانچ اور سڈول لڈوں پر ہی پہلے پڑتا ہے۔ داخلی خوبیوں کے ساتھ ظاہری حسن کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ نوخواندوں کی کتاب کے موضوع اور زبان وغیرہ کی جتنی اہمیت ہے اس کی چھپائی اور دیدہ زیبی کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔

یہاں میں یہ چاہوں گا کہ آپ نوخواندہ بالغوں کی زندگی پر ایک بار پھر غور کیجئے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ لوگ بالغ ہوتے ہیں۔ بچوں کے مقابلے میں ان کی آنکھیں کمزور ہوتی ہیں۔ یہ اپنی روزی خود کماتے ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے آرام سے لیٹ بیٹھ کر ہی پڑھ سکتے ہیں۔ گھر میں ان کے ضروری نہیں کہ روشنی کا اچھا انتظام ہو۔ جہالت اور غربت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پڑھنے کا ان کے پاس الگ سے کوئی کمرہ تو ہوگا نہیں۔ وہیں روٹی پک رہی ہے، وہیں اس کی چارپائی پڑی ہے۔ دن بھر کا تھکا ماندہ ہے پڑھنے کا شوق ہے۔ ایک کتاب اس کے پاس ہے۔ دھیمی روشنی میں وہیں لیٹ یا بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہے۔ اب یہ کتاب اگر باریک حروف میں چھپی ہو، کاغذ خراب ہو، روشنائی ہلکی ہو۔ لفظ ایک دوسرے سے ملے ملے چھپے ہوں، سارا صفحہ کالے حروف سے سیاہ ہوا پڑا ہو اور صفحے پر سفیدی کم دکھائی دیتی ہو تو اس کتاب کا پڑھنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ وہ پڑھنے کی خواہش کے ہوتے ہوئے بھی اور ان کی دلچسپی کے موضوع پر آسان اور دلکش انداز میں لکھی ہوئی کتاب کے موجود ہوتے ہوئے بھی، پڑھنے میں اُلجھے گا۔ آنکھ پر زور پڑے گا، سر چکرائے گا۔ تھک کر کتاب کو یوں ہی چھوڑ دے گا۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ خوب ذائقے دار اور خوشبو میں بھنی ہوئی کھیر کے اور ایک مکھی کے گر جانے کی وجہ سے کھائی نہ جا سکے۔ ذائقہ لینے اور ہضم کرنے کی باری تو بعد کو آتی ہے۔

نوخواندہ بالغوں کی کتابوں کا موٹے حروف میں، اچھے موٹے کاغذ پر، صاف اور روشن سیاہی میں کھلا کھلا چھپا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس کا موضوع اُن کی پسند کا اور زبان کا آسان اور دلچسپ ہونا۔

تصویروں کی ضرورت

نوخواندوں کی کتابوں میں اگر جگہ جگہ پر تصویریں بھی ہوں تو اس سے کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے تصویریں پڑھنے والوں کو سہارا دیتی ہیں انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جدھر سے ہو کر انھیں ۳۲ یا ۴۰ یا ۴۸ صفحوں کی منزل طے کرنی ہے وہ بالکل اُجاڑ راستہ نہیں ہے۔ بلکہ راستے میں پیڑ پودے لگے ہوئے ہیں، بیلیں کھلی ہوئی ہیں، کچھ پھول بھی ہیں کچھ پھل بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تصویروں کے سہارے کتاب کا موضوع کچھ بہت اجنبی نہیں لگتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ باتصویر کتاب کو پڑھنا شروع کرنے سے پہلے لوگ الٹ پلٹ کر اس کی تمام تصویروں کو دیکھ لیتے ہیں، اس طرح اس موضوع کا ایک ہلکا سا خاکہ ان کے سامنے آجاتا ہے۔ اس سے کتاب کو آگے پڑھنے اور اسے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

x———+———x———x

مختصراً یہ ہیں وہ چند باتیں جن پر آپ نوخواندہ بالغوں کی کتابوں کا انتخاب کرتے وقت اگر دھیان رکھیں گے تو خواندگی کے بعد نوخواندہ لوگوں کے پڑھنے کے لئے اچھی اور کام کی کتابیں تجویز کر سکیں گے جو اُن کی خواندگی کی مشق کو تازہ رکھنے کا واحد ذریعہ ہیں۔

(بقیہ ص ۲۴ کا)

رسدی دفتر — چاہے وہ ادارے کے ماتحت قائم ہو یا کسی اور ایجنسی کے ماتحت، ان کو کامیابی کی راہ پر لگا دے' ایک فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ بستی کے لوگوں کا مرکز ہو یا کوئی اور ایجنسی جو تعلیمی مرکزوں کی تحریک چلانا چاہے' وہ اپنا ایک کارکن کم سے کم ایک سال تک ادارہ تعلیم و ترقی میں کام سیکھنے کے لئے بھیج دے اور اس مدت کا پورا خرچ برداشت کرے۔ ارادہ تھا کہ فی الحال کارکنوں کی ایجنسی کا یہ منصوبہ چھوٹے پیمانے سے شروع کیا جائے اور چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ کارکن بھرتی کئے جائیں۔ پالیسی یہ تھی کہ جو ایجنسی اپنے آدمی ٹریننگ کے لئے بھیجے وہ اس کے خرچ کی رقم براہ راست ایڈمنسٹریشن کو نہ ادا کرے بلکہ ادارے کے بجٹ میں جمع کر دے اور ادارہ اس رقم سے زیر تربیت کارکن کو وظیفہ دے۔

یہ تھا وہ منصوبہ جو رسدی دفتر (ریڈنگ سنٹر) کے نام سے شہر میں تعلیمی مرکزوں کی تحریک کو کامیاب اور نتیجہ بخش بنانے کی غرض سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس منصوبے کے صرف چند پہلوؤں پر عمل ہو سکا مثلاً دیواری اخباروں کے لئے مواد کی فراہمی، پندرہ روزہ بلیٹن (جو آگے چل کر رسالہ تعلیم و ترقی ہو گیا) کی اشاعت، دفتری کاموں میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے مختلف قسم کے مطبوعہ فارموں کی فراہمی اور مانگر دنوں۔ باقی کام ایسے تھے کہ ان کے لئے اسٹاف اور سرمائے کی خاصی مقدار کی ضرورت تھی اور یہ شرطیں ادارے کے اُس وقت کے حالات کے پیش نظر ممکن نہ تھیں اس لئے وہ "زیر غور" ہی رہے۔

رسدی مرکز (فیڈنگ سنٹر)

گزشتہ شمارے میں ہم نے ایک منصوبہ "جنتا کالج" کا تعارف پیش کیا تھا جس کی خاکہ بندی تو ہوئی لیکن ناساعد حالات کی وجہ سے اس کے قیام کی نوبت نہیں آئی۔ زیر نظر شمارے میں ہم ایک اور بڑے منصوبے فیڈنگ سنٹر کا تعارف پیش کر رہے ہیں جس پر ایک حد تک عمل بھی ہوا لیکن پلان کے مطابق کام کرنے کے لئے اسٹاف اور سرمائے کی اتنی بڑی مقدار میں ضرورت تھی کہ ادارہ اسے فراہم نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس پر عمل ملتوی کر دیا گیا تھا۔

—— ایڈیٹر

خیال کی ابتداء

"آپ کے تعلیمی مرکز کے لئے جس منتظم کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، وہ جگت گرو یا بحرالعلوم نہیں ہے کہ بستی کی تعلیم اور ترقی کے لئے جتنے کام ضروری ہیں، انھیں وہ خود انجام دے سکے۔ وہ آپ کی بستی اور بستی کی تعلیم و ترقی سے متعلق مختلف کاموں کے ماہروں کے درمیان محض ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل کام آپ کا ہے۔ آپ اور آپ کی بستی کو اپنی ترقی اور بہبود کے لئے جس کام کی ضرورت ہوگی اور آپ اس ضرورت کو پورا کرنا چاہیں گے تو آپ کے تعلیمی مرکز کا منتظم ماہروں کی خدمات حاصل کرکے، وسائل کی کھوج نکال کر اور اس کام کی تعلیم کا ماحول پیدا کرکے آپ کی مدد کرے گا۔" یہ تھا وہ اصول جو اس زمانے کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے ایک تعلیمی مرکز کا افتتاح کرتے وقت بستی کے لوگوں اور تعلیمی مرکزوں کے کارکنوں کے سامنے کام کی بنیاد کے طور پر رکھا تھا۔

اس تعلیمی مرکز کے قیام کے بعد ادارہ تعلیم و ترقی کے ماتحت یکے بعد دیگرے تین مرکز اور قائم ہوئے اور ۱۹۴۸ء کے ختم ہونے ہونے ادارے کی رہنمائی میں پانچ تعلیمی مرکز قائم ہوگئے تھے اور پوری تندہی کے ساتھ بستی کی تعلیم کا کام کر رہے تھے۔ لیکن جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا تھا ان مرکزوں کے منتظم جگت گرو نہیں تھے اور بستی کی تعلیم سے متعلق مختلف ضرورتوں کے پیش نظر انھیں قدم قدم پر اپنی بے بسی کا احساس ہوتا تھا۔ ان مجبوریوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ان مرکزوں کے کام میں بے ترتیبی تھی اور تحریک کے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت چلنے میں دشواریاں پیش آرہی تھیں۔

اس بے ترتیبی اور انتشار کے پیش نظر ادارے نے تعلیمی مرکزوں کے درمیان ربط اور اتحادِ عمل پیدا کرنے کی غرض سے ایک الگ دفتر قائم کیا اور اپنے ایک تجربہ کار منتظم کو اس کا انچارج بنایا۔ اس دفتر نے بستی کی تعلیم کے عام تقاضوں کے حسب منشا کام کا ایک نقشہ مرتب کیا اور کام کی شکل میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے دیواری اخباروں کے ظاہری رنگ روپ، مرکزوں میں چلنے والے درسی حلقوں، انجمنوں اور کلبوں کی رکنیت کے فارموں، جائزے کے سوال ناموں اور دوسرے دفتری کاغذات کی شکل صورت متعین کی اور کام کے نتائج کا اندازہ کرنے کی غرض سے ایک مقررہ خاکے کے مطابق ہر مرکز سے ہفتہ واری رپورٹ حاصل کرنے کا انتظام کیا۔ ان انتظامات سے مرکزوں کے کام کی ایک متعین شکل اُبھر آئی، ان کے درمیان تال میل کا ایک کم سے کم معیار قائم ہوگیا! اور منتظموں کے اوپر سے غیر ضروری کاموں کا بوجھ اُتر گیا۔

لیکن یہ انتظامات کام کے محض ظاہری رنگ روپ سے متعلق تھے جن سے تحریک کے دفتری پہلو میں صفائی پیدا ہو سکتی تھی (اور وہ بڑی حد تک پیدا ہوئی) تعلیمی پروگراموں میں مرکزوں کی ماہرانہ امداد کا پہلو اب بھی تشنہ رہا اور اس اعتبار سے مرکزوں کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ان کے منتظموں کی انفرادی صلاحیت اور وسیلہ جوئی پر تھا چنانچہ کسی مرکز میں ہمہ وقت سرگرمیاں ہی سرگرمیاں نظر آتی تھیں اور کوئی مرکز کبھی کبھار جاگتا تھا۔

مرکزوں کے کام کی اسی اونچ نیچ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جب تک تعلیمی مرکز بستی کا اپنا نہ ہوگا اور اُس سے کام لینے خود اُسے احساس نہ ہوگا اُس وقت تک بستی کا تعلیمی مرکز اپنے منتظم کی دلچسپی کا محتاج یا سرد مہری کا شکار رہے گا اور اس تحریک سے جن نتائج کی امید کی جاتی ہے وہ کبھی سامنے نہیں آئیں گے۔

تقریباً اسی زمانے میں دہلی کی میونسپل کمیٹی نے بھی شہر کی چند دوسری بستیوں میں ادارے کے تعلیمی مرکزوں کے نمونے پر مرکز قائم کئے۔ کمیٹی نے اس کام کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کے سکریٹری شری وی۔ ایس۔ ماتھر تھے ماتھر صاحب کا تعلق انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن سے بھی تھا اور وہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو کامیاب بنانے میں بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کام کر رہے تھے میونسپل کمیٹی نے اپنے اہتمام میں سوشل ایجوکیشن کا کام شفیق صاحب اور ماتھر صاحب

ہی کی تحریک پر شروع کیا تھا چنانچہ شفیق صاحب کی حیثیت سوشل ایجوکیشن کمیٹی میں ایکسپرٹ کی سی تھی۔

میونسپل کمیٹی کے ان مرکزوں میں بھی کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد وہی مسائل سامنے آنے لگے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

ادھر ادارہ تعلیم و ترقی میں تعلیمی مرکزوں کے کنٹرول آفس نے اپنے مرکزوں کے لئے ایک رسدی مرکز کا ابتدائی کام شروع کر رکھا تھا۔ شفیق صاحب اور راقم الحروف صاحب کچھ اس خیال سے کہ کمیٹی کے مرکزوں کو سنٹرل آفس سے مدد پہنچائی جائے اور کچھ اس خیال سے کہ دوسری بستیوں کے لوگوں میں خود اپنی تحریک پر تعلیمی مرکز قائم کرنے کا شوق پیدا ہو، ایک سنٹرل فیڈنگ سنٹر قائم کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ انھوں نے اس مقصد کے لئے ایک نعرہ "آپ برائے نام؛ ہم برائے کام" بھی تجویز کیا تھا جس کے ذریعے بستیوں کے لوگوں کو دعوت دینی تھی کہ

"آپ تو صرف نام کر دیجئے کہ اپنی بستی کے لئے آپ نے تعلیمی مرکز قائم کر لیا ہے اور جگہ کا انتظام کر دیجئے۔
یہ مرکز بستی کی تعلیم کا کام کس طرح کرے گا یہ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے۔"

منصوبہ قریب قریب پکا ہو چکا تھا چنانچہ شفیق صاحب نے ادارے کے کنٹرول آفس سے فرمائش کی کہ وہ تعلیمی مرکزوں کے لئے فیڈنگ سنٹر کا ایک خاکہ مرتب کرے اور اس کا باقاعدہ بجٹ بنائے۔

منصوبے کی تفصیلات

تعلیمی مرکزوں کے کنٹرول آفس نے مرکزوں کی ضروریات کا جائزہ لینے کے بعد رسدی دفتر کا ایک مفصل میزانیہ مرتب کیا اور اسے ایک میمورنڈم کے ساتھ شفیق صاحب کے پاس منظوری کے لئے بھیجا۔ دفتر کے میزانیے اور اس کی تشریحات کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تو رسدی دفتر کے منصب اور طریق کار کا اچھا خاصہ اندازہ ہو جائے گا لیکن اس سے پہلے بہتر ہو گا کہ میمورنڈم کے چند اقتباسات بھی پڑھ لئے جائیں اس لئے کہ ان سے رسدی دفتر کے بنیادی مقصد پر روشنی پڑتی ہے۔

میمورنڈم بسلسلہ میزانیہ رسدی دفتر

محترم جناب ناظم صاحب ادارہ تعلیم و ترقی

رسدی دفتر کے خرچ کا جو تخمینہ میں پیش کر رہا ہوں اس میں میرے سامنے منجملہ اور کاموں کے ایک نہایت ضروری کام یہ ہے کہ تعلیمی مرکزوں کی اس تحریک کی عوام میں ذرا مفصل پبلسٹی کی جائے۔ میرے نزدیک یہ کام اہم اس لئے ہے کہ جب تک تحریک کی تشکیل صورت اور اس کی افادیت کا عوام کو احساس نہ ہو گا، اُس وقت تک تعلیمی مرکز عوامی حیثیت

اختیار نہیں کر سکتے، اور اگر وہ کسی حد تک خود کفیل ہو بھی گئے تو اس کی حیثیت عوامی نہیں ہوگی بلکہ خصوصی ہوگی، وہ اس طرح کہ جامعہ کے نام پر بستی یا بستی کے باہر کے لوگ چندہ دے دیں گے اور بس، مگر یہ صورتِ حال پائیدار نہیں گی۔

یہ بات میں اصرار کے ساتھ کہوں گا کہ تعلیمی مرکزوں کی تحریک کو بامعنی اور جان دار بنانا ہے اور اس خیال کو عملاً ہونے دیکھنا ہے کہ تعلیمی مرکز بستی کے لوگوں (عوام، خواص ہی نہیں) کی اپنی چیز ہو جائیں تو نمائشوں، سینما سلائڈز، اخباروں، ہینڈ بلوں، وغیرہ کے ذریعے کافی بڑے پیمانے پر پبلسٹی کرنا نہ صرف ضروری بلکہ اوّلین شرط ہے۔

یہ بات میں یہ اصرار اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب امریکہ جیسے ملک میں اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تعلیم اور سیکھنے کی ضرورت کا احساس عام ہے تو ہندوستان تو ابھی بہت پیچھے ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تعلیمی مرکزوں کے اب تک کے کام کا مطالعہ کر کے خود بھی یہی محسوس کیا ہے۔

اس خیال کا ماخذ میرے زیرِ مطالعہ ایک کتاب ہے — PUBLICITY FOR ADULT EDUCATION) جسے میں دو مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور اب پھر پڑھ رہا ہوں۔

امید ہے رسدی دفتر کے اس میزانئے کو آپ منظور فرمائیں گے۔

اس بجٹ کے خاص خاص آئیٹم حسبِ ذیل تھے۔

۱۔ تنخواہ عملہ:

الف۔ انچارج رسدی دفتر   ب۔ آرٹسٹ   ج۔ چپراسی

۲۔ سامانِ تعلیم: تیاری و طباعت

الف۔ دیواری اخباروں کے لئے مواد

ب۔ مائیکروفون

ج۔ والدین کے لئے لٹریچر

د۔ درسی حلقوں کے چھپے ہوئے چارٹ اور فارم رکارڈ

ہ۔ درسی حلقوں کے نصاب: تیاری اور طباعت

د۔ داخلے کے فارم اور سندیں

۳۔ بلیٹن اور پبلسٹی:

الف۔ اشاعتِ بلیٹن

ب۔ ہینڈ بل اور پمفلٹ

ج۔ پوسٹر اور چارٹ (مرکزوں کی پبلسٹی کے لئے)

۴۔ لیکچروں کا سلسلہ:

حالاتِ حاضرہ، بچوں کی پرورش کے فن، اور چند دوسرے موضوعات پر لیکچر دینے کے لئے (۱) مقرروں کا انتخاب (۲) لیکچروں کے خلاصوں کی اشاعت اور (۳) لیکچروں میں لوگوں کو شریک کرنے کے لئے پبلسٹی اور پروپیگنڈہ۔

۵۔ نمائشیں اور فلم شو:

الف۔ تعلیمی مرکزوں اور ان کے کام کی نمائش

ب) مرکزوں میں مختلف موضوع کے فلم دکھانے کا انتظام

۶۔ مرکزوں میں آپس کے مقابلے: ایک گشتی ٹرانی کے ماتحت

۷۔ اُستادوں کا دستہ: مختلف درسی حلقوں کے لئے اُستادوں کی فراہمی

۸۔ ایک مستقل اسٹیج سیٹ اور چند ڈراموں کی تیاری

۹۔ مرکزوں کی امداد

الف۔ بچوں کے اجتماعات کے لئے

ب۔ مرکزوں کی غیر معمولی اور غیر متوقع ضرورتوں کے لئے۔

۱۰۔ کارکنوں کی ایجنسی

تشریح

خرچ کی اِن مدوں سے مجوزہ رسدی دفتر کی شکل وصورت اور اس کے منصب اور کام کے حدود کا موٹا سا اندازہ ہوجاتا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ماتحت ہونے والے کاموں کی تفصیلات کا بھی مختصراً ذکر کردیا جائے تاکہ

اگر منصوبے کو سمجھنے میں کہیں گنجلک کا احساس ہو تو وہ دور ہو جائے۔

بنیادی مقصد

جیسا کہ شفیق صاحب اور ماتھر صاحب کے مجوزہ نعرے "آپ برائے نام، ہم برائے کام" سے ظاہر ہے، مرکزی رسدی دفتر کا بنیادی مقصد تھا کہ تعلیمی مرکز چاہے وہ کسی ادارے کے ماتحت چل رہے ہوں یا بستی نے اپنے لئے خود قائم کئے ہوں ان کے اوپر دفتری کام کا بوجھ کم سے کم ہو جائے اور وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت بستی کے لوگوں میں اپنی تعلیم اور ترقی کا احساس پیدا کرنے میں صرف کریں اور جب اس احساس کے نتیجے کے طور پر تعلیمی ضرورتیں واضح ہو کر سامنے آجائیں تو وہ اُن کی اطلاع رسدی دفتر کو دے دیں جو بروقت ان ضرورتوں کو پورا کر دے۔ شفیق صاحب کہا کرتے تھے کہ "تعلیمی مرکزوں کو خفیہ پولیس کا کردار ادا کرنا چاہئے اور رسدی دفتر کو باوردی پولیس کا۔ جس طرح خفیہ پولیس کے لوگ مجرم کا پتہ لگانے میں مصروف رہتے ہیں اور جب اس کا پتہ چل جاتا ہے تو چپکے سے باوردی پولیس کا اطلاع دے دیتے ہیں جو اُسے آکر گرفتار کر لیتی ہے، بالکل اسی طرح تعلیمی مرکزوں کو بستی کی ضرورتوں اور تقاضوں کا پتہ لگاتے رہنا چاہئے اور جب ضرورت ننگی ہو کر سامنے آجائے تو انھیں رسدی دفتر کو اطلاع دینی چاہئے کہ وہ آکر اُس کا علاج شروع کر دے"۔ وہ کہتے تھے کہ "مثال اگرچہ اچھی نہیں ہے لیکن تعلیمی مرکزوں اور رسدی دفتر کے کردار کی عکاسی کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے"۔

سامان تعلیم

الف۔ دیواری اخبار کے لئے مواد

تعلیمی مرکزوں میں جو دیواری اخبار تھے ان میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی، کہیں بہت بڑے سائز پر بن رہے ہیں اور تصویروں سے بھرے پڑے ہیں تو کہیں بالکل چھوٹے سائز پر اور اس قدر روکھے پھیکے کہ ان کا مقصد فوت ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مرکز کے مہتمم کا بیشتر وقت اسی کی نذر ہو جاتا تھا اور دوسرے کام پڑے رہ جاتے تھے اس لئے کہ اس صورت میں اخبار کی اشاعت کے سلسلے کا تمام کام: اسٹشنری کی فراہمی، مواد کا انتخاب، تصویروں کی فراہمی، کتابت (خود یا کاتب کے ذریعہ) غرض سب کچھ اُسی کو کرنا پڑتا تھا ـــ اور ظاہر ہے یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے مستقل ایک آدمی کی ضرورت ہے۔

رسدی دفتر نے طے کیا کہ ہر مرکز کو چھپے ہوئے ٹائیٹل پیج اور کالموں کے ساتھ ایک مخصوص سائز کا کاغذ سپلائی کیا جائے چند مستقل عنوان مقرر کر دیئے جائیں ـــ مثلاً زریں اقوال، حالاتِ زندگی، مفید معلومات ـــ اور ان کے لئے چھپا ہوا

مواد سنٹر سے مہیا کیا جائے۔ اس طرح روزانہ کی خبروں کے لئے ایک منفرد جگہ بچ جائے گی جسے پر کرنا آسان ہوگا اور وقت بھی کم صرف ہوگا۔

ب۔ مائکروفون: بڑے جلسوں کے لئے عموماً مائکروفون کی ضرورت ہوتی ہے جسے اگر کرائے پر لایا جائے تو خرچ بہت بڑھ جاتا ہے۔ خرچ کی مجبوری کی وجہ سے بہت سے مرکز بڑے جلسوں اور تقریبوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے طے کیا گیا کہ رسدی دفتر کے پاس دو تین لاؤڈ اسپیکروں کے ساتھ ایک مائکروفون موجود رہنا چاہئے تاکہ کسی مرکز میں اس امر کی مجبوری کی بنا پر کوئی ایسا جلسہ منعقد ہونے سے نہ رہ جائے جس کا مناسب موقع ہو۔

ج۔ والدین کے لئے لٹریچر ہر تعلیمی مرکز میں ایک ایک انجمن والدین قائم کی تھی، لیکن مرکز کا یہی پہلو سب سے زیادہ کمزور تھا اس لئے کہ مرکز کا مہتمم خود اس سے واقف نہیں ہوتا تھا اس لئے بچوں کی پرورش و پرداخت سے متعلق نہ بستی کی ماؤں کو متاثر کرسکتا تھا نہ باپوں کو۔ طے یہ کیا گیا کہ بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دینا تو بے نتیجہ رہے گا اس لئے کہ اوّل تو بستی کی خواندگی کا اوسط ہی اس کی اجازت نہیں دے گا، دوسرے جو پڑھے لکھے والدین ہیں، وہ بھی ایسے خشک موضوع پر پڑھنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اس لئے طے یہ کیا گیا کہ (۱) ایک نصاب کے مطابق زیادہ سے زیادہ چار صفحے کا ہینڈ بل خط کی شکل میں چھپوا کر تقسیم کئے جائیں اور والدین کے لئے ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے کہ وہ ان خطوط کو پڑھیں اور اپنے مطالعے کے نتیجے سے مطلع کریں (۲) اس فن کے چند عالموں سے مل کر ایکس ٹنشن لیکچر کی شکل میں چند لیکچروں کا انتظام کیا جائے اور لیکچروں کے بعد ان کے خلاصے تیار کرکے انھیں لوگوں کے ذہن نشین کرانے کا پروگرام چلایا جائے اور یہ سب کام رسدی دفتر مرکزوں سے مل کر انجام دے۔

د۔ ۵: درسی حلقوں کے لئے داخلے اور ریکارڈ کے فارم اور چارٹ طے یہ کیا گیا تھا کہ مرکزوں میں منعقد ہونے والے درسی حلقوں کے لئے داخلے اور ریکارڈ کے فارم تیار کرنے اور چھپوانے اور معلوماتی چارٹ بنانے یا حاصل کرنے کا کام مرکزوں کے اوپر نہ ڈالا جائے اس لئے کہ اس سے خرچ الگ بڑھتا ہے، مہتمموں کا وقت الگ صرف ہوتا ہے اور پھر بھی ان میں کوئی اشتراک اور تال میل قائم نہیں ہو پاتا۔

و۔ حلقوں کے لئے درسی نصاب: ان درسی حلقوں کا ایک معیار مقرر ہونا بھی ضروری ہے اور یہ مقصد بھی تھا کہ نصاب تعلیم مقرر ہونے کی صورت میں مرکزوں سے مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ آیا فلاں نصاب پر کام ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس غرض سے یہ سوچا گیا تھا کہ حسب ذیل مضامین جن کی ضرورت عموماً ہر بستی میں ہوتی ہے

ان کے باقاعدہ نصاب مرتب کر دئے جائیں اور مرکزوں سے اسی معیار کا مطالبہ کیا جائے جو نصاب میں درج ہو۔ وہ مضامین یہ تھے:

۱۔ خواندگی (اردو) ۲۔ خواندگی (ہندی) ۳۔ اعلیٰ خواندگی (اردو) ۴۔ اعلیٰ خواندگی (ہندی) ۵۔ کام پر جانے والے بچوں کی تعلیم ۶۔ بچوں کے لئے دینیات کی تعلیم ۷۔ ابری سازی ۸۔ کاغذ کے پھول پتیاں بنانا۔ ۹۔ درزی خانہ (لڑکیوں اور عورتوں کے لئے) ۱۰۔ حساب کتاب رکھنے کا فن ۱۱۔ زنانہ دستکاریاں مثلاً کشیدہ کاری، سوئٹر، مفلر، موزے بنیان بننا ۱۲۔ فرصت کے وقت کی دستکاریاں مثلاً گتے کا کام، موم بتیاں بنانا، کھلونا سازی وغیرہ۔

بلیٹن اور پبلسٹی

الف۔ بلیٹن: ملک کے آزاد ہونے اور سرکاری طور پر سوشل ایجوکیشن کا پروگرام طے ہو جانے کے بعد ملک کے طول و عرض سے ادارے کے پاس اس کام میں رہنمائی کرنے کی فرمائشیں آنے لگی تھیں۔ ادھر تعلیمی مرکزوں کی تحریک اتنی مقبول ہو رہی تھی کہ اس کے تجربات کو پھیلانے کی ضرورت تھی، اور خود تعلیمی مرکزوں کے کام کی پبلسٹی کرکے ان کی حوصلہ افزائی اور اسی بہانے سے بالواسطہ طور پر ان کی ٹریننگ بھی اُس وقت کا تقاضا تھا۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ طے کیا گیا کہ ایک پندرہ روزہ بلیٹن شائع کیا جائے جو مرکزوں کے کاموں کے اعداد و شمار اور چند معلوماتی مضامین پر مشتمل ہو۔

یہ بلیٹن پہلے ہاتھ سے اسٹینسل کاٹ کر اور ڈپلیکیٹر پر چھاپ کر شائع ہونا شروع ہوا اور دو تین مہینے کے بعد باقاعدہ ایک ماہانہ رسالے کی شکل میں شائع ہونے لگا اور ہندی اور اردو میں اب تک رسالہ تعلیم و ترقی کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔

ب پبلسٹی: فیصلہ کیا گیا تھا کہ مرکزوں کو ان کی بستیوں میں مقبول و متعارف کرنے کی غرض سے مختلف مضامین کے پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کئے جائیں گے جو زیادہ تر تعلیمی مرکزوں کی تحریک کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کریں گے۔

لیکچروں کا سلسلہ

یہ منصوبہ یونیورسٹی اکس ٹنشن لیکچرز کے نمونے پر بنایا گیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ چند مفید علوم اور حالاتِ حاضرہ سے متعلق چند لیکچروں کا ایک نصاب بنایا جائے اور ان کے لئے مقرروں کا ایک پینل مقرر کیا جائے۔ تعلیمی مرکز اپنے اپنے یہاں ان لیکچروں سے استفادہ کرنے کے لئے لوگوں کو تیار کریں اور جب ماحول سازگار ہو جائے تو ایک پروگرام کے مطابق لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا

جائے۔ لیکچروں کے اس سلسلے کی خصوصیت یہ طے کی گئی تھی کہ جب لیکچر ہو جائے تو دوسرے لیکچر کے شروع ہونے سے پہلے اس لیکچر پر کم و بیش اُسی نہج پر مزید مطالعے کا کام ہو جو کلاس روم کا ہوتا ہے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ لیکچر سے پہلے اور اس کے بعد اس کا ایک خلاصہ ڈپلیکیٹر پر چھاپ کر لیکچر کے سامعین میں تقسیم کیا جائے اور مطالعے کی باضابطہ چیکنگ ہوتی رہے۔

درسی حلقوں کے لئے اُستادوں کی فراہمی

تعلیمی مرکزوں میں ایک بات یہ دیکھی گئی تھی کہ درسی حلقوں کا پہلو ان کی سرگرمیوں کا سب سے کمزور پہلو ہوتا ہے۔ جن حالات میں مرکز کام کرنے تھے ان کے پیش نظر یہ قدرتی بھی تھا اس لئے کہ بستی میں ان حلقوں کی ضرورت محسوس کرنے کے باوجود مرکز کا مہتمم اپنی عدیم الفرصتی اور ٹریننگ کی کمی کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں کر پاتا تھا۔ مرکزوں کا بجٹ اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ان کے عملے میں پورے وقت کے اُستاد مقرر کئے جائیں۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر یہ طے کیا گیا تھا کہ ادارے کا رسدی دفتر اپنے یہاں مختلف مضمونوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے اُستادوں کا ایک گروہ تیار رکھے اور بشرطِ امکان بالغوں کو تعلیم دینے کے فن میں انھیں ٹریننگ بھی دے جس وقت کسی مرکز میں کسی مضمون کے پڑھنے والے اتنی تعداد میں تیار ہو جائیں کہ ان کی فیس داخلہ سے اُستاد کا معاوضہ نکل آئے اُس وقت رسدی دفتر اپنے یہاں سے ایک یا دو جیسی ضرورت ہو اُستاد وہاں بھیج دے۔

اسٹیج سیٹ

ڈراما ایک ایسا ذریعۂ تعلیم ہے کہ اس سے ایک خیال کو لوگوں تک مؤثر طور پر پہنچایا بھی جا سکتا ہے اور دوسری طرف جس ادارے کی طرف سے اس کا اہتمام ہوتا ہے اس کی پبلسٹی بھی خوب ہو جاتی ہے۔ ڈرامے کا ایک اہم کردار یہ بھی ہے کہ اگر کسی مرکز میں خاموشی اور جمود کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کے ذریعے اُسے آسانی سے توڑا بھی جا سکتا ہے اور کارکن کو موقع مل جاتا ہے کہ اس عارضی گہما گہمی سے فائدہ اٹھا کر آئندہ اپنے مرکز میں سرگرمیوں کی چہل پہل اور حرارت پیدا کر دے۔

اس خیال کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا تھا کہ ادارے کے رسدی دفتر کے پاس مستقل ایک اسٹیج سیٹ موجود رہنا چاہئے اور مرکزوں کے کارکنوں اور مختلف بستیوں کے شوقین اور سرگرم نوجوانوں کی کاسٹ سے کم سے کم تین چار ڈرامے تیار رہنا چاہئے تاکہ جس وقت جس مرکز میں ضرورت محسوس ہو ڈرامے کا پروگرام چلا دیا جائے۔

۱۰۔ کارکنوں کی ایجنسی

رسدی دفتر کی تنظیم کے پیچھے چونکہ بنیادی خیال یہ تھا کہ بستیوں کے لوگ اپنے اپنے تعلیمی مرکز خود قائم کریں اور ایک

اتر پردیش کے ایک پچھڑے علاقے میں

عورت اور مرد پردھانوں کے درمیان مقابلہ

ہمالیہ کی ترائی کے ۲ دو گاؤوں کی کہانی

مشرقی اُترپردیش کا ایک ضلع بستی ہے۔ اس میں نوگڑھ ڈ بلاک کا علاقہ اپنے پچھڑے پن کی وجہ سے کافی دنوں سے نظرانداز سا رہا ہے۔ نوگڑھ حالانکہ چاول کی بہت پرانی منڈی ہے مگر اس کے آس پاس کے گاؤوں کی حالت ہمیشہ سے خستہ رہی ہے۔ یہ کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام کی دین ہے کہ نوگڑھ بلاک کے گاؤوں میں اب ایک نئی زندگی اور نئی بیداری کی جھلک دکھائی دینے لگی ہے۔ اس پروگرام کی بدولت گاؤں گاؤں میں ترقیاتی کام نہایت سرگرمی سے انجام پا رہے ہیں اور لوگ خوشحال ہوتے جا رہے ہیں۔

نوگڑھ بلاک بستی سے ۴۸ میل دور ہے۔ اس گاؤں کے شمال میں ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں۔ قریب ہی نیپال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ شام ہوتے ہوتے فضا میں خنکی آ جاتی ہے اور ترائی کے علاقے کی پرامن خاموشی ساری فضا کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

اس بلاک کے دو گاؤوں نے اپنی محنت اور لگن سے ضلعے کے دوسرے گاؤوں کے لئے ایک مثال قائم کی ہے۔ نوگڑھ سے ۸میل کی دوری پر یہ گاؤں گاؤں پاس پاس آباد ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے صحت مند مقابلے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سرگرمی کے پیچھے دونوں گاؤں کے پردھانوں کے درمیان اپنے گاؤں کو دوسرے سے آگے لے جانے کی کیفیت کارفرما ہے۔ پلیاٹک دھر گاؤں کی ایک خاتون پردھان ہیں جن کا نام شیام راجی دیوی ہے۔ سِکھت گاؤں کے پردھان شو بھارام شکل ہیں۔ اُن کی رہنمائی میں یہ دونوں گاؤں اپنی قسمت کی کایا کلپ کرنے کی کوشش میں نیک نیتی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

پلیاٹیک دھر

گرام پردھان شیام راجی دیوی کی رہنمائی میں یہ گاؤں آج بستی ضلعے میں اپنا سر اونچا کر سکا ہے۔ خاص طور سے زراعتی

پیداوار بڑھانے میں اس گاؤں نے نمایاں ترقی کی ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے بہت جوش و خروش اور بھروسے کے ساتھ کھیتی کے نئے طریقے اختیار کر کے ربیع میں امید سے کہیں زیادہ فصل پیدا کی۔ غذائی پیداوار بڑھانے کی مہم میں جوش اور ولولے کے ساتھ چلائی گئی وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ شریمتی شیام راجی دیوی کے کارناموں نے قریب کے سیکھٹ گاؤں کے لوگوں میں بھی جوش اور رامنگ کی لہر دوڑا دی۔ اب کیا تھا دونوں گاؤں کے درمیان ایک صحت مند مقابلہ شروع ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گاؤں گیہوں کی فصل میں سب سے آگے نکل گئے۔ پلیا ٹیک دھر گاؤں کو ڈیولپمنٹ بلاک کا پورا پورا تعاون حاصل رہا۔ بلاک کے افسروں نے غذائی پیداوار کو بڑھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

شریمتی شیام راجی دیوی کی گاؤں میں بڑی عزت ہے۔ وہ بہت ضعیف ہو چکی ہیں۔ عمر ۰ ۷ سال سے تجاوز کر چکی ہے مگر گاؤں کی بھلائی کا کوئی بھی کام ہو سب سے آگے وہی دکھائی دیتی ہیں۔ پلیا ٹیک دھر گاؤں میں جب میں نے ان سے ملاقات کی تو اس وقت وہ مارکین کی موٹی ساری پہنے ہوئے تھیں۔ چند روز پہلے علیل رہ چکی تھیں، اس لئے کچھ مضمحل نظر آرہی تھیں مگر جب گاؤں کے ترقیاتی پروگرام کا ذکر چھڑا تو جیسے ان میں ایک گرمی پیدا ہوگئی۔ ان کے ہونہار بیٹے بھی گاؤں کی حالت کو بہتر بنانے میں پورا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

اس گاؤں میں کل ۹۹ گھر ہیں۔ آبادی ۷۱۰ نفوس پر مشتمل ہے جس میں ۳۸۳ بالغ افراد ہیں۔ گاؤں کا رقبہ ۴۱۳ ایکڑ ہے۔ اس میں ۳۶۵ ایکڑ زیر کاشت ہے۔ سینچائی صرف ۱۱۳ ایکڑ زمین کی ہوتی ہے بقیہ ۲۵۲ ایکڑ آراضی خشک ہے۔ سینچائی کی اس قدر پریشانی ہوتے ہوئے بھی یہاں کے جفاکش کسانوں کو اپنی محنت پر بھروسہ ہے۔ وہ کنوؤں سے سینچائی کرتے ہیں۔ یہ گاؤں اونچائی پر بسا ہوا ہے اس لئے نہری پانی کی سہولت سے محروم ہے۔ کسانوں کی یہ خواہش ہے کہ نہر کو اونچا کر کے انھیں پانی دلانے کا بندوبست کیا جائے۔ گاؤں میں آنے والے کسی بھی افسر سے وہ اپنی یہ بات کہنا نہیں بھولتے ہیں۔

گاؤں کے بیشتر لوگوں کے پاس اپنے مویشی ہیں۔ مویشیوں کی کل تعداد ۲۰۴ ہے۔ سہکاری سوسائٹیاں بھی بہت نسلی بخش طریقے پر کام کر رہی ہیں جس میں ۶۹۰ روپئے کے حصے کی رقم جمع ہے۔ گذشتہ مالی سال میں ۳ ہزار روپئے قرض میں تقسیم کئے گئے۔

دو سال پہلے اس گاؤں میں صرف دھان کی تھوڑی سی کاشت ہوتی تھی مگر ڈیولپمنٹ بلاک قائم ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب گیہوں کی اچھی فصل پیدا ہونے لگی ہے۔ گاؤں کے ایک کسان اُدے راج پانڈے نے تو اپنے کھیت میں ۴۵ من فی ایکڑ کے حساب سے گیہوں کی فصل پیدا کی ہے۔ سارے گاؤں میں ڈیڑھ سے بوائی کی گئی۔ کسانوں کو اپنی فصل پر ناز ہے۔ صرف زراعتی پیداوار میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ترقیاتی کاموں میں بھی یہ گاؤں ضلعے کے دوسرے گاؤں سے بہت آگے

ہے۔ کنوؤں کی تعمیر، انگو ٹیلیٹر، پلیوں کی تعمیر اور اینٹ کے بھٹے وغیرہ بنانے میں اس گاؤں نے بہت قابلِ قدر کام کیا ہے۔ گاؤں میں ہریجنوں کی بستی بہت صاف ستھری دکھائی دی۔ اس بستی کے بیشتر گھر کھپریل کے بنے ہوئے ہیں۔ بستی میں صاف پانی کا ایک کنواں ہے۔ سبھی ہریجن خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ گاؤں کی ترقی کی یہ حرارت بہت ممکن تھا کہ ٹھنڈی پڑ گئی ہوتی مگر پڑوس کے سکھت گاؤں سے آگے بڑھے رہنے کا جذبہ اس حرارت کو اسی طرح بنائے ہوئے ہے۔

گاؤں میں جو باہر کے لوگ اور سرکاری افسر یہاں کا کام دیکھنے آئے اُن کی یاد لوگوں کے دلوں میں اب تک تازہ ہے بستی ضلع کے سابق پلاننگ افسر اور اب یو پی کے اسسٹنٹ ڈیولپمنٹ کمشنر شری چندر بھوشن دھر دیویدی کو اس گاؤں کے لوگ کبھی نہیں بھول سکتے۔ یہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ گاؤں کو ترقی کی راہ پر گامزن بنانے میں انھیں سب سے زیادہ تحریک انھی سے ملی ہے۔ اسی طرح بستی کے ضلع کلکٹر ڈاکٹر ٹی۔ جی۔ کے۔ چار لؤ کو وہ اپنا رہنما اور مربّی مانتے ہیں جن کی دلچسپی سے یہ گاؤں آج اس درجے پر پہنچ سکا ہے۔ اس سال مارچ کے آخری ہفتے میں پردیش کے ڈیولپمنٹ کمشنر شری ستیش چندر نے اس گاؤں کے کاموں کا دلچسپی سے مشاہدہ کیا انھوں نے شریمتی شیام راجی دیوی کے کاموں کی بہت تعریف کی۔

سکھت

اسی پلیا ٹیک دھر گاؤں سے پانچ فرلانگ کی دوری پر سکھت گاؤں آباد ہے۔ ان دونوں گاؤں کے درمیان ترقیاتی کاموں میں ایک صحت مند مقابلے کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کی بدولت دونوں گاؤں میں اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ صبح ہونے سے کچھ پہلے میں اچانک اس گاؤں میں پہنچ گیا۔ چونکہ پہلے سے گاؤں والوں کو اطلاع نہیں دی تھی اس لئے انھیں کچھ تعجب بھی ہوا۔ مگر وہ اس پر بہت خوش ہوئے کہ اُن کے گاؤں کی جھانکی دیکھنے کے لئے کوئی آیا ہے۔ پلیا ٹیک دھر کی طرح یہ گاؤں بھی بہت آگے ہے۔ سکھت کے پردھان شری شنو بھارام شکل بہت بلند حوصلہ انسان ہیں۔ ان میں جتنی گرمی اور جتنا جوش میں نے دیکھا دوسرے کسی گاؤں کے پردھان میں مجھے اتنی گرمی نظر نہیں آئی ان کی مثالی زندگی گاؤں والوں کے لئے ایک نمونہ ہے۔ سبھی لوگ ان کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ سبھی کسان اپنے کاموں کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کر کے گرام سبھا کی چوپال میں اپنی فصل کو دکھانے کے لئے جمع ہو گئے۔ فصل کٹ چکی تھی۔ گیہوں کے بڑے بڑے گٹھر کسانوں کی فتح مندی کا نشان بن کر جگہ جگہ کھڑے تھے۔ جن پر انھیں بجا طور پر ناز تھا۔ اچھے قسم کی اور اتنی زیادہ فصل اس سے پہلے ان کے لئے محض خواب و خیال کی باتیں تھیں۔ گاؤں کے ایک بزرگ نے بتایا کہ اس سے پہلے گاؤں میں بس اتنا ہی گیہوں ہوتا تھا کہ ان کی بالیں کڑھائی میں بھون لی جاتیں۔ مگر اب تو بھگوان نے چھپّر پھاڑ کر دیا ہے۔ گیہوں کی

فصل نے ان کے دلوں میں ایک اعتماد اور اچھے دنوں کی امید کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ انھوں نے کاشت کاری کے نئے طریقوں کو بہت جوش و خروش سے اختیار کیا ہے۔ وہ لوگ ترقیاتی منصوبوں کو قومی حکومت کی سب سے بڑی دین سمجھتے ہیں۔

بلیا ٹیک دھر کے مقابلے میں سکمت رقبے اور آبادی کے لحاظ سے بڑا گاؤں ہے۔ اس گاؤں کا رقبہ ۳۰۲ ایکڑ ہے اور آبادی ۱۲۳۵ ہے۔ اس سال ۱۵۱ ایکڑ زمین پر کاشت ہوئی۔ گاؤں میں کل ۱۹۰ خاندان آباد ہیں۔ ان میں سے ۱۴۳ خاندان کھیتی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ نوکری اور دوسرے پیشوں میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ بقیہ بے زمین کھیت مزدور ہیں۔

گاؤں کی خاص فصل اگرچہ دھان ہی ہے مگر گذشتہ دو سال سے ربیع میں گیہوں کی پیداوار بھی ہونے لگی ہے۔ اس سال تو بہت عمدہ قسم کے گیہوں کی فصل ہوئی اور وہ بھی ۳۶ من فی ایکڑ کے حساب سے۔ دراصل گاؤں والوں کے لئے یہ بہت فخر کی بات ہے کہ سینچائی کی دشواری ہونے کے باوجود ربیع میں اتنی اچھی فصل پیدا ہوئی۔ سینچائی کے نام سے گاؤں کے جنوب سے ایک نہر گذرتی ہے اس نہر سے ۱۵۲ ایکڑ زمین کی ربیع کی فصل میں سینچائی ہو پاتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں یہ نہر تقریباً سوکھ جاتی ہے جس سے جاپانی طریقے سے کنواری دھان کی فصل نہیں ہو پاتی ہے۔ گڈھوں اور پوکھروں سے ہی بیشتر سینچائی ہوتی ہے۔ گاؤں میں تقریباً ۵۰ پوکھرے اور گڈھے ہیں۔ ان سے ۱۴۰ ایکڑ زمین کی سینچائی ہوتی ہے۔ اچھے بیجوں کے ذخیرے گاؤں میں تیار کئے جاتے ہیں اس سے کسانوں کو وقت پر اچھے بیج مل جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بلاک کے زراعت افسر نے بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ سارے گاؤں میں ڈبلر سے بوائی کی گئی ہے اور کسانوں نے کمپوسٹ، گوبر اور مل کھلی کی کھاد خاص طور سے استعمال کی ہے۔ بوائی کے وقت ایک سے ڈیڑھ من تک سپر فاسفیٹ اور مکسچر سے راپ ڈریسنگ کرتے ہیں۔

گاؤں کے پردھان شری شو بھارام تکل کی قیادت میں اگرچہ گاؤں کے لوگوں کو بلیا ٹیک دھر کی پردھان شریمتی شیام راجی دیوی کے ترقیاتی کاموں سے تحریک ملی ہے لیکن کئی لحاظ سے وہ ان سے آگے بھی نکل گئے ہیں۔ اس گاؤں میں بہت سارا تعمیری کام ہوا ہے۔ شرمدان سے اس سال ایک فرلانگ لمبی نئی سڑک بنائی گئی اور ۶ فرلانگ لمبی پرانی گول کی مرمت کی گئی۔ کھاد کے ۴۸ گڈھے بھرے گئے اور ۵ ایکڑ میں ہری کھاد کی کاشت کی گئی، ۷ پلیا بنائی گئی اور ۴ ایکڑ پر نئے باغات لگائے گئے۔

اس وقت گاؤں کی سہکاری سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد ۸۲ ہے۔ جس میں ۸۰۰ روپیوں کی حصے کی رقم جمع ہے اور ۸ ہزار روپئے قرض میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ ساری گاؤں سبھا "چھوٹی بچت اسکیم" سے تعاون کر رہی ہے۔ گاؤں میں رضاکاروں کی تین ٹولیوں کی تنظیم کی جا چکی ہے۔ جن میں ۲۳ آدمی شریک ہیں۔ گاؤں کے نوجوان منڈل کے

گاؤں کی عورتوں کی تعلیم — خواندگی اور تعلیمِ بالغان

چند مشورے

یہ جو عوامی بیداری اور عوامی تعلیم (تعلیمِ بالغان اور خواندگی) کا کام اپنے اس ملک کے گاؤں گاؤں میں وہاں کی پچاس فی صدی آبادی یعنی عورتوں کے درمیان کرنا ہے اس کا مطلب ہے

(۱) انھیں آنے والے نئے سماج کی موٹی موٹی باتیں ذہن نشین کرانا۔

(۲) ان میں زندگی کی طرف سے ایک گہری دلچسپی پیدا کرنا۔ بغیر دلچسپی کے اطمینان اور آرام کی امید کے، بغیر شوق کے، نہ کبھی کوئی پڑھتا ہے اور نہ کبھی کسی کو پڑھایا جا سکتا ہے۔

تو پہلی ضرورت ہوئی دلچسپی (یعنی نئی زندگی کی طرف سے لگاؤ) پیدا کرنا۔ انسان کے دل میں جو کانٹا بھی لگا پڑا ہے" اس سے نجات دلا کر، راحت پہنچانے سے ہی یہ دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ آج عورت سماج کی ساری زندگی "چولہے" کی نذر ہو جاتی ہے۔ وہ چولہے میں ہی پھنک جاتی ہے۔ بابا آدم کے زمانے کا پرانا طریقہ۔ ۔ ۔ ۔ بہت ہی گندا بھی۔ ۔ ۔ ۔ بہت ہی مہنگا بھی

(۱) جو گوبر آج چولھوں میں جلتا ہے وہ کھاد بن کر کھیتوں میں جائے تو ۹۰ لاکھ ٹن یعنی ۲۵۰۰ لاکھ من غلہ زیادہ پیدا ہوتا ۔ ۔ ۔ ۳۰,۰۰۰ لاکھ روپیوں کا غلہ۔ اس کا مطلب ہوا ۔ ۔ ۔ ۳۰,۰۰۰ لاکھ روپیہ ہر سال چولہے میں پھنکتا ہے۔ اور عورتوں کی ساری زندگی بھی۔ ان کی آنکھیں بھی

باپو کا اصول ہی تھا کام دھندے کے ذریعے تعلیم۔ تو عورتوں کی تعلیم بالغان کے میدان میں بھی یہ گوبر گیس کی صنعت" اور سورج کی کرنوں سے علاج کا ہنر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب سے اچھا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ انھیں آنے والے نئے سماج کی موٹی موٹی باتوں کی واقفیت دلانے کا بھی۔

ابھی کچھ دنوں پہلے تک جو ہر گھر کی بڑی بوڑھی روزمرہ کے استعمال کی دوا کے بارے میں جانتی تھی۔ لونگ، سونٹھ، ہلدی،

جو نا وغیرہ۔ عورتوں کی تعلیم کے نقطۂ نظر سے اب بہت کتائی کا رواج آگیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سورج کی کرن سے علاج بہت اچھا
نعم البدل ہوگا۔ یہ فن عورتوں کی تعلیم بالغان کے لئے بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔ ایک بار پھر گاؤں گاؤں گھر گھر ماں بہن بیٹی
کو۔ ۔ ۔ یہ ہنر سکھانے کا رواج ہوجائے۔ ان دو بہانوں سے جہاں ایک بار آپ نے عورت سماج کو متوجہ کرلیا اور ان کا آنا جانا
بات چیت، صلاح مشورہ شروع ہوا کہ آپ کے دوسرے پروگرام کی بنیاد پڑ گئی۔ گھٹنوں ہی گھٹنوں میں پڑھائی

"اب گریہ کال بھی گیان مھرے"

کوکھ کوکھ سے کنور کنہائی ! ــــ گود گود گردھاری

ایسے بہت سے پروگرام شروع ہوسکیں گے ــــ "من چنگا کٹھوتی میں گنگا"

جس کسی بھی گاؤں یا علاقے میں آپ کو کام کرنا ہو۔ وہاں آپ (اپنی قدرت کے مطابق) چاہیں (الف) تو چولھے کے
خوب نکھرے دھوئیں کو لے کر یا (ب) کالی بیلیوں کی گھسائی کو لے کر یا (ج) آنکھ کی بیماری کا چرچا چھیڑ کر ــــ ذکر
کر بیٹھئے اس گوبر گیس کی کرامات کا۔ تعریف کے پل باندھ دیجئے۔ سب کا دھیان اس کی طرف کھنچ آئے۔ ۔ ۔ ان میں ایک بھوک
ایک خواہش پیدا ہو۔ پھر ایک چرچا چل پڑے۔ گھر گھر۔

یا شروع کر سکتی ہیں آپ کٹھ پتلی کے کھیل سے۔ اسے آپ سکھا دیں چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو نئے نئے ڈرامے اور نئے کھیل
(اس سلسلے میں ضروری مشورہ ہم دیتے رہیں گے) اس سے بھی گاؤں بھر میں ایک چرچا چل پڑے گی۔ یہی ہے آپ کی کامیابی
کی پہلی شرط کہ گاؤں میں نئی زندگی کی چرچا چل پڑے تو بڑی بات ہے اس سے عوامی بیداری اور عوامی تعلیم کا بہت کام
لیا جا سکتا ہے۔

اب ہونے چاہئیں آپ کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پوسٹر اور فولڈر اور گاؤں کے لوگوں کے معیار کے مطابق اخبار و
رسائل کی کاپیاں۔ باتصویر رسالے۔

ان کی تصویریں۔ موٹے موٹے حروف میں لکھے ہوئے عنوانات۔ آپ دکھاتی جائیں، سناتی جائیں اور اس طرح ان میں
دلچسپی پیدا کریں چھپی ہوئی کتابوں اور رسالوں میں۔ تصویروں میں۔ موٹے موٹے عنوانوں میں ــــ پھر باریک حروف میں
تفصیل سے لکھی ہوئی کتابیں بھی پڑھیئے۔ ان کو بھی شوق دلائیے۔

یہ دیکھئے یہ رہا امریکہ کی عورتوں کی آج کی زندگی کا حال۔ یہ دیکھئے ان کی زندگی کیسے گذر رہی ہے۔ ان کے روزمرہ کے
معمولات کیا ہیں۔ اسی طرح جاپان اور روس کی دیہاتی عورتوں کے مشغلے سے متعلق تصویریں اور دوسرے سامان آپ کے پاس
موجود ہونے چاہئیں۔ پڑھتی جائیے پڑھاتی جائیے۔ ونوبا کے الفاظ میں اسی کا نام ہے "جے جگت"!

آپ پڑھ کر سنا تی جا ئیے۔ ایک ایک کرکے۔ پھر جو چاہو ان پر گاؤں کی عورتوں کے تاثرات معلوم ہوں۔ کچھ بحث ہو۔

دیر بڑی: اندھیر نہیں ہے : بنیا ئے کے دربار

سنو رہی بہنوں (آگئی ہے) گاودن موج بہار

ایسے ایسے گیتوں کا مجموعہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ جو بہن کشہ بیٹی، گوبر گیس اور سورج کرن کے ذریعہ علاج کی باتوں کی بیداری ہوں انھیں آپ اس طرح کے گیت یاد کرا تی جا ئیے۔ وہ جھوم جھوم کر گیت گا ئیں آپ تالی بجائیں۔ دیکھنی جائیں کہ ان کی آنکھوں میں وہ چمک پیدا ہوئی یا نہیں جسے پیدا کرنا تعلیم اور تعلیمِ بالغان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

گاؤں گاؤں گوبر گیس کا رواج ہوتے ہی، گاؤں گاؤں کی اپنی خود کی بجلی بھی اسی سے کم داموں میں تیار ملے گی اور پھر ساری دنیا کی ترقی یافتہ اور بیدار عورتوں کی زندگی کا حال آپ انھیں دکھائیں گی۔ فلموں کے ذریعہ۔ اچھی فلمیں تعلیم میں بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ زچّہ اور بچّہ کی نگہداشت پر آج اچھی فلمیں موجود ہیں ان سے بھی اس صورت میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

—شری شانگ رام پنٹھک کی ترتیب دی ہوئی جن شکشا سنستھا کے لئے

تعلیم بالغان کی مجوزہ اسکیم کا ایک باب —

(بقیہ صٓ۲۸ کا)

ممبروں کی تعداد ۲۲ ہے۔ نوجوان منڈل کے بنیانے کمیونٹی پروگرام کے ماتحت ریڈیو لگائے جانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ انھیں یقین ہے کہ گاؤں میں تفریح کے اس اہم وسیلے کی کمی جلد ہی دور ہو جائے گی۔

سکھت گاؤں کا شمار اب بستی کے ترقی یافتہ گاؤں میں کیا جا سکتا ہے۔ جو پلیاٹیک دھر گاؤں کی طرح بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ دونوں گاؤں کو آج اپنے پردھانوں پر ناز ہے۔ ایک کی پردھان گاؤں کی ایک معمر خاتون ہیں تو دوسرے کے پردھان ایک ادھیڑ عمر کے جوشیلے اور حوصلہ مند آدمی ہیں۔ کسی کو ان دونوں کے درمیان صحت مند مقابلے کی جھلک دیکھنی ہو تو اُسے اپنی فرصت کے دنوں میں راپتی پار کے ان دونوں گاؤں میں آنا چاہئے۔ یہ گاؤں ہمارے لئے ایک نمونہ اور سبق پیش کرتے ہیں اور ترقیاتی کاموں میں ہمارے یقین کو پختہ بنا دیتے ہیں۔ ہندوستانی گاؤں کی روایتی مہمان نوازی کا بھی یہ گاؤں اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

اسپشل نمبر
(بالغوں کی تعلیم میں جامعہ ملیہ کے تجربات)

ماہنامہ تعلیم و ترقی کے اسپشل نمبر کے بارے میں ہمارے پاس چند رائیں آئی ہیں جنھیں ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی اگر ناظرین اس نمبر کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔ ہم ان کی رائیں بھی نہایت خوشی سے شائع کریں گے۔ -ایڈیٹر

شری ستیش چندر آئی۔ سی۔ ایس،
(ڈیویلپمنٹ کمشنر، اُتر پردیش)

"آپ نے (اس نمبر کے ذریعے) بڑی مفید معلومات فراہم کردی ہیں جو، مجھے یقین ہے کہ ان اداروں کے لئے جو اَن پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانے کے کام میں مشغول ہیں، بڑے کام کی ثابت ہوں گی۔ جامعہ ملیہ نے جو تجربے کئے تھے اور ان سے جو نتیجے نکلے تھے، انھیں آپ نے صفائی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ آخری مضمون جس میں آپ نے نوسکھ بالغوں کی کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا ذکر کیا ہے، اس میں بہت اچھا ہوتا اگر آپ ان مطبوعہ کتابوں کے نام بھی لکھ دیتے۔"

شری شالگ رام ٹھک
(اکھل بھارتی جن شکشا سنستھا، گونڈہ)

آپ کی ایک اور بڑی دین ہی تعلیم و ترقی کا اسپشل نمبر (مارچ ۱۹۶۳ء) — جامعہ کے تعلیمِ بالغان کے تجربوں کی کہانی — ہم جیسوں کے لئے ایک بڑا خزانہ ہے یہ ایک روشنی کا مینار — ہم آپ کے ممنون ہیں — مبارک ہو۔

مگر انسان فطرتاً بڑا لالچی ہوتا ہے۔ آپ کے بلند حوصلوں کو دیکھتے ہوئے لالچ کا پیدا ہونا قدرتی بھی ہے ۱۹۵۳ء تک کے جو حالات ہمیں اس ایک اسپشل نمبر سے ملتے ہیں اس سے یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ ۱۹۵۳ء کے بعد کے دس سال کے تجربات کی کہانی بھی سنایئے۔ کیا یہ آپ کے لئے ممکن ہوگا؟"

June 1963

تعلیم و ترقی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ شمارہ ۶
جون ۱۹۶۳ء

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:
تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت
سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۶۴۴۷

پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

یونیورسٹیاں اور اڈلٹ ایجوکیشن

ہندوستان کی یونیورسٹیوں نے اڈلٹ ایجوکیشن کے معاملے میں اب تک بے نیازی کا جو سلوک روا رکھا ہے، اس کا ان کے پاس ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ ان پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانا یا کم پڑھے لکھے لوگوں کی خواندگی کو کارآمد خواندگی (فنکشنل لٹریسی) میں تبدیل کرنا یونیورسٹیوں کا منصب نہیں ہے۔ ان کا کام ملک کے عالی دماغ نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم دینا ہے تاکہ مستقبل کے لئے پڑھے لکھے، ذہین اور ہوشمند لیڈر تیار ہو سکیں۔ یہ جواب اُس وقت کے لئے تو موزوں تھا جب تعلیم کا چرچا کم تھا، ملک کی لیڈرشپ خوش نصیب طبقے کے افراد کے لئے مخصوص تھی، اور عوام کو اپنے قلب و دماغ اور عقل و ہوش کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں تھا۔

لیکن سیاسی تبدیلی کے ساتھ اب ملک کے حالات بھی بدل گئے ہیں۔ اب اس جواب کے اوپر پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یونیورسٹیوں کا منصب ملک کے عالی دماغ نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم دینا ہی نہیں بلکہ اُن کی تلاش و جستجو بھی ہے۔ اور یہ بات مان لی جائے تو اسی کے ساتھ یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ عالی دماغ نوجوان میٹرک تک کی تعلیم پائے ہوئے طبقے ہی میں نہیں ہیں، اُس طبقے میں بھی موجود ہیں جنھیں اپنے یا اپنے خاندان کے حالات سے مجبور ہو کر تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، اور ان کی اس محرومی کی وجہ سے جو ان کی اپنی غلطی یا کوتاہی کا نتیجہ نہیں ہے ملک عالی دماغ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کی خدمات سے محروم ہے۔

پھر یہی کیوں سمجھ لیا جائے کہ جو میٹرک پاس طالب علم یونیورسٹی کی تعلیم سے فیض حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، صرف انھی میں عالی دماغ اور ذہین شخصیتیں ہوتی ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بہت سے میٹرک پاس نوجوان اپنے معاشی حالات سے مجبور ہو کر چھوٹی موٹی نوکریوں میں لگ جاتے ہیں؟ کیا ان مجبور نوجوانوں میں ایسے عالی دماغ، جو اعلیٰ تعلیم کے مستحق ہوں، نہیں ہوتے؟

ایک دوسری بات جو یونیورسٹیوں کے سرد مہری کے سلوک کو ناجائز قرار دیتی ہے یہ ہے کہ ملک کی حکومت نے سوشل ایجوکیشن کو اپنی تعمیر نو کے پروگرام کا ایک ضروری پہلو تسلیم کیا ہے، اور اس باب میں اُسے اتنا اشتیاق ہے

کہ اس نے دنیا کے تجربات کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اس کام کو براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ لیکن حکومت کے افسر اور کارکن ہوں یا کسی دوسرے ادارے کے، نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے اور نہ سوچنے کا اتنا موقع کہ وہ اپنا کام صحیح اور تحقیق شدہ لائن پر انجام دے سکیں، غالباً یہی کمی ہے جس کی بدولت سوشل ایجوکیشن کی اسکیمیں یکے بعد دیگرے ناکام ہوتی جارہی ہیں اور قوم کی محنت اور دولت اکارت جارہی ہے۔ کام کے سلسلے کے مختلف موضوعات پر تحقیق اور ریسرچ اسکیم کا وہ پہلو ہے جو یونیورسٹیاں ہی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتی ہیں۔ تھارن ڈائک، گرے، براؤن اور دوسرے علماء کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جنھوں نے بالغوں کی تعلیم، اور موادِ مطالعہ وغیرہ سے متعلق تحقیقیں مکمل کرکے فیلڈ میں کام کرنے والوں کے سامنے راہیں ہموار کی ہیں۔ یہ بزرگ آخر امریکہ کی یونیورسٹیوں ہی سے متعلق ہیں اور انھوں نے تحقیق کے جو کام بھی انجام دیئے ہیں، اپنی اپنی یونیورسٹیوں ہی کے ماتحت انجام دیئے ہیں۔ ہمارے یہاں سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کے ماتحت کیا کیا تجربے نہیں ہوئے ہیں ——— ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کے نمونے پر جنتا کالج، انگلستان کے کمیونٹی سنٹروں کی لائن پر کمیونٹی سنٹر، ریڈیو کے پروگرام، روس کے نمونے پر لٹریسی کی مہمیں، اور اڈلٹ اسکول امریکہ کے لینڈ گرانٹ کالجوں کے نمونے پر رورل انسٹی ٹیوٹ، کمیونٹی آرگنائزیشن اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ، اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔ لیکن سوشل ایجوکیشن کی تحریک اور اس کے رہنماؤں کے چہرے پر بدستور مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی ہے۔ یہ کوششیں اور تجربات کیوں بارآور نہیں ہوئے؟ اس سوال کا جواب سوائے یونیورسٹیوں کے علماء تحقیق کے اور کون دے سکتا ہے!

کارکنوں اور افسروں کی ٹریننگ کا الگ ایک مسئلہ ہے۔ جس طرح یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں میں ٹرینڈ اُستاد کے بغیر کام نہیں چل سکتا، اسی طرح آخر یہ کیوں نہیں سمجھا جاتا کہ سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں اور محکموں میں تربیت یافتہ عملے کے بغیر کام اچھا نہیں ہوسکتا۔ کیفیت یہ ہے کہ فیلڈ کے کارکن اول تو یوں ہی کم تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ دوسرے ٹریننگ کا کوئی معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے محض بے روزگاری کی کوالیفکیشن کی بنیاد پر انھیں کام کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے افسروں کی ہدایات کے محتاج ہوتے ہیں اور افسروں کا یہ عالم ہے کہ اڈلٹ یا سوشل ایجوکیشن کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ یہ مانا کہ یونیورسٹیاں گریجوایٹ کی سطح سے نیچے کی ٹریننگ کا کام اپنے ذمے نہیں لے سکتیں، لیکن اس مجبوری سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوتی کہ گریجوایٹ کی سطح سے اوپر کی ٹریننگ کا کام بھی وہ ہاتھ میں نہ لیں۔ پوسٹ گریجوایٹ لیول کی ٹریننگ ہی شروع کیجئے! اس سے اتنا تو فائدہ ہوگا کہ انتظام اور نگرانی کرنے والے افسر ہی کام سے واقف ہوجائیں گے! اور جب وہ کام

سے واقف ہوں گے تو ان سے نیچے کے عملے کے کام پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔

غرض ملک کے سیاسی نظام کی تبدیلی نے آبادی کے ہر طبقے کے اوپر مطالبات عاید کر دیئے ہیں۔ یونیورسٹیوں کو اپنے تئیں ان مطالبات سے مستثنیٰ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ انھیں قوم کی سب سے زیادہ پڑھی لکھی اور بیدار مغز جماعت کا درجہ حاصل ہے اور اس اعتبار سے ان کا فرض ہے کہ اگر عوام کی نمایندہ جماعتیں کوئی غلط اقدام کریں ——— جیسا کہ ان کے عوامی مزاج کو دیکھتے ہوئے بعید نہیں ہے ——— تو وہ انھیں اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر اس سے باز رکھیں اور ان کے مفید اور ترقی پسند اقدامات میں ان کے ساتھ اشتراک و تعاون کریں۔ سوشل ایجوکیشن کی اسکیم حکومت کا ایسا ہی ایک نیک اور ترقی پسند اقدام ہے۔ یونیورسٹیاں اگر اس مفید اسکیم میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں تو یہ ملک کی ترقی و تعمیر کے کام میں ان کا بہت بڑا کنٹری بیوشن ہوگا۔

صفحہ ۲۱ کا بقیہ

ہیں۔ ۹۵۰ جوان شیراز میں ہیں اور باقی اصفہان اور طہران کے قریب کے تین ٹریننگ کیمپوں میں تربیت پا رہے ہیں۔ ان کورسوں کی تکمیل کے بعد ان نوجوانوں کو دیہاتوں میں بھیجا جائے گا۔ ان گاؤوں میں یہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ملے جلے اسکول قائم کریں گے۔ یہ اسکول ایک ایک اُستاد پر مشتمل ہوں گے یعنی ہر استاد اپنی جگہ خود اسکول ہوگا۔ ان اسکولوں کے نصاب تعلیم کے بارے میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ اسے ہر جگہ علاقے کی ضرورت کے مطابق ڈھال لیا جائے جس سے کہ ان اسکولوں میں لڑکوں کے آنے سے ان کسانی بستیوں کے کام اور معاشرت میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو۔ ان گاؤوں میں جہاں اسکول کی عمارتیں موجود نہیں ہیں امید کی جاتی ہے کہ وہاں کے کسان خود اپنے طور پر جگہ کا انتظام کر دیں گے۔

حکومت اور اس کے ذمہ دار افسروں کو امید ہے کہ ۱۸ مہینے تعلیم کے میدان میں خدمت انجام دینے کے بعد اس "تعلیمی دستے" کے بیشتر نوجوان اپنے لئے معلمی کا پیشہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیں گے۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد انھیں باقاعدہ ایک سال ٹریننگ کالج میں رہ کر معلمی کی ٹریننگ حاصل کرنی ہوگی۔ چار مہینے کی فوجی نظم و ضبط اور معلمی کی ملی جلی ٹریننگ اور گاؤں کے اسکول میں عملی طور پر کام کرنے کا تجربہ ان کے بہت کام آئے گا اور وہ ملک کی تعلیمی اور تہذیبی زندگی کو ترقی دینے کے سلسلے میں کچھ ٹھوس کام انجام دے سکیں گے۔

(یونیسکو فیچر)

خواندگی کی تعلیم کے بنیادی اصول

(۲)

خواندگی کے طریقے

۲۔ جملے سے شروع کرنے کا طریقہ

خواندگی کے بامعنی طریقوں کے سلسلۂ ارتقا کی یہ تیسری کڑی ہے۔ پہلی کڑی لفظ سے شروع کرنے کا طریقہ تھا۔ اس کے بعد مجموعۂ الفاظ یعنی فقروں سے شروع کرنے کا طریقہ ایجاد ہوا، یہ اس سلسلے کی دوسری کڑی تھی، لیکن فقرے سے شروع کرنے کا طریقہ لفظ سے شروع کرنے کے طریقے سے کچھ بہت زیادہ مختلف یا ممتاز نہیں ہے، اِس لئے اسے ہم نے اس بحث میں شامل نہیں کیا ہے۔

اس طریقے کا بنیادی خیال بھی وہی ہے جو لفظ سے شروع کرنے کے طریقے کا سبب ایجاد ہوا تھا یعنی یہ کہ خواندگی کی تعلیم میں زور اس بات پر ہونا چاہیئے کہ طالب علم جو کچھ پڑھے اُس کے متعلق اسے اچھی طرح معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب لفظ بھی بامعنی ہے، تو اُسے چھوڑ کر جملے سے شروع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

لفظ اور فقرے سے شروع کر کے پڑھانے کے تجربات کے دوران میں یہ محسوس ہوا کہ لفظ دراصل کسی زبان کی بنیادی اکائی نہیں ہے بلکہ ایک پورا جملہ بنیادی اکائی ہوتا ہے صرف لفظ سے بات پوری نہیں ہوتی اور نہ لکھنے اور بولنے کے عمل میں کوئی شخص ایک لفظ بول کر یا لکھ کر ختم کر دیتا ہے۔ پھر جس طرح لفظ صرف حروف اور ان کی آوازوں کا مجموعہ نہیں ہوتا اُسی طرح جملہ صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کی اپنی ایک مکمل حیثیت، شکل اور معنی ہوتے ہیں اور اسی حالت میں جب وہ کان میں پڑتا یا آنکھوں کے سامنے سے گذرتا ہے تو دماغ پر اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے، اور یہ اُسی وقت بولنے یا لکھنے والے کی زبان یا قلم سے بے ساختہ ادا ہوتا ہے جب اس کے شعور میں اس کے معنی منفرد اور نمایاں ہو چکے ہوتے ہیں۔ غرض خواندگی کی تعلیم کو بامعنی بنانے میں پوری کامیابی لفظ سے نہیں

بلکہ پورے اور بامعنی جملے سے شروع کرکے ہوسکتی ہے۔

طریقۂ کار

اس طریقۂ تعلیم میں یہ ہوتا ہے کہ کلاسوں میں بچوں کو کسی چیز یا کسی سرگرمی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ بچوں میں باتیں شروع ہوتی ہیں۔ اور وہ بعض اوقات بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ انھی میں سے ایک بات کو اُستاد تختۂ سیاہ پر لکھ دیتا ہے اور اسے اسی ڈھنگ سے پڑھتا ہے جو اس جملے یا بات کا حق ہے۔ اب یہ ایک ایسا جملہ ہوگیا جس کے معنی و مطلب سے سب کے سب طلبا نہ صرف واقف ہیں بلکہ چونکہ یہ ان کی اپنی ہی بات چیت کا نتیجہ ہے اس لئے اس سے ان کا قدرتی تعلق بھی قائم ہوگیا ہے۔ اُستاد اس جملے کو بلیک بورڈ پر لکھ کر پہلے خود پڑھتا ہے پھر بچوں سے پڑھواتا ہے یہاں تک کہ وہ جملے کی بناوٹ سے واقف ہوجاتے ہیں۔

اب اُستاد اُنگلی یا پوائنٹر کے ذریعے بچوں کی توجہ کو جملے کے ایک ایک لفظ کی طرف مبذول کرتا ہے اور جملے کے نیچے ان کی ترتیب کو ادل بدل کر رکھتا ہے اور بار بار انھیں ان کی آنکھوں کے سامنے سے گذارتا ہے۔ تاکہ بچے جملے کو پہچاننے کے بعد اس کی مدد سے اُس کے اجزائے ترکیبی یعنی الگ الگ الفاظ کو بھی پہچان لیں۔ یہ سلسلہ اس حد تک جاری رکھا جاتا ہے کہ بچہ لفظ کو دیکھتے ہی اسے پہچان جاتا ہے۔ اور بلا تکلف اسے ادا کرنے لگتا ہے۔

اس عمل کے بعد الفاظ کے اجزائے ترکیبی یعنی حروف کو الگ الگ کرکے بچے کے سامنے رکھنے کا نمبر آتا ہے (جو بیشتر ان کی آوازوں کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں) یہ منزل کب آنی چاہئے؟ اس کا انحصار بچوں کی صلاحیت اور اثر پذیری کی رفتار کے اوپر ہے اب جب بچے حروف کی شکلوں اور آوازوں سے واقف ہوجاتے ہیں تو ان کی مدد سے انھی سے دوسرے الفاظ اور ان نئے الفاظ کی ترکیب سے نئے جملے بنوائے جاتے ہیں تاکہ بچہ اُستاد کی مدد کے بغیر خود اپنی مرضی سے اور آزادانہ طور پر کتاب پڑھ سکے۔

تعلیم کے ماہرین جملے سے شروع کرنے کے اس طریقے کی عام طور پر حمایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اگر جملے سے شروع کرنے کے اس طریقے پر سوجھ بوجھ اور باقاعدگی کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے اچھے اور نتیجہ خیز مطالعے کے لئے جن جن عادتوں اور مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کی بڑی مضبوط بنیاد پڑ جاتی ہے۔

لیکن جہاں اس طریقے کے گُن اور فائدے تسلیم کئے گئے ہیں، وہاں اس کے اوپر اعتراض بھی کئے گئے ہیں۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جو جملے سکھانے کی بنیاد کے طور پر منتخب کئے گئے، وہ طالب علم کی دلچسپی اور براہ راست ان کے محسوسات اور تجربات کے متعلق نہیں تھے اور انھیں طالب علم کے اندر پڑھائی سے متعلق مقصدیت اور تیز رفتاری پیدا کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ اعتراض اپنی جگہ معقول تھا چنانچہ اس کی طرف توجہ کی گئی اور اسے جملوں کے بہتر اور سائنٹفک انتخاب کے ذریعے دور کر دیا گیا ہے۔ ایک اور اعتراض

یہ کیا گیا ہے کہ اس طریقے سے تعلیم دینے میں پڑھی جانے والی بات کی معنویت پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ خواندگی کی اصل روح یعنی الفاظ کی پہچان ٹھیک طریقے سے نہیں ہو پاتی یا کم سے کم اسے بہت مدت تک ملتوی رکھنا پڑتا ہے۔

۲۔ کہانی کا طریقہ

کہانی سے شروع کرنے کا طریقہ دراصل جملے سے شروع کرنے کے طریقے کی ایک وسیع تر شکل ہے چنانچہ اس کے پیچھے بھی بنیادی فلسفہ وہی ہے جو لفظ اور جملے سے شروع کرنے کے طریقوں کے پیچھے ہے، یعنی پڑھنا لکھنا سیکھنے کے عمل کو بامعنی اور طالب علم کے لئے دلچسپ بنانا۔ کہانی کے طریقے کو جملے سے شروع کرنے کے طریقے پر جو ترجیح حاصل ہے، اس کے اسباب کی تشریح پروفیسر ولیم ایس گرے کی زبان سے سنئے: پروفیسر موصوف جو شکاگو یونیورسٹی کے کالج آف ایجوکیشن کے ڈین ہیں، اپنی کتاب "دی ٹیچنگ آف ریڈنگ اینڈ رائٹنگ" میں لکھتے ہیں:

"کہانی کا طریقہ جملے سے شروع کرنے کے طریقے کی ایک توسیع ہے جس میں پڑھائی کی ابتدائی منزل میں جملوں کے ایک مربوط سلسلے کو کہانی کی شکل میں تعلیم کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔ چونکہ کہانیاں بچوں کے لئے عالمگیر کشش رکھتی ہیں، اس لئے دعوے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ کہانی کے طریقے سے پڑھائی کے عمل میں بڑی سرگرمی اور رونق و شوق پیدا ہو جاتا ہے اور اس ذوق و شوق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لفظ اور جملے سے شروع کرنے کے طریقوں میں جو تھوڑے بہت نقائص رہ جاتے ہیں، اُن کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ کہانی کا طریقہ جملے کے مقابلے میں خیال کی ایک نسبتاً مکمل شکل پیش کرتا ہے اس لئے کہ طالب علم کو واقعات کے ایک پورے سلسلے سے گذرنا پڑتا ہے جس کا باقاعدہ ایک آغاز، ارتقا اور انجام ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کہانی کے طریقے سے پڑھائی کے عمل میں صرف معنویت ہی نہیں پیدا ہوتی بلکہ خیالات کے سلسلے کے بارے میں طالب علم کو سوچنے سمجھنے کی ٹریننگ بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ اس طریقے کی نوعیت سے ظاہر ہے، کہانی طالب علم کو جملے کے مقابلے میں بات چیت اور واقعات و افراد کے باہمی رشتے کو سمجھنے کا زیادہ موقع فراہم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس طریقے سے طالب علم میں مطالعے کا شوق اور اچھے ادب کا مذاق بھی پیدا ہوتا ہے۔"

طریقۂ کار

اس طریقے میں سب سے پہلے اُستاد کلاس کو پہلے سے مقرر کی ہوئی کہانی سُناتا ہے۔ اس کہانی سے جو کچھ پڑھنا ہے اُس سے

طالب علموں میں دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد کہانی کے سلسلے میں بات چیت شروع ہوتی ہے لیکن اس بات چیت میں موضوع کی ترتیب وہی ہوتی ہے جو کہانی میں تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جاتا ہے جب تک کہانی اچھی طرح بچوں کے ذہن نشین ہوجاتی ہے۔ کہانی کو اچھی طرح سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کی غرض سے اُسے ڈرامے کی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اب بچوں کی توجہ کہانی کی اس شکل کی طرف مبذول کرایا جاتا ہے جس شکل میں وہ تختۂ سیاہ یا کتاب میں لکھی ہے بچے چونکہ کہانی کے واقعات کی ترتیب سے واقف ہوتے ہیں اس لئے جب کہانی کے ایک ایک جملے کی طرف ان کا دھیان دلایا جاتا ہے تو وہ اسے جلد ہی پہچان لیتے ہیں۔ اس طرح وہ کہانی سے جملوں کی طرف آجاتے ہیں، اور جب جملوں کی منزل آجاتی ہے تب جملوں کو لفظوں اور لفظوں کو حروف اور ان کی شکلوں میں توڑنے اور انھیں پہچنوانے کے لئے وہی طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے جو لفظ اور جملے سے شروع کرنے کے طریقوں کے باب میں لکھا جاچکا ہے۔

ترقی پسند دماغ کسی معاملے میں کسی ایک مقام پر قائم ہوکر نہیں رہ جاتا چنانچہ کہانی کے طریقے کے اوپر بھی ماہرین نے اعتراض کئے ہیں اور اب اس طریقے میں بھی اصلاح کرنے کے لئے قدم بڑھائے جارہے ہیں لیکن یہ جدید رجحانات ابھی ابتدائی اور تجربے کی منزل میں ہیں اس لئے انھیں ہم اس بحث میں شامل نہیں کریں گے۔

کہانی کے طریقے پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ طلبا پڑھتے وقت بجائے اس کے کہ الفاظ کو پہچان کر پڑھیں، بیشتر محض اپنے حافظے سے کام لیتے ہیں، چنانچہ ان کی پڑھائی ناقص اور نامکمل ہوتی ہے۔ بنیادی کہانی کے علاوہ جب بچے کوئی دوسری کہانی پڑھتے ہیں تو وہ زیادہ تر اٹکل اور تخیل سے کام لیتے ہیں۔ وہ اکثر عبارت کے متن سے انحراف کرجاتے ہیں اور اس کے بجائے جو کچھ دماغ میں آتا ہے اور حسب حال معلوم ہوتا ہے، وہی زبان سے ادا کرنے لگتے ہیں۔

اس کے جواب میں طریقوں کے موجدوں اور حامیوں کا کہنا ہے کہ اس نقص کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ پڑھنا سکھانے کے عمل میں دونوں پہلوؤں ـــــ پڑھائی کی معنویت اور الفاظ کی شناخت کے درمیان مناسبت اور توازن قائم رکھا جائے تاکہ دونوں پر یکساں زور اور توجہ رہے۔

قومی سنکٹ کے اس دور میں

بالغوں کی خواندگی کے امکانات

خطرے کی گھنٹی

جب ملک کی عزت و آبرو خطرے میں ہو اس وقت لوگوں میں اشتعال اور جوش کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے اور جن حالات سے ہم آج گذر رہے ہیں اس میں سارے ملک میں جذباتیت اور برہمی کی کیفیت پیدا ہونے کی بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو جوش و خروش کا یہ جذبہ ہمارے لئے ایک بہت بڑی طاقت بھی بن سکتا ہے مگر یہ صرف اسی وقت جب اسے ایک صحیح سمت میں لگادیا جائے۔ اگر سنعفت سے حاصل کی ہوئی آزادی کی ہمیں حفاظت کرنی ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس ولولے اور جوش کو ایک متعین راہ پر لگایا جائے آزادی ملنے کے بعد سے شاید پہلی بار ہم اپنی قومی زندگی کے ایک دوسرے اہم موڑ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ زندگی کے ہر گوشے میں بہت تیزی کے ساتھ غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ آئندہ ان کی رفتار اور بھی تیز ہوتی جائے گی۔ یہ موقع جب کہ ساری قوم حرکت میں آئی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں ایک ہماہمی کی کیفیت دکھائی دے رہی ہے، ہمارے لئے بہت غنیمت موقع بن سکتا ہے۔ اقتصادی اور سماجی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے بہت سے گوشوں میں غیر معمولی قسم کی تبدیلیاں لانے کی ضرورت بہت شدت اختیار کر چکی ہے، جنھیں اب نظر انداز کرنا خود اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ چینی حملے کے بعد آج جب کہ سارے ملک میں ایک بیداری پیدا ہوئی ہے عوام کے تعاون سے یہ کام زیادہ تیزی سے انجام پا سکتا ہے۔ اس ملک کی بقا کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ موجودہ خطرات کا سامنا کرنے کے لئے ملک کس حد تک اپنے آپ کو تیار کر پاتا ہے۔

اور اب سوشل ایجوکیشن؟

سوشل ایجوکیشن کا تعلق عوام کی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کا مقصد منظم اور مربوط طریقے پر لوگوں کی زندگی اور شخصیت کی ہمہ گیر نشو و نما کرنا ہے۔ کوئی بھی پروگرام جس کا تعلق عوام کی زندگی سے ہو اسے تحریک پذیر پروگرام ہونا چاہئے۔ اس میں اتنی لچک ہونی چاہئے کہ وہ ان مسائل پر فوری طور سے توجہ کر سکے، جو مسائل کہ لوگوں کے دل و دماغ پر کسی وجہ سے اس وقت چھائے ہوئے ہوں۔

آج ہمارے یہاں لوگوں کے دماغ میں اشتعال اور بیچینی پیدا کرنے والا سب سے بڑا مسئلہ چین کا حملہ ہے - ان بدلے ہوئے حالات میں ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم سوشل ایجوکیشن کے پروگرام اور اسکے مقاصد پر دوبارہ غور کریں اور اس کے مطابق اپنے پروگرام میں تبدیلی لائیں۔ سوشل ایجوکیشن کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے سامنے ان مسائل کو اس انداز میں پیش کرے کہ یہ باتیں صحیح پس منظر میں لوگوں کے سامنے واضح ہو جائیں اس کے بعد ان کی تعلیم اور تنظیم کے ذریعہ ان مسائل کو مناسب انداز میں حل کرنے میں انھیں مدد دے سوشل ایجوکیشن کو اس سلسلے میں ان اہم سماجی عناصر اور محرکات سے فائدہ اٹھانا ہوگا جو موجودہ حالات سے متاثر ہو کر بہت نمایاں طور پر سامنے آ گئے ہیں -

ہماری کوششوں کے باوجود ناخواندگی میں اضافہ

سوشل ایجوکیشن کے وسیع پروگرام میں بالغوں کی خواندگی کا کام سب سے نمایاں نظر آتا ہے. ایک زمانے سے ہم ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کی لگاتار کوششیں کر رہے ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھ کر بے حد مایوسی ہوتی ہے کہ ہمارے ملک کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں خواندگی کا اوسط سب سے کم ہے. ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس میدان میں ہماری ترقی کی رفتار ناقابل معافی حد تک سست رہی ہے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان خواندگی میں ۱۱، ۷ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے یعنی سال میں ۷، ۰ فی صدی (۱۹۵۱ میں اوسط خواندگی ۶۷، ۱۶ فی صدی تھی جو ۱۹۶۱ء میں ۲۳، ۸ فی صدی ہو گئی) اس رفتار سے تو ہمارے ملک میں ناخواندگی کا ہی اضافہ ہوا ہے - اس مدت میں ناخواندوں کی تعداد ۳۰ سے بڑھ کر ۳۲ کروڑ ہو گئی. ناخواندگی کا مسئلہ تو ہمارے یہاں ایک سراب کی مانند ناقابل عبور بنا ہوا ہے - راستے کے ساتھ منزل کی دوری بھی بڑھتی جاتی ہے -

سازگار حالات

اس وقت لوگوں میں ایک بیداری پیدا ہوئی ہے وہ چاہتے ہیں کہ انھیں سرحدی معاملات اور چینی حملے کی تازہ ترین باتوں کا علم رہے۔ لوگوں میں اسی کے ساتھ اتحاد اور سماجی یک جہتی کا رجحان بھی پیدا ہوا ہے - لوگ ملک کی دفاعی اور جنگی کوششوں میں ہاتھ بٹانے اور اس کے لئے مختلف میدانوں میں پیداوار بڑھانے کے لئے دن رات ایک کرنے کے لئے تیار ہیں - لوگوں میں ملک کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا حوصلہ پیدا ہوا ہے. ایک جاندار قوم کی تعمیر یا سوشل ایجوکیشن پروگرام کے لئے یہ بہت سازگار موقع ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان محرکات سے بہت جلد اور تیزی کے ساتھ اور صحیح سمت میں کام لیا جائے -

دنیا میں خواندگی کی چند کامیاب تحریکیں

دنیا میں خواندگی کی جتنی بھی کامیاب تحریکیں چلی ہیں ان میں سے بیشتر ان ملکوں کی تاریخ کے کسی اہم واقعے کے رونما ہونے کے فوراً بعد شروع کی گئی تھیں۔ روس میں ۱۹۱۷ء میں بولشویکیوں نے زار کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور اس کے دو سال کے اندر اس انقلاب کے رہنما لینن نے "خاتمہ ناخواندگی" کے اعلان نامے پر دستخط کر دیئے۔ لینن کہا کرتا تھا کہ "ایک ناخواندہ آدمی سیاست کی دنیا سے باہر ہی رہتا ہے۔ پہلی چیز جو اسے سکھائی جانی چاہیئے وہ ہے خواندگی" ترکی میں خواندگی کی تحریک کمال اتاترک کے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد شروع کی گئی تھی۔ ملک کا صدر "کمال اتاترک" خود اس کا سب سے پہلا "معلم" تھا۔ میکسیکو کے آزاد ہونے کے فوراً بعد ۱۹۴۴ء میں اس کے صدر نے کہا تھا کہ "مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ عوام کی تعلیم کا کام محض انھیں حروف شناس بنا دینے پر ہی ختم نہیں ہو جاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم خواندگی ہی ہے جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔" ابھی بہت حال کی بات لیجیے۔ صرف دو مثالیں کافی ہوں گی۔ ایک انڈونیشیا کی اور دوسرے غانا کی۔ ان دونوں ملکوں میں آزادی کی تحریک کامیاب ہونے کے بعد جو قومی حکومتیں قائم ہوئیں انھوں نے عوام کو خواندہ بنانے کی بڑے پیمانے پر تحریکیں چلائیں۔ بہت بڑی حد تک یہی بات ہمیں تھائی لینڈ اور برما میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ خود ہمارے ملک میں خواندگی کا بڑے پیمانے پر کام ۱۹۳۷ء میں صوبوں میں عوامی وزارتیں قائم ہونے کے فوراً بعد شروع ہوا تھا۔ اس وقت صوبائی وزیر گاؤں گاؤں پرائمر اور بلیک بورڈ لئے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے گھوما کرتے تھے۔

خواندگی کے لئے ضروری محرکات

تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لوگ اسی وقت پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ خواندگی ان کے لئے مفید ثابت ہوگی اور وہ اسے آسانی سے سیکھ بھی سکتے ہیں۔ بالغ انسان ہر چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ ایک عملی نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ وہ اقتصادی فائدے کو پیش نظر رکھ سکتے ہیں یا کوئی اور مفاد۔ غرض یہ کہ انھیں یہ محسوس ہو کہ خواندگی کے لئے کی جانے والی محنت سے انھیں کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا۔ اسی کے ساتھ اگر انھیں یہ احساس ہو جائے کہ وہ پڑھنا لکھنا بہت آسانی کے ساتھ اور بغیر کسی خاص دقت کے سیکھ سکتے ہیں تو وہ اس کے لئے اپنی طرف کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے ہیں اور کئی گنا زیادہ محنت کرتے ہیں۔

جان ڈیوی نے سیکھنے کے عمل کو تین الفاظ میں مختصراً پیش کیا ہے (۱) ضرورت (۲) کوشش اور (۳) آسودگی۔ سیکھنے کا عمل کسی ضرورت کے ماتحت ہی شروع ہوتا ہے یعنی اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کی خواہش ہی سیکھنے کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ یہ خواہش اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کے لئے ترغیب دلاتی ہے۔ یہ کوشش پوری طرح یا کسی حد تک بارآور ہوتی ہے جسے کامیابی کا

نام دیا جاسکتا ہے۔ بالغوں کی تعلیم کا کام کرنے والوں کے لئے سب سے بڑا سبق جو نفسیات کے ماہرین دے سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ سیکھنے کا عمل خوشگوار، دلچسپ اور بامعنی ہونا چاہیے جو حقیقی تجربات پر مبنی ہو اور لوگوں کے لئے آسودہ خاطر ہو۔

جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے، موجودہ حالات سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں اور خواندگی کے معلموں کے لئے بہت غنیمت ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خواندگی کے معلم خواندگی کے کاموں کی تنظیم کرسکتے ہیں۔ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے لوگوں کے تیار ہونے کے اسباب موجود ہیں۔ ان کے اندر تازہ ترین اور مصدقہ خبروں سے واقف رہنے کی بھوک پیدا ہوئی ہے وہ جنگی مورچوں پر لگے ہوئے اور ملک کے دوسرے گوشوں میں رہنے والے اپنے عزیز و اقارب سے خط و کتابت رکھنے کے آرزومند ہیں۔ وہ ترقی کرتی ہوئی اقتصادی زندگی میں اپنا بہتر سے بہتر مقام تلاش کرنے کے خواہشمند ہیں۔ کتب بینی کا شوق ان میں اب پیدا ہو چلا ہے آج جو کتابچے، فولڈر، پوسٹر اور چارٹ وغیرہ جگہ جگہ تقسیم کئے جارہے ہیں، وہ انھیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے محرکات ہیں جن کی وجہ سے ان کے اندر خواندہ بننے کی زبردست تحریک پیدا ہوئی ہے اور وہ جتنے کم سے کم وقت میں ممکن ہو پڑھنا لکھنا سیکھ جانا چاہتے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم لوگوں کی اس خواہش اور دلچسپی لگن سے فائدہ اٹھائیں اور خواندگی کے میدان میں اس سے موثر طریقے پر کام لیں۔

ایک چیلنج: ایک سنہری موقع

موجودہ قومی سنکٹ خواندگی کے اساتذہ کے لئے ایک چیلنج بھی ہے اور کام کرنے کا ایک بہترین موقع بھی۔ پڑھنا لکھنا سیکھنے کی خواہش کا پیدا ہونا ہی سیکھنے والے کو اس کے لئے تیار کرنے کی اصل کنجی ہے۔

تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خواندگی کے لئے لوگوں کے دلوں میں صحیح معنی میں تحریک اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب سارا ماحول اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ آج جو نفسیاتی فضا ہمارے اس ملک میں بنی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

گاؤں میں خاتمہ ناخواندگی کے حلقے

خواندگی کے کام میں ایک بڑی دشواری تنظیمی ڈھانچے کی رہی ہے۔ ہر گاؤں میں گاؤں پنچایت کے ماتحت خاتمہ ناخواندگی کی ایک سوسائٹی بنانے سے یہ دشواری بہت حد تک دور کی جاسکتی ہے۔ اس طرح کے تنظیمی ڈھانچے کی بہت دنوں سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

اس تنظیمی ڈھانچے کے قائم ہو جانے سے پڑھنا لکھنا سیکھنے کے خواہش مند طالب علموں اور اس کام میں مدد دینے والے رضاکاروں کو تلاش کرنے، اس کے لئے ضروری سرمایہ اور دوسری سہولتیں جیسے استادوں کی فراہمی، جگہ کا انتظام اور دوسرے تعلیمی سامانوں کی فراہمی کا انتظام کرنے میں بہت آسانی پیدا ہو جائے گی اور اسی کے ساتھ گاؤں میں خواندگی کے کام کی عام نگرانی کا کام بھی آسانی سے ہو جائے گا۔

خواندگی کی کلاس میں

خواندگی کے اساتذہ کو اپنے قومی آدرشوں کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ ان کا کام محض لوگوں کو پڑھنے لکھنے کا فن سکھانا ہی نہیں ہوگا بلکہ انھیں شہریت کی تعلیم بھی دینی ہوگی۔ خاص طور سے موجودہ سنکٹ کے پس منظر میں شہریت کی تعلیم کی آج بہت شدید ضرورت ہے۔

خواندگی کے کام کو مؤثر ڈھنگ سے چلانے کے لئے خواندگی کے اساتذہ کو ابتدائی کام کر لینے ہوں گے۔ گاؤں کی خواندگی کا جائزہ لینا، کلاس کے لئے کسی موزوں جگہ کا انتخاب کرنا، کلاس کے لئے ٹائم ٹیبل بنانا، طالب علموں کی کمیٹی کی تشکیل کرنا، تاکہ اپنے معاملات وہ خود طے کر سکیں۔ معیار تعلیم کے اعتبار سے طالب علموں کے گروپ بنانا وغیرہ ایسے کام ہیں جو خواندگی کے کام کو مؤثر ڈھنگ سے شروع کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

خواندگی کے معلم کو طالب علموں کے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح کر دینی چاہیئے کہ پڑھنا لکھنا سیکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اسے پڑھائی کو دلچسپ بنانا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے اسے آڈیو ویژول کے مختلف تعلیمی سامانوں کا سہارا لینا چاہیئے جیسے الفاظ اور جملوں کے کھیل وغیرہ۔ یہ چیزیں وہ یا تو اپنے مرکزی دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں یا خود اپنے وسائل اور اپنی اُپج سے کام لے کر انھیں تیار کر سکتے ہیں۔

ایک اچھا معلم آدھا وقت طالب علموں کا مشاہدہ کرنے میں صرف کرتا ہے اور آدھا وقت انھیں پڑھانے میں۔ وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کے طالب علموں کو کیا پڑھانا ہے اور وہی وہ اُسے پڑھاتا ہے۔ ایک بالغ آدمی دوسرے بالغ آدمی سے جس طرح پیش آتا ہے اسی طرح بالغ طالب علموں سے پیش آنا چاہیئے۔ بالغ انسان کی عادتیں پختہ ہو چکی ہوتی ہیں، زندگی کی طرف سے ان کا ایک نظریہ بن چکا ہوتا ہے، ان کے اندر ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور عقل و فہم کا ایک عملی معیار قائم ہو چکا ہوتا ہے۔ اُستاد اگر ان باتوں کی عزت کرے تو وہ طالب علموں کے دلوں کے اندر اُتر جائے گا اور وہ صحیح معنی میں ان کا دوست، رہنما اور مشفق بن جائے گا۔

اُستاد کو طالب علموں کے سامنے یہ بات بھی واضح کر دینی چاہیئے کہ خواندگی ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ وہ اس سے اپنی روزانہ کی زندگی میں بہت کام لے سکتے ہیں۔

ایک اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ طالب علموں کی تنظیم چند گروپ میں کر دی جائے۔ یہ حلقے کچھ بامقصد کاموں کو پیش نظر رکھ کر قائم کئے جائیں جیسے نوجوانوں کے کلب اور مطالعے کے حلقے وغیرہ۔ کتب و اخبار بینی کے پروگرام؛ جلسوں کی روداد لکھنا، مضمون اور افسانہ نگاری، اخبار و رسائل کے لئے خط نویسی، بورڈوں پر خبروں کا آویزاں کرنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن کی تنظیم طالب علموں کو مختلف گروپ میں تقسیم کر کے کی جا سکتی ہے۔ طالب علموں کی عملی دشواریوں اور ضرورتوں کو پورا کر کے، انھیں حالیہ معاملات کی تازہ ترین خبریں فراہم کر کے، تہواروں اور دوسری سماجی تقریبوں کے موقع سے فائدہ اٹھا کر معلومات فراہم کر کے استاد ان کے اندر یہ جذبہ بیدار کر سکتا ہے کہ وہ پڑھنے لکھنے کے ذریعہ زندگی کے معاملات میں عملی طور پر شرکت کر رہے ہیں۔ اسی طرح طالب علموں کو ان کے پیشے کے متعلق معلومات فراہم کر کے اور دیہات کی تعمیر و ترقی سے متعلق سرکاری اور غیر سرکاری عہدہ داروں کو کلاس میں بلوا کر طالب علموں کے دلوں میں خواندگی کی قدر و قیمت کا

احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ان باتوں سے گاؤں کے دوسرے ان پڑھ لوگوں کے اندر خواندگی کی کلاس میں آنے اور نوخواندہ لوگوں میں اپنی خواندگی کی مشق کو ہر دم تازہ رکھنے کی تحریک پیدا کی جاسکتی ہے۔

صرف بالغوں کو خواندہ بنا دینے سے ہی مسئلہ حل نہیں ہو جاتا ہے ایک استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ طالب علموں میں اپنی خواندگی کی مشق کو تازہ رکھنے کا احساس پیدا کر دے۔

اگر طالب علموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا اور ان کے لئے مشقی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تو وہ جلد ہی ناخواندگی کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اُستاد کو چاہئے کہ وہ اپنے طالب علموں میں گاؤں کے کتب خانوں سے کتابیں لے کر پڑھنے کا شوق پیدا کرے اور انھیں پڑھنے کے لئے اچھی کتابوں اور دوسرے سامانوں کے انتخاب اور فراہمی میں مدد دے۔

طالب علموں کی کارکردگی اور ترقی کی رفتار کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے سے استاد کو طالب علموں کی ترقی کا اور اپنے پڑھانے کے طریقے کا جائزہ لینے میں مدد ملتی ہے وہ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے طریقوں میں تبدیلیاں بھی لا سکتے ہیں جس سے کہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ بہتر نتائج برآمد ہو سکیں۔ خواندگی کے پروگرام کو بہتر اور موثر ڈھنگ سے انجام دینے کے لئے ریسرچ کا کام کرنے والوں کے لئے یہ اعداد و شمار معقول ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اُستاد کو چاہئے کہ وہ ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ یا محکمۂ تعلیم کی طرف سے منظم کئے جانے والے مختلف امادی کورسوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اسے اپنی مشکلات اور مسائل کو اپنے سپروائزر کے سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح کا پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔

ہمیں یہ جنگ جیتنی ہے گاؤں کے دوسرے اداروں کے باہم اشتراک سے کام کرنے سے خواندگی کے علم کے کاموں میں کافی اثر پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح پر وہ ان مقاصد کو کافی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے جس کی تکمیل کا بار موجودہ قومی سنکٹ کی وجہ سے اس کے کاندھوں پر آ گیا ہے۔ اسے یہ بات بہت موثر طریقے پر واضح کرنی چاہئے کہ آخری طور پر ہماری فتح کے لئے خواندگی کا ہتھیار سب سے ضروری ہے۔

خواندگی ایک ہتھیار ہے

یہ بات کہ "آپ جاہل لوگوں کے اس جم غفیر کے ساتھ جنگ نہیں جیت سکتے ہیں" ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔

کیوں نہ ہم ہندوستان کے ساڑھے پانچ لاکھ گاؤں میں بسنے والے اپنے ۳۲ کروڑ سپاہیوں کو خواندگی کے ہتھیاروں سے لیس کریں۔

کیوں نہ ہم جوش و خروش کی اس لہر سے فائدہ اٹھائیں جس نے آج کروڑوں آدمیوں کو ہماری مالیہ تاریخ کے اس اہم ترین موڑ پر بیدار بنا دیا ہے۔

کیوں نہ ہم اس ضروری ہتھیار سے سب کو مسلح کر دیں جسے خواندگی کہتے ہیں۔
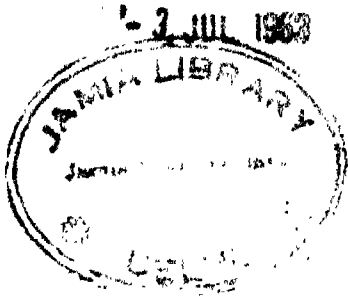
رورل ڈیولپمنٹ ٹریننگ سنٹر

مئی کے پرچے میں "رسدی مرکز" کے منصوبے کا خاکہ شائع کیا گیا تھا جس کا خاص منشا یہ تھا کہ بستی کے لوگوں میں خود اپنے لئے کمیونٹی سنٹر قائم کرنے کی تحریک ہو۔ اس منصوبے کے بس چند ہی پہلوؤں پر کام ہوسکا مثلاً پندرہ روزہ بلٹن کی اشاعت جو آگے چل کر ماہنامہ "تعلیم وترقی" کی شکل میں شائع ہونے لگا اور اب تک شائع ہو رہا ہے۔ ایک مائیکروفون سیٹ جس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیمی مرکزوں کی سرگرمیاں اور جلسے کامیاب اور بارونق رہیں، اور تحریک کے دفتری امور کے لئے ضروری اسٹیشنری کی فراہمی۔

زیر نظر شمارے میں اسی طرح کے ایک اور منصوبے کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے جو خاص اس موقعے پر ادارے کے اراکین نے ترتیب دیا تھا جب ملک میں کمیونٹی پروجیکٹ اسکیم کے ماتحت جا بجا ڈیولپمنٹ بلاک قائم ہو رہے تھے لیکن بوجوہ اس منصوبے پر بھی عمل نہیں ہوسکا۔ یہ منصوبہ بھی بہرحال سماجی تعلیم اور ڈیولپمنٹ کی تحریک سے تعلق رکھنے والوں کے لئے دلچسپ رہے گا اس لئے اسے بھی ہم شریک اشاعت کر رہے ہیں۔

—— ایڈیٹر

تمہید

دیہی علاقوں میں سماجی بہبود کے کاموں کا تجربہ کرنے کے دوران ادارے (ادارہ تعلیم وترقی) نے محسوس کیا کہ کام خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور ایمان داری سے کیا جائے، غیر تربیت یافتہ کارکن گاؤں کی ہمہ گیر ترقی کے کام میں بہت زیادہ مددگار نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر ادارے نے ایسے لوگوں کے لئے جو ہندوستان کے گاؤں کی فلاح وبہبود کے کاموں کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کو تیار ہوں، ایک ٹریننگ سنٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس ٹریننگ سنٹر میں دیہی تعمیر وترقی کی اصولی بنیاد اور عملی کاموں

پر مشتمل مختلف ٹریننگ کورس چلائے جائیں گے۔ کمیونٹی ڈیویلپمنٹ پروگرام کی ابتدا اور اس کے ساتھ ادارے کی مجوزہ اسکیم کے طرز کے مطابق متعدد ٹریننگ سنٹر قائم ہو جانے کے بعد سے ادارے کا حوصلہ کافی بڑھ گیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ قومی تعمیر کی اس عظیم کوشش میں حتی الوسع ہاتھ بٹائے۔ ادارہ بہت ایمان داری سے یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے وسیع تجربات کی بنیاد پر اور دفتری نظم و ضبط کی بندشوں سے آزاد رہ کر کام کرنے کی وجہ سے وہ دیہی تعمیر کے کارکنوں اور افسروں کی ٹریننگ کے میدان میں کچھ بیش قیمت تجربات کر سکتا ہے جو کمیونٹی ڈیویلپمنٹ ایڈمنسٹریشن کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جامعہ ملیہ کو اپنے تصور کے مطابق دیہی یونیورسٹی قائم کرنے میں اس ٹریننگ سنٹر سے کافی مدد ملے گی جو اس سلسلے میں سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کام کرنے کے لئے تجربہ گاہ کا کام دے سکے گا۔

کورس

سنٹر میں تین طرح کے کورس چلائے جائیں گے۔

(۱) سرٹیفکیٹ کورس:- یہ کورس ایسے نوجوان کسانوں کے لئے مخصوص ہوگا جنھوں نے ایک خاص معیار تک لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہو اور ان کی عام معلومات بھی ایک خاص معیار تک کی ہو۔ یہ کورس تین تین مہینے کے دو دور ... پر مشتمل ہوگا جو گاؤں میں کٹائی اور بوائی کے زمانے کے درمیان کے دو وقفوں کی مدت میں چلائے جائیں گے۔ اس مدت میں گاؤں کے لوگ عام طور سے بہت مصروف نہیں ہوتے ہیں اور وہ آسانی سے ٹریننگ سنٹر میں رہ کر اس طرح کے کورس میں شرکت کر سکتے ہیں۔

(۲) ابتدائی ڈپلوما کورس:- یہ دوسالہ نصاب جامعہ ملیہ کے انٹرمیجیٹ کے طالب علموں کے لئے ہوگا۔

(۳) اعلیٰ ڈپلوما کورس:- یہ دوسالہ نصاب جامعہ ملیہ کے بی۔ اے کے طالب علموں کے لئے ہوگا۔

ان تینوں کورسوں میں نظری تعلیم اور عملی کاموں کا معیار ایک نصاب تعلیم کے مطابق مختلف سطح کا ہوگا۔ نصاب تعلیم کا ایک موٹا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مختلف معیار کے نصاب تعلیم کی تفصیلات بعد کو طے کی جائیں گی۔

نظری تعلیم

نظری تعلیم میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شامل ہوگا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل موضوعات پر خاص طور سے لیکچر رکھے جائیں گے۔

(الف) سماجی خدمت کے کاموں کا مقصد و منشا خاص طور سے موجودہ زمانے کے حالات کے پیش نظر۔

(ب) سماجی کام کو موثر انداز سے انجام دینے کے طریق کار۔

(ج) آج کے اہم مسائل خاص طور سے ہمارے ملک کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل اور مقامی مسائل سے ان کا تعلق

(ھ) دیہی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل خاص طور سے زراعت، مویشیوں کی نسل سدھار کے مسائل

(ی) تعلیم بالغان، مقصد و منشا اور طریق کار کی اصولی اور نظری معلومات خاص طور سے آڈیو ویژول سامانوں کے ذریعہ بالغوں کی تعلیم

(و) صحت و صفائی اور فوری طبی امداد کے بنیادی اصول

(ز) اقتصادی منصوبہ بندی کی ابتدائی باتیں خاص طور سے سروے وغیرہ۔

نظری تعلیم کے سلسلے کی دوسری بات جن کا ان رضاکاروں کو علم ہونا ضروری ہے وہ ہے ہماری قومی تعمیر و ترقی کے منصوبوں کی ابتدائی معلومات جو ابھی حال میں شروع کئے گئے ہیں۔ خاص طور سے پنج سالہ پلان، کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام اور گاندھی جی کے تعمیری کاموں کے منصوبے۔ ان منصوبوں کی معلومات حاصل ہو جانے سے انھیں اپنے کام کا بہت کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ اس طرح کے مرکزوں اور اداروں میں ان رضاکاروں کی ٹولیاں بنا کر بھیجنا جہاں کہ تعمیر و ترقی کے کام ہو رہے ہیں جس سے کہ وہ ان کاموں کا خود مشاہدہ کر سکیں۔

عملی کام

طالب علموں کو جیسے ہی اپنے کام کی نوعیت کا مختصراً اندازہ ہو جائے انھیں مختلف گروپ میں تقسیم کر کے عملی کاموں پر لگا دیا جائے ہر گروپ کو چند گاؤں پر مشتمل ایک علاقہ سونپ دیا جائے۔ ان گاؤں میں یہ طالب مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق کام شروع کر سکتے ہیں:-

(الف) ناخواندگی

ناخواندگی ہماری قوم پر سب سے بدنما داغ ہے۔ اس داغ کو مٹانا ہماری جمہوریت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ خواندگی کے بغیر ہماری ترقی کے تمام دروازے بند نظر آتے ہیں ـــــ اس صورتِ حال میں یہ بات قدرتی طور پر ضروری ہو جاتی ہے کہ یونیورسٹیاں اس مورچے پر دھاوا بولیں جہاں تک ہماری اسکیم کا تعلق ہے اس میں یہ کام دو مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) پہلے مرحلے میں مقامی طور پر اڈلٹ ایجوکیشن کے اسکول قائم کرنا ہے جہاں کہ لوگوں کو زبان کا لکھنا پڑھنا سکھایا جا سکے۔

(ii) دوسرے مرحلے میں ایسے انتظام کرنا جس سے کہ یہ نیا نیا سیکھا ہوا فن تازہ ہوتا رہے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک بار پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد لوگ اسے جلد بھلا سکتے ہیں۔

پہلے مرحلے کے کام میں باقاعدگی کے ساتھ روزانہ کلاسیں چلانے کی ضرورت ہوگی یہ کام تعلیم و ترقی کا سماجی تعلیم کا شعبہ بہت طریقے پر انجام دے سکتا ہے۔ دوسرے مرحلے کے کام کے لئے ہمارے طالب علم زیادہ موزوں ہیں۔ یہ کام دو طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔

(i) ایک تو یہ کہ طالب علموں کو گروپ میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ گروپ اپنے اپنے علاقوں میں تھوڑی مدت کے اعادی کورسوں کی تنظیم کریں۔ خواندگی کے بعد کے مرحلے میں تعلیم و ترقی کی تیار کی ہوئی کتابیں بہت مفید ثابت ہوں گی۔

(ii) دوسرے یہ کہ ایک یا ایک سے زیادہ گشتی کتب خانے قائم کئے جائیں جنھیں طالب علموں کے گروپ اپنے اہتمام میں چلائیں۔ ان طالب علموں کے توسط سے کتابوں کی تقسیم سے اس بات کی ضمانت کی جاسکتی ہے کہ مفید اور کارآمد کتابیں لوگوں کے پاس پابندی کے ساتھ اور برابر پہنچ رہی ہیں اور لوگ ان سے بڑھ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اخبار بینی اور خبروں کے اعلان کی حوصلہ افزائی بھی کی جا سکتی ہے۔

۲۔ سوشل ورک

اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کے علاوہ سماجی خدمت کے کاموں پر بھی اسی قدر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سماجی خدمت کے پروگرام میں مندرجہ ذیل کام شامل ہو سکتے ہیں:۔

(الف) صفائی ستھرائی: سڑکوں کو بہتر حال میں رکھنا، گلیوں اور نالیوں کی صفائی۔ زمین دوز پیخانوں اور غسل خانوں کی تعمیر، گندے پانی کی نکاسی کا اچھا انتظام اور پینے کے پانی کے کنوؤں کے آس پاس کی صفائی۔

(ب) تفریح اور کلچرل پروگرام:۔ کلبوں اور بھجن منڈلیوں کی تنظیم اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا، کھیل کود کا مظاہرہ اس کے لئے اجتماعی طور پر کھیلوں کا انتظام جس میں بستی کے لوگ شریک ہوں۔

(ج) سماجی برائیاں:۔ ہمارے سماج میں جو برائیاں رواج پاگئی ہیں ان کے خلاف عوام کے ذہن کو تیار کرنا۔ چھوا چھوت، فرقہ واریت خواہ وہ کسی قسم کی ہو، کمسنی کی شادی، جہیز، پردہ اور سب سے بڑھ کر سماجی تقریبات میں دعوتوں کی وجہ سے ہونے والی کھانوں کی بربادی سب ایسی برائیاں ہیں جن کو دور کرنے کے لئے لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی پوری ضرورت ہے۔

(د) کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کا قیام:۔ پیداوار کی نکاسی اور زراعتی سامانوں کی خریداری کے لئے گاؤں والوں کی

کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی تنظیم۔

سروے:۔ گاؤں کی زندگی کے متعلق اعداد و شمار جمع کرنے کا کام طالب علموں سے لیا جا سکتا ہے۔ طالب علموں کے گروپ اپنے اپنے علاقے کے متعلق اعداد و شمار جمع کریں جو گاؤں کی ترقی کے منصوبے بنانے اور کوآپریٹیو سوسائٹی کی تنظیم کرنے میں بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

مجوزہ اسکیم کا یہ ایک موٹا خاکہ ہے، جس کی تفصیلات بعد کو طے کی جائیں گی۔

انتظامی امور، فیس اور طالب علموں کے وظیفے

سرٹیفکٹ کورس میں داخلہ لینے والے نوجوان سے تعلیمی اور رہائشی فیس نہیں طلب کی جائے گی مگر اپنے دورانِ قیام میں انھیں ۲۵ روپے ماہانہ کھانے وغیرہ کے لئے ادا کرنے پڑیں گے۔ اس مدت میں ۲۰ مستحق طالب علموں کے لئے وظیفے کا انتظام کیا جائے گا۔

جامعہ کالج کے طلبا، جو ابتدائی ڈپلوما کورس میں داخلہ لیں گے انھیں تین روپیہ ماہانہ فیس ادا کرنی ہوگی۔ اعلیٰ ڈپلوما کورس میں داخلہ لینے والے طالب علموں کو پانچ روپیہ ماہانہ کے حساب سے فیس ادا کرنی ہوگی۔ ۲۰ طالب علموں کی پوری فیس معاف کی جائے گی۔ دونوں کورسوں کے آخری سال میں ۳۰ روپیہ ماہانہ کے دس وظیفے مستحق طالب علموں کو دئے جائیں گے۔

اسٹاف: سنٹر میں دو طرح کے کارکن ہوں گے ایک کل وقتی مستقل کارکن اور دوسرے جزوقتی اساتذہ، دیہی دست کاریاں سکھانے والوں سے مختصر مدت کے معاہدے (CONTRACT) کئے جائیں گے۔

متواتر اخراجات:۔

تنخواہ ڈائرکٹر	۳۰۰ — ۱۵ — ۳۷۵ — ۲۰ — ۵۰۰	۳۶۰۰/= روپے
دو لیکچرار	۲۰۰ — ۱۵ — ۲۵۰	۴۸۰۰/= " "
فارم منیجر (۱۵ روپیہ ماہانہ معہ گرانی الاؤنس)	۱۲۰ — ۸ — ۲۰۰	۱۸۰۰/= "
کلرک	۶۸ — ۴ — ۱۰۰ — ۵ — ۱۵۰	۱۲۰۰/= "
چپراسی	۶۰ —	۷۲۰/= "
جزوقتی لیکچرر ۳	۱۰۰ ماہانہ کے حساب	۳۶۰۰/= "
چرخے کے اُستاد اور دوسرے کارکن (مختصر مدتوں کے لئے)		۵۰۰/= "
۲۰ وظیفے ۳۰/= ماہانہ کے حساب سے ۶ ماہ کے لئے		۳۶۰۰/= "
۲۰ وظیفے ۳۰/= ماہانہ کے حساب سے ۱۰ ماہ کے لئے		۶۰۰۰/= "

ایرانی نوجوان ناخواندگی کے محاذ پر

"تعلیمی دستے" کی تشکیل

رابرٹ مارٹن

ایران میں ۱۸ مہینے کی فوجی خدمت ہر نوجوان کے لئے لازمی ہے لیکن اب ہائر سکنڈری امتحان پاس کرنے والے نوجوانوں کو اس کے بجائے خواندگی کی فوج (تعلیمی دستے) میں بھرتی کیا جائے گا یہ نوجوان سپاہانہ عزم و حوصلے اور فوجی نظم و ضبط کے ماتحت ناخواندگی کے محاذ پر مہم سر کریں گے

ادارہ

گزشتہ جولائی میں ایران میں شاہ کی اصلاحی تجاویز پر رائے شماری کی گئی تھی جس میں ایران کے لوگوں نے بہت بڑی اکثریت سے شہنشاہ کے تجویز کئے ہوئے اصلاحی پروگراموں کی حمایت میں رائے دی تھی۔ ان اصلاحی منصوبوں میں جس میں ۶ خاص پروگرام شامل ہیں اصلاح آراضی کے بعد دوسرا اہم منصوبہ ملک میں "خواندگی کی فوج" کی تشکیل تھا۔ اس منصوبے کی رو سے اب ہائی اسکول کا امتحان پاس کرنے والے نوجوانوں کو فوجی تربیت سے مستثنیٰ کر کے دور دراز کے گاؤں کے اسکولوں میں پڑھانے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔

ایران، جس کے قدیم تہذیب و تمدن نے بڑے بڑے جیّد عالموں، مفکروں، شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا تھا، اب ناخواندگی کا شکار بن چکا ہے۔ یہ مسئلہ اب یہاں کافی نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ ۱۹۴۱ء کے بعد سے اس سمت میں کسی قدر کام ہوا ہے۔ اس وقت محض ۵ فیصد کل آبادی پڑھنے لکھنے کے فن سے واقف تھی۔ آج اسکولی عمر کے لڑکوں کی آدھی تعداد اسکولوں میں داخل ہو چکی ہے۔

بیس سالہ منصوبہ : اس تشویشناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت نے، جو تعلیم پر ایک اچھی خاصی رقم

خرچ کرتی ہے (کل قومی بجٹ کی ایک چوتھائی رقم) خواندگی کا ایک بیس سالہ منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس منصوبے کا مقصد ہے ۱۳ سال کی عمر کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ۶ سال کی مفت لازمی تعلیم کا بندوبست کرنا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں یونیسکو کی کراچی کانفرنس میں ایشیائی ملکوں میں تعلیم کی توسیع کا ایک منصوبہ تجویز کیا گیا تھا۔ مذکورۂ بالا ایرانی منصوبہ اسی تجویز کے نتیجے کے طور پر تیار کیا گیا ہے۔

ایرانی منصوبے کے مطابق اس وقت اسکولوں میں داخل طالب علموں کی تعداد ۱۷ لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ ۱۹۷۳ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۷ لاکھ ۶۶ ہزار ہو جائے گی اور ۱۹۸۳ء تک ۶۵ لاکھ ۴۰ ہزار تک پہنچ جائے گی۔ اس بیس سالہ منصوبہ میں جو چار مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، کام کے کچھ نشانے مقرر کئے گئے ہیں، جس کے مطابق ۱۹۶۸ء تک ایک ہزار کی آبادی کے ہر گاؤں میں ایک اسکول قائم کر دیا جائے گا۔ اور ۱۹۸۳ء تک چھوٹی سے چھوٹی بستی کا بھی اپنا ایک اسکول ہو جائے گا۔

آج سے ۱۹۸۳ء تک کی مدت میں اندازہ ہے کہ ایران کی آبادی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ سے بڑھ کر تقریباً ۳ کروڑ ۲۷ لاکھ ہو جائے گی۔ اتنی بڑی آبادی کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بہت بڑی رقم فراہم کرنی ہوگی اسکولوں کے موجودہ اساتذہ کے علاوہ ۵۳ ہزار اُستادوں کی مزید ضرورت ہوگی۔ "تعلیمی فوج" کی تنظیم اسی خیال کے پیش نظر کی گئی ہے۔ ایران میں ۱۸ مہینے کی فوجی خدمت ہر ایک کے لئے لازمی ہے مگر اب "تعلیمی فوج" کی تشکیل کے ذریعہ یہ انتظام ہو گیا ہے کہ ہائی اسکول کا امتحان پاس کرنے والے تمام نوجوانوں کو فوجی خدمت کے بجائے خواندگی کی مہم میں لگایا جائے۔ صرف وہ طالب علم اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو باقاعدہ فوج میں بھرتی ہو کر اپنے لئے فوجی خدمت انجام دینے کا کام پسند کریں گے۔

پہلے چار مہینے میں ان نوجوانوں کو معلمی اور فوجی تعلیم کی ملی جلی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہ فوجی لباس پہنتے ہیں فوجی نظم و ضبط کی پابندی کرتے ہیں اور فوجی بیرک میں رہتے ہیں۔ ان نوجوانوں کو سرجنٹ کی تنخواہ ملتی ہے۔ اس منصوبے میں ہر سال تقریباً دس ہزار نوجوانوں کو اس طرح کی ٹریننگ دینے کی توقع کی گئی ہے۔

معلمی کی ٹریننگ کے نصاب اور فوجی ٹریننگ کی فنّی رہنمائی اور نگرانی کے انتظام کا خاکہ ایرانی افسروں نے مسٹر جیمس ڈونل کی مدد سے تیار کیا تھا۔ مسٹر جیمس ڈونل برطانیہ کے ایک معلم ہیں جن کی خدمات یونیسکو کی طرف سے ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے اس منصوبے کو حاصل ہیں۔ مسٹر ڈونل نے ملٹری کیمپوں میں اس طرح کے تعلیمی کورسوں کی تنظیم کرنے والے انچارجوں کے ٹریننگ پروگرام میں بھی مدد دی ہے۔

خواندگی کی فوج : میدانِ عمل میں : اس وقت پہلے دستے کے ۲۵۰۰ خواندگی کے سپاہی فوجی بیرک میں زیر تربیت

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

تجربات

ایک آزمودہ نسخہ بے نتیجہ رہا

تو پھر کرنا کیا چاہئے؟

زیر نظر مضمون صحت، صفائی کے پروگرام کے ایک آزمائے ہوئے طریقے کی داستان ہے جو بے نتیجہ ثابت ہوا۔ آزمائے ہوئے طریقے بھی ناکام رہیں، آخر کیوں؟ اس مضمون میں اسی سوال کو ایک موضوع کی داستان کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ سوشل ایجوکیشن اور ڈیولپمنٹ کی تحریک میں کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک دلچسپ بحث ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ناظرین اس کے بارے میں اپنے خیالات پیش کریں۔ ہم انھیں بڑی خوشی سے تعلیم و ترقی کے صفحات میں جگہ دیں گے۔

ایڈیٹر

منصوبہ

جون ۱۹۶۰ء میں میرٹھ کے ضلعے میں بستیوں کے آس پاس کی صفائی کا ایک پروجیکٹ چلایا گیا تھا جس علاقے کو اس منصوبے میں شامل کیا گیا تھا، اس میں موضع فضل پور بھی تھا جسے علاقے میں شامل کرنے کی ولیج لیول ورکر (گرام سیوک) نے بڑی پُرزور سفارش کی تھی۔ اس نے اپنی تائید میں بتایا تھا کہ فضل پور میں دو آدمی —— ایک گرام سبھا کے پردھان رام چرن کھٹک اور دوسرے سرداری لال —— بہت اثر رکھتے ہیں اور پورا گاؤں ان کی عزت کرتا ہے۔ گرام سیوک نے کہا تھا کہ "جب میں نے گاؤں میں پاخانوں کی تعمیر کی تجویز پیش کی تو ان دونوں مقامی لیڈروں نے اس تجویز کو سراہا تھا اور انھیں یقین تھا کہ اس طرح کے پاخانے بہت مقبول ہوں گے"۔ گرام سیوک کی تجویز پر رام چرن پردھان نے بلاک ڈیولپمنٹ افسر کو خط لکھا کہ موضع فضل پور کو منصوبے میں ضرور شامل کیا جائے، اور گاؤں میں ایک سو پاخانے تعمیر کرائے جائیں۔

یہ واقعہ ۱۹۶۰ء کا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں جب کہ یہ رپورٹ مرتب کی جارہی ہے، کیفیت مختصراً یہ ہے کہ سو میں سے ۸۰ پاخانے بنے ہیں جن میں سے ۱۴ ایسے ہیں جو استعمال میں آرہے ہیں اور ان سے بھی کم تعداد اُن پاخانوں کی ہے جن کی پابندی اور

لگن کے ساتھ دیکھ بھال ہوتی ہے۔

منصوبے کی داستان

۱۔ فضل پور کی ساخت موضع فضل پور احاطہ بند ایک گاؤں نہیں ہے بلکہ تین گاؤوں سے مل کر بنا ہے۔ اس مجموعے میں کچھ اوپر تین سو خاندان بستے ہیں۔ فضل پور خاص کے علاوہ دو اور گاؤوں میں سے ایک کھٹیک پورا ہے اور دوسرا پوروا کہلاتا ہے۔ کھٹیک پورا میں صرف کھٹیک رہتے ہیں۔ پوروا میں اگرچہ دوسری ذاتوں کے لوگ بھی رہتے ہیں لیکن خاص آبادی مسلمانوں اور ویشوں کی ہے اور فضل پور خاص میں مسلمانوں اور گڈریوں کی اکثریت ہے۔

۲۔ پیشہ گاؤوں میں لوگوں کا خاص پیشہ کھیتی باڑی ہوتا ہے، لیکن فضل پور اس اعتبار سے دوسرے گاؤوں سے مختلف ہے۔ یہاں آبادی کے صرف دس فیصدی حصے کا پیشہ زراعت ہے۔ ۳۵ فیصدی حصہ تجارت پیشہ ہے اور ۲۰ فیصدی ملازمت کرتا ہے۔ باقی کا ۳۵ فیصدی حصہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو یومیہ اجرت پر مزدوری کرتے ہیں اور صرف ۹ فیصدی ان لوگوں پر جو کھیتی کرتے ہیں۔

۳۔ اثر و رسوخ کی تقسیم گاؤں میں سب سے زیادہ با اثر کاروباری مسلمان چمڑے کا کام کرنے والے کھٹیک اور کاروبار اور ملازمت کرنے والے ویش لوگ ہیں۔ ان کے علاوہ شہر نا رتھی طبقہ جو پنجابیوں اور سکھوں پر مشتمل ہے کافی خوشحال اور دولتمند ہے۔ اس تقسیم کی روشنی میں دیکھئے تو گاؤں کے ان مختلف طبقوں کے مختلف مفاد ہیں اور اگر کوئی چیز ان میں قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے تو وہ ہے صرف جغرافیائی اتحاد۔

منصوبے کی ناکامی کے محرّکات

۱۔ ہینڈ پمپوں کی کثرت گاؤں کو منصوبے کے علاقے میں شامل کرنے کے بعد فیلڈ ٹیچر نے جو سروے کیا اس سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں ۲۲۵ ہینڈ پمپ (برمے) لگے ہیں۔ اسی جائزے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن گھروں میں ہینڈ پمپ لگے ہیں ان میں جگہ کی کمی بھی ہے یعنی اتنی جگہ نہیں ہے کہ ہینڈ پمپ اور پاخانے کے درمیان ۲۵ فٹ کا فاصلہ رہے۔ ہینڈ پمپ اور پاخانے کے درمیان پچیس فٹ سے کم فاصلے کا رہنا مناسب نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اس سے پمپ کے پانی کے خراب ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ ایسی صورت حال ہے کہ جن گھروں میں اتنی جگہ نہ ملے وہ آپ ہی آپ منصوبے سے خارج ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ایک غلط فہمی جب گھروں کے اندر پاخانے بنانے کی بات سامنے آئی تو کھنیک پورہ کے کھٹیک اس کی مخالفت کرنے لگے۔ خود پردھان جی گھروں کے اندر پاخانے بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ پاخانے بنوانے کی انہی کی تحریک تھی لیکن وہی اس کے مخالف ہوں یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی، لیکن اُنھوں نے واقعہ بیان کیا کہ گھروں کے اندر پاخانے بنانے کی بات اُن سے کبھی کہی ہی نہیں گئی۔ شروع میں طے یہ پایا تھا کہ نمونے کے طور پر چند پاخانے گھروں کے باہر بنائے جائیں تاکہ ہر شخص انھیں استعمال کر سکے۔

بھول غالباً یہ ہوئی کہ مشترک پاخانوں کے جو نقصانات ہوتے ہیں، ان کا لوگوں سے ذکر نہیں کیا گیا اور نہ انھیں پوری طرح سمجھایا گیا کہ مشترک پاخانے بستی کی صحت پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔

کھٹیکوں کی مخالفت کی بنیاد تین باتوں پر تھی۔ (۱) ان کا خیال تھا کہ گھروں میں پاخانہ بننے سے ہینڈ پمپوں کا پانی ناپاک ہو جائے گا (۲) جن لوگوں کے گھر چھوٹے تھے، وہ سوچتے تھے کہ پاخانے رسوئی کے بہت قریب ہوں گے اور یہ مناسب نہ ہوگا (۳) چمڑے کا کام ان میں سے بیشتر کے لئے منافع بخش نہیں تھا، اس لئے وہ اُسے چھوڑ کر گاؤں سے باہر کہیں ملازمت کی فکر میں تھے۔ انھوں نے سوچا کہ چند دن کے لئے پاخانے بنوانا اور ان پر پیسے لگانا کون سی عقلمندی ہے۔

۳۔ لیڈرشپ کی تبدیلی ایک اور بات جو پاخانوں کی تعمیر کے اس پروگرام میں رکاوٹ بن کر سامنے آئی یہ تھی کہ پنچایت کے نئے انتخابات میں ایک نئے مہاپُرش پردھان منتخب ہو گئے۔ انھوں نے اپنے کام کے پروگرام کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ پچھلے پردھان نے جو کام بھی شروع کئے تھے، وہ غلط تھے۔ لہٰذا ہر اس کام کی مخالفت ہونے لگی جو رام چرن کھٹیک نے شروع کر رکھے تھے۔ انھی میں پاخانوں کی تعمیر کا یہ پروگرام بھی تھا۔

۴۔ گھر کا بھید کھلنے کا اندیشہ کچھ گھروں نے اس خیال سے پاخانے بنوانے سے انکار کر دیا کہ ان پاخانوں کا معائنہ کرنے کے لئے منصوبے کے کارکن گھر کے اندر آئیں گے جس سے گھر کا بھید کھل جائیگا

۵۔ زمین کا پلپلا پن جن گھروں نے پہلے پاخانے بنوائے، انھوں نے دیکھا کہ پاخانے کے گڈھے بہت جلد ٹوٹ گئے۔ اس کے بعد دوسری جگہ پاخانہ بنوانے پر وہ اس لئے راضی نہیں ہوئے کہ گڈھے پھر جلد ہی ٹوٹ جائیں گے کیونکہ جس زمین پر ان کے گھر بنے ہیں وہ ٹھوس نہیں ہے بلکہ بھراؤ کر کے اُسے ہموار کیا گیا ہے اس لئے پلپلی ہے۔

۶۔ ایک کارخانے دار کی سازش: گاؤں میں پاخانوں کا سامان بنانے والے ایک کارخانے کا ایک کارندہ بھی

ما۔ اس نے جب سُنا کہ ایک منصوبے کے تحت فضل پور کے گھروں میں پاخانے تعمیر ہونے والے ہیں تو اُسے اپنے کاروبار ره ہونے کی فکر ہوئی اور اس نے افواہ اُڑا دی کہ اس طرح کے پاخانوں سے ہینڈ پمپوں کا پانی زہریلا ہو جائیگا۔ اس افواہ کے اثر کو توڑنے کے لئے کوئی بدلے کا پروپیگنڈا نہیں کیا گیا چنانچہ کارخانے دار کا جادو بہت بڑی حد چل گیا۔

ہتروں کا مخالفانہ طرز عمل جن گھروں میں پاخانے بن گئے تھے اُن کے یہاں مہتروں نے کام کرنا چھوڑ دیا اس لئے کہ گھر والے صفائی کا کام کم ہونے کی وجہ سے ان کی پہلی تنخواہ دینے پر راضی نہیں چنانچہ ایک مرتبہ پاخانہ بنوانے کے بعد مہتروں کی ہڑتال سے تنگ آکر وہ دوبارہ بنوانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

ناکامی کے اسباب کا تجزیہ اور بیانِ صفائی

منصوبے کو چلانے والوں کی طرف سے صفائی میں یہ بیان دیا گیا ہے کہ فضل پور کا منصوبہ اس سلسلے کا کوئی پہلا اور منصوبہ نہیں تھا کہ منصوبہ کی خاکہ بندی اور ابتدائی جائزہ کے نقص کو ناکامی کا سبب ٹھہرایا جائے۔ اس طرح کے بے دوسرے گاؤں میں بھی چلائے جا چکے ہیں اور کامیاب رہے ہیں۔

فضل پور کے معاملے میں منصوبے کی کامیابی کے راستے میں جو باتیں رکاوٹ ثابت ہوئیں ان کا اندازہ سے نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ عین کام کے دوران میں واقع ہوئیں۔

(ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی ایک رپورٹ کی بنیاد پر)

یہ تو بیان ہے منصوبے کے کارکنوں اور افسروں کا۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر تعلیم و ترقی کے ناظرین اس ناکامی کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کریں۔ ہم ان کے خیالات کو بڑی خوشی سے شریک اشاعت کریں گے۔

ایڈیٹر

پنجاب کے ایک گاؤں میں

ایک مثالی کوآپریٹیو سوسائٹی

پنجاب کے ضلع جالندھر میں موضع اٹھولا کی انجمن امداد باہمی کی رفتار ترقی کی داستان میں شاید کوئی سنسنی خیز بات نہ ہو، لیکن اس کے سال بہ سال کے کاموں کی روداد دلوں کو گرما دیتی ہے اس سوسائٹی کی روز افزوں ترقی اس بات کو ظاہر کر دیتی ہے کہ کوآپریٹیو ادارے اسی وقت ترقی کر سکتے ہیں جب اس کے لئے سماجی ماحول سازگار ہو اور لوگوں کے دلوں میں ان اداروں کے ذریعہ اپنی اور اپنی بستی کی بہبود کا جذبہ کار فرما ہو۔

موضع اٹھولا جالندھر سے دس میل کے فاصلے پر جالندھر سے کپورتھلہ جانے والی سڑک کے ایک طرف واقع ہے۔ اس میں تقریباً تین سو گھر آباد ہیں اکثریت سکھ جاٹوں کی ہے ۵۹-۱۹۵۰ء کے درمیان اس علاقے میں امریکی کپاس اور مونگ پھلی کی کاشت رائج کی گئی اور آج یہ وہاں کی اہم نقد آور فصلیں ہیں۔ اس گاؤں میں چک بندی کا کام مذکورہ دس سال کے اندر مکمل ہو گیا تھا۔ چک بند کھیتوں سے کسانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس نے کاشت کاروں کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے وسائل سے جس میں ان کے ہاتھ پیر کی محنت بھی شامل ہے، بہتر سے بہتر کام لے کر اپنی پیداوار کو بڑھائیں مگر گاؤں کی خوشحالی کا سب سے بڑا سبب وہاں کی انجمن امداد باہمی کی روز افزوں ترقی ہے۔

اٹھولا کی کوآپریٹیو سوسائٹی ۱۹۱۹ء میں رجسٹر ہوئی تھی لیکن شروع شروع میں سوسائٹی کے اکثر ممبر خود ساہوکارا کرتے تھے۔ اس لئے انھیں سوسائٹی کا کاروبار بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن ۱۹۴۰ء کے بعد سوسائٹی سنبھلنے لگی۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۵۲ء تک ممبروں کی تعداد تقریباً بیس ممبر فی سال کے حساب سے بڑھتی گئی۔ ۵۷-۱۹۵۶ء میں اسے بڑی سوسائٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ سوسائٹی نے درمیانہ مدت اور لمبی مدت والے قرضوں پر سود کی شرح میں بتدریج کمی کی ہے ۱۹۳۴ء میں شرح ½ ۱۲ فی صدی تھی تو ۱۹۵۷ء میں ½ ۶ فی صدی ہو گئی۔ اس نے کاشت کاروں کو آس پاس کے دیہات میں زمین خریدنے کے لئے قرضے دیے۔ سوسائٹی سے ملنے والی اسی سہولت کی بدولت، بیشتر کاشت کاروں نے اپنی زمین دگنی کر لی۔ سوسائٹی نے کھادوں کی تقسیم اور دیگر امدادی کام بھی سنبھالے ہیں۔

یہ سوسائٹی جالندھر کی مارکٹنگ سوسائٹی کی ممبر بھی ہے جس سے اسے اپنی پیداوار کی نکاسی میں بہت مدد ملی ہے۔

پلاننگ کمیشن کے پروگرموں کی جانچ پڑتال کے شعبے نے کچھ عرصے پہلے اس سوسائٹی کے کاموں کا مطالعہ کیا اور اس کی کارکردگی کا تجزیہ کر کے کچھ اہم نتائج اخذ کئے ہیں۔ سوسائٹی کی کامیابی میں سرکاری امداد کا بھی کافی دخل رہا ہے۔ عمارت کی تعمیر کے لئے گرانٹ اور سوسائٹی کے سکریٹری کا اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ بطور چندہ دینا سوسائٹی کے استحکام میں معاون ثابت ہوئے لیکن اس کی تیز تر ترقی کی بڑی وجہ اس کے ممبروں کی دلچسپی اور حسن انتظام ہے۔ ممبروں کی تعداد برابر بڑھتی رہی اور کسی بھی برس قابل ذکر حد تک گھٹنے نہیں پائی۔ سوسائٹی کی ساری زندگی میں صرف ۴۹ ممبر ممبری سے خارج ہوئے۔ ان میں سے ۵۶ اس دنیا سے ہی اٹھ گئے۔ اور آٹھ دس دوسری جگہوں کو چلے گئے۔ سب سے بڑی بات اس گاؤں کی سماجی ہم آہنگی ہے۔ جس قدر اتحاد اور یگانگت اس گاؤں میں دیکھنے کو ملی وہ دوسری جگہ مشکل سے نظر آئے گی۔ اس لحاظ سے یہ گاؤں ایک مثالی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہاں کوئی سیاسی گروہ بندی نہیں ہے۔ بیشتر مقامی جھگڑے پنچایت اس طرح نمٹا دیتی ہے کہ دونوں فریقوں کی تسلی ہو جائے۔ دو بڑے گروہوں یعنی سکھ جاٹوں اور ہریجنوں میں مکمل رفاقت رہی ہے۔ سوسائٹی برادری کے کمزور طبقے کی طرف خاص توجہ دیتی رہی ہے۔ ۱۹۶۱-۶۲ میں کل ۴۳ ہزار روپے کے قرضے دئے گئے جس میں سے ۱۲۰۰۰ روپے برادری کے کمزور تر طبقے کو دیئے گئے۔

خوش قسمتی سے سوسائٹی کی انتظامیہ کمیٹی دیانت دار اور محنتی اشخاص پر مشتمل ہے۔ کمیٹی کے ممبروں نے کبھی بھاری قرضہ نہیں لیا ان کے قرضہ کا اوسط عام ممبروں کے قرضوں کی اوسط سے کم ہے۔ کمیٹی کا جلسہ مہینے میں ۲۵ بار ہوتا رہا ہے گویا کمیٹی قریب قریب روزانہ ملتی ہے۔

سوسائٹی گاؤں کی اقتصادی زندگی اور خوشحالی میں کتنی پیوست ہو چکی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پروگرام کی جانچ پڑتال کرنے والے شعبے کے محققوں کے دریافت کرنے پر سبھی ممبروں نے بتایا کہ جب بھی انھیں قرضہ لینے کی ضرورت پڑی سوسائٹی نے ان کی مانگ پوری کی ہے۔ اس لئے کسی اور طرف رخ کرنے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔

صفحہ ۳۴ کا بقیہ

ایک ایسی ذہنی فضا تیار کرے جس میں جمہوری قدروں کی پرورش اور نشو و نما ہو سکے۔

بنیادی اسکول کے معلموں کو بستی کی زندگی میں بھی دلچسپی لینی چاہئے۔ یہی ہماری جمہوری زندگی کی اصل بنیاد ہیں۔ بچوں کو اسکولی زندگی ختم کرنے کے بعد سماج میں رہ کر آیندہ زندگی گذارنی ہے۔ اس کے لئے سماجی زندگی کے آداب دا لمواد سے ان کا واقف ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ ایک کامیاب سماجی زندگی گذارنا چاہتے ہیں تو ان میں اتحاد، تعاون، محبت، ہمدردی، ایثار اور بھائی چارے کے جذبے کی پرورش ہونی چاہئے۔ انھیں کے ذریعہ وہ سماجی یک جہتی کا سبق سیکھیں گے اور سماج کا ایک اچھا فرد بن سکیں گے۔ سماجی شعور کی یہ تعلیم دینے کے لئے ضروری ہے کہ معلم خود اپنی زندگی سے اس کی مثال قائم کریں۔ مندرجہ بالا اوصاف کی جھلک اُن کی روزانہ کی زندگی میں دیکھنے کو ملے۔ اپنے کردار کو بلند رکھیں اسی صورت میں وہ طالب علموں کی سچی رہنمائی کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

بستی کا لیڈر

چھوٹی بستیوں میں کام کرنے والے کارکن یا لیڈر کا راستہ اکثر و بیشتر کٹھن اور مشکلات سے پُر ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر اس کا منصوبہ صحیح اور صائب ہو اور بستی کے وسائل اور اس کی سائی کے اندر اندر رہے تو کامیابی ممکن ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی اور ناکامی، دونوں کا انحصار یکساں طور پر اس کے مزاج، اس کی قابلیت اور سوجھ بوجھ پر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو ہمت سے کام کرنے کا مشورہ دینا اس کے حق میں بے سوچے سمجھے، خلاف مصلحت اور جلد بازی سے کام کرنے کا مشورہ ہو سکتا ہے۔ یا اگر اس سے کہا جائے کہ دائیں بائیں دیکھ کر صبر و تحمل سے کام کرو تو یہی چیز بے وقوفی، بزدلی اور ناحق کے سامنے جھکنے کے مترادف ہو سکتی ہے۔ کسی چیز کے کارگر اور کامیاب ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ قاعدے اور قانون کی پابندی نہیں بلکہ توازن، قوتِ فیصلہ، کردار کی پختگی اور تجربہ ہے۔ بستی کا کارکن یا لیڈر اُس وقت زیادہ اچھا کام کرتا ہے جب اُسے اپنے مقاصد اور طریقوں، اپنے اطوار اور طرزِ عمل کے بارے میں ضرورت کے مطابق وقت دینے اور سوچنے کی آزادی ہوتی ہے۔

اگر کسی لیڈر کا کام اچھی طرح نہ چل رہا ہو تو اُس وقت تین باتوں پر غور کرنا چاہئے: "آیا جو منصوبہ ہاتھ میں لیا گیا ہے وہ معقول اور بستی کے حالات کے مناسبِ حال ہے یا نہیں"، "کیا میں اس کام کا اہل بھی ہوں؟" "اور میں نے کام کا جو طریقہ اور جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے، وہ غلط تو نہیں ہے اور اگر ہے تو غلطی کہاں پر ہے؟"

کام کے سلسلے میں عام سوجھ بوجھ کے ایسے بہت سے اصول ہیں جن پر سمجھ داری سے عمل کیا جائے تو لیڈر کی راہ بہت حد تک آسان اور ہموار ہو سکتی ہے۔

بنیادی اسکول کے معلم

بنیادی تعلیم اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ بنیادی اسکولوں میں بنیادی تعلیم کی ٹریننگ پائے ہوئے اساتذہ موجود نہ ہوں یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ آج بنیادی تعلیم کی ٹریننگ پائے ہوئے اساتذہ تک کے اندر بھی بنیادی تعلیم کے اصولوں کی طرف سے سچا لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بنیادی اسکولوں میں اپنی ساری توجہ اور قوت کو لگا کر کام نہیں کرتے ہیں یہ اساتذہ جب تک اپنے آپ کو بنیادی تعلیم کے کاموں کے لئے وقف نہیں کردیتے ہیں اس وقت تک اس منصوبے کی کامیابی محال ہے۔ انھیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم اسکولوں میں صحیح معنوں میں چلائی جائے۔ اتنا ہی نہیں انھیں تو چاہئے کہ وہ اپنے آس پاس کے گاؤں میں بھی اس تعلیمی منصوبے کا چرچا کریں اور اسے مقبول بنانے کی کوشش کریں۔ دراصل بنیادی تعلیم کے اصل علم بردار بنیادی اسکولوں کے معلم ہی ہیں بنیادی تعلیم کے بنیادی اصولوں میں ان کا یقین ہونا ضروری ہے۔ ان کے جوش و خروش اور پرخلوص تعاون پر ہی اس اسکیم کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

بنیادی تعلیم کے استادوں میں دو خوبیاں ہونی چاہئیں ایک تو پڑھنا لکھنا سکھانے کی مہارت اور دوسرے حرفے کی پکی معلومات جہاں تک اول الذکر صلاحیت کا تعلق ہے بنیادی اسکولوں کے اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ بنیادی ٹریننگ اسکولوں کے تربیت یافتہ ہوں یا اسی طرح کے کسی اور ادارے میں تربیت پائی ہو۔

اسی طرح جن حرفوں کی تعلیم کا بنیادی اسکولوں میں بندوبست ہو اس کی باقاعدہ ٹریننگ ان استادوں کو مل چکی ہو۔ دونوں کاموں میں مہارت رکھنے والے لوگ ہی بنیادی اسکولوں میں مقرر کئے جائیں اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بنیادی اسکولوں میں حرفوں کے جو کچے مال برباد ہوتے ہیں اُسے روکا جا سکے گا۔ مثال کے لئے کتائی بنائی کے کام میں پونی اور سوت کی بربادی کم کی جاسکتی ہے۔ اپنے فن میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں سیکھنے کی وجہ سے لڑکوں کے اندر ان حرفوں کی طرف سے دلچسپی پیدا کی جاسکے گی۔

بیشتر بنیادی اسکولوں میں آج کل کتائی اور بنائی کے کام شروع کئے گئے ہیں۔ ان میں پڑھانے والے حرفے کے معلموں کو کپاس کی صفائی سے لے کر پونی بنانے سوت کاتنے اور بننے کے مرحلے تک کے تمام عمل سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے۔ ان میں سے ہر عمل کے

اصولی اور عملی پہلو کا انھیں علم ہونا چاہیئے۔ ایسے اساتذہ ہی طالب علموں کو بنائی کتائی کے بارے میں کافی معلومات دے سکیں گے۔ اسی طرح اساتذہ کو مختلف حرفوں میں استعمال ہونے والے اوزاروں اور مشینوں کی ساخت وغیرہ کا بھی تھوڑا بہت علم ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ انھیں یہ معلومات بھی ہونی چاہیئں کہ حرفے کے لئے ضروری کچا مال کہاں سے مل سکتا ہے اور تیار مال کی کس طرح نکاسی ہو سکتی ہے۔ ان تمام باتوں کا علم ہونے پر ہی استاد بنیادی اسکولوں میں حرفے کی تعلیم کا اصل مقصد حاصل کر سکیں گے۔

بنیادی اسکول کا ہر معلم فن تعلیم کے جدید ترین اصول اور طریق کار سے واقف ہو۔ زبان پر قدرت رکھتا ہو اور اپنے مضمون پر حاوی ہو۔ بنیادی تعلیم کے اصولوں پر اُسے یقین ہو۔ بنیادی تعلیم کے نصاب سے اچھی طرح واقف ہو تاکہ دوسروں کے سامنے وہ اس کی اچھی طرح وکالت کر سکے۔ جہاں ضروری ہو وہ ترمیم بھی تجویز کر سکے۔ بنیادی اسکولوں میں مختلف مضمونوں کی تعلیم حرفے سے مربوط ہوتی ہے یہاں ہر مضمون علیحدہ علیحدہ اور آزادانہ طور پر نہیں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کے لئے اُستادوں کو بہت محنت اور عقل مندی سے کام لینا پڑتا ہے۔ انھیں طالب علموں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے جگہ جگہ حسب ضرورت اپنے تعلیمی خاکے میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے اس میں معلم کی ذہانت اور سوجھ بوجھ کو بہت دخل ہوتا ہے۔ بنیادی تعلیم زندگی کو ہمہ گیر شکل میں دیکھتی ہے۔ اس لئے بنیادی تعلیم کے ذریعہ طالب کی شخصیت کی ہمہ گیر نشو و نما کے لئے معلم کو بہت ہوش مندی سے کام لینا پڑتا ہے۔

تربیت یافتہ اُستادوں کو بھی اگر ٹریننگ لئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہوں تو اعادی نصاب کے ذریعہ وقت وقت پر ان کی ٹریننگ کا انتظام کیا جانا چاہیئے جہاں انھیں بدلے ہوئے اصولوں اور تعلیم کے میدان میں جدید ترین طریقوں سے واقف کرایا جائے۔ ملک اور سماج کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ان کے مقاصد اور رجحانوں میں بھی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ ان کا اثر سماج میں کام کرنے والی مختلف سنستھاؤں پر بھی پڑتا ہے اور استاد کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے مطابق اسکول اور تعلیم کے کاموں کو ڈھال لیں۔ ان مختصر اعادی کورسوں کے ذریعے اسکول کے استادوں کے سامنے سماج کے نئے تقاضے اور تعلیم کے جدید ترین اصول اور طریق کار پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اگر اسکول کے استاد ان نئے تقاضوں کو سمجھ کر اپنے کام میں تبدیلی نہیں لاتے ہیں تو یہ بات خود ان کے حق میں اور طالب علموں اور ساری قوم کے حق میں مضر ثابت ہوگی۔

تعلیم کا کام ایک بہت اہم کام ہے، جسے کوئی بھی ملک بہت دنوں تک نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔ خاص طور سے ایک جمہوری ملک کے لئے تو ہر شہری کو ایک خاص معیار تک کی تعلیم دینا لازمی ہوتا ہے۔ ہم اپنے تعلیمی مقاصد میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب اسکولوں میں صحیح ڈھنگ کے اساتذہ موجود ہوں۔ دراصل یہی اساتذہ آیندہ کی سماجی اور قومی زندگی کے معمار ہیں۔ یہ طالب علموں کے دل و دماغ پر بہت دور تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ مغرب کے مشہور ماہر تعلیم ایچ۔ جی۔ اِسٹیڈ نے بہت پتے کی بات کہی ہے کہ کسی بھی اسکول میں استاد کا کام محض نصاب کے مطابق پڑھا دینا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی دشوار اور اہم کام یہ ہے کہ وہ اسکول میں

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

اسپشل نمبر

(بالغوں کی تعلیم میں جامعہ ملیہ کے تجربات)

ماہنامہ تعلیم و ترقی کے ۱۹۶۳ء کے اسپشل نمبر کے بارے میں ہمارے پاس چند رائیں اور آئی ہیں جن میں سے ایک ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے شریکِ اشاعت کر رہے ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی اگر ناظرین ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔ ہم ان کی رائیں بھی نہایت خوشی سے شائع کریں گے۔ —— ایڈیٹر

شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے

(شری دیش پانڈے کی یہ رائے جو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں، اُن کی خالصتہً نجی اور پرسنل رائے ہے۔)

میں نے آپ کے رسالے کے ۱۹۶۳ء کے اسپشل نمبر کا مطالعہ کر لیا ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپنے خاص طور پر اتنے اہم مواد کو ایک جگہ ترتیب دے دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے رسالے کا یہ نمبر سوشل ایجوکیشن کے تمام ملکوں کے لئے ایک نہایت مفید کتاب حوالہ (ریفرینس بک) کا کام دے گی۔

یوں تو اس نمبر کے تمام مضامین قیمتی ہیں مگر میں ایک مضمون کا جو ڈاکٹر لاباخ کے نعرے "ایچ دن ٹیچ دن" کے تجربے کے باب میں ہے خاص طور سے ذکر کروں گا۔

یہ مضمون جس کا مطالعہ سوشل ایجوکیشن سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو بڑے غور سے کرنا چاہئے' اس بات کی داستان سناتا ہے کہ کس طرح ڈاکٹر لاباخ کو خیال آیا کہ ان کے "ایچ دن، ٹیچ دن" کے نظریئے پر کام ممکن ہے اور کس طرح تجربہ کار معلم بھی ان کے اثر میں آگئے تھے۔ ڈاکٹر لاباخ کا یہ نعرہ ایک طلسماتی فارمولے کی طرح کا ہے جو ہر شخص کے اوپر جادو کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی بہت سے ذمہ دار

لوگ سمجھ رہے ہیں کہ اس فارمولے پر عمل ہو سکتا ہے ۔ ۱۹۴۳ء میں جب میں مدھیہ پردیش میں سوشل ایجوکیشن کی ایک عوامی اسکیم کو چلا رہا تھا تو ابتدا میں میں بھی اس نعرے کو تسلیم کرکے گمراہ ہو گیا تھا۔ لیکن میرے ادپر یہ راز بہت جلد کھل گیا کہ نعرہ ناقابل عمل ہے ۔

مجھے اپنے تجربے کی بنیاد پر معلوم ہے کہ مدراس اور چند دوسری ریاستوں نے بھی اسی بنیاد پر اس نعرے کا تجربہ کیا تھا جس پر جامعہ میں تجربہ کیا گیا۔ لیکن نتیجے میں انھیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس پورے قضیے میں لوگوں کی قوت اور وقت بے کار ضائع ہوا اور نتیجہ مایوسی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

"ایچ ون، ٹیچ ون" کی طرح کے نعروں کی محض ترغیبی حیثیت (انسپریشنل ویلو) ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص (اس سے اثر لے کر) اس کے مطابق عمل بھی کر گزرے مگر اس امر کے بارے میں کہ کتنے آدمیوں نے اس کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو خواندہ بنایا، صحت کے ساتھ اعداد و شمار جمع نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا ناخواندگی کے انسداد کے لئے کوئی ادارہ، خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری، ایسے نعروں کو بنیاد کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔

ڈاکٹر لاباخ کے نعرے کی ناکامی کا آپ نے جو تجزیہ کیا ہے اس سے اس سلسلے کی باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اس مضمون کا ہر جملہ حرف بہ حرف صحیح ہے ۔

اگر آپ "ایچ ون، ٹیچ ون" والے مضمون کا ترجمہ انگریزی میں چھاپ دیں تو بہت مفید رہے گا اور جو لوگ اب تک اس نعرے پر عقیدہ رکھتے ہیں، انھیں اس سے اپنے اس عقیدے پر نظر ثانی کی تحریک ہوگی۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہی بات ڈاکٹر لاباخ کے دوسرے طریقوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ان طلسماتی عقیدوں اور طریقوں سے ہم جس قدر جلد نجات حاصل کر لیں اتنا ہی خواندگی کے پروگرام کے حق میں اچھا ہوگا ۔

میں یہ خط آپ کو وزارت تعلیم کے نمایندے کی حیثیت سے نہیں بلکہ خالصتہً ذاتی حیثیت سے لکھ رہا ہوں آپ میرے خیالات سے استفادہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ یہ بات واضح طور پر بیان کر دی جائے کہ یہ میری بالکل ذاتی اور پرسنل رائے ہے ۔
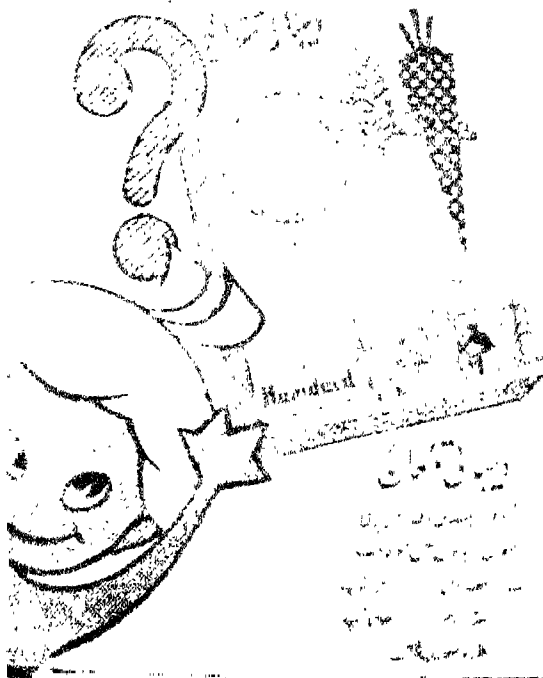
Registered No. D. [illegible]

Printer and Publisher . BARKAT ALI Firaq,
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI

July 1963.

تعلیم وترقی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ شمارہ ۷
جولائی سنہ ۱۹۶۳ء

بانی :- شفیق الرحمن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر
تعلیم و ترقی - جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت
سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون : ۷۴۴۶۴۴

پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی ۶ میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

افسوس کی بات

معلوم ہوا ہے کہ وزارتِ تعلیم نے مطالبہ کیا ہے کہ بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کا پروگرام پانچویں میں کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے محکموں سے لے کر تعلیمات کے محکموں کے سپرد کر دیا جائے، تیسرے پلان کی باقیماندہ مدت کے لئے کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے محکموں میں ان پروگراموں پر خرچ کرنے کے لئے جو رقم بچ گئی ہے، اُسے تعلیمات کے محکموں کی طرف منتقل کر دیا جائے اور چوتھے پلان کو ترتیب دیتے وقت بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں پر جو رقم خرچ کی جانے والی ہو اُسے کمیونٹی ڈیولیپ منٹ اسکیم کے بجٹ میں رکھنے کے بجائے تعلیمی ڈیولیپ منٹ کے بجٹ میں شامل کیا جائے۔ اس مطالبے کی بنیاد وزارت تعلیم نے یہ قرار دی ہے کہ کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے محکمے بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ اور تکنیکل نقطۂ نظر سے صحیح راہ پر چلانے میں ناکام رہے ہیں اور بچوں کی تعلیم کے زبردست انتظامات کے باوجود اَن پڑھ بالغوں کی تعداد میں پچھلے چند سال سے برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

اگر جسم کا کوئی عضو بیمار ہو جائے تو ہر حالت میں اُسے کاٹ کر الگ کر دینا ہی اس کا واحد علاج نہیں ہوا کرتا ہمیں اس میں شک کرنے کا حق تو نہیں ہے کہ وزارتِ تعلیم نے کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے ریاستی محکموں پر جو الزامات لگائے ہیں، وہ بے بنیاد ہوں گے۔ کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے حلقوں میں سوشل ایجوکیشن کو گاڑی کا پانچواں پہیہ اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو بے کام کا افسر قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے، کام بددلی ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور جو کام بددلی کے ساتھ کیا جائے اس میں کامیابی کا موقع نہیں ہوتا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کی اسکیم حکومت ہند کی ایک جاندار اسکیم ہے۔ اس کے احاطے میں زراعت، صحت، صنعت، امداد باہمی، پنچایتی راج اور تعمیرات وغیرہ کے اتنے پروگرام شامل ہیں کہ وزارتِ تعلیم کی تجویز کے منظور ہونے کی صورت میں اگر خدانخواستہ کمیونٹی ڈیولیپ منٹ کے ریاستی محکمے سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کی طرف سے تعاون و اشتراک کا ہاتھ کھینچ لیں جیسا کہ رقابت

اور اختلاف کی فضا میں عین ممکن ہے، تو سوشل ایجوکیشن کا پروگرام جیسے کامیاب بنانے کے لئے طرح طرح کے بھالوں کی شدید ضرورت ہوتی ہے، خالصتہً تعلیمی ہوکررہ جائے گا اور مجرد تعلیم کے معاملے میں ہندوستانی عوام کا طرز عمل سب پر ظاہر ہے۔

پھر اس تجویز کے منظور ہونے کی صورت میں بہت سے انتظامی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کو تو چھوڑیئے، بچوں کی ابتدائی تعلیم ہی کو لیجئے: ابتدائی تعلیم اب مقامی اور بلاک پنچایتوں کی ذمے داری قرار پا چکی ہے۔ اگر کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کے محکموں سے سوشل ایجوکیشن کا پروگرام لے لیا گیا تو کیا پنچایتی راج کے ڈیویلپ منٹ کا پروگرام بھی اس کے ساتھ ان سے لے لیا جائے گا؟ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ ڈپارٹمنٹ جواب میں یہ کہے کہ "ابتدائی تعلیم کا انتظام بھی تعلیمات کے محکمے ہی کریں، اور اب اس کے بعد گرام اور بلاک پنچایتیں یہ کام نہیں کریں گی"؟ اس جواب کی صورت میں تعلیمات کے محکمے ابتدائی تعلیم کا انتظام کس کے ہاتھ میں دیں گے؟ کیا اس سلسلے میں پھر وہی صورتِ حال دہرائی جائے گی جو بلاک پنچایتوں اور ضلع پریشدوں کے بننے سے پہلے تھی؟

یہ تو صرف چند مشکلات ہیں جو وزارت تعلیم کی مذکورہ تجویز کے منظور ہونے کی صورت میں پیش آئیں گی۔ ان کے علاوہ اس تقسیم سے اور نہ جانے کتنا انتظامی ردّ و بدل کرنا پڑے گا جو موجودہ قومی سنکٹ کے زمانے میں عقل مندی کی بات نہیں ہوگی۔

ان مشکلات کے پیش نظر عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ اور تعلیم کی وزارتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی ذمے داریوں اور مشکلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے صلح اور مفاہمت کی فضا میں سوشل ایجوکیشن اور بالغوں کی خواندگی کے پروگراموں کی افسوسناک صورتِ حال کا کوئی موثر اور کارآمد حل تلاش کریں اس لئے کہ موجودہ قومی سنکٹ کے پیش یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ عوام کی تعلیم اور بالغوں کی خواندگی کے پروگرام کو سرے سے پیچھے ڈال دیا جائے اس لئے کہ دشمن کے خلاف محاذ پر لڑنے کے لئے جتنا کامیاب حربہ پیداوار میں اضافہ ہے اُسی قدر بلکہ اس سے زیادہ کامیاب حربہ عوام کا تعلیم یافتہ اور ہوشمند ہونا بھی ہے۔

بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کی کامیابی کی ایک ممکن صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مرکزی وزارت سے لے کر ریاستی وزارت اور بلاک تک ہر سطح پر ایک تعلیمی مشیر مقرر ہو اور اُسے اتنے اختیارات حاصل ہوں کہ اُس کے مشوروں کے مطابق عمل کرنا لازمی ہو جائے۔ رہا یہ سوال کہ یہ تعلیمی مشیر کس وزارت یا افسر محکمہ کے سامنے جوابدہ ہوگا، تو یہ واقعی معاملے کو جھگڑے میں ڈالنے والا سوال ہے

لیکن اگر دونوں وزارتوں کی بات چیت باہمی اعتماد، اور اشتراک و تعاون کے ماحول میں ہو تو ہمیں یقین ہے کہ اس مشکل مسئلے کا بھی ایک نہ ایک حل نکل آئے گا۔

یہ بات بہرحال طے ہے کہ وزارتِ تعلیم کے مذکورہ بالا مطالبے پر جب بحث ہوگی — اور بحث ہوگی رقابت اور اختلاف کے ماحول میں، تو خطرہ دونوں میں سے کسی وزارت کو نہیں بلکہ اُس مشن کو لاحق ہوگا جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور تعلیم دونوں کی وزارتوں حتّٰی کہ پوری حکومت ہند کو عزیز ہے۔ اور ظاہر ہے جب کارکنوں کے درمیان جھگڑا ہو تو اس جھگڑے کی سزا اُس مشن کو نہیں ملنی چاہئے جس کی بنیاد پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو یہ بات بڑی افسوسناک ہوگی جو ہماری قومی زندگی کے بیدار مغز رہنماؤں کے شایان شان نہیں ہے۔

(صفحہ ۸ کا بقیہ)

اُسی وقت کریں گے جب اوپر سے دلوں کو گرما دینے والی رہنمائی حاصل ہوگی تاکہ انھیں یقین ہو جائے کہ وہ ایک زبردست اور قابلِ فخر قومی جہاد میں حصّہ لے رہے ہیں۔ بلند مقاصد میں اُسی وقت کامیابی ہوتی ہے جب اُن کے لئے جوش و ایمان کی ایک لہر پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے کاموں کے لئے مجبوری اور تنگ دلی کی راہ منزل مقصود پر نہیں پہنچایا کرتی۔ اس اعتبار سے اس سلسلے میں بہت کچھ منحصر ہوگا اس بات پر کہ ہماری قومی زندگی کے بڑے بڑے رہنما اس مسئلے میں کیا نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں، اپنا کام تو صرف اس بات کی دعا اور امید کرنا ہے کہ انھیں خدا ذہنِ رسا اور چشمِ بینا عطا کرے۔

ایڈیٹر

موجودہ سوشل ایجوکیشن کی عملی شکل دراصل یہی کمیونٹی سنٹر کا تصوّر تھا، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ آج تحریک کا سب سے ناکام پہلو یہی کمیونٹی سنٹر ہی ہے۔

قومی زندگی کی نشاۃ ثانیہ میں
اڈلٹ ایجوکیشن کا کردار

زیرنظر مضمون خواجہ غلام السیدین صاحب کی کتاب "تعلیمی تعمیر نو کے مسائل" کے ایک باب سے لیا گیا ہے جس میں فاضل مصنف نے زیر بحث مسئلے پر نظریاتی بحث کرنے کے بعد اس کے عملی پہلو کی وضاحت کی ہے۔ مضمون اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ آیا وہ تصورات جن کے اوپر سوشل ایجوکیشن کی تحریک کی بنیاد رکھی گئی تھی، ان کی پابندی کی گئی ہے یا نہیں اور ملک میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک کی کمزوری کے اسباب آیا خود اس کی بنیاد میں مضمر ہیں یا کہیں اور خارج ہیں!

ایڈیٹر

.....اڈلٹ ایجوکیشن اگر پہلے "اہم" تھی تو اب وہ "زندگی اور موت کا سوال" بن گئی ہے۔ لیکن اڈلٹ ایجوکیشن وہ جس کے معنی بہت وسیع ہیں اور جس میں اخلاقی تعلیم کے ساتھ سیاسی اور تمدنی تعلیم بھی شامل ہوتی ہے جب ہم اُن مسائل پر غور کرتے ہیں جو جنگ اور اس کے اثرات، ملک کی آزادی اور اس کی تقسیم نے پیدا کر دیئے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہم جس اڈلٹ ایجوکیشن کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اپنے سنٹروں میں اس کا انتظام کرتے رہے ہیں، اس کا دائرہ کتنا تنگ ہے۔ اس قسم کی تعلیم اگر ہمارے ملک کے "سب لوگ" بھی حاصل کرلیں، اور لکھنے پڑھنے اور جمع تفریق ضرب تقسیم کے قاعدوں سے واقف ہو جائیں تو یہ ان کے کس کام آئے گی؛ اس سے تو صرف یہی ہوگا کہ اخباروں میں لکھ لکھ کر اور پلیٹ فارموں پر تقریریں کر کر کے جو لوگ عوام کے جذبات کو بھڑکانے کا پیشہ کرتے ہیں انھیں لوگوں کو فریب دینے کا وافر مواد ہاتھ آجائے گا۔ تعلیم کی اس نوعیت سے نہ ذہن کی تربیت کا معیار اونچا ہوگا، نہ مذاق میں پاکیزگی پیدا ہوگی نہ زندگی پرُلطف اور مسرت خیز ہوگی۔ اور نہ ہمدردی، افہام وتفہیم، اور سماجی ذمے داری

کے احساس میں گہرائی اور شدّت پیدا ہوگی۔ لہٰذا ہمیں اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی دوسرا اور نسبتاً زیادہ ہمہ گیر اور جامع نقطۂ نظر اختیار کرنا ہوگا اور کچھ اس طرح سوچنا ہوگا کہ ہمیں عوام کی سمجھ بوجھ، پرکھ اور ان کے سماجی شعور میں بالیدگی پیدا کرنے کے لئے کام کرنا ہے تاکہ وہ آرٹ اور کلا کے میدان میں بلند و پست، علم کے میدان میں حق اور باطل اور عمل کے میدان میں نیک و بد کے درمیان امتیاز کر سکیں، جب تک ان کی زندگی کے ان سب پہلوؤں میں نمایاں اصلاح نہیں ہوگی اُس وقت تک ہم اُن سے اس بات کی اُمید نہیں کر سکتے کہ وہ ایک متمدن، معاشرتی اعتبار سے انصاف پسند اور خوشحال سماجی نظام کی تعمیر و تشکیل میں لیاقت اور عقلمندی کے ساتھ حصہ لیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑے بلند حوصلہ مقاصد ہیں، مگر ان کو "بلند حوصلہ" کہنے کے یہ معنی نہیں کہ انھیں ناقابل عمل کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ ہیں کہ ان بلند حوصلہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے "بلند حوصلہ" ٹکنیک اور طریقۂ کار بھی اختیار کیا جائے اور پھر یہ باتیں ان مقاصد سے کچھ زیادہ بلند حوصلہ بھی نہیں ہیں جو دوسرے بہت سے ملکوں میں حاصل کئے جا چکے ہیں، جہاں عوام کی زندگی میں نکھار اور خوشحالی پیدا کرنا پہلا قومی فریضہ تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اس سلسلے میں جو بات یاد رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ عوام کی مادی اور تمدنی سطح میں یہ بلندی اور اچھی اور خوشحال زندگی کی اقلیم میں ان کا داخلہ اُن بے کیف و بے جان اور تنگ و تاریک سنٹروں کی بدولت ممکن نہیں ہے جہاں تھکے ماندے کارکن طوعاً و کرہاً سہمے اور شرمائے ہوئے بالغوں کو حروف تہجی کے رازہائے سربستہ کی تعلیم دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا پسینہ ایک کرتے رہتے ہیں، اور بالغ بھی کون، وہ جنھیں ڈرا دھمکا کر اس مقصد کے لئے سنٹروں میں لایا جاتا ہے۔ اگر اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو قومی زندگی کی نشاۃ ثانیہ میں اپنا کردار ادا کرنا ہے تو ان بے کیف و بے جان سنٹروں کو جاندار اور حرکت پذیر سماجی مرکزوں کی شکل میں تبدیل کرنا ہوگا، جو مقامی بستی کے موجودہ اور امکانی تمدنی وسائل کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائیں، جو بستی کے رہنے والوں میں آپ اپنی اصلاح و ترقی سے دلچسپی اور لگاؤ پیدا کریں اور ایک ایسا ماحول اور فضا پیدا کر دیں جس کے اثر سے یہ دلچسپی اور لگاؤ عملی شکل اختیار کر کے مستقل سرگرمی اور چہل پہل کا روپ دھار لے۔ کیا اس منزل کی خواہش چاند کو زمین پر اتار لانے کی تمنا کے ہم معنی ہے؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ اظہار ہے ایک ایسی بات کا جو صرف پسندیدہ ہی نہیں، ممکن بھی ہے بشرطیکہ اس کے لئے مخلص اور سماج دوست کارکن میسّر ہوں اور انھیں سمجھدار اور سوجھ بوجھ رکھنے والے رہنماؤں کی رہنمائی حاصل ہو۔

اس تعلیم کی عملی شکل

کیا انسانوں کی کوئی ایسی جماعت بھی آپ کے خیال میں آسکتی ہے جو خواہ کتنی ہی جاہل اور اپنی روزی کمانے کے بوجھ سے دبی ہوئی ہو۔ ان کوششوں کی طرف سے مستقل بے رُخی اختیار کئے رہے گی جو اس کی زندگی میں کبھی کبھی لطف و مسرت اور صحبت احباب کی لذت اندوزی کا اہتمام کرتی ہوں؟ اگر انھیں موقع ملے تو کیا وہ اس سے خوش نہیں ہوں گے کہ شام کے وقت آپس میں مل بیٹھیں، حقّہ پئیں، گائیں بجائیں، چھوٹے موٹے سوانگ اور ناٹک اسٹیج کریں، قصّے کہانیاں سنیں اور سنائیں، بھجن کیرتن کریں اور مذہبی شاعری سے ثواب اندوز ہوں؟ تو پھر کیوں نہ اس راہ پر چل کر ابتدا کیجئے اور کام کی بسم اللہ ایک پرفضا اور فرحت بخش "ملاقات گاہ" قائم کرکے کیجئے، جہاں جمع ہوکر لوگ آہستہ آہستہ اپنی تفریح اور فراغت کے لئے اپنے آپ اہتمام کرنا سیکھیں۔ اگر ایسی ایک ملاقات گاہ بنا دی جائے تو کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ لوگ وہاں اپنے مشترک مسائل کی چرچا کریں اور اپنی مشترک ضرورتوں اور مشکلات کے بارے میں غور و بحث کریں؛ یہ مشترک ذکر و فکر اور غور و بحث آگے چل کر بحث و مباحثے کے حلقوں کے لئے بنیاد کا کام کرے گا اور انھی سے مختلف موضوعات پر تقریروں اور لیکچروں کے کورس مرتب ہوسکتے ہیں جو بستی والوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہوں گے۔ اگر سنٹر کے مہتمم میں لیڈر شپ کا مادہ ہو اور وہ بالغوں کی نفسیات سے بھی کسی قدر واقف ہو تو وہ سنٹر کو بستی والوں کے لئے اپنے جذبات و خیالات کے اظہار اور تبادلۂ خیالات کا بڑا جاندار مرکز بنا سکتا ہے، جہاں لوگوں کو تنقیدی نقطۂ نگاہ سے اخبار بینی کی عادت پڑ سکتی ہے اور حالات حاضرہ سے ان کی دلچسپی اور وابستگی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرکز کی ابتدا چھوٹے پیمانے کے کام سے ہوگی، اس کی دلچسپی اور سرگرمیوں کا دائرہ محدود ہوگا۔ اور لوگوں کی دلچسپی کا موضوع فوری توجہ کے مقامی مسائل ہی ہوں گے۔ لیکن یہ طے ہے کہ یہی معمولی ابتدا آگے بڑھ کر لوگوں میں ایسے معاملات و مسائل سے دلچسپی پیدا کردے گی جو ضلع، صوبہ، ملک حتّٰی کہ پوری دنیا کے واقعات و حوادث سے متعلق ہوں اور اس طرح یہ سنٹر لوگوں کے لئے شہریت کی تعلیم کا اسکول بن جائے اور اسکول خالصتہً نظریاتی نہیں، بلکہ عملی؛ اور وہ اس طرح کہ سنٹر سے دلچسپی لینے والے لوگ جب بستی کی مشترک بہبودی کے لئے مشترک منصوبے ہاتھ میں لیں گے۔ تو اس سے انھیں عملاً سبق ملے گا کہ اشتراک و امداد باہمی اور سماجی لین دین کے کیا معنی ہوتے ہیں اور ان کی کیا قدر و قیمت ہے، اور اس شکل میں انھیں اُن اوصاف و اقدار کی تربیت ملے گی جو جمہوریت کی کامیا

عمل پیرائی کے لئے بیحد ضروری ہیں۔

سنٹر کے توسط سے لوگوں کو لوک سنگیت، لوک کلا اور اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کے دوسرے وسائل کے ساتھ گہری دلچسپی پیدا ہوگی۔ اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ لوگوں کی زندگیوں میں آب و تاب پیدا ہوگی اور ان کے مذاق میں بلندی آئے گی بلکہ یہ بھی فائدہ ہوگا کہ وہ گھٹیا قسم کی کلا اور موسیقی کا کاروبار کرنے والے تاجروں کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

اس ابتدائی منزل میں —— کچھ اس غرض سے کہ سنٹر کے لوگوں کی دلچسپی قائم رہے اور کچھ ان کے ذہنی حدود میں وسعت پیدا کرنے کے لئے —— ہمیں کچھ سماعی اور بصری آلات سے بھی کام لینا ہوگا جو سائنس کی بدولت ہمیں میسر ہیں مثلاً تصویریں، چارٹ، نقشے اور خاکے، فلم اور ریڈیو وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان آلات سے ایک خاص تنظیم کے ماتحت بروقت کام لیا جائے تو وہ پبلک کے ذہن کو بنانے اور سنوارنے کے لئے نہایت مؤثر اور طاقتور محرک ثابت ہو سکتے ہیں۔ چھپے ہوئے اور منہ سے نکلے ہوئے الفاظ۔ پریس اور ریڈیو۔ خواندہ اور ناخواندہ دونوں پر، اس میں شک نہیں، بہت گہرا اثر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن ان سے بھی گہرا اثر انسان کے دماغ پر فلم اور فلم اسٹرپ کا ہوتا ہے جو بہ یک وقت دماغ، آنکھ، کان اور تخیل سب کو اپیل کرتی ہے۔

غرض اگر اڈلٹ ایجوکیشن کے حدود میں اتنی وسعت پیدا کر دی جائے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کے ہم معنی ہو جائے یعنی بالغ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی تعلیم —— جیسا کہ تمام ترقی پسند ممالک میں تسلیم کیا گیا ہے —— تو یہ ملک اور اس کے کھوئے ہوئے عوام کی نجات کے لئے نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے یہ وہ ذمے داری ہے جسے نہ تنہا محکمۂ تعلیم اپنے اوپر لے سکتا ہے نہ حکومت کی مشینری پوری کی پوری مل کر۔ اس کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جتنے ادارے ہیں، چاہے وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری اور جتنے نیک طبع اور سماج دوست افراد ہیں جنھیں ہندوستان کی ترقی اور فلاح و بہبود سے لگاؤ ہے، ان سب کے درمیان اس باب میں گہری یگانگت اور اشتراک عمل ہو۔ اس میدان میں اتنا کام باقی ہے اور اس کی نوعیت اتنی متنوع ہے کہ ہر شخص کے لئے جسے مجاہدین کی اس جماعت میں شریک ہونے کا حوصلہ ہے، کام کا موقع ہے —— ہر شخص، وہ طالب علم ہوں یا اُستاد، آسودہ حال لوگ ہوں یا سیاسی کارکن، ادیب ہوں یا مزدور، کچھ بھی ہوں۔ لیکن یہ لوگ یا یوں کہئے کہ ان میں سے منتخب لوگ شرکت

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

لیکچر یا مباحثہ

بالغوں کی تعلیم میں دوسرے بہت سے طریقوں کے ساتھ لیکچر اور مباحثہ کا بھی چلن ہے اور خصوصاً یونیورسٹیوں کے ماتحت تعلیمِ بالغان کا جو کام ہوتا ہے اُس میں لیکچر کے طریقے کی بڑی اہمیت ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر محمد اکرام خاں صاحب نے ان دونوں طریقوں پر بحث کی ہے۔ یہ بحث اگرچہ اسکولوں اور کالجوں کے طلبا کی تعلیم سے متعلق ہے لیکن اس کے باوجود تعلیمِ بالغان کے کارکنوں کے لئے بھی یہ مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔

یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے اُستادوں کے ایک کیمپ میں جو مسوری میں منعقد ہوا تھا، پڑھا تھا۔

ایڈیٹر

طریقۂ تعلیم پر بات چیت کرتے وقت پڑھانے کے مختلف طریقوں پر بحث ہوتی ہے کوئی ایک طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی دوسرے کو۔ ان طریقوں کی اچھائی اور بُرائی پر بحث کرنے سے محفل میں گرمی تو پیدا ہو جاتی ہے مگر اُستادوں کو اپنے طلبا کے پڑھانے میں رہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔ ان مختلف طریقوں کے علم بردار اپنے دعووں کے ثبوت میں ان ذاتی تجربوں کے نتائج پیش کرتے ہیں جو اُنھیں طالب علم اور اُستاد کی حیثیت سے حاصل ہوئے ہیں یا دوسر لوگوں کی کتابوں اور باتوں سے ملے ہیں۔

یوں تو تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے صرف تجربہ کار اُستادوں کی رائے ہی کو اہمیت دی جانی چاہئے اور ان کے تجربے کی روشنی میں ہی طریقۂ تعلیم کی اچھائیوں اور بُرائیوں کو پرکھنا چاہئے لیکن تعلیمی میدان میں تحقیقات کرنے والوں کی رائے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی معلومات کی روشنی میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طریقۂ تعلیم سے تعلیم کے

مقررہ مقاصد کے حصول میں کتنی کامیابی ہوسکتی ہے۔

ہم اس مضمون میں صرف دو طریقوں پر روشنی ڈالیں گے (۱) لیکچر کا طریقہ (۲) بحث کا طریقہ۔ ہم دیکھیں گے کہ تعلیمی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے کون سا طریقہ ہمارے اسکولوں میں کامیاب اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے ـــــ بظاہر دونوں لفظ لیکچر اور بحث یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے دونوں مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں لیکچر کی عام طور سے یہ تعریف کی جاتی ہے کہ اُستاد جماعت زبانی یا لکھ کر ذخیرۂ معلومات یا نئے خیالات طلبار کو سناتا یا دیتا ہے۔ اس کی تقریر یا گفتگو کے دوران میں سننے والوں کو صرف سننے کے علاوہ کچھ نہیں کرنا پڑتا بس ایک بولتا ہے اور دوسرے خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں۔

بحث کے طریقہ کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں استاد اور طلباء کے درمیان سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے ایک کے سوال کا جواب دوسرے کو دینا ہوتا ہے۔ اس طریقے کے متعلق ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اُستاد بحث میں مطلق دخل نہیں دیتا وہ اپنی رائے کو کسی منزل یا کسی موقعہ پر بھی طلباء کی رائے پر عاید نہیں کرتا۔

امریکہ کے ایک مشہور اُستاد ہیری روجا نے اپنی کتاب (Outcome of Lecture & Discussion Procedures) میں بحث کے طریقے کی تعریف یوں کی ہے :-

سوال اور جواب کے ذریعہ طلبار کے تبادلۂ خیالات کو بحث کا طریقہ کہتے ہیں۔ اس طریقہ میں اُستاد کا کام ایک Mediator (ثالث یا صدر مجلس) کا سا ہوتا ہے۔ وہ ضرورت کے وقت موضوع بحث کو واضح کرتا ہے اور اس سے متعلق ضروری معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کا کام بحث کو بامقصد بنانے کے لئے طلبار کی رہنمائی کرتا ہوتا ہے۔ بحث کے نتیجوں کی صحت کو پرکھنا بھی استاد کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال بحث کے طریقہ میں اُستاد مسلسل تقریر کرنے سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کرتا ہے۔ اس کے برعکس طلبار کو حاضر دماغ ہو کر آداب محفل کا لحاظ رکھتے ہوئے بحث میں حصہ لینے کے لئے تیار کرنا استاد کا فرض سمجھا جاتا ہے

بحث اور لیکچر کے اثرات

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تعلیم کے مقاصد کے حصول میں ـــ یعنی جسم، ذہن اور کردار کی پرورش اور تربیت میں کس طریقہ تعلیم سے کتنی مدد ملتی ہے یا کون سا طریقہ افادی نقطۂ نظر سے زیادہ کامیاب اور مفید ہے ـــــ جن لوگوں نے تجربے کے طور پر اپنے اسکولوں میں ان طریقوں کا استعمال کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ معلومات کا ذخیرہ جمع کرنے میں

دونوں طریقوں کو برابر کا سمجھنا چاہئے بلکہ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ معلومات فراہم کرنے کے لئے لیکچر کا طریقہ آسان اور زیادہ کامیاب رہا ہے۔ اس میں اُستاد کو زیادہ آسانی رہتی ہے وہ بحث کے طریقہ کے مقابلے میں لیکچر کے ذریعہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ طلبا کو کم وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ معلومات دے سکتا ہے۔ وہ بولتا ہے۔ طلباء سنتے ہیں اور پھر حافظہ سے کام لے کر معلومات کو ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس طرح یاد کی ہوئی معلومات زیادہ دن تک حافظہ میں محفوظ نہیں رہ پاتی اور نہ اس سے دماغ کی تربیت اور پرورش ہی ہو پاتی ہے۔ اس طرح حاصل کی ہوئی معلومات کو اگر بار بار دہرایا نہ جائے تو حافظہ بھی انھیں اپنے اندر محفوظ نہیں رکھ پاتا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے طلباء کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ ان کو دماغ سے کام لینے اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے اور زندگی بسر کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ وہ سماج میں ایک، کامیاب اور مددگار شہری بننے کی بجائے کسی معلومات کے حافظ اور کسی خاص شخصیت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔

لیکچر کے طریقہ کے برعکس بحث کے طریقے سے حاصل کی ہوئی معلومات دیرپا ہوتی ہے اُسے بوقت ضرورت زندگی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ کے ذریعہ طلباء کے دماغ کو مجموعی اعتبار سے فروغ حاصل ہوتا ہے سوچنے سمجھنے کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اچھے بُرے میں تمیز کرنا آجاتا ہے۔ بحث مباحثہ کے ذریعہ طلباء کے جذبات کی بھی تربیت ہوتی ہے۔ طالب علم کے اندر ٹھیک طرح بات کرنے۔ اپنے سامع کو ٹھیک طرح مخاطب کرنے اور اپنی بات کو مدلل طریقہ سے سمجھانے کی صلاحیت نشوونما پاتی ہے۔ مختصر یہ کہ بحث کے ذریعہ طالب علم کا دماغ روشن اور صحت مند ہوتا ہے۔ اسے کام کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ کی صحت کا اثر جسم اور جذبات کی صحت و توانائی پر بھی بہت اچھا پڑتا ہے۔

آج ہمارے ماہرین تعلیم اس بات پر خاص طور سے توجہ دے رہے ہیں کہ اُستاد اور شاگرد کے درمیان قریبی تعلقات ہونے چاہیں تاکہ اُستاد بچوں کی شخصیت اُن کی دلچسپیوں اور صلاحیتوں سے واقف ہو کر ان کی رہنمائی کر سکے۔ اور بچے استاد کی شخصیت سے متاثر ہو کر اپنی عادات اور اطوار کو درست کر سکیں۔ چونکہ بحث مباحثہ کے طریقہ میں اُستاد اپنے شاگردوں کے درمیان رہتا ہے اور اس کا کام ثالث یا صدر مجلس (Moderator) کا سا ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ لیکچر کے طریقہ کے ماتحت استاد اور شاگرد کے درمیان زیادہ قریبی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ خود طالب علموں کے درمیان بھی باہمی تعلقات کے بہتر ہونے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف ہو کر ایک دوسرے کی عزت کرتے اور باہم تعاون کرتے ہیں۔

نئی تعلیم میں بچے کی شخصیت کی تکمیل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مباحثہ کے ذریعہ دماغ کے پرورش پانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جسم کی طرح دماغ کو بھی پرورش کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ غذا ملتی ہے ماحول سے اور ماحول میں پیدا ہونے والے مسائل سے۔ اگر بچے کو مسائل پر سوچنے سمجھنے کا موقع ملے اور ضرورت کے وقت اُسے ضروری رہنمائی حاصل ہو جائے تو دماغ کی پرورش کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو جس قدر کام کرنے کا موقع ملے گا اتنا ہی یہ فروغ پائے گا۔ دماغی صحت کا اثر جسمانی صحت پر لازمی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مباحثہ کے ذریعہ "کیوں" اور "کیا" کے جواب سے دماغ پرورش پاتا ہے اور دماغ کی پرورش کے ساتھ جسم کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔

اب سوال رہتا ہے جذبات کی پرورش یا کردار کی تشکیل کا۔ تعلیمی تحقیقات کے ذریعہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مباحثہ کے ذریعہ کردار کے بننے اور عادتوں کے پختہ ہونے میں زیادہ مدد ملتی ہے۔ لیکچر کے ذریعہ عادتوں کے بننے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ معلومات فراہم کرنے کے علاوہ ان کو مدلل طریقہ پر ذہن نشین بھی کراتا ہے۔ "کیا" اور "کیوں" کے ذریعہ معلومات کو اپنانے اور اُس کے مطابق عمل کرنے کا امکان اس طریقہ میں زیادہ ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ مباحثہ کے ذریعہ طلباء میں تنقیدی نقطۂ نظر پیدا ہوتا ہے مضامین کو سمجھنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ ان کی استعداد میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ وہ جس چیز کو سیکھتے ہیں۔ اس کا اثر بلاشبہ ان کی عادات، اطوار اور کردار پر بھی پڑتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا لیکچر کا طریقہ بالکل غلط اور بے کار ہے؟ نہیں، بلکہ لیکچر کے طریقہ کو مباحثہ کے طریقہ کی تمہید سمجھنا چاہئے۔ معلومات کی فراہمی کے لئے لیکچر کا طریقہ بہتر سمجھا گیا ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ معلومات اور مطالعہ کے بغیر مباحثہ کا طریقہ بالکل بے کار اور بے سود رہتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مباحثہ کے طریقہ کو کامیاب بنانے کے لئے لیکچر، مطالعہ (Audio-Visual Aids) وغیرہ سے مدد لینی چاہئے۔ مباحثہ کے طریقہ پر عمل کرنے والوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب تک مباحثہ میں شرکت کرنے والوں کو زیرِ بحث موضوع کا کچھ علم نہ ہوگا، مباحثہ کامیاب نہیں ہوگا اس لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ طلباء کو مباحثہ سے قبل چند متعلقہ کتابوں کا مطالعہ کرایا جائے اور کچھ معلومات بذریعہ لیکچر بھی فراہم کر دی جائیں۔

نوجوانوں کی تربیت

نوجوانوں کے فاضل اوقات کی تنظیم اور اس کے ذریعے ان کی تربیت کا اہتمام ان کی سیرت و شخصیت کی تعمیر میں اتنا ہی اہم ہے جتنا شیر خوار اور نرسری کی عمر کے بچوں کی نشوونما کے لئے کھیل اور آزاد ماحول۔ لیکن جیسے بچوں کے معاملے میں اس کام کے لئے تربیت اور ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح نوجوانوں کی تنظیم کا کام بھی بغیر ٹریننگ کے یا بنیادی اصولوں سے واقفیت کے نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔

اس شمارے سے ہم "نوجوانوں کی تربیت" کے عنوان سے ایک نیا سلسلۂ مضامین شروع کر رہے ہیں جس کے ذریعے نوجوانوں کی تربیت کا کام کرنے والوں کے لئے ماہرین کے خیالات اور مضامین شائع کئے جائیں گے۔

زیرِ نظر مضمون نوجوانوں کی تربیت کے انگریز ماہر میکلسٹر بریو کی کتاب "اِن دی سروس آف یوتھ" سے لیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے انگلستان میں نوجوانوں کی تربیت کی ٹیکسٹ بک کی حیثیت حاصل ہے۔

ایڈیٹر

چند بنیادی اصول

کارکن کی صفات: نوجوانوں کے کلبوں کے لیڈروں کے حق میں بہت اچھا ہوگا اگر وہ اپنی افتاد مزاج کا

جائزہ لے کر یہ طے کرلیں کہ آیا سماج میں انھیں ہردلعزیزی حاصل ہے یا نہیں ..... اگر آپ کوئی ساز نہیں بجا سکتے، ناچ گا نہیں سکتے، کہانی نہیں سنا سکتے، پہیلیاں نہیں بجھا سکتے، تاش کے کرتب نہیں دکھا سکتے، تو خدارا بتلائیے کہ آپ چودہ چودہ پندرہ پندرہ سال کے نوجوانوں کو اپنی طرف کیسے متوجہ کرلیں گے۔ اس صورت حال میں بھی اگر آپ اُمید رکھیں کہ لوگ آپ کی قدر کریں گے تو یہ مطالبہ ایسا ہی ہوگا جیسے ملکہ وکٹوریا کے زمانے کی کنواری لڑکیاں سمجھتی تھیں کہ مقبولیت اور محبوبیت بہرحال ان کا حق ہے، چاہے اس کے لئے ان کے پاس کوئی جہیز ہو یا نہ ہو۔

اس کام میں بھی لباس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اگرچہ وہ زمانہ ختم ہوگیا جب ثواب کا کام کرنے والے لوگ اپنے لباس کی مخصوص تراش خراش (مثلاً انگلستان میں مضبوط تاگے سے بنے ہوئے بھورے رنگ کے موزے اور اونچی فیلٹ ٹوپیاں پہننے والی خواتین) سے پہچان لئے جاتے تھے لیکن اب بھی اکثر اوقات یہ رجحان دیکھنے میں آتا ہے کہ کلب کی زندگی کے لئے کوئی بھی چیز ہو "اسے" ارے بس ٹھیک ہے" سمجھ لیا جاتا ہے جیسے انگلستان میں خلالین کے چست پجامے اور کھیل کے جاکٹ جن کو دیکھ کر ایک خود دار اور گھڑکی طبیعت بھی بدمزہ ہو جائے، اب بھی کلبوں میں بڑے فخر کے ساتھ پہنے جاتے ہیں، حالانکہ انھی کلبوں میں یہ اصرار بھی ہوتا ہے کہ لوگ اپنی ٹوپیاں اُتار کر آیا کریں۔ اسی طرح ان کلبوں میں جہاں سلیقہ اور صفائی پر ہمہ وقت زور دیا جاتا ہے، میلے کچیلے بدوضع فراک، نیچے لٹکتے ہوئے گوٹے دار کوٹ اور ناچتے وقت پہنے جانے والی لمرکس جرسیاں جو معلوم ہوتا ہے کسی گدّے کے نیچے سے کھینچ کر پہن لی گئی ہیں، اب تک پہنی جاتی ہیں۔ خرابی دراصل یہ نہیں ہے کہ ہمارے کلبوں کے کام میں معقولیت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ان کا طریقۂ کار ناقابل یقین حد تک متضاد اور بے کیف ہوتا ہے کہ طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے۔

دس ممنوعات

ہم نے کلب لیڈروں کے لئے دس نکتے ترتیب دیئے ہیں جنھیں آپ چاہیں تو "دس ممنوعات" کہہ سکتے ہیں۔ کلب لیڈر کے مذہب میں ان کی حیثیت ہر اعتبار سے وہی ہے جو توریت کے "دس احکام" کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان دس احکام میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ "یہ کرو" بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ "یہ نہ کرو"۔ ان ممنوعات کا منشا آپ کے سامنے صرف چند تجویزیں پیش کرنا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ ان سے آپ کے سامنے کامیابی کی کچھ نئی راہیں ضرور کھلیں گی۔

۱۔ اپنے آپ کو "بہت اونچا آدمی" سمجھنے کی بیماری میں مبتلا نہ ہوئیے۔

۲۔ مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جایا کیجئے۔ ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہئے اور اپنے کلب کی زندگی میں تنوع اور نیاپن پیدا

کرتے رہیے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آزمائے ہوئے اور مسلّم طریقوں کے مطابق کام کرنا کس قدر آسان ہوتا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ آج کے نوجوان کلبوں کو نوجوانوں کی پرانی تنظیموں سے بہت کچھ سبق مل سکتا ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ان طریقوں میں وہ لچک باقی نہیں رہ گئی ہے جو آج کے نوخیز دماغوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکے۔ نوجوانوں کی خدمت کرنے والے ان "کہن سال سپاہیوں" اور آج کے "جواں سال دستے" نے اپنی اپنی حمایت میں جو باتیں کہی ہیں، اُن کو پڑھ کر اُس مشہور مناظرے کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جو کسی زمانے میں ابتدائی عہد کے میتھوڈسٹ پادری اور کیتھولک پادری کے درمیان ہوا تھا۔ مناظرے کے آخر میں میتھوڈسٹ پادری نے کہا "چلئے" "ٹھیک ہے، ہم دونوں ہی خدا کی خدمت کرتے ہیں۔" اس کے جواب میں کیتھولک پادری نے کہا "جی ہاں آپ اپنے طریقے پر خدمت کرتے ہیں اور ہم خدا کے طریقے پر۔"

۳۔ تفصیلات کی طرف سے کبھی بے خبر نہ ہوئیے۔ کلب کے کام میں اگرچہ آپ کو سر کے بل کام کرنا ہوگا، لیکن اسی کے ساتھ خدا کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے کاموں کا اور آڈیٹر کو مطمئن کرنے کے لئے کلب کے حسابات کا ایک رجسٹر بھی پابندی سے رکھنا ضروری ہے۔

۴۔ اپنا وقار اور مرتبہ نہ جتلائیے۔

۵۔ اپنے اوپر لعنت ملامت نہ کیجئے۔

نمبر ۴ اور ۵ کو ایک دوسرے سے ملا کر سمجھئے۔ کلب میں بہت سے ممبر ایسے ہوں گے گویا ہٹلر کے پاکٹ ایڈیشن ہوں اور بہت سے ایسے جو صرف محاذِ جنگ پر جان دینے والے شہیدوں کے طبقے سے آئے ہوں گے۔ کلب کی زندگی میں جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی، ویسے ہی یہ بھی غیر ضروری ہے کہ آپ سر آرتھر کیل جیسے ایمپائر کا کردار ادا کریں یا کلب کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہنے والے غلام کا۔ کلب میں جو کچھ کام ہو اُس میں اپنا حصہ پورا کیجئے۔ خواہ کلب کے کنٹین میں جا کر برتن ہی دھونے کا کام ہو۔ لیکن کلب کے بند ہونے کے بعد اگر آپ کو یہ دیکھ دیکھ کر تکلیف ہو کہ فلاں فلاں سامان یوں ہی پڑا رہ گیا، تو اس تکلیف دہ صورتِ حال کی ذمہ داری کسی اور کے اوپر نہیں بلکہ آپ اور صرف آپ کے اوپر ہے۔

۶۔ لوگوں کی تنقید اور عیب جوئی سے پریشان نہ ہوئیے۔ نوجوانوں کے بارے میں ان کی بد اعتدالیوں اور گمراہیوں کے عنوان سے اخباروں اور پلیٹ فارموں پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر لکھنے اور کہنے سننے والے وہی لوگ کیا کم ہیں کہ آپ بھی اپنا راگ الاپ کر اس سموہ گان میں شرکت کریں۔

۷۔ شبہات میں پڑ کر ڈگمگائیے نہیں۔ بس اپنی جگہ پر ڈٹے رہیے۔

۸۔ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لینے میں شرم نہ کیجیے۔ اُن کا بے دھڑک استعمال کیجیے۔

۹۔ نیکی کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ کوئی شخص کسی کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی کسی کو سبق پڑھا سکتا ہے اور نہ لوگوں کو خوش کر سکتا ہے۔ آپ تو صرف یہ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کو آپ اپنی بھلائی کا کام کرنے، کچھ سیکھنے اور آپ اپنی خوشی کا سامان کرنے کے موقعے فراہم کر دیں۔

۱۰۔ اور آخری ممانعت یہ کہ نتائج کی امید نہ لگائیے۔ آپ کا واسطہ دنیا میں سب سے زیادہ سیماب وش و جوشیلے نوخیز دماغ سے ہے جو حوصلہ مند ہونے کے ساتھ ڈرپوک، پل میں تولہ پل میں ماشہ، مگر فرماں بردار اور محنتی مگر اوّل جلول اور لاأبالی ہوتا ہے۔ یہ نوجوان اس سے بہت پہلے کہ ان کی سیرت میں کلب کی رکنیت کے اثرات ظاہر ہوں، کلب چھوڑ کر جا چکے ہوں گے۔ اگر آپ کو اپنی کوششوں کے اثرات نظر نہ آئیں تو اس سے بددل نہ ہوئیے، ہوسکتا ہے وہ سطح پر نظر آنے کے بجائے زیرِ آب کارفرما ہوں۔ اپنے کام میں اپنے حوصلے کو قائم رکھنے کی غرض سے اُس مشنری کا قصہ یاد رکھیے جو کسی زمانے میں فجی گیا تھا۔ وہ لوگوں کے سامنے خدا کے الطاف و اکرام اور اس کی قدرت کاملہ کا ذکر کیا کرتا تھا لیکن وہ اس کی ایک نہ سنتے تھے۔ آخر اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ "کیا تم لوگوں کو کبھی اُس لطیف روح کا احساس نہیں ہوتا جو تمہاری زندگیوں کو بناتی بگاڑتی ہے؟" انھوں نے جواب دیا "ارے ہاں ہاں، ہے ایک روح جو راتوں کو جنگلوں میں بھٹکتی پھرتی ہے، مگر ہم اس کی پروا نہیں کرتے۔" اسی رات کو ان لوگوں نے مشنری کو قتل کیا اور اس کا گوشت کھانے لگے۔ مگر اس گوشت سے انھیں اتنی گھن آئی کہ اس کے بعد پھر کبھی اُنھوں نے انسان کا گوشت نہیں کھایا —— دیکھا آپ نے، مشنری آخر کار نیکی کا کچھ کام تو کر ہی گذرا۔

سروے اور تحقیقات

جیسے ماہرینِ سماجیات "صحت جسمانی کی قومی کاونسل اور رائے عامہ کے برٹش انسٹی ٹیوٹ" اور دوسری انجمنوں نے سروے اور تحقیقات کی رسم ڈالی ہے اُس وقت سے سوشل ورک کے چھوٹے سے چھوٹے کام کو شروع کرنے سے پہلے سروے کرنا فیشن ہوگیا ہے۔ اس بات سے تو خیر کوئی معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ سروے بڑی بیش قیمت چیز ہے، اس سے نہایت اہم معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور راستے کو بغور دیکھ بھال لینے سے کارکن بہت سی غلطیوں سے بچ سکتا ہے، اور یہ وہ طریقۂ کار ہے جسے موزِ ز

(MOSES) جیسے لائق لیڈر نے ایجاد کیا ہے لیکن اگر نوجوان کسی پروگرام کو پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اُسی وقت اور وہیں کے وہیں شروع ہو جائے، اور سروے اور تحقیقات میں دو دو تین تین سال ضائع نہ ہوں جن میں میم باتوں کے ساتھ ساتھ بعض اوقات غلط معلومات کا ذخیرہ بھی جمع ہو جاتا ہے ـــــ چنانچہ سروے اور تحقیقات کے نلشیں کے مارے ہوئے بہت سے آرگنائزر جب نوجوان کلبوں کے لیڈروں کے پاس جو پہلے ہی کام کے بوجھ سے دبے ہوتے ہیں، بڑے اہتمام کے ساتھ سوالنامے بھیجتے ہیں، تو ان کی حالت پر بہت رحم آتا ہے۔ بیچارے غم و غصہ میں بھر جاتے ہیں، اس لئے کہ انھیں ان کے سوالناموں کے جواب موصول نہیں ہوتے یا غلط معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ چار و ناچار غریب خود نکلتے ہیں اور گھر گھر جا کر خود معلومات جمع کرتے ہیں۔

سروے کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ لیکن وہ اور کاموں کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں لینا چاہئے نہ کہ کام کی طولانی تمہید کے طور پر۔ بے سوچے سمجھے کسی نئے کام میں ہاتھ ڈالنے کا مشورہ تو ظاہر ہے کوئی نہیں دے سکتا، لیکن اس بات میں بھی بہت وزن ہے کہ پہلے مجوزہ کام پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر اس کا ایک لچکدار منصوبہ بنا لیا جائے اور اُس کے مطابق جلد از جلد عمل شروع کر دیا جائے اور پھر جب مفصل سروے اور تحقیقات کے بعد سائنٹفک طریقہ کار سامنے آ جائے تو منصوبے میں اس کے مطابق ردّ و بدل کر لیا جائے۔ اگر کسی علاقے میں آپ چھ سات مہینے تک اس بات کی کھوج لگاتے پھریں کہ جو خدمات آپ انجام دینا چاہتے ہیں، اس طرح کی خدمات وہاں پہلے سے موجود ہیں تو ابتدائی معلومات حاصل کر کے کام شروع کرنے اور چھ سات مہینے کی تحقیق و تلاش کے بعد شروع کرنے میں کیا واقعی بہت بڑا فرق پڑے گا؟ اور اگر آپ کے مجوزہ کام کی طرح کی خدمات علاقے میں پہلے سے واقعی موجود ہیں تو ان کا علم تو علاقے کے دس بارہ اچھے اور سچے آدمیوں کو بھی ہوگا اور اس سے آپ کے سروے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اگر انھیں اس کا علم نہیں ہے تو پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ان خدمات کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ اور آپ آسانی سے اپنے نقشے پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

روس میں تعلیمِ بالغان کا نقشہ
ایک جھلک

ذیل کا مضمون تعلیم بالغان کے ایک روسی اسکول کے پرنسپل مسٹر خزانوف کا ہے جو "سوویت دیش" کے شمارہ ۱۲ (جون ۱۹۶۳ء) میں چھپا تھا۔ اس مضمون سے تفصیلات کی وضاحت تو نہیں ہوتی لیکن روس میں تعلیمِ بالغان کے نقشے کی ایک جھلک ضرور نظر آتی ہے جو ہمارے یہاں تعلیم بالغان کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

ہم اس مضمون کو زبان کی معمولی تبدیلی کے ساتھ "سوویت دیش" کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں

ایڈیٹر

میں جس اسکول کا پرنسپل ہوں، وہ بالغوں کا اسکول ہے۔ روس میں ایسے اسکولوں کو سرکاری طور پر شبینہ ثانوی اسکول یا مزدوروں کے شبینہ اسکول کہا جاتا ہے۔

ہمارا اسکول ماسکو کے ایک قدیم ضلع "ماریتا روشیا" کی خاموش سڑک پر واقع ہے اور اس میں وہ نوجوان مزدور پڑھنے آتے ہیں جنھیں آگے کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے۔

روس میں لوگ مذاق کے طور پر کہا کرتے ہیں کہ: "اگر تم کو خلاباز بننے کا شوق ہے تو شام کے کسی اسکول میں داخلہ لے لو۔" بات یہ ہے کہ یوری گگارن اور پاویل پوپووچ، دونوں خلا کے سفر پر جانے سے پہلے مزدوروں کے شبینہ اسکول میں پڑھا کرتے تھے۔

ہمارے اسکول میں پچھلے ستمبر میں مختلف عمروں کے چھ سو بالغ طالب علم داخل ہوئے تھے۔ یوں داخل ہونے کو ہمارے اسکول میں ۱۶ سے ۵۰ سال تک کی عمر کے بالغ طالب علم داخل ہو سکتے ہیں لیکن بالعموم ۱۸ سے ۲۵ سال کی عمر کے

نوجوان مزدور داخلہ لیتے ہیں اور اس وقت بھی زیادہ تعداد اسی عمر کے طلبا کی ہے جن میں بڑے بڑے صنعتی اداروں کے مزدور، کلرک اور دکاندار، نرسیں اور ٹائپسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ چند سال ہوئے آگ بجھانے والے دستے کا بھی ایک گروپ اسکول میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے لگا ہے۔

ان اسکولوں میں چونکہ بالغ طالب علم ایسے کارخانوں اور اداروں سے آتے ہیں جہاں کام پالیوں (شفٹ) میں ہوتا ہے اس لئے کلاسوں کا اہتمام بھی اسی مناسبت سے کیا جاتا ہے چنانچہ اس سے اسکول کے نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی طالب علم خواہ صبح کے وقت پڑھنے آئے یا شام کے وقت، اُسے وہی اُستاد پڑھائیں گے۔ صبح اور شام، دونوں وقت ایک سے سبق دیئے جاتے ہیں۔

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکول کا سال شروع ہونے سے پہلے میں اپنے ساتھی اُستادوں سے مل کر ٹائم ٹیبل اس طرح بناتا ہوں کہ ہر شخص جو اسکول میں پڑھنے آتا ہے، اس کے کام اور تعلیم میں ہم آہنگی قائم رہے۔ اس مقصد سے اسکول میں ایک ایک دن کے ناغے سے ہفتے میں تین دن کلاس ہوتی ہے۔

اسی طرح دیہی علاقوں کے اسکولوں میں بھی کام اور تعلیم کے درمیان ہم آہنگی قائم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہاں بالغوں کے اسکول ایسے اوقات میں لگتے ہیں جب کسانوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت اور فرصت ہوتی ہے۔ دیہی اسکولوں کا تعلیمی سال خزاں کے موسم سے شروع ہوتا ہے، جاڑے بھر چلتا رہتا ہے اور موسم بہار میں جب کھیتی باڑی کا کام شروع ہوتا ہے، ختم ہو جاتا ہے۔

جہاں تک ان اسکولوں کے تعلیمی معیار کا تعلق ہے، وہ عام تعلیم کے گیارہ سالہ اسکولوں کے ہم پلہ ہوتا ہے، لیکن عام اسکولوں اور بالغوں کے اسکولوں کے طریقۂ تعلیم میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بالغوں کے اسکولوں میں تعلیم کی بنیاد "کام" پر رکھی جاتی ہے اس لئے کہ تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کام کی سرگرمیاں بالغ طالب علم کو اپنے مضامین کو سمجھنے میں زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہیں اور انھیں تھکن بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے طریقۂ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سبق کے دوران ہی میں تعلیمی مواد کا بڑا حصہ ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے۔ بالغ طالب علم ہوم ورک کے لئے بہت کم وقت نکال پاتے ہیں اس لئے ہم اس کام کی مقدار کم سے کم رکھتے ہیں تاکہ یہ اُن کے اوپر بار نہ بنے۔ کام کو تعلیم کی بنیاد بنانے پر ہمارے اسکولوں میں اتنا زور دیا جاتا ہے کہ اکثر اُستاد نظریات کی وضاحت بھی ان تجربات کی روشنی میں کرتے ہیں جو عملی کام کے دوران میں طلبا کو حاصل ہو چکے ہوتے ہیں۔ تجربے نے بتایا ہے کہ اس طرح موضوع کی اصلیت اور روح طالب علموں کے ذہن میں آسانی سے آجاتی ہے۔

ہم لوگ اپنے اسکولوں کے نوجوان مزدوروں کی محض نصابی تعلیم ہی پر توجہ نہیں دیتے، بلکہ ان کی جمالیاتی اور تہذیبی تربیت بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاعروں، ادیبوں اور مصوروں سے طلباء کی ملاقاتیں کرائی جاتی ہیں، اخلاقی اور جمالیاتی موضوعات پر غور وخوض اور بحث مباحثے ہوتے ہیں، دل پسند مشاغل کی نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں، میوزیموں، آرٹ گیلریوں اور تھیٹروں کی سیریں ہوتی ہیں اور "ہائکنگ" کا اہتمام ہوتا ہے۔

تعلیم بالغان سے استفادہ کرنے کی غرض سے ایک سرکاری فرمان ہے جس کی رُو سے ہر نوجوان مزدور کو، چاہے وہ فیکٹری میں کام کرتا ہو یا فارم پر، ہفتے میں ایک دن کام سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ اور اُس دن کی اُسے آدھی مزدوری ملتی ہے۔ اگر کوئی طالب علم مزید ایک دن پڑھنا چاہے تو اُسے ہفتے میں مزید ایک دن کی چھٹی مل سکتی ہے لیکن اس دن کی تنخواہ اُسے نہیں ملے گی۔ البتہ فائنل امتحانوں کے دوران میں انھیں مزید چھٹی پوری تنخواہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔

تعلیمی سال کے اختتام پر بہت سے اداروں کے سربراہ اچھے طالب علموں کو انعامات دیتے ہیں جن کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں یعنی یا تو نقدی کی شکل میں یکمشت ایک رقم دے دی جاتی ہے، یا عمدہ قسم کے قیمتی تحفے دیئے جاتے ہیں یا کسی سینی ٹوریم یا سیر و تفریح کے کسی مرکز میں ان کے قیام کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔

اس طرح نوجوان بالغ مزدوروں کے شبینہ اسکول بڑی تندہی اور مستعدی کے ساتھ اپنا نیک فریضہ انجام دے رہے ہیں اور بڑی عزت و عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کونسل کی نئی تشکیل پر غور

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی نئے سرے سے تشکیل پر غور کرنے کے لئے ۱۸ جولائی ۱۹۶۸ء کو انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی عمارت میں سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کا ایک جلسہ شری شالگ رام پاٹھک کی صدارت میں ہوا۔

اس جلسے میں کیدارناتھ جی کی صدارت میں ۱۲ آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو ایسوسی ایشن کی نئی تشکیل کے سلسلے میں تفصیلات وغیرہ طے کر کے اور ۳۰۰ ممبر بنا کر کارکنوں کا ایک عام جلسہ ایک ماہ کے اندر اندر طلب کرے گی۔

زیکوسلاوکیہ کے ایک گاؤں میں

عوامی تعلیم کے پروگرام

میں جنوبی بوہیما کے ایک گاؤں میں اسکول ماسٹر ہوں۔ اس گاؤں کی آبادی ۶۰۰ ہے جس میں سے بیشتر افراد مقامی زرعی کوآپریٹیو سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ کچھ لوگ قریب کی ایک فیکٹری میں کام کرنے آتے جاتے ہیں۔ اسکول کے کاموں کے علاوہ ایڈلٹ ایجوکیشن کا کام بھی میرے سپرد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ کام میں تن تنہا انجام نہیں دیتا ہوں مگر میرا اچھا خاصہ وقت اس کی نذر ہو جاتا ہے۔ میں مقامی کلچرل کلب کا چیرمین بھی ہوں۔

کلچرل کلب اور کونسل

کلچرل کلب زیکوسلاوکیہ کی تقریباً تمام بستیوں میں قائم ہیں۔ ان کلبوں کا مقصد بستی کی تعلیم کا انتظام اور سماجی اور تہذیبی زندگی کی تربیت کرنا ہے۔ گاؤں کا یہ کلچرل کلب ایک کونسل کی زیرنگرانی کام کرتا ہے۔ کونسل میں آبادی کے اعتبار سے ۵ سے ۱۱ ممبر تک ہوتے ہیں۔ یہ کونسل کلب کے کاموں کا نقشہ تیار کرتی ہے۔ بجٹ کی منظوری دیتی ہے اور کلب کے مختلف حلقوں اور گروپوں کے کاموں کی نگرانی اور رہنمائی کرتی ہے۔ کونسل اپنے صدر اور سکریٹری کا خود انتخاب کرتی ہے۔ کبھی کبھی مالی معاملات کی دیکھ بھال کے لئے ایک خازن کا انتخاب بھی عمل میں آتا ہے۔

کونسل کا صدر

بستی کے تعلیمی پروگرام کی ذمہ داری کونسل کے چیرمین کی ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت اس تنظیم میں صرف دل و دماغ کی ہی نہیں ہوتی بلکہ کونسل کے دست و پا کی حیثیت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر وقت اس کا حرکت میں رہنا ضروری ہوتا ہے

کوآپریٹو سوسائٹیوں کے معاملات پر نظر رکھنا، حسب ضرورت ان کی دیکھ بھال کرنا، لوگوں سے ملاقاتیں کرنا اور نیشنل کمیٹی سے تعلقات قائم رکھنا کچھ ایسے کام ہیں جو کونسل کے چیرمین کو ہمہ وقت مصروف رکھنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

چیرمین کو اپنے مستقل منصبی کاموں کے علاوہ اس عہدے پر کام کرنا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اس کام کے لئے اُسے کچھ ماہانہ معاوضہ بھی ملتا ہے لیکن عام طور سے اسے یہ کام رضاکارانہ طور پر ہی انجام دینا ہوتا ہے۔ کلب کو اپنے اخراجات کے لئے نیشنل کمیٹی کی مقامی شاخ اور زرعی کوآپریٹو سوسائٹیوں سے امداد ملتی ہے (جیسے ماہرین اور مقررین کے آمد و رفت کا خرچ، فلموں کا کرایہ، اسٹیشنری اور دوسرے سامان وغیرہ) اپنی اُپج سے نت نئی باتیں سوچنے والی کونسل یا اس کا چیرمین اپنی آمدنی کے اور ذرائع بھی پیدا کر لیتا ہے جیسے ڈرامے اور دوسرے پروگراموں پر ٹکٹ وغیرہ لگا کر کونسل کی آمدنی بڑھانا۔

ہر چھٹے مہینے ایک عام جلسہ ہوتا ہے جس میں کلب کے تمام حلقے اور گروپ کے ممبر اور دوسرے تمام متعلقہ لوگ شرکت کرتے ہیں۔ اس جلسے میں کلب کی گذشتہ کارروائیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ سال کے مجوزہ پروگراموں پر غور ہوتا ہے۔

دو طرح کے منصوبے

کلب عموماً دو طرح کے منصوبے تیار کرتا ہے ایک تو لمبی مدّت کا منصوبہ (جو ایک سال سے پانچ سال تک کی مدّت کے لئے ہوتا ہے) اور دوسرا مختصر مدّت کا منصوبہ (جو ایک ماہ سے ۶ ماہ تک کی مدّت کے لئے ہوتا ہے) لمبی مدّت کے منصوبوں میں ایسے کام شامل ہوتے ہیں جنمیں نسبتاً زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عمارت کی تعمیر وغیرہ کا منصوبہ۔ یہ منصوبے اس کے بعد نیشنل کمیٹی میں غور اور منظوری کے لئے بھیجدیئے جاتے ہیں۔

کام کا منصوبہ تیار کرنے میں کلب کے پیش نظر نیشنل کمیٹی کی ہدایات، بستی کی ضروریات و دلچسپیاں اور اپنے وسائل ہوتے ہیں۔ بستی میں تہذیبی سرگرمیوں کا اہتمام کلب کے علاوہ ٹریڈ یونینیں، نوجوان منڈل اور دوسری انجمنیں بھی کرتی ہیں۔

کلچرل کلب کی سرگرمیاں

گاؤں کے کلچرل کلب کی سرگرمیاں بہت مختلف النوع قسم کی ہوتی ہیں۔ اس کا ایک اہم کام زرعی ترقی میں مدد پہونچانا ہے۔ گاؤں اور گاؤں والوں کی زندگی اور حالات سے پوری پوری واقفیت کلب کی کامیابی کی پہلی شرط ہے۔

لکچر

اس لحاظ سے کسانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کلب کا بنیادی کام ہے۔ اس میں سب سے مقبول اور مؤثر طریقہ لکچر کا طریقہ ہے۔ ابھی ہم لوگوں نے "مویشیوں کی پرورش" کے موضوع پر ایک لیکچر کا اہتمام کیا تھا۔ زراعت کے تحقیقی ادارے کے ایک ماہر نے مویشیوں کے لئے اچھا چارہ تیار کرنے کی ترکیبیں بتائیں لیکچر کے ساتھ چارٹ پوسٹر اور فوٹوگراف سے بھی مدد لی گئی۔ آخیر میں اُس نے زراعت سے متعلق دو چھوٹی چھوٹی فلمیں دکھائیں۔ لیکچر میں حصہ لینے والوں کو بعد میں سوالات پوچھنے کی دعوت دی گئی۔ شروع میں تو لوگ کچھ جھجکے لیکن جلدی ہی مباحثے میں گرمی پیدا ہو گئی۔ ماہر زراعت نے لوگوں کے سوالوں کے اطمینان بخش جواب دیئے۔ اس کے بعد لوگوں کو گائے بیل کے گھیر میں لے جاکر ماہر زراعت نے عملی طور پر بتایا کہ ابھی انھوں نے کیا کیا باتیں دیکھی یا سنی ہیں۔

لیکچروں کا سلسلہ

کبھی کبھی متفرق لیکچروں کے علاوہ کسی خاص موضوع پر لیکچروں کا ایک سلسلہ بھی شروع کیا جاتا ہے جس میں صرف زراعت ہی نہیں سائنس اور حفظانِ صحت کے موضوع بھی زیر بحث ہوا کرتے ہیں۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک موضوع پر پانچ یا چھ دن شام کو لیکچروں اور مباحثوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ گذشتہ سال ہم لوگوں نے "مرغیوں کی پرورش" "صحت مند اور مفید زندگی" اور "کائنات اور حیات کے وجود و ارتقا" کے موضوع پر لیکچروں کا سلسلہ جاری کیا تھا ان لیکچروں کے ساتھ بھی فلموں، تصویروں اور عملی مظاہروں کا سلسلہ جاری رہا۔

شام کو ایک دوسرے سے ملاقات کا سلسلہ بہت معقول ہے۔ ایک گاؤں کی کوآپریٹو سوسائٹی کے ممبر دوسرے گاؤں کے ممبروں سے ملنے جاتے ہیں ان کے کام اور ان کی دشواریوں اور کامیابیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ٹیلی ویژن

کسانوں کی تعلیم میں ٹیلی ویژن کی بہت اہمیت ہے۔ اس پر مختلف فنی معلومات کے باقاعدہ پروگرام پابندی کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر کسان خود یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح لوگوں نے کھیت کی پیداوار بڑھائی ہے اور مرغی اور مویشیوں کی ٹھیک سے دیکھ بھال کر کے انڈے اور گوشت کی پیداوار دوگنی کی ہے۔ انھیں زراعت اور کوآپریٹو کے

ترقی یافتہ طریقوں کی عملی جھلک بھی ان پروگراموں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ٹیلی ویژن کا جہاں یہ فائدہ ہے کہ ملک کے ہر گوشے کے کسان بیک وقت ماہروں کے خیال سے استفادہ کر سکتے ہیں وہاں یہ نقصان بھی ہے کہ ٹیلی ویژن پروگرام دیکھنے والا مقرر سے کوئی سوال نہیں پوچھ سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ مباحثے میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہم یہ کرتے ہیں کہ اپنے کلب روم میں زراعت کے کسی ماہر کو بلا لیتے ہیں۔ پروگرام ختم ہونے پر یہ ماہر لوگوں کے شک و شبہات رفع کرنے کے لئے ان کے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں میں ٹیلی ویژن دیکھنے والوں کے مختلف گروپ بھی بنائے گئے ہیں ہر گروپ اپنی دلچسپی کے پروگرام دیکھتا ہے، پروگرام کے اختتام پر اس کی افادیت پر مباحثہ ہوتا ہے ــــ ریڈیو پر بھی اس طرح کے پروگرام چلائے جا سکتے ہیں۔ زراعت اور کوآپریٹو کے مختلف موضوعات پر ریڈیو پر پروگرام پابندی سے نشر ہوتے ہیں۔

عوامی تعلیم کے دوسرے طریقے ہیں اشتہار، فلم اور پوسٹر وغیرہ، مگر ایک اور طریقہ یہاں نسبتاً زیادہ مقبول ہے وہ ہے ہر بستی میں مقامی طور پر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام۔

مقامی لاؤڈ اسپیکر

بہت سے گاؤں میں لاؤڈ اسپیکر کا باقاعدہ انتظام ہے۔ گلیوں اور سڑکوں پر جگہ جگہ لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے ہیں۔ ان پر مختلف اطلاعات نشر کی جاتی ہیں۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے اس کی بہت اہمیت ہے۔ ہمارے کلب کے ممبر نیشنل کمیٹی کی مقامی یونٹ کے چیرمین یا ڈرامہ گروپ کے کسی لیڈر کو بلا کر مائکروفون پر ان کا انٹرویو لیتے ہیں، اسی طرح جس طرح کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انٹرویو لئے جاتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کے یہ انٹرویو فنی نقطۂ نظر سے اتنے منجھے ہوئے تو نہیں ہوتے لیکن کئی حیثیتوں سے ان کی بہت اہمیت ہے۔ انھیں یہ بات معلوم ہوگی ہے کہ جس کا انٹرویو لیا جا رہا ہے یا جو انٹرویو لے رہا ہے وہ ان کا جانا پہچانا آدمی ہے۔ اور جو باتیں وہ بتا رہا ہے وہ بھی ان کے لئے بہت اجنبی نہیں ہیں۔ کبھی کبھی بچوں کو بھی مائکروفون پر گانا گانے یا دوسرے پروگراموں کے لئے بلایا جاتا ہے۔ گذشتہ سال ہم نے دو مقامی لیڈروں کا انٹرویو لیا جس میں "اگلے سال کے بارے میں ان کی توقعات" کے موضوع پر ان کے خیالات معلوم کئے گئے۔

سائنسی اور سیاسی موضوعات پر لیکچر سے ہمارے گاؤں کی تہذیبی زندگی کی ترقی میں مدد ملتی ہے مہینے میں ایک بار اس طرح کا پروگرام بھی رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً صحت و صفائی، فوری طبی امداد کے مختلف کورس، مقامی ڈاکٹر اور ریڈ کراس

کے تعاون سے منعقد کئے جاتے ہیں۔

دوسری دلچسپیاں

کلب کی مستقل دلچسپیوں میں مختلف گروپ اور حلقوں کے پروگرام شامل ہیں۔ جیسے ڈرامے کی اداکاری اور ہدایت کاری میں دلچسپی رکھنے والوں کا ڈرامہ گروپ، ناچ اور گانے بجانے سے دلچسپی رکھنے والوں کا لوک ناچ اور لوک سنگیت گروپ، ان گروپوں کے پروگراموں کی وجہ سے کلب میں ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ ابھی چند سال پہلے ہمارے کلب میں ایک کٹھ پتلی گروپ بھی قائم تھا۔ یہ گروپ ہر ہفتے بچوں کی دلچسپی کا کوئی تماشا تیار کرکے پیش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دلچسپ مشاغل کے مختلف حلقے کلب میں قائم ہیں جیسے شطرنجیوں کا حلقہ یا اخبار پڑھنے والوں کا حلقہ۔ اخبار بینوں کا حلقہ آج کل ایک باتصویر دیواری اخبار نکالتا ہے۔ یہ حلقہ بستی کا ایک مقامی اخبار نکالنے کی تیاریاں بھی کر رہا ہے۔ اسی طرح ریڈیو سننے والوں اور ٹیلی ویژن پروگرام دیکھنے والوں اور مائکروفون پر مختلف پروگرام میں حصہ لینے والوں کا حلقہ ہے۔

شروع شروع میں ان کلبوں کے پاس اپنی کوئی عمارت نہیں ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں حکومت کی مدد سے ایک عوامی تحریک شروع کی گئی جس کے ماتحت حکومت کی امداد اور عوام کا تعاون حاصل کرکے گاؤں میں کلب کی عمارتیں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ اس تحریک کا اتنا ہی فائدہ نہیں ہے کہ اس سے کلب کی عمارتیں تعمیر ہو جاتی ہیں بلکہ بستی کے لوگوں کو اس کے لئے مل جل کر کام کرنا ہوتا ہے اس لئے کلب سے وابستگی اور باہم اتحاد و یگانگت کا جذبہ بھی پرورش پاتا ہے۔ اور یہی ہمارے کلبوں کا اصل مقصد ہے۔

پنچایتی راج کی رفتار ترقی پر ایک نظر

اس وقت ملک میں دو لاکھ سے کچھ زیادہ پنچایتیں قائم ہیں جو ۵۰۰۰۰۰ ۳۳ گاؤں میں پھیلی ہوئی ہیں یعنی دیہات کی تقریباً ۹۵ فی صدی آبادی پنچایتوں کے زیر اثر آچکی ہے۔
ایک پنچایت میں شامل گاؤں کی تعداد مختلف جگہوں پر مختلف ہے۔ ہماچل پردیش میں ۲۲ گاؤں پر ایک پنچایت کا اوسط پڑتا ہے جبکہ مدراس میں ۱۴ گاؤں پر ایک پنچایت ہے۔ ایک پنچایت کی اوسط آبادی بھی مختلف جگہ مختلف ہے۔ اُتر پردیش میں ایک پنچایت کی اوسط آبادی ۵۵۰، جبکہ کیرل میں ایک پنچایت کی اوسط آبادی ۱۱۹۹۶ ہے مجموعی طور پر سارے ملک کا اوسط ۲۶ء۲ گاؤں پر ایک پنچایت اور ایک پنچایت کی اوسط آبادی ۱۴۰۰ ہے۔ پنچایتی راج یا جمہوری لامرکزیت، عوام کو اختیارات منتقل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ متعدد ریاستوں نے مقامی حالات کے مطابق پنچایتی راج کا ڈھانچہ بنایا ہے

آندھر

آندھر پردیش میں مدراس کے سابق علاقہ میں پنچایتیں مدراس پنچایت قانون (۱۹۵۰ء) کے تحت کام کر رہی ہیں۔ اور ریاست کے باقی علاقہ میں حیدرآباد دیہی پنچایت قانون (۱۹۵۶ء) کے تحت۔ اب ایک مربوط پنچایت بل پر مشترکہ سلیکٹ کمیٹی نے غور کر لیا ہے اور امید ہے کہ مجالسِ قانون ساز کے آئندہ اجلاس میں یہ بل پاس ہو جائے گا۔ ریاست میں کل ۱۵۰۹۸ پنچایتیں ہیں اور ساری دیہی آبادی ان کے زیر اثر آجاتی ہے۔

آسام

آسام پنچایت قانون کے تحت آسام نے خود اختیاری اداروں کا ایک سہ منزلہ ڈھانچہ اپنایا ہے۔ اس کے لحاظ سے دیہات کی سطح پر گاؤں پنچایتیں، بلاک سطح پر انچل پنچایتیں اور سب ڈویژن کی سطح پر مہکمہ پریشد قائم ہیں۔ ریاست میں کل ۲۵۳۵ پنچایتیں ہیں اور ان کے احاطے میں تمام گاؤں شامل ہیں۔ اوسطاً ایک پنچایت میں سات گاؤں ہیں۔
فی الحال ریاست کے چائے پیدا کرنے والے علاقے اس قانون کے دائرے سے باہر ہیں لیکن ریاستی سرکار

مناسب ترمیم کے بعد اس قانون کی توسیع ان علاقوں تک کرنے پر غور کر رہی ہے۔ اس ریاست میں آٹھ بلاکوں کی پنچایتوں نے دیہی بیمہ کا کام شروع کیا ہے۔

بہار

بہار میں پنچایتوں کا سہ منزلہ نظام سنہ ۱۹۶۱ء میں اپنایا گیا۔ ریاستی سرکار اس سال یوم آزادی کے موقع پر چار ضلعوں میں پنچایتی راج شروع کرے گی اور باقی ضلعوں میں آیندہ سال ۱۵ اگست تک۔ بہار میں ۱۰۶۴۱ پنچایتیں ہیں اور ان کے احاطے میں ۶۷۴۰۶ گاؤں ہیں۔ ایک پنچایت میں اوسط آبادی ۳۳۵۵ ہے اور ہر پنچایت میں ۶ء۳ اوسط گاؤں پڑتے ہیں۔

گجرات

گجرات میں گرام پنچایتیں قائم کرنے کا ایک مربوط قانون پاس کیا گیا ہے۔ ... آبک کی آبادی کے علاقے میں ایک گرام سبھا ہوگی۔ اس سال ۲ اپریل کو ساری ریاست میں پنچایتی راج کی اسکیم نافذ کی گئی۔ اس ریاست میں ۱۰۷۵۰ پنچایتیں ہیں جن کے دائرے میں ۱۷۷۰۰ گاؤں ہیں۔ ہر پنچایت پر ۱۱۷ ا گاؤں کا اوسط ہے اور ہر پنچایت میں ۱۱۰۰ آبادی کا اوسط ہے

کشمیر

جموں و کشمیر کی ساری ریاست میں پنچایتیں قائم ہیں یہاں ۹۶۰ پنچایتیں ہیں۔ ایک پنچایت میں ۶ء۷ گاؤں اور ۳۰۰۰ آبادی کا اوسط ہے۔ ریاست میں ابھی پنچایتی راج کا نفاذ ہونا باقی ہے۔

کیرل

کیرل میں پنچایتی راج کے سہ منزلہ نظام کے جلد نفاذ کی تجویز ہے اور پنچایتوں کے عام انتخابات اگست سنہ ۱۹۶۳ء میں ہوں گے۔ اس ریاست میں ۹۲۳ پنچایتیں ہیں جن کے دائرہ میں ۱۶۰۰ گاؤں شامل ہیں۔ ہر پنچایت میں ۸ء۱ گاؤں اور ۱۳۷۷۶ کی آبادی کا اوسط ہے۔

مدھیہ پردیش

مدھیہ پردیش کی ریاستی مجالس قانون سازی نے ایک مربوط پنچایتی راج کا بل پاس کیا ہے اور ریاستی سرکار نے گاؤں کی پنچایتوں کے نئے چناؤ کرانے کے بعد ہی پنچایتی راج کے سہ منزلہ نظام کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ زیادہ تر پنچایتوں کی مدت میعاد ختم ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء کے اختتام تک انتخابات مکمل ہو جائیں گے۔ بلاک

اور ضلع کی سطح کے پنچایتی ادارے امید ہے کہ ۱۹۶۴ء کی ابتدا میں کام شروع کردیں گے۔

آدی واسی پنچایتوں اور پرگنہ پنچایتوں کی تشکیل کے لئے جہاں پچھڑی جاتیوں کے قبیلے کے لوگوں کی اکثریت ہے خصوصی گنجائش رکھی جارہی ہے۔ آدی واسی پنچایت میں جو کسی گاؤں یا کئی گاؤوں کے لئے بنائی جائے گی ممبروں کی تعداد سرکار مقرر کرے گی اور ان پنچوں میں سے کسی کو سرکار پنچ نامزد کرے گی۔ پرگنہ پنچایت کئی آدی واسی پنچایتوں کے لئے ہوگی اس میں ایک سرپنچ اور چار پنچ ہوں گے۔ ان سب کو سرکار نامزد کرے گی۔ ریاست میں ۲۰۳۱۱ پنچایتیں ہیں اور ان کے دائرہ میں ۷۱۵۱ء گاؤں ہیں۔ ایک پنچایت پر ۳ء۵ گاؤں اور ۱۱۲۳ کی آبادی کا اوسط ہے۔

مدراس

مدراس میں پنچایت قانون ۱۹۵۸ء کی رو سے جس کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۶۰ء سے ہوا ہے، گاؤں کی سطح پر پنچایت اور بلاک کی سطح پر پنچایت یونین کونسلوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ مدراس کے ۱۹۵۰ء کے پنچایت سے متعلق قانون کے تحت صرف گاؤں کی سطح پر ہی پنچایتوں کا انتظام تھا۔ نئے قانون کے پاس ہوجانے کے بعد سے سہ منزلہ نظام کو اپنایا گیا ہے۔ ریاست میں ۱۲۵۸۳ پنچایتیں ہیں اور ان کے دائرہ میں ۱۸۰۰۰ سے زائد گاؤں شامل ہیں اور ان کی آبادی دو کروڑ ۲۶ لاکھ ہے۔

مہاراشٹر

ایک پنچایت میں ۱٫۴ گاؤں اور ۷۹۶ ا کی آبادی کا اوسط ہے۔ مہاراشٹر میں پنچایتیں بمبئی پنچایت قانون ۱۹۵۸ء کے تحت کام کر رہی ہیں۔ یہ قانون اس وقت کی ریاست بمبئی میں رائج تھا۔ گرام سبھا کو پنچایت کے بجٹ، حساب کے گوشوارہ وغیرہ پر بحث کرنے کا اختیار رہے۔ مہاراشٹر کا ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کا قانون ابھی حال ہی میں پاس ہوا ہے۔ ریاست میں ۱۹۳۹۹ پنچایتیں ہیں جن کے دائرہ میں ۳۸۱۷۶ گاؤں ہیں ایک پنچایت پر دو گاؤں اور ۱۲۴۲ کی آبادی کا اوسط ہے۔

میسور

میسور کے پنچایتی اور مقامی بورڈوں کے قانون ۱۹۵۹ء کے مطابق سہ منزلہ نظام کا انتظام ہے۔ گاؤں کی سطح پر پنچایت، تعلقہ کی سطح پر بورڈ، اور ضلع کی سطح پر ترقیاتی کونسل۔ ریاست میں ۷۵۰۰ پنچایتیں ہیں اور ان کے تحت ۲۶۰۰۰ گاؤں ہیں۔ ایک پنچایت پر ۳٫۵ گاؤں اور ۱۹۸۶ کی آبادی کا اوسط ہے

اڑیسہ

اڑیسہ گرام پنچایت قانون ۱۹۴۷ء کے تحت دیہی علاقوں کی تقریباً ۹۰ فی صد آبادی پنچایتوں کے دائرے میں آچکی ہے۔ ریاست میں اڑیسہ پنچایت سمتی اور ضلع پریشدوں کے قانون ۱۹۵۹ء کے تحت سہ منزلہ نظام شروع کیا گیا۔ ریاست میں ۳۴۳ ۲ پنچایتیں ہیں اور ان کے دائرہ میں ۴۸۰۰۰ گاؤں ہیں۔ ہر پنچایت میں ۲۰ گاؤں اور ۵۸۰۰ آبادی کا اوسط ہے۔

پنچایتوں میں ولولہ پیدا کرنے کے لئے ریاستی سرکار نے دیہی صنعتی یونٹیں قائم کرنے والی پنچایتوں کے لئے دو انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

پنجاب

پنجاب میں ۱۹۵۹ء سے پہلے پنچایتوں کے دو قانون پنجاب گرام پنچایت قانون اور پیپسو پنچایتی راج قانون نافذ تھے۔ پنجاب گرام پنچایت (ترمیم شدہ) قانون ۱۹۵۹ء کی رو سے پیپسو پنچایت راج قانون کی تنسیخ کر کے پنجاب قانون کی توسیع کچھ ترمیم کے بعد ساری ریاست میں کردی گئی۔ گاؤں کے بالغ رائے دہندوں کے ذریعہ براہ راست انتخاب سے گرام پنچایت کی تشکیل ہوتی ہے۔ گرام سبھا منظور شدہ ہے اسے بجٹ پر غور کرنے اور ترقیاتی منصوبے بنانے کا اختیار ہے۔

اس ریاست میں ۱۳۴۶۶ پنچایتیں ہیں اور ان کے دائرہ میں ۲۰۸۵۵ گاؤں ہیں۔ ایک پنچایت پر ۱ء۵ گاؤں اور تقریباً ۱۰۰۰ کی آبادی کا اوسط ہے۔

پنچایت کے انتخابات میں اتفاق رائے سے انتخابات کرانے کی حوصلہ افزائی کے لئے پنجاب حکومت کی ایک اسکیم ہے جس پنچایت میں انتخابات اتفاق رائے سے ہوں گے اس پنچایت کی ایک سال کی پوری لگان پنچایت کو دے دی جائے گی۔

راجستھان

راجستھان میں ۲ راکتوبر ۱۹۵۹ء کو پنچایتی راج نافذ ہوا۔ ریاست نے ایک خصوصی اسکیم شروع کی ہے جس کے تحت منتخبہ شعبوں میں بہترین کام کرنے کے لئے انھیں بیش قیمت انعام دیا جائے گا۔

سرکار نے ایک اور خصوصی اسکیم شروع کی ہے جس کی رو سے ہر اس پنچایت کو جس کے سرپنچ اور ۸۰ فی صد پنچ اتفاق رائے سے منتخب ہوئے ہیں۔ اس کی میعاد کے پورے تین سال تک آبادی کے ہر فرد پر ۵ نئے پیسے

کے حساب سے سالانہ گرانٹ ملے گی۔ ریاست میں ۷۳۹۳ پنچایتیں ہیں جن کے دائرہ میں ۳۴۴۴۰ گاؤں ہیں ایک پنچایت پر تقریباً ۴٫۷ گاؤں اور ۱۸۰۰ آبادی کا اوسط ہے۔

اترپردیش

اترپردیش میں ۱۹۴۷ء سے پنچایتیں قائم ہیں۔ پنچایت کی میعاد پانچ سال کی ہوتی ہے اور اس کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے۔ انتخاب ہاتھ اٹھا کر رائے دینے کے طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس ریاست میں ۷۲۳۳۳ گاؤں ہیں اور ہر پنچایت پر ۱٫۵ گاؤں اور ۸۰۰ کی آبادی کا اوسط ہے۔

بنگال

اب مغربی بنگال میں ایک پروگرام کے مطابق پنچایتیں بنائی جا رہی ہیں۔ ترمیمی گرام سبھاؤں کا ایک اعلیٰ ادارہ آنچل پنچایت کے نام سے بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ پنچایت چار سال کی مدت کے لئے براہ راست خفیہ رائے دہندگی کے طریقہ پر منتخب ہوگی۔ گزشتہ سال دسمبر میں مغربی بنگال ضلع پریشد قانون (۱۹۶۲ء) ریاستی قانون ساز میں پیش کیا گیا۔ آج کل بل ایک مشترکہ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے ہے۔ مغربی بنگال میں اب تک صرف ۳۸ فی صدی گاؤں اور ۳۷ فی صد دیہی آبادی پنچایتوں کے دائرہ میں شامل ہو سکی ہے۔ اس ریاست میں تقریباً ۶۱۰۰ پنچایتیں ہیں۔

دہلی اور ہماچل

گاؤں پنچایتیں مرکز کے زیر انتظام علاقے دہلی اور ہماچل پردیش میں بھی قائم ہو چکی ہیں اور انڈمان و نکوبار جزیروں منی پور اور تری پورہ میں قائم کی جا رہی ہیں۔ مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں پنچایتی راج قائم کرنے کے پیش نظر ہماچل پردیش تری پورہ، منی پور، پانڈی چری اور گوا، دمن دیو میں قانون ساز بنانے کے لئے دستور میں ترمیم کی گئی ہے۔ متعلقہ قانون ساز مجالس کا کام ہوگا کہ "پنچایتی راج پر قانون بنائیں۔

ناخواندگی میں اضافہ ہورہا ہے

محکمہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پر الزام

معاصر "پیٹری یٹ" دہلی (مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء) کے نامہ نگار خصوصی کے بیان کے مطابق وزارت تعلیم نے مطالبہ کیا ہے کہ ریاستوں میں بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کا جو پروگرام کمیونٹی ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ کے ماتحت چل رہا ہے وہ محکمہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے لے کر ریاستوں کے تعلیمی محکموں کو دے دیا جائے اس لئے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے محکمے اس پروگرام کو کامیابی سے اور ٹکنیکل نقطۂ نظر سے صحیح راہ پر چلانے میں ناکام رہے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ اگرچہ بچوں کی تعلیم کے لئے زبردست انتظامات کئے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود پچھلے چند سال سے ناخواندہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۴ سے ۴۵ سال کی عمر کے لوگوں میں موٹے حساب سے ناخواندہ لوگوں کی تعداد ۲۰ کروڑ ٹھہرائی گئی ہے۔ بہت سی ریاستی حکومتوں نے اپنے پلان کے بجٹ میں بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے رقم ہی نہیں رکھی حالانکہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بجٹ میں اس کے لئے گنجائش موجود تھی۔

ان حالات کے پیش نظر وزارتِ تعلیم نے تجویز پیش کی ہے کہ تیسرے پلان کی باقیماندہ مدت کے لئے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بجٹ میں بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے لئے جس قدر رقم بچ گئی ہے، اُسے تعلیم کے بجٹ میں منتقل کردیا جائے اور آئندہ چوتھے پلان کو ترتیب دیتے وقت بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کی مد پر خرچ کی جانے والی تمام کی تمام رقم تعلیمی ترقی کے پروگرام کے بجٹ میں شامل کی جائے۔

ریاستی حکومتوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے کام کی رفتار کو تیز کرنے کا اب بھی موقع ہے لیکن یہ صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جب مرکزی حکومت کی طرف سے ان مقررہ رقوم

کے علاوہ جو ریاستی پلانوں کے لئے منظور کی گئی ہیں، اس کام کے لئے سو فیصدی مالی امداد کا یقین دلا دیا جائے اس لئے کہ ریاستوں کے تعلیمی بجٹ کے اوپر پہلے ہی سے بہت زیادہ بوجھ ہے۔

ریاستی حکومتوں نے یہ بات خاص طور پر کہی ہے کہ اگر مرکزی حکومت کی طرف سے سو فیصدی مالی امداد کا یقین دلا دیا جائے تو بالغوں کی خواندگی اور سوشل ایجوکیشن کے ان پروگراموں کی رفتار میں تیزی پیدا کی جا سکتی ہے کہ ترقی کی موجودہ شرح میں مزید ۵۰ فیصدی کا اضافہ ہو جائے۔

نوخواندوں کی کتابوں کی تیاری کے سلسلے میں حکومتِ ہند کا منصوبہ

مرکزی وزارتِ تعلیم نے تیسرے پنج سالہ منصوبے میں نوخواندہ بالغوں کے لئے نمونے کی کتابیں تیار کرنے کی ایک اسکیم شروع کی ہے۔ یہ کتابیں ناشروں کے تعاون سے تیار کی جائیں گی۔ فی الحال صرف ہندی میں کتابیں تیار کی جائیں گی۔ تیسرے پلان میں اس طرح کی ۱۲ کتابیں تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔

اس منصوبے کا خاص مقصد ہے نوخواندوں کے لئے کم قیمت میں اس طرح کی زیادہ سے زیادہ کتابیں تیار کرانے کی حوصلہ افزائی کرنا اور انھیں سماجی تعلیم کے مرکزوں اور کتب خانوں کو مہیا کرانا۔ نوخواندوں میں پڑھنے کی عادت ڈالنا اور سماجی، سیاسی، اقتصادی اور روحانی پاکیزگی سے متعلق علم میں وسعت پیدا کرنے کے لئے مطالعے کے مناسب مواد فراہم کرنا۔

منصوبے کے ماتحت بالعموم ان موضوعات پر کتابیں تیار کی جائیں گی۔ ہندوستان کا تہذیبی ورثہ (ہندوستان کے مذاہب یا فنِ تعمیر، بت تراشی، مصوری، سنسکرت ادب کی تاریخ اور قومی اہمیت کی سوانح عمریاں) ہندوستانی علوم، طبعی علوم (پیڑ پودے، پھول، پرندے جنگلی جانور) جدید ہندوستانی زبانوں کی تاریخ اور نوجوانوں اور بالغوں کی دلچسپی کے مختلف موضوعات۔

مرکزی وزارت تعلیم نے اس منصوبے کے ماتحت کتابیں تیار کرانے کے لئے ہندوستانی ناشروں سے درخواستیں طلب کی ہیں۔ درخواست وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ اگست ہے۔ منصوبے کی تفصیلات اور فارم وغیرہ مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

اسپیشل افیسر (لٹریچر) (SW2) مرکزی وزارت تعلیم حکومت ہند۔ نئی دہلی

Registered No. D. 1126

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI

August 1963.

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

جلد ۱۴ ——— شمارہ ۸

اگست ۱۹۶۳ء

تعلیم و ترقی

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:-

تعلیم و ترقی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

قیمت:-

سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۲۲۶۴

ترتیب

اشارات

۱

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی نئی زندگی

گذشتہ مہینے دہلی کے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں نے اپنے ایک جلسے میں فیصلہ کیا تھا کہ دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو جو ایک زمانے سے معطل پڑی تھی، پھر سے منظم کیا جائے۔ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ایک عارضی کمیٹی بنا دی گئی تھی اور اس سے فرمائش کی گئی تھی کہ وہ ایسوسی ایشن کے لئے ایک دستور مرتب کرکے اُسے اگلے جلسے میں منظوری کے لیے پیش کرے۔ اس عارضی کمیٹی نے اپنا کام پورا کر لیا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس کا مرتب کیا ہوا دستور منظور کر لیا گیا ہے اور اب ایسوسی ایشن کی ممبر سازی کا کام شروع ہونے والا ہے۔

دہلی کے کارکنوں کا یہ اقدام نہایت نیک ہے اور ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی تاریخ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن سے بھی پرانی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں جب انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا جنم ہوا، دہلی اسٹیٹ ایسوسی ایشن موجود تھی اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس آل انڈیا ایسوسی ایشن کا وجود اسی ریاستی ایسوسی ایشن کی تحریک اور محنت کا نتیجہ تھا۔ اسی کی تحریک کا یہ بھی پھل تھا کہ دلّی میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے وجود سے بہت پہلے متعدد جماعتیں بالغوں کی تعلیم اور خواندگی کے کام میں مصروف تھیں، اور یہ تحریک دلّی کے اعلیٰ تعلیم کے اداروں تک جا پہنچی تھی۔ اگر ۱۹۴۷ء میں فرقہ وارانہ فسادات کی آندھی نہ آگئی ہوتی جو اپنے ساتھ بہت سی مفید تحریکوں کو بھی بہا لے گئی تو دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اثرات بہت گہرائی تک پہنچ گئے ہوتے۔ اِس وقت دلّی کے جو ساتھی اپنی محنت اور خلوص کی بدولت سوشل ایجوکیشن کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں، انھوں نے اپنے کام کی ابتدا دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن ہی کی شاگردی میں کی تھی۔

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی اس حیثیت کو سامنے رکھئے تو اُسے نئی زندگی بخشنے والوں کے اوپر بہت بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ آزادی سے پہلے اگر اس کے اوپر دلّی میں بالغوں کی تعلیم کی تحریک کی ابتدا کرنی تھی تو اب اسے اس تحریک کو مستحکم بنانا ہے۔ دلّی ہندوستان کی راجدھانی ہے اور قومی زندگی کا کوئی شعبہ ہو — رہن سہن، پہناوا، بول چال، مجلسی زندگی کے طور اور آداب، علمی و تمدنی تحریکیں سب میں نئے معیار اور نئی تراش و خراش کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک

ملک کے لئے نئی چیز نہیں ہے۔ یہ بھی شروع اگرچہ راجدھانی ہی سے ہوئی تھی لیکن اب تمام ملک میں پھیل چکی ہے۔ مگر اب ضرورت ہے زندگی کے بدلتے ہوئے ماحول کے مطابق اس کی آرائش کے لئے نئے نئے فیشن ایجاد کرنے کی تاکہ اسے پٹی پٹائی اور پرانی چیز سمجھ کر لوگ اس کی طرف سے آنکھیں نہ پھیر لیں۔ یہ ضرورت راجدھانی ہی کا ماحول پوری کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے کندھوں پر بھاری بوجھ ہے جسے امید ہے کہ اس کے "مضبوط کندھے" ہنستے کھیلتے اٹھائے رہیں گے۔

اس قومی مطالبے کے علاوہ اِس نئی اسٹیٹ ایسوسی ایشن کے اور اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کا جہاں تک تعلق ہے، ملک کی عزت و آبرو کے تحفظ کی بھی ذمّے داری ہے۔ اب دتی وہ دتی نہیں رہی جو آج سے بیس پچیس برس پہلے تھی۔ اُس وقت انگلستان کے علاوہ باہر کی دنیا کا ایک شخص بھی آجاتا تھا تو دتی والوں کے لیے عجوبہ بن جاتا تھا۔ اب دتی پوری دنیا کے نمائندوں کی دائمی قیام گاہ ہے اور یہ نمائندے ہندوستان کی نبض کا اندازہ یہیں کی زندگی، یہیں کی سرگرمیوں، اور یہیں کے اندازِ فکر و عمل کے آئینے میں کرتے ہیں۔ ہم اپنے گھر کو جب تک کسی بیرونی مہمان کی آمد آمد نہیں ہوتی، جیسا چاہیں رکھ سکتے ہیں اور رکھتے ہیں لیکن مہمان کی آمد پر یہ کوشش ہوتی ہے کہ کم سے کم گھر کے نمایاں مقامات سے ترتیب و تہذیب، قرینہ اور شائستگی کا اظہار ہو۔ یہ تو اُس وقت ہوتا ہے جب مہمان کی آمد کبھی کبھار ہوتی ہے۔ اگر ایک نہ ایک مہمان ہمہ وقت موجود رہتا ہو تو ایسی صورتِ حال میں گھر کا نقشہ کیا ہونا چاہیئے، اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو اپنے فرائض کا نقشہ ترتیب دیتے وقت دتی کی اس حیثیت کا بطورِ خاص خیال رکھنا ہوگا۔

دہلی میں سوشل ایجوکیشن کا کام شہری علاقے میں دہلی کارپوریشن اور دیہاتی علاقے میں دہلی ایڈمنسٹریشن کے اہتمام میں ہو رہا ہے اس لئے دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو سوشل ایجوکیشن کا خدماتی ادارہ (سروس انسٹی ٹیوشن) نہیں بننا ہے اور اگر وہ اپنے فرائض کی فہرست میں اس کام کو شامل کرے گی تو یہ عقل مندی کے خلاف ہوگا۔ دہلی میں جس چیز کی اس زمانے میں کمی ہے، وہ ہے سوشل ایجوکیشن کا ابلاغ [illegible] ورکس۔ یہ کام ایک حد تک جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ادارہ تعلیم و ترقی انجام دے رہا تھا لیکن اس نے کارپوریشن اور ایڈمنسٹریشن کے حق میں اپنا یہ کام شہر سے اٹھا لیا اور دوسرے تجربات میں لگ گیا۔ ادارے کے بعد بہر حال یہ کام رک گیا اور اب تک اُسے پھر سے شروع نہیں کیا جا سکا ہے۔ دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اگر یہ کام اپنے ذمّے لے لے تو یہ اس کا بہت اہم کام ہوگا۔ اس مقصد کے لیے اسے اپنے اہتمام میں دو ایک تجربی سنٹر قائم کرنے ہوں گے، فیلڈ کے کارکنوں کے تبادلۂ خیال اور تجدیدِ ملاقات کی غرض سے وقتاً فوقتاً ان کے رسمی و غیر رسمی اجتماعات منعقد کرنے ہوں گے، ان کے دُکھ درد میں اگر دامے درمے نہیں تو قدمے سخنے ضرور شریک ہونا ہوگا۔ غرض ان کے پیشے کی اصلاح و ترقی اور کارکردگی کے وسائل فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اس کا بھی یقین دلانا ہوگا کہ وہ تنہا نہیں ہیں۔

ایک اور کام جو اب تک غالباً کسی جماعت سے نہیں ہو سکا ہے، دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اگر چاہے تو اس کی بسم اللہ کر سکتی ہے۔ ملک میں مدھم اور دھیما ہی سہی لیکن یہ خیال پیدا ہو چلا ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں کو بھی اڈلٹ ایجوکیشن کو اپنے

فرائض کا جز و بنانا چاہیے۔ دہلی کی ترقی پسند یونیورسٹی نے اس کی ابتدا بھی کر دی ہے لیکن اس کے کام کی رفتار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہی ہے اور اس انتظار میں ہے کہ عوام کی کوئی جماعت کھڑی ہو جو اس نئے کام میں اس کی مدد کرے۔ انگلینڈ میں کچھ اسی طرح کے حالات تھے جب البرٹ مانسبرج نے ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اس کی بنیا پڑنی تھی کہ وہاں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو پر لگ گئے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کو ابتدا میں انہی شہروں میں فروغ ہو سکتا ہے جہاں یونیورسٹی موجود ہو، لوگوں میں تعلیم کا چرچا ہو اور وہ مزید تعلیم کو اپنی ترقی کا وسیلہ سمجھتے ہوں۔

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن دلی جیسے شہراتی علاقے کی نمائندہ جماعت ہوگی جہاں تعلیم کا چرچا بھی ہے اور عوام میں یہ خواہش بھی موجود ہے کہ ان کی تعلیم کا معیار بڑھے تاکہ اس سے زندگی کا معیار بڑھانے میں مدد ملے۔ ایسوسی دہلی یونیورسٹی اور اعلیٰ تعلیم کے دوسرے اداروں سے گفت وشنید اور تبادلۂ خیال کر کے قابل اور اعلیٰ دماغ بالغوں کے لئے جو ناساز گار حالات سے مجبور ہو کر تعلیم کے میدان میں آگے نہیں نکل سکتے تھے اور اب اپنے روزگار میں لگے ہوئے ہیں، یونیورسٹی ایجوکیشن کی ایک نہ ایک شکل نکال سکتی ہے۔ اگر ایسوسی ایشن کو اس نئے تجربے میں کامیابی ہوگئی، جیسا کہ ہمیں امید ہے یقیناً ہوگی، تو یہ بہت بڑا کام ہوگا اور اس کے اثر سے دوسرے یونیورسٹی والے شہروں کو بھی اس کام کا حوصلہ ہوگا۔

ایک اور کام ہے، سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے اثرات ونتائج کی ریسرچ۔ اس کام کے لیے سوشل ایجوکیشن کی آل انڈیا جماعت اور ایک قومی پیمانے کا سرکاری ادارہ دلی میں موجود ہے، اس لیے ہم دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینے کا مشورہ نہیں دیں گے اگر اس نے دہلی یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کو اڈلٹ ایجوکیشن کا باضابطہ طور پر کام کرنے کیلئے آمادہ کر لیا تو تحقیق اور ریسرچ کا کام وہ خود کرے گی اور یہ کام زیب بھی یونیورسٹی ہی کو دیتا ہے۔

یہ ہیں غرض وہ حالات جن کے ماتحت دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو اپنے لیے کام کا نقشہ مرتب کرنا ہے، اور ہمیں امید ہے کہ ایسوسی ایشن سے جو لوگ متعلق ہیں، انھوں نے اُسے نئے سرے سے منظم کرنے سے پہلے ان ذمے داریوں کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔ ہم ایسوسی ایشن کو اس کی نئی زندگی پر دل سے مبارک باد دیتے ہیں اور ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔

بالغوں کو پڑھنے کے لئے کیسے تیار کریں؟

یہ مضمون مقالہ نگار کی زیر ترتیب کتاب "بالغوں کی خواندگی: اصول اور طریقۂ تعلیم" سے ماخوذ ہے جس میں بالغوں کو اپنی تعلیم پر آمادہ کرنے کے مختلف طریقوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

زیر نظر حصۂ مضمون میں تمہید کے طور پر اس سوال پر بحث کی گئی ہے کہ انسان اپنے کسی عمل کے لیے کیوں اور کس حالت میں آمادہ ہوتا ہے۔ اس تمہید کے بعد اصل موضوع پر بحث کی گئی ہے جو اس کے بعد ہم بالاقساط شائع کریں گے — ایڈیٹر

تمہید

ایک زمانہ تھا جب ننھے ننھے معصوم بچوں کو مار مار کر زبردستی پڑھنے کے لیے راضی کیا جاتا تھا۔ اس طریقۂ تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ بچے اسکولوں سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ جو بچے اسکول میں استاد اور گھر میں ماں باپ کے ڈر سے سینے پر پتھر رکھ کر پڑھنے کے عمل کو جاری رکھتے تھے وہ بہ استثنار چند دو نتائج میں سے ایک کا شکار یقیناً ہو جاتے تھے: یا تو وہ بڑے ہو کر اول نمبر کے بدمعاش، چور، ڈاکو یا قاتل بن جاتے تھے یا اپنے نکارہ پن کی وجہ سے سماج پر بار ہو جاتے تھے۔ مگر زمانہ بدلا اور اس کے ساتھ ننھے بچوں کی تعلیم کے طریقوں میں بھی تبدیلی آئی اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر بچہ پڑھنے سے صاف انکار کردے تو اس کے اس انکار پر بجائے اس کے کہ اسے سزا دی جائے، اسے کھلونے دے دیے جاتے ہیں کہ وہ جا کر کھیلے اور دل بہلائے۔ اسے پڑھنے پر آمادہ کرنے کے لیے نہ جانے کتنے جتن کیے جاتے ہیں اور اس وقت تک اس کے سامنے پڑھنے اور کتاب اور قلم کا نام بھی نہیں لیا جاتا جب تک استاد کو یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے آپ پڑھنے لکھنے کا اشتیاق ظاہر کر رہا ہے۔

جب بچوں کے معاملے میں پڑھنے لکھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا ہے پڑھنے کے لیے ان کی آمادگی پر اتنا زور ہے تو ہماری

تنہا بالغ تو اپنی مرضی کا آپ مالک ہوتا ہے۔ کم سے کم ابتدا میں پڑھنے لکھنے پر وقت صرف کرنا تضیع اوقات سمجھتا ہے۔ استاد کے سامنے اپنے ان پڑھ پن پر حجاب محسوس کرتا ہے۔ پڑھنے لکھنے کے علاوہ اور اس سے زیادہ اہم اس کے سامنے کرنے کے دس کام ہوتے ہیں۔ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پڑھنے لکھنے کے لیے بالغ کو آمادہ کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہوگا۔ بالغ خواندگی کی مہمیں اپنی ناکامی کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ پرانے زمانے میں استاد کے ڈر سے طالب علم کلاس چھوڑ کر بھاگتا تھا، اس زمانے میں طالب علم کی سرد مہری اور بے نیازی سے استاد کلاس چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ غور کیجئے تو اس صورتِ حال کے پیچھے ایک اور صرف ایک سبب کی کارفرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ خواندگی کی کلاس شروع کرنے سے پہلے بالغ کو پڑھنے لکھنے پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی اہتمام یا اُپائے نہیں کیا جاتا۔

عمل کا اُصول

انسان کوئی عمل کیوں کرتا ہے؟ اس سوال کے ان گنت جواب ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ان جوابات کا تجزیہ در تجزیہ کیجئے تو آخری سبب یہ ٹھہرتا ہے کہ انسان عمل اُس وقت کرتا ہے جب وہ اس کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر یہ مجبوری اس کے ساتھ نہ لگی ہو تو شاید وہ عمل سرے سے کرے ہی نہیں۔

اس مجبوری کے دو پہلو ہیں: ایک قدرتی جس میں انسان کے ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ جس عمل کے لیے وہ مجبور ہے وہ اُس سے غیر ارادی بلکہ غیر شعوری طور پر خود واقع ہو جاتا ہے۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، نیند وغیرہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ انسان ان اعمال پر قادر ہے اور جب تک چاہے ان مجبوریوں کو روک سکتا ہے۔ اس جملۂ معترضہ کا تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ قدرت ذہنی نہیں بلکہ اکتسابی ہے، جو اُسے تہذیب کے ارتقاء کی بدولت ملی ہے۔ اور یہ قدرت صرف حیوان ناطق یعنی انسان کے ساتھ مخصوص ہے، حیواناتِ مطلق پر یہ اعتراض صادق نہیں آتا۔ ایک آدمی کو پاخانہ کرنے کی حاجت ہے۔ اب اگر اس کے لیے کسی آڑ کا موقع میسر نہیں ہے تو وہ اُسے اس وقت تک روکے گا جب تک آڑ کی تلاش میں ناکام رہتا ہے۔ آڑ کی شرط پوری ہوتے ہی وہ پہلا کام جو کرے گا وہ اس حاجت سے فارغ ہونے کا کام ہوگا۔ نیند کے بارے میں مشہور ہے کہ نیند پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ اس تجزیے کے علاوہ ان اعمال پر قادر ہونے کی حقیقت اس بات سے معلوم ہو جاتی ہے کہ ان قدرتی اعمال کو ایک مخصوص مدت سے زیادہ دیر تک روکا جائے تو انسان کی زندگی ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور اُسے خطرے سے بچانے کے لیے جو تدبیر کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ اگر پاخانے کے رُکنے کے سبب سے یہ خطرہ لاحق ہوا ہے تو جلد از جلد مریض کو پاخانہ کرایا جائے۔ پیشاب رُکنے کے سبب سے ہوا ہے تو فوراً پیشاب کرایا جائے، نیند نہ آنے کی وجہ سے ہے تو نیند لانے کی دوا دی جائے۔

مجبوری کا دوسرا پہلو ارادی ہے۔ یہاں مجبوری کا احساس ہو تو سکتا ہے لیکن آدمی چاہے تو اس احساس کے باوجود بھی عمل کو

ضرورت ہے اس پر عامل نہ ہو۔ میرے گھر فاقے پہ فاقہ ہو رہا ہے اور میں مجبور ہوں کہ فاقے کی صعوبت سے بچنے کے لیے غذا حاصل کروں۔ بیشتر تو یہی ہوگا کہ میں حصولِ غذا کے لیے کوئی نہ کوئی عمل کروں گا۔ لیکن بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان اس مجبوری اور اس کے احساس کے باوجود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فاقے کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ یہ فاقہ زدگی نتیجہ ہوتی ہے مختلف قسم کے خبط کی جن میں سے بیشتر کو اقدار کی حیثیت حاصل ہے ــــ یہ اور بحث ہے کہ ان اقدار کی حقیقت کیا ہے۔

اس ثانوی الذکر مجبوری کے بھی دو پہلو ہیں: ایک شخصی اور ایک خارجی۔

شخصی مجبوری پر انسان کو قدرت ہوتی ہے کہ اسے جلد از جلد دور کر لے۔ اس لیے کہ اس کا تعلق اس کی ذات سے ہوتا ہے۔ فاقے ہی کی مثال لیجیے۔ اگر فاقے کے باوجود میں حصولِ غذا کے لیے عمل نہیں کرتا ہوں تو یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ میں عمل کر بھی سکتا ہوں، اور نہیں بھی۔ اگر عمل کروں تو اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر نہ کروں تو کوئی اور سبب تو اس بے عملی کا ہو سکتا ہے، لیکن یہ سبب نہیں ہو سکتا کہ کوئی خارجی محرک مجھے عمل کرنے سے باز رکھتا ہے۔

خارجی مجبوری سے مراد وہ خارجی حالات ہیں جن کے اثر سے انسان بحیثیت فرد کے عمل سے معذور ہوتا ہے۔ اس کی مثال بنگال کا قحط ہے۔ یہ وہ حالات تھے کہ اگر انسان حصولِ غذا کے لیے چوری پر بھی کمربستہ ہو جاتا تو اس عمل میں بھی اسے ناکامی ہوتی ــــ اسی طرح جماعت کی سیاسی غلامی ہے کہ اس حالت میں بھی جماعت یا فرد اپنی بہبودی کے لیے جو کچھ کرنا چاہتا ہے، کر نہیں پاتا۔ یہ وہ صورتِ حال ہے جب انسان کا ارادہ باطل ثابت ہوتا ہے اور وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک اعتبار سے خارجی مجبوری بھی عمل کا باعث ہوتی ہے جو سیاسی انقلابات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

مجبوری کا ایک اور پہلو: شوق

شوق بھی اگرچہ مجبوری کے ارادی پہلو کی ثانی الذکر شکل: شخصی مجبوری ہی کی صف میں آتا ہے لیکن عمل کا یہ اتنا زبردست محرک ہے کہ اس کا ذکر الگ سے کرنا مناسب ہے۔

شوق کے پیچھے انسان کو بھوک پیاس کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ شیر خوار اور جوان عمر لڑکے لڑکیاں، ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں، اسی بنا پر والدین کی ڈانٹ پھٹکار اور کبھی کبھی پٹائی کا موضوع بنتے رہتے ہیں۔ ایک واقعہ سنئے:

ایک گھر میں خاندان کے ایک پندرہ سولہ سال کے لڑکے کو بجلی اور مشین کا بے حد شوق تھا۔ ایک دن بجلی کی استری خراب ہو گئی۔ مستری کو بلا کر اس کی مرمت کرائی گئی۔ استری میں ایک اہتمام یہ تھا کہ اس میں ایک چھوٹا سا بلب بھی نصب تھا جو اس بات کی شہادت کے لیے ہوتا ہے کہ استری بجلی سے گرم ہو رہی ہے یا نہیں۔ مرمت کے وقت مستری نے بتایا کہ

"جب بے کار ہو گیا ہے لیکن استری اپنا کام پھر بھی کرے گی۔ بلب بازار میں ملتا ہے، کسی وقت جی چاہے تو لا کر لگا لیجیے گا۔"

مستری اپنا کام کر کے چلا گیا۔ یہ وقت دوپہر کے کھانے کا تھا، جب دسترخوان لگا تو معلوم ہوا صاحبزادے غائب ہیں۔ کسی قدر تشویش ہوئی لیکن یہ سوچ کر کہیں کھیل رہے ہوں گے، بات آئی گئی ہوئی۔ صاحبزادے دو گھنٹے کے بعد آئے اور دیکھا گیا کہ وہ استری میں بلب فٹ کر رہے ہیں۔ بلب فٹ کر کے جب انھوں نے استری کو آن کیا تو نہ صرف بلب ختم ہو گیا، بلکہ استری بھی خراب ہو گئی۔ باپ نے تھوڑا بہت کہا سُنا لیکن پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ شام قریب تھی، لیکن صاحبزادے پھر غائب تھے، اور ان کے ساتھ استری بھی۔ والد محترم ان کی تلاش میں مستری کے گھر گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ صاحبزادے استری پھر مرمت کے لیے لائے تھے اور ابھی ابھی واپس گئے ہیں۔

والد صاحب نے گھر آ کر دیکھا تو صاحبزادے نہایت شان سے اپنی پتلون پر استری پھیر رہے ہیں اور اس کا بلب چمک رہا ہے۔ انھیں بلب کی چمک میں اتنا انہماک تھا کہ پتلون پر جو استری ہوئی وہ غلط تھی۔ دراصل ان کی نظر پتلون پر نہیں تھی، بلکہ استری کے بلب پر تھی جو انھوں نے دوسری مرتبہ خود فِٹ کیا تھا۔

کسی کام سے والد محترم نے اپنا بٹوا نکالا تو دیکھتے کیا ہیں کہ اس میں تین چار روپے کم ہیں۔

اس طرح کے ان گنت واقعات روزانہ گھروں میں دیکھنے میں آتے ہیں جن کا تعلق بچوں اور جواں عمر لڑکوں اور لڑکیوں سے ہوتا ہے۔ لیکن شوق کی یہ شدت کہ اس کے پیچھے بھوک پیاس کا ہوش نہ رہے، چوری ڈکیتی جائز سمجھ لی جائے اور اس کا خیال نہ رہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، صرف شیرخوار اور جواں عمر بچوں ہی میں نہیں ہوتی، بالغ اور ہوش مند انسان بھی اس جنون کا شکار ہوتے ہیں اور یہ جنون بعض اوقات خاندان حتّیٰ کہ پوری جماعت کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے جس کی مثالوں سے انسانی تہذیب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ انسان کو عمل پر اُبھارنے کے لیے شوق مہمیز کا کام کرتا ہے اور اس میں اتنی شدت ہوتی ہے کہ یہ کہنا شاعری نہ ہوگا کہ دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات اور ان کی بدولت انسانی تہذیب کا یہ عروج شوق اور صرف شوق کی دین ہے۔

عمل کی تحریک کے اس مختصر تجزیے کا منشا یہ واضح کرنا ہے کہ کوئی کام ہو، کوئی تحریک ہو، کوئی منصوبہ ہو، اس کے لیے انسان اسی وقت آمادۂ عمل ہوگا جب وہ اس کے لیے ایک نہ ایک شکل میں اپنے آپ کو مجبور سمجھے گا۔ اس تجزیے کی روشنی میں یہ کہنا خلافِ واقعہ نہ ہوگا کہ بچہ ہو یا بالغ اس کی تعلیم کا کام اتنا مشکل نہیں ہے جتنا اس کے لیے اُسے آمادہ کرنے کا کام۔ چنانچہ ان پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانے کی مہموں کی کامیابی یا ناکامی کا پیمانہ یہ ہوگا کہ بالغوں کو تعلیم پر آمادہ کرنے کا کام کس حد تک کیا گیا ہے۔

افکار و مسائل

یونیورسٹی ایکسٹینشن

اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں ان پڑھ بالغوں کی خواندگی، جمہوری شہریت کی تربیت، اوقاتِ فرصت کا صحت مند اور نفع بخش استعمال، صحت و صفائی کی تبلیغ و تعلیم، نوجوانوں کی غیر نصابی سرگرمیوں کی تنظیم وغیرہ چند موضوعات ہی شامل نہیں ہیں بلکہ اس کا ایک بڑا اور اہم پہلو بالغوں کی وہ تعلیم بھی ہے جو ترقی یافتہ ملکوں میں یونیورسٹیوں کی ذمے داری تسلیم کی گئی ہے۔

ذیل کے مضمون میں اڈلٹ ایجوکیشن کے اسی پہلو سے بحث کی گئی ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بالغوں کی تعلیم کو اپنے فرائض کا جز قرار دینے میں جہاں اعلیٰ تعلیم سے محروم ملک کے لاتعداد اشخاص کا فائدہ ہے وہاں یونیورسٹیوں کا اپنا فائدہ بھی ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کو اپنے فرائض کا جزو تسلیم کرنے میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کی قدامت پسندی کچھ عرصے تک چاہے ان کا ساتھ دیدے مگر وہ دن بہت جلد آئے گا جب تعلیم کی اس شاخ کے مطالبے کی شدت انھیں اپنی روش بدلنے پر مجبور کر دے گی۔

اس مقالے کی یہ پہلی قسط ہے جس میں بیشتر مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں کی یونیورسٹیوں کے علماء کے بیانات اور خیالات کی روشنی میں یونیورسٹیوں کے ماتحت تعلیم بالغان کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری قسط میں جو اگلے پرچے میں شائع ہوگی اس موضوع پر بحث ہوگی کہ یونیورسٹی ایکسٹینشن ڈپارٹمنٹ کے ماتحت تعلیم بالغان کا کیا خاکہ ہو سکتا ہے۔

——— ایڈیٹر

یونیورسٹی کے ارتقار کی تاریخ

جب ارسطو نے اپنی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے ان کی اشاعت کی تو سکندر نے اُسے پھٹکارا اور کہا "آپ نے اپنی

زبانی تعلیمات کو کتاب کی شکل میں شائع کر کے اچھا نہیں کیا؛ اس لیے کہ ہم نے جن باتوں کی خاص طور پر تعلیم پائی ہے، اگر ان کو عام کر دیا گیا تو ان میں پھر رکھا کیا رہ جائے گا؟" اگر علوم عالیہ کے باب میں سکندر کا یہ نظریہ رائج ہو گیا ہوتا — جس کی ہندوستانی یونیورسٹیاں زبانِ حال سے تائید کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ تو آج نہ علوم کو یہ فروغ ہوتا اور نہ تہذیب عروج کی ان بلندیوں پر پہنچ سکتی۔

علوم کی تبلیغ و اشاعت کے باب میں یونیورسٹیوں کے موجودہ نقطۂ نظر کی تردید خود ان کے ارتقا کی تاریخ سے ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کالج شکاگو یونیورسٹی کے ڈین مسٹر سائرل او۔ ہارلے نے یونیسکو کی ایک کتاب "یونیورسٹیز اِن اڈلٹ ایجوکیشن" کے تعارف میں ہیسٹنگز راشڈل کے حوالے سے یونیورسٹی کے ارتقا کا حسب ذیل جائزہ پیش کیا ہے:

"ابتدا میں یونیورسٹیوں کے سامنے کوئی بنیادی خیال یا شکل نہیں تھی۔ پاپائیت اور سلطنت کی طرح یونیورسٹی بھی ایک ایسے ادارے کا نام ہے جس کی قدیم شکل اور روایات ہی نہیں، بلکہ خود اس کا وجود چند اتفاقی حادثات کے نتیجے کے طور پر عمل میں آیا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ اس اتفاقی اور غیر منظم وجود نے مرتب و منظم شکل اختیار کرنی شروع کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان اداروں کا ارتقا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے رنگ روپ کا تعین اس عہد کے پورے سماجی اور روحانی مزاج کے مطابق ہوتا رہا ہے جس عہد کی زندگی سے اس کا تعلق تھا۔

"نظریے اور تصورات تاریخ کی زبردست قوت کا کردار ادا کرنے کے لیے اداروں کی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ پیرس میں یہ رواج تھا کہ اساتذہ اپنے حلقۂ علم میں جوان شاگردوں کو داخل کرتے تھے۔ بولونا کا یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ علوم کی تحصیل کرنا چاہتے تھے وہ آپس میں مل کر اساتذہ کو تنخواہ پر ملازم رکھتے تھے۔ دوسری قدیم یونیورسٹیاں اپنے لیے ان میں سے کسی ایک طریقے کو منتخب کرتی تھیں یا اپنا الگ کوئی ضابطہ وضع کرتی تھیں۔

"ابتدائی یونیورسٹیاں (جو اِن قدیم اداروں کے بعد وجود میں آئیں) طالب علم کے نام سے صرف کچی عمر کے شاگردوں کو بھرتی کرتی تھیں جو تلاش و تحقیق اور علمی انہماک و استغراق کی زندگی اختیار کر کے علم کے تسلسل کو قائم رکھنے کی ضرورت پوری کر سکتے ہوں۔ مگر جیسے جیسے سماج میں تبدیلی آئی۔ یونیورسٹیوں کا ارتقا علم کے جماعتی اندوختے کی حیثیت سے ہونے لگا۔ پہلے قانون کی تعلیم دینے کا جو منصب عدالتیں اور علوم انسانی کی تعلیم دینے کا جو منصب سامنتی ادارے پورا کرتے تھے، انھیں یونیورسٹیوں نے اپنے اندر جذب کر لیا۔ چنانچہ اب وہ اپنے یہاں ان نوجوان "شریف زادوں" کو بھی بھرتی کرنے لگیں جو اپنے آپ کو علم کی خدمت کے لئے وقف

نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اپنی زندگی میں جلا پیدا کرنے کی غرض سے علوم کا صرف تعارف حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ زمانہ آیا جب یونیورسٹیوں میں پرانے طالبانِ علم کے ساتھ ایک نئے عنصر کو بھی بار ملنے لگا، جس کے اوپر اُس زمانے کے بہت سے پروفیسروں نے بڑی ناک بھوں چڑھائی ہوگی اور شکایت کی ہوگی کہ اس طرح تعداد کا اضافہ تو علم کی بے آبروئی کا باعث ہوگا۔

اب زمانۂ حال میں یونیورسٹی نے ایک ایسے ادارے کی شکل اختیار کر لی ہے جہاں صرف علما کی تربیت نہیں کی جاتی بلکہ سوسائٹی کے لیڈر بھی تیار کیے جاتے ہیں۔"

اس تاریخی تجزیے کی روشنی میں یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے:

"ایک جاگیردارانہ نظامِ معاشرت میں بڑی آسانی سے یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون سے نوجوان کو یونیورسٹی میں جانا چاہیے اس لیے کہ یہ نوجوان ان لوگوں کی اولاد میں ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں سوسائٹی کی عنانِ اقتدار ہوتی ہے۔ لیکن ایک جمہوری معاشرت میں جہاں آدرش یہ ہو کہ ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ترقی کی بلندیوں پر پہنچنے کا حق ہونا چاہیے، یونیورسٹی کے داخلے کے لیے امیرزادگی کا معیار ترک کر کے استحقاق کی جانچ کی دوسری شکلیں اختیار کی جانی چاہئیں اور جس کسی میں یونیورسٹی کے داخلے سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت موجود ہو اُسے داخلے کا یقیناً حق ملنا چاہیے اس صدی کے تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے نوجوان جن کو یونیورسٹی کی چہار دیواری سے باہر رکھا گیا تھا اُن بہت سے نوجوانوں کے مقابلے میں جنھیں وہاں داخلہ مل گیا تھا، شخصی اور سماجی اعتبار سے یونیورسٹی کی ٹریننگ کا کہیں زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ امیرزادے یونیورسٹیوں میں اب بھی بدستور داخل ہوتے ہیں لیکن گذشتہ پچاس سال میں سماج میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی بدولت اب اُس طبقے میں جہاں سے یونیورسٹیوں میں کل وقتی طلبا کی اکثریت آتی ہے، بہت زیادہ وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ صورتِ حال خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یونیورسٹیاں اب تک اپنے حقیقی منصب سے بہلو بچاتی رہی ہیں۔"

یونیورسٹی کے ارتقا کے اس مختصر تاریخی تجزیے سے اتنی بات تو بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ کوئی یونیورسٹی خصوصاً ایسے ملکوں کی یونیورسٹی جو ترقی و تعمیر کے عمل سے گذر رہے ہوں، اپنے عہد کے سماجی تقاضوں سے بے خبر ہو کر اپنے آپ کو علم کی ایک بند خانقاہ نہیں بنا سکتی۔ قاعدہ ہے کہ جب لوگ کچھ سیکھ لیتے ہیں تو انھیں اور زیادہ سیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ لازمی ابتدائی تعلیم کا رواج، ثانوی تعلیم میں آئے دن اضافہ، جونیئر کالجوں میں طلبا کا ہجوم ـــ یہ وہ عناصر ہیں جو ایک رسمی تعلیم بالغان کی ضرورت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ان اداروں سے نکلے ہوئے طلبا زندگی میں داخل ہونے کے بعد قدرتی طور پر اپنے وسائل کو بڑھانا چاہیں گے

اور چونکہ ان کی یہ ضرورت بیشتر تعلیم کے ترقی یافتہ معیار کے ذریعے ہی پوری ہوگی اس لیے ان کا رُخ اونچی تعلیم کے اداروں (یونیورسٹیوں) کی طرف ہوگا اور وہ اُن کی طرف سے منہ نہیں پھیر سکیں گے۔

یونیورسٹی میں بالغوں کی تعلیم کے پانچ جواز

بالغ طالب علم کو یونیورسٹی کی تعلیم میں شریک کرنے کے لیے موٹے طور پر پروفیسر سائرل اوہا وُلے نے مندرجہ ذیل پانچ جواز قائم کئے ہیں:

۱۔ جدید تحقیق نے ایک قدیم عقیدے کو صحیح ثابت کر دیا ہے کہ علم کے چند میدان ایسے ہیں جنھیں پکّی عمر کے طلباء نوجوانوں کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے حاصل کرتے ہیں۔ اور چند مخصوص علوم تو بلا شبہ ایسے ہیں جن سے ارسطو کے بقول سوائے بالغوں کے نوجوان طلباء تو مستفید ہو ہی نہیں سکتے۔ دنیا میں ہر جگہ یونیورسٹیوں کو خود اس حقیقت کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد یونیورسٹیوں میں فوجی جوانوں کے ہجوم نے پوری علمی جماعت میں ایک تازگی اور جان پیدا کر دی اس لئے کہ انھوں نے یونیورسٹی کی تعلیم کے معمول کو بدل دیا تھا اور طالب علم ہونے سے پہلے بالغ ہو گئے تھے۔

۲۔ چونکہ اعلیٰ تعلیم یونیورسٹی کا منصب ہے اس لئے اس سے پہلے کی تعلیمی منزل سے گذر کر جو طالب علم زندگی میں قدم رکھتا ہے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کو بڑھانا چاہتا ہے اس کو یونیورسٹی کے علاوہ اور کہیں سے امداد ملنے کی امید نہیں ہو سکتی۔

۳۔ یونیورسٹی کا کل وقتی طالب علم جو بنیادی اوصاف اور اقدار حاصل کرتا ہے انھیں قائم رکھنے اور ان میں اضافہ کرتے رہنے کی عمر بھر ضرورت باقی رہتی ہے۔

۴۔ جن لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کی ضرورتیں حالات کی مجبوری سے تشنۂ تکمیل رہ گئی ہیں، یا جنھیں اپنی تعلیمی ضروریات کا احساس آگے چل کر دیر میں ہوا، ان کی اس محرومی اور تشنگی کی تسکین کرنے کا مسئلہ ہمیشہ اور ہر جگہ باقی رہے گا۔

۵۔ چونکہ یونیورسٹی کا تعلق علم اور اُسے نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرنے کے کام سے ہے اس لیے اس میں خود اس کے اپنے پیشے کا مفاد ہے اس لیے اسے چاہئے کہ تعلیم کے اوپر اگلی نسل میں جو زبردست مطالبہ آنے والا ہے، یعنی بالغوں کو پڑھانے کا مطالبہ، اس کے تجربے کا سلسلہ ابھی سے شروع کر دے۔

مذکورہ بالا پانچ باتوں میں سے پہلی بات جو تعلیم کے فنّی نقطۂ نظر سے سب سے اہم ہے، اس کے ثبوت میں مناسب ہوگا کہ انگلستان کے مشہور عالم پروفیسر ٹانی کا بیان یہاں نقل کر دیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی کلاسوں میں دیکھا ہے کہ ان سے مجھے معاشی مسائل کو صحیح طریقے

پر سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے اور اس کے بعد میں نے بالغ طالب علموں کو جو لیکچر دیئے اور جو کتابوں کی شکل میں چھپ گئے ہیں، انھیں ہر جگہ خواندہ لوگ آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ علوم کو بالغوں کے ذہن نشین کرانے میں جو کوششیں کی گئی ہیں، ان سے علم تجارت (کامرس) صنعتی روابط، سیاسیات، تاریخ کائنات فلکیات اور اسی طرح کے دوسرے علوم کی نظری ترتیب و تدوین میں غیر معمولی مدد ملی ہے۔"

ایک ممکن عذر اور اُس کا جواب

کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں ابھی نہ وہ تعلیمی فضا ہے اور نہ وہ ماحول جس میں اپنی ترقی و اصلاح کے لیے لوگ تعلیم کو وسیلہ قرار دیں اور اس کے حصول کے لیے حکومت اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں سے مطالبہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عذر بڑی حد تک صحیح ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہماری قومی ترقی کی منصوبہ بندی کرنے والے اس عذر کو اور زیادہ وسعت دے رہے ہیں۔ بالغوں کی خواندگی کا مسئلہ تو دور رہا، دستور میں ۱۹۶۰ء تک ملک میں ابتدائی لازمی تعلیم کا نظام عام کرنے کی تاکید کی گئی تھی، اس کے مطابق بھی عمل نہیں ہوا اور لازمی ابتدائی تعلیم کا رواج ابھی تک دیوانے کا خواب ہی بنا ہوا ہے۔ اُدھر بالغوں کی خواندگی کی ضرورت ہی سے عملاً انکار کر دیا گیا ہے اور یہ نعرہ لگایا گیا ہے کہ ان پڑھ بالغوں کی تعلیم کے لیے خواندگی ضروری نہیں ہے، یہ کام آڈیو ویژول ایڈس سے لیا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں یونیورسٹیوں کا مذکورہ بالا عذر نہ صرف صحیح ثابت ہوتا ہے بلکہ اُسے اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔

لیکن جہاں یہ بات صحیح ہے وہاں یونیورسٹیوں کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ مغربی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں بالغوں کی تعلیم کو جو یونیورسٹی کے فرائض کا جز تسلیم کیا گیا ہے، اس کی تحریک پہلے پہل خود یونیورسٹیوں کے پروفیسروں اور منتظموں کی طرف سے ہوئی تھی۔ پروفیسر سائرل او۔ ہاؤلے لکھتے ہیں کہ "اس تحریک (یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن) کا براہ راست سبب کیمبرج اور آکسفورڈ کے منتظموں کا وہ اضطراب تھا جو انھیں یہ دیکھ کر ہوتا تھا کہ وہ علم جو صرف گنتی کے چند نام نہاد 'عالی دماغ' افراد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے فیض سے ملک کے بے شمار افراد محروم کر دیئے گئے ہیں، اور یہ انصاف نہیں بلکہ بہت بڑا سماجی ظلم ہے جو ہر طرف سے ان کے اوپر ڈھایا جا رہا ہے۔" ان نیک دل علماء کا یہی احساس اضطراب تھا جس کے زیر اثر جیمس اسٹوارٹ اور بعد کو پروفیسر ٹانی جیسے نامور علماء نے اس تحریک کی رہنمائی کی اور بالغوں کو اپنے طور پر تعلیم دے دے کر یونیورسٹیوں پر واضح کیا کہ بالغ طلبا بھی یونیورسٹی کی تعلیم سے اسی طرح فیض حاصل کر سکتے ہیں جیسے نوخیز لڑکے اور لڑکیاں، اور بعض علوم کی تحصیل میں تو سوائے بالغوں کے نوخیز لڑکیاں اور لڑکے چل ہی نہیں سکتے۔

یہی کیفیت اسکینڈی نیویا کے ممالک خصوصاً ڈنمارک میں نظر آتی ہے۔ یہاں کے فوک ہائی اسکول جن کی تعلیم کا نمونہ کم و بیش

وہی تھا اور اب بھی ہے جو یونیورسٹی کی تعلیم کا ہوتا ہے' ان کی تحریک یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کی طرف سے ہوئی تھی' اور وہ اس معاملے میں اتنے حساس تھے کہ اپنی اپنی یونیورسٹیاں چھوڑ کر نکل آئے تھے اور بالغوں کو یونیورسٹی کی نہج پر تعلیم دینے کے لیے اپنے اپنے فوک ہائی اسکول الگ قائم کر لیے تھے۔

جمہوری نظام غیر ضروری

دوسری بات جو یونیورسٹیوں کے مذکورہ بالا عذر کے جواب میں پیش کی جاسکتی ہے یہ ہے کہ اگر اسی چیز کو سوچنے اور عمل کا معیار قرار دے لیا جائے تو ملک کی ترقی پذیر حیثیت میں آج جو جو تبدیلیاں نظر آرہی ہیں' جو جو منصوبے آئے دن بنتے اور عمل پذیر ہوتے رہتے ہیں وہ ہرگز وجود میں نہیں آسکتے تھے۔ خود ریاست کی تنظیم جو جمہوریت کے تصور پر مبنی ہے اس نظریے کے خلاف پڑتی ہے۔ ملک کو آزاد ہوئے پورے سولہ سال ہو گئے' لیکن کیا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اہل ملک انقلاب برپا کر دیتے اگر ریاست کی تنظیم جمہوریت کے اصول پر نہ کی گئی ہوتی؟ بعض اہل فکر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ملک کے مزاج کے لحاظ سے دیکھیے تو جمہوری اصول اور ان کے مطابق ریاست کی تنظیم قوم کے لیے مُضر ثابت ہو رہی ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ماتحت جتنے کام ہو رہے ہیں ـــ کھیتی کے نئے اور سائنٹفک طریقے، صحت و صفائی کے جدید اصول اور نہ جانے کیا کیا کچھ ـــ ان کے باب میں ہمارے عوام کا جو طرزِ عمل رہا ہے اور بڑی حد تک اب تک ہے' اس کا ماتم قومی پیمانے پر کیا جا رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک کے عوام میں ان پروگراموں کی ضرورت کا احساس نہیں ہے' اور نہ ان کے لیے ان کی طرف سے کوئی مطالبہ ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بلاکوں کا تمام ملک میں جال بچھتا جا رہا ہے۔ عوام کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے' اگر یونیورسٹیوں کے مذکورہ بالا عذر کو عمل کا معیار تسلیم کیا جائے تو کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس مختصر تجزیے کی روشنی میں غور کیجیے تو یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن ملک کے موجودہ ترقی پذیر حالات کو، کم سے کم اس رشتے سے کہ یونیورسٹیاں علم و تہذیب کے تحفظ اور ان کی تبلیغ و اشاعت کے واحد ادارے ہیں، یونیورسٹیوں کے فرائض کی فہرست میں بڑے نمایاں مقام پر نظر آتی ہے، اور اگر انھوں نے ابھی سے اپنے اس فرض کی انجام دہی کا آغاز نہ کیا تو اُس وقت ـــ اور وہ وقت بہت دور نہیں ہے ـــ جب زندگی میں تعلیم کی افادیت کا ادراک کر کے عوام اس کا پوری شدت سے مطالبہ کریں گے، یونیورسٹیاں اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بڑی نازک صورتِ حال میں مبتلا ہو جائیں گی۔

نوجوان کسانوں کی انجمنوں کی تنظیم

ایک خاکہ

۱۔ نوجوان کسانوں کی تعلیم کی ضرورت

اقتصادی منصوبہ بندی اب ہماری زندگی کا جز بن چکی ہے۔ زراعت کے میدان میں منصوبہ بندی کا مقصد ہے اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے غلّے اور دوسری چیزوں کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کرنا، جس سے کہ لوگوں کو ایک مناسب مقدار میں غذا اور صنعتوں کے لیے کافی کچّا مال مہیا ہو سکے۔ پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لیے زراعت کی ہمہ گیر تعلیم کا انتظام ضروری ہے۔ زراعتی تعلیم کی اہمیت اب پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے اس کا ثبوت اس بات سے بھی مل جاتا ہے کہ اب بیسک پوسٹ بیسک اسکولوں، ملٹی پرپز ہائر سکینڈری اسکولوں اور رورل انسٹی ٹیوٹوں کے نصاب تعلیم میں زراعت کی تعلیم نہ صرف شامل کر لی گئی ہے بلکہ اس پر خاص توجہ بھی دی جا رہی ہے۔

زراعت کے طریقوں میں اب تیزی سے تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اس وسعت کے ساتھ پیچیدگیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ اس سے لوگوں کو زراعت کے طریقوں اور اس کے انتظام و انصرام کی تربیت کی ضرورت بھی بڑھتی جارہی ہے۔ آج زراعت کے اتنے زیادہ طریقے ایجاد ہو چکے ہیں کہ کسان کے لیے ان میں سے اپنے لیے سب سے زیادہ موزوں طریقے کا انتخاب کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ان سے صحیح معنوں میں وہ مستفید اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ اپنی ضروریات اور موقع کی مناسبت سے کوئی مناسب فیصلہ کر سکے۔ تحقیق اور ریسرچ کا کام برابر جاری ہے اور کسانوں کے سامنے نت نئی باتیں آرہی ہیں۔ وقت کے ساتھ مسائل بھی الجھتے جارہے ہیں۔ نوجوان کسانوں کے لیے ان میں سے اپنے لیے موزوں ترین چیزوں کا انتخاب کرنا لازمی ہو گیا ہے۔ اس میں صرف تعلیم و تربیت اور تجربہ ہی ان کی مدد کر سکتا ہے۔

صرف تجربہ ہی کافی نہیں ہوتا۔ تجربہ نت نئے حالات سے آگاہ نہیں کرتا ہے اس کے علاوہ تجربے کی بنیاد پر سیکھنے کا عمل کافی سست رو اور مہنگا عمل ہوتا ہے۔ ایک ہوشیار کسان دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ ان کے تجربات کا مطالعہ کر کے

اس کے بارے میں دوسرے طریقوں سے معلومات حاصل کر کے اور اس پر غور کر کے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے ۔

ان باتوں کے پیش نظر ہر نوجوان کسان کے لیے خواہ اسے زراعت کی باقاعدہ تعلیم مل چکی ہو نوجوان کسان کلب میں شامل ہونا ضروری ہو جاتا ہے ۔ نوجوان کسان کلب کے پروگرام ایک طرح سے اسکولوں میں دی جانے والی زراعت کی پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی کو پورا کرتے ہیں ۔

۲۔ نوجوان کسان کلبوں کے پروگرام چلانے میں اسکولوں کی ذمہ داری :۔

پیشہ ورانہ اسکول کے پروگرام مقامی طور پر اسی وقت مفید اور کارگر ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے یہاں تعلیم کا ایک "مکمل" پروگرام شامل کریں یعنی وہ زراعت کی تعلیم کا انتظام صرف اسکولی لڑکوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اسکول سے باہر کے نوجوان اور پختہ عمر کسانوں کے لیے بھی زراعت کی تعلیم کا انتظام کریں ۔ اگر زراعت کی پیشہ ورانہ تعلیم صرف اسکولوں تک محدود رہے تو نوجوان کسان اس سے کسی بھی صورت میں مستفید نہیں ہو سکتے ہیں حالانکہ یہی وہ طبقہ ہے جس کے سامنے فوری اور عملی طور پر زراعت کے مسائل سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔

اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ زراعت کی پیشہ ورانہ تعلیم کی توسیع و اشاعت سے تعلق رکھنے والے سبھی لوگ اس تعلیم کا بنیادی مقصد ہر وقت اپنے سامنے رکھیں اور اُسے اچھی طرح سمجھیں ۔ انھیں اسی کے ساتھ یہ بات بھی تسلیم کرلینی چاہیے کہ زراعت میں اصلاح اور ترقی اسکول سے باہر کے نوجوان کسانوں میں کام کیے بغیر ممکن نہیں ہے ۔

۳۔ پروگرام کیسے شروع کیا جائے

اسکول سے باہر کے نوجوان کسانوں کے لیے زراعت کا کوئی پروگرام شروع کرنا بہت دشوار گذار کام ہے ۔ اس میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب کام ایک صحیح نقطۂ نظر کو اختیار کرکے شروع کیا جائے ۔

نوجوان کسانوں کے لیے تعلیمی پروگرام شروع کرنے میں مختلف لوگوں کے اشتراک و تعاون کی ضرورت ہوگی ۔ اسکول کے معلّم کو یہ کام اکیلے نہیں کرنا چاہیے ۔ اُسے اِس سلسلے میں مقامی لیڈروں، ترقی پسند کسانوں، گرام سیوکوں، سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں اور پنچایت کے ممبروں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔

۴۔ کن لوگوں کو پروگرام میں شامل کرنا چاہیے؟

کن لوگوں کو اس پروگرام میں شامل کیا جائے، اس کے لیے ایک اصول طے کیا جا سکتا ہے۔ اسکول کے اساتذہ یہ کام مجلس مشاورت کی صلاح سے کر سکتے ہیں۔ یہ مجلس پنچایت کے ایک نمایندے، گرام سیوک سوشل ایجوکیشن کے کارکن اور چند با اثر ترقی پسند کسانوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ جن لوگوں کو اس پروگرام میں شامل کیا جائے ان میں مندرجہ ذیل باتیں بہرحال موجود ہونی چاہئیں:۔

(۱) ان کے سامنے زراعت کا پیشہ اختیار کرنے کا مقصد ہو۔

(۲) اُن میں اس ٹریننگ سے کافی دل چسپی موجود ہو جس سے کہ وہ خود اپنے شوق سے اس میں پابندی سے شرکت کرتے رہیں۔

(۳) عام طور سے عمر داخلے کے وقت، ۱۵ سے ۲۵ سال ہو۔

(۴) نوجوان کسان کلب کی ممبری کے لیے تعلیم ضروری نہیں ہے۔

۵۔ ممبر سازی کا طریقہ:۔

کلب میں لوگوں کو شریک کرنے کے لیے اس بات کی بہت اہمیت ہے کہ کھیت پر کام کرنے والے، ۱۵ سے ۲۵ سال کی عمر کے تمام نوجوانوں کی ایک مکمل فہرست تیار کی جائے۔ اس فہرست میں نوجوان کے نام کے علاوہ ان کا پتہ، عمر، تعلیمی قابلیت، ان کے کھیت کا رقبہ اور جس کھیت میں وہ کام کر رہے ہیں اس کی فی ایکڑ پیداوار کی کیفیت، مویشیوں اور کھیتی کے دوسرے اوزاروں کی حالت، عمارت اور گھریلو زندگی کے معیار کے متعلق معلومات بھی درج ہوں۔

اس فہرست کی مدد سے بہت آسانی کے ساتھ ایسے نوجوان کسانوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے جو کسان کلبوں کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر کام کرنے والے نوجوان کسان جنھیں نہ تو زراعت کے جدید ساز و سامان کی سہولت حاصل ہوتی ہے نہ مختلف وجوہات کی بنا پر زراعت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا انھیں موقع ہوتا ہے، اور اس طرح کے کلبوں میں خاص طور سے شامل کیے جا سکتے ہیں۔ نوجوان کسانوں کا کلب اسی وقت مفید اور کارآمد طریقے پر کام کر سکتا ہے جب وہ چھوٹے کسانوں کے مسائل کی طرف خاص طور سے توجہ دے۔

۶۔ تعلیمی پروگراموں کی منصوبہ بندی:۔

استاد کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے ممبروں کی ضرورتوں، ان کی دل چسپیوں اور ان کے مسائل کا اندازہ لگائے۔ یہ باتیں زراعتی سروے اور ممبروں کی کیفیت اور حالات سے متعلق تفصیلی جائزے کے ریکارڈ کی مدد سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔ ان کی بنیاد پر ایک تعلیمی پروگرام مرتب کیا جانا چاہیے۔ بحث مباحثے کے حلقوں کے ذریعے یہ تعلیم لوگوں کو دی جانی چاہیے۔ جن مسائل کا مطالعہ کرنا مقصود ہو

ضرورت اور اہمیت کے اعتبار سے ان کی ایک ترتیب وار فہرست پہلے سے تیار کر لینی چاہیئے۔
اگر ممبر ناخواندہ ہیں، تو اس بات کی کوشش کی جانی چاہیئے کہ انھیں جلد سے جلد خواندہ بنا لیا جائے۔ اس صورتِ حال میں خواندگی کو سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہیئے تاکہ آیندہ لوگوں تک نئے نئے خیال کو پہنچانے کا عمل زیادہ آسان ہو جائے۔

۷۔ موادِ تعلیم

ممبروں کو ایسی تعلیم دینی چاہیئے جو ان کے فوری مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ یہ عملی تعلیم ہونی چاہیئے اور ایسی ہونی چاہیئے کہ وہ لوگوں میں لیڈر شپ کا مادہ اور سماجی شعور پیدا کرے اور اسی کے ساتھ لوگوں کے لیے تفریح کا سامان بھی مہیا کرے۔ اس تعلیمی پروگرام میں زراعتی ترقی کے نئے نئے رجحانات کی معلومات اور زراعت کے تجارتی پہلو کا تعارف بھی شامل ہو۔

۸۔ تعلیم کس طریقے سے دی جائے

نوجوان کسانوں کو اس طرح تعلیم دی جانی چاہیئے کہ ان میں ایک فارم پر بہتر سے بہتر طریقے پر کام کرنے کی صلاحیت اور سوجھ بوجھ پیدا ہو۔ وہ یہ دیکھیں کہ ایک فارم کو اچھی طرح چلانے کے لیے کس طرح کے انتظامات ضروری ہوتے ہیں۔ انتظامی کاموں کی ٹریننگ کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہوتا کہ زیر تربیت نوجوانوں کو عملی حیثیت سے انتظامی کاموں میں زیادہ سے زیادہ شریک کیا جائے اور ان کی مناسب طریقے سے رہنمائی اور مدد کی جائے جس سے کہ وہ کھیتی کے کاموں کا انتظام چلانے کے لیے آسانی سے کسی صحیح فیصلے پر پہنچ سکیں۔ نوجوان کسانوں میں کھیتی کے کاموں کو کامیابی سے چلانے کی صلاحیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انھیں اس کام کو بہتر طریقے پر کرنے کی ٹریننگ اور عملی طور پر تجربہ کر کے سیکھنے کا موقع ہو۔ تعلیمی پروگرام کے یہی دو خاص پہلو ہیں۔
نوجوان کسانوں کی تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت پروجیکٹ کے طریقے کو دی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ نوجوان کسانوں کے سامنے یہ پروگرام بامقصد طریقے پر آئے وہ اُن کی خود منصوبہ بندی کریں اور عملی طور پر خود اسے چلائیں۔ اس طرح کے تعلیمی پروگرام کی کامیابی کے لیے مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں۔

(الف) زراعت کا استاد نوجوان کسانوں میں پروجیکٹ کی منصوبہ بندی اور اُسے چلانے کی صحیح معنی میں دل چسپی پیدا کرے۔

(ب) پروجیکٹ کے مختلف گروپ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے صحت مند مقابلے کی کیفیت موجود ہو۔

(ج) مختلف سامانوں کی بروقت فراہمی ہو جائے۔

لیکن ان سب کے باوجود پروجیکٹ کی کامیابی کی اصل شرط خود ممبروں کا اس میں دلچسپی لینا ہے۔ جس کے بغیر کوئی بھی پروجیکٹ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

اس طرح کے پروجیکٹوں کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے "اپنے کام کی خود منصوبہ بندی کرنا اور اپنے منصوبے کے مطابق خود عمل کرنا" یا "کام ہی عبادت ہے"۔ یا "بھروسہ اپنے کام کا ہونا چاہیے نہ کہ قسمت کا"۔

نوجوان کسانوں کے تعلیمی پروجیکٹ دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) انفرادی پروجیکٹ اور (۲) گروپ پروجیکٹ انفرادی پروجیکٹوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ کیونکہ جب تک ہر آدمی کو انفرادی طور پر کام سے مستفید ہونے کا موقع نہیں ملتا ہے وہ کلب کی سرگرمیوں میں کوئی خاص دل چسپی نہیں لے گا اور نہ اس کے لیے کسی قسم کی تکلیف اٹھانا گوارا کرے گا "کام کے ذریعہ تعلیم" نوجوان کسانوں کی تعلیم کا بنیادی اصول تسلیم کیا گیا ہے۔ اس بات کو سامنے رکھا جائے تو کلب کا کوئی ممبر انفرادی طور پر اس وقت مطمئن ہوگا جب وہ خود اپنے "انفرادی پروجیکٹ" کو کامیابی کے ساتھ تکمیل دے لے گا۔

گروپ پروجیکٹ کی اہمیت اس لیے ہے کہ اس سے نوجوان کسانوں میں سماجی شعور پیدا ہوتا ہے ان میں باہمی اشتراک و تعاون سے کام کرنے کا اور اتحاد و یگانگت کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔

انتظامی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کلب کے ممبروں کو اپنے گھر کے کھیت کا سروے کرنا سکھایا جائے۔ انھیں بتایا جائے کہ وہ کس طرح آمدنی اور خرچ کے حساب سے کھیتی کی صحیح صورتِ حال کا اندازہ کر سکتے ہیں، اور یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سا پروجیکٹ کتنا نفع بخش رہا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انھیں حساب کتاب اور دوسرے کاغذات وغیرہ ٹھیک ڈھنگ سے رکھنا سکھایا جائے۔

کھیت کے حسابات اور دوسرے کاغذات اگر احتیاط سے رکھے جائیں تو اس سے نوجوانوں کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے کاروبار میں کون کون سی باتیں مناسب انداز میں چل رہی ہیں اور کون سی باتیں نظر انداز ہو گئی ہیں جن پر فوری طور پر توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کی بنیاد پر وہ اپنے پروگرام میں مناسب تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ مثال کے لیے ایک کسان جو کہ کوآپریٹیو سوسائٹی یا کہیں اور سے قرض لینا چاہتا ہے وہ یہ دیکھے گا کہ کھیتی سے متعلق اس کے باقاعدہ حسابات اور دوسرے کاغذات رکھنے سے اسے کتنی مدد ملتی ہے۔

کلب کے ممبر کو کلاس کے اندر اور کلاس کے باہر بھی مطالعے کے ذریعے پیداوار بڑھانے کے بہتر طریقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیئے۔ کلاس کی تعلیم کا بنیادی موضوع بھی یہی ہونا چاہیے۔ کلب کے ممبروں کو چاہیے کہ وہ اپنی معلومات میں اضافے

کے ساتھ ساتھ پیداواری طریقوں کو بہتر طریقے سے برتنا بھی سیکھیں۔

یہاں ہم ایسے خاکے کی تیاری کے سلسلے میں کچھ نکات پیش کر رہے ہیں جس میں کسی مسئلے کو تعلیم کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے:۔

۹۔ تعلیمی خاکہ

(i) مسئلہ کیا ہے؟ اس کا تعارف

(ii) اس سے متعلق ضروری معلومات کی خاکہ بندی

(iii) مسئلے کی تشریح (اس سلسلے میں جن باتوں پر غور کرنا ہے اور جو اقدامات ضروری ہیں، ان پر بحث)

(iv) اس بحث میں ممبروں کو جو نتائج اخذ کرنے چاہئیں (ممبروں کی رہنمائی کے لیے) اس کا ایک خاکہ۔

نئی دہلی میونسپلٹی کے تعلیمی مرکزوں کی نئی تنظیم

نئی دہلی میونسپل کمیٹی اپنے سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں اور دارالمطالعوں کی نئی تنظیم کی ایک تجویز پر غور کر رہی ہے جس سے کہ لوگ ان سنٹروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ میونسپل کمیٹی کے ماتحت اس وقت سوشل ایجوکیشن کے ۴۰ سنٹر اور ۱۵ دارالمطالعے چل رہے ہیں۔

تنظیم نو کی اس اسکیم میں جو نئی دہلی میونسپلٹی کے افسروں نے تیار کی ہے، یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ دارالمطالعوں اور سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں میں قریبی تعلق پیدا ہو اور باہمی اشتراک و تعاون سے کام ہو۔

سوئزرلینڈ میں بالغوں کی تعلیم کا نہج

سوئزرلینڈ ان ملکوں میں سے ایک ہے جہاں سب سے پہلے تمام ضلعوں، بستیوں اور محلوں میں مفت پیشہ ورانہ تعلیم کا وسیع پیمانے میں انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں نوجوانوں کی تہذیبی ترقی کے بہت مواقع ہیں۔ اس لیے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کے ماتحت ایسے اسکول قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے جہاں ان پڑھ بالغوں کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ سوئزرلینڈ میں نہ تو ناخواندگی کا مسئلہ ہے اور نہ گندی بستیوں کا۔ جہاں کے لوگوں کی زندگی میں امید اور حوصلہ پیدا کرنے اور اس طرح انھیں اچھی اور بہتر زندگی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے فلاحی اداروں کے قیام کی ضرورت ہو۔

ابتدا:-

سوئزرلینڈ میں اڈلٹ ایجوکیشن کی نئی تحریک کی ابتدا انقلاب فرانس کے بعد جمہوریت کی تجدید سے ہوئی ہے۔ ہلوٹیک جمہوریت نے اپنے قیام کی مختصر مدت میں جو دستور اختیار کیا تھا اس میں کچھ بیش قیمت یقین دہانیاں کی گئی تھیں۔ لیکن یہ دور بیرونی استبداد اور نپولینی جنگ کی وجہ سے بہت افراتفری کا دور تھا نتیجے کے طور پر سرمائے کی کمی آڑے آئی اور یہ بیش قیمت تجویزیں، جن کی دستور میں یقین دہانی کی گئی تھی، عمل پذیر نہ ہو سکیں۔ لیکن انیسویں صدی کے ابتدائی چند سال میں ابتدائی تعلیم کا ایک نظام وجود میں آچکا تھا۔ ان اسکولوں میں حاضری لازمی اور جبری تھی۔ ابتدائی اسکولوں کے اخراجات کی تمام تر ذمہ داری میونسپلٹیوں اور مقامی بورڈوں پر تھی۔ اس زمانے میں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کی توسیع واشاعت آزاد اور عوامی پریسوں کے علاوہ سیاسی پارٹیوں کے توسط سے ہوئی جو اپنے ممبروں اور اسی کے ساتھ عوام میں اپنے نصب العین کی اشاعت اور اصول کو مقبول بنانے کی خواہش مند تھیں۔ تقریباً اسی زمانے میں مزدوروں کی انجمنیں بھی اپنے ممبروں کے لیے اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پروگرام شروع کرنے لگی تھیں۔ اسی طرح حب الوطنی اور انسان دوستی

کے نظریں پر مبنی مختلف جماعتیں، سائنس کلب، گویتوں اور کہانی سُنانے والوں کی انجمنیں، موسیقار اور شوقیہ اداکاری کے کلب، نشانہ بازی کے کلب اور ورزشی سوسائٹیاں وغیرہ جگہ جگہ پر قائم ہونے لگیں۔ پھر ملک کے مختلف علاقوں میں قائم ہونے والی ان انجمنوں کا قومی وفاق بننا شروع ہوا یعنی موسیقاروں، نشانہ بازوں اور ورزشی کلبوں کے قومی وفاق وجود میں آئے۔ ان کے سالانہ اجلاس میں کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے گاؤں کے اسکول کی عمارت گرجے کے بعد بستی کی سماجی زندگی کا ایک اہم مرکز بن گئی۔ ہر کنٹن میں ثانوی مدرسے کھلنے لگے اور نئی نئی یونیورسٹیوں کے قیام سے سائنسی علوم اور اعلیٰ تعلیم کی بڑے پیمانے پر توسیع واشاعت ہونے لگی۔

دوسری منزل

۱۸۴۸ء میں جدید سوئیز وفاق کا قیام ہوا۔ اس کے بعد سے اڈلٹ ایجوکیشن کی اہمیت اور قدر و قیمت کافی بڑھ گئی۔ اس وفاق کے قیام سے لوگوں کو سیاسی حقوق اور آزادی ملی، مگر یہ آزادی اور سیاسی حقوق اُسی وقت مفید ہو سکتے تھے جب لوگوں میں ان حقوق سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی خواہش اور صلاحیت موجود ہو۔ ۱۸۴۸ء سے پہلے بہت سے کاموں کی ذمہ داری مقامی بورڈوں پر ڈال دی گئی تھی، اب ان میں سے بہت سے کام مرکزی حکومت نے اپنے ذمے لے لیے۔ سوئز وفاق کے قیام کے بعد کچھ دنوں تک بہت سی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہوئیں۔ یہ پیچیدگیاں عوام کی سمجھ سے باہر تھیں۔ اقتصادی اور ٹکنیکل میدان میں نت نئے مسائل آرہے تھے۔ ان الجھنوں کا انھیں حل تلاش کرنا تھا۔ اقتصادی میدان میں آگے بڑھتے رہنے کے شوق میں لوگوں نے ملک کی تہذیبی قدروں کو آسانی سے بھلا دیا۔ پُرانا سماجی نظام منتشر ہو رہا تھا۔ سائنس اور ٹکنالجی کے میدان میں تحقیق اور مہارت کو رواج ملنے سے قومی اتحاد کو ایک اور خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ ماہرین اور تعلیم یافتہ لوگوں کا طبقہ عوام سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ سوئز جمہوریہ سے اس خطرے کو دور کرنے کے لیے ایک نئے نظام کی داغ بیل ڈالی گئی۔ نئی جماعتیں، نئی انجمنیں اور نئے تہذیبی ادارے جنم لینے لگے۔ ان اداروں نے میونسپل کمیٹیوں، مقامی بورڈوں اور گرجوں کا تعاون حاصل کر کے اپنے ممبروں کے خصوصی مفاد کی نگہداشت اور ملک کی قومی کونسل میں پرزور طریقے پر نمایندگی کی ہے۔ اس تحریک میں اڈلٹ ایجوکیشن کی انجمنیں، اپنے وسیع معنی میں، خاص طور سے بہت نمایاں رہی ہیں۔

سوئیزرلینڈ میں، دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح، عوام میں لکچروں، کتابوں، پمفلٹوں، نمائشوں، سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعلیم پھیلانے کی مختلف سرگرمیوں میں گذشتہ سو سال میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ دوسری سوسائٹیوں کے کام بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ جنھوں نے اپنے میدان کی مخصوص پیشہ ورانہ اور فنی تعلیم کے علاوہ کھیل کود اور سائنسی اور فنی مضامین کے مطالعے اور دوسری سرگرمیوں کے ذریعہ عوام کے لیے جسمانی اور ذہنی سکون اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا ہے۔ ان تمام سرگرمیوں اور مشغلوں سے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ ان سرگرمیوں نے لوگوں کو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کی طرف سے باخبر بنا دیا ہے۔

اور ان میں نئے سماجی تقاضوں کو سمجھنے اور ایک فرد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ سوئیزرلینڈ کی عوامی تعلیم کی یہ تحریک دوسرے ملکوں کی تحریکوں سے کچھ بہت مختلف نہیں ہے لیکن اس کا اپنا ایک الگ انداز ضرور ہے جو اسے دوسرے ملکوں کی تحریکوں سے ممیز بنا دیتا ہے۔ عوامی تعلیم کی اس تحریک کا خمیر یہاں کی مٹی سے اٹھا تھا اس ملک میں یہ تحریک اکثر جگہ انفرادی کوششوں کے نتیجے کے طور پر شروع ہوئی تھی جسے آگے بڑھانے میں ٹریڈ یونینوں، کوآپریٹیو سوسائٹیوں اور دوسری انجمنوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی سرکاری طور پر اڈلٹ ایجوکیشن نہ تو مرکزی وفاقی حکومت کی ذمہ داری تسلیم کی گئی ہے اور نہ مقامی بورڈوں یا میونسپلٹیوں کی۔ لیکن عملاً مقامی بورڈ اور میونسپلٹیاں اڈلٹ ایجوکیشن کے اداروں کو امداد دیتی ہیں جس سے کہ وہ اپنے پروگراموں کو جاری رکھ سکیں اور ان کو ترقی دے سکیں، لیکن یہ امداد عام طور سے ان اداروں کیلئے مخصوص ہوتی ہے جو کسی فرقہ وارانہ جماعت، چرچ یا سیاسی اور اقتصادی انجمن کے زیر اہتمام کام نہیں کرتے ہیں۔

پروگرام کی خصوصیت

سوئیزرلینڈ کا شمار چونکہ ان ملکوں میں ہوتا ہے، جہاں بہت پہلے سے ضلعوں، بستیوں اور محلوں میں مفت پیشہ ورانہ تعلیم کا وسیع پیمانے پر انتظام ہو چکا ہے۔ یہاں نوجوانوں کی تہذیبی ترقی کے بہت مواقع ہیں۔ اس لیے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کے ماتحت ایسے اسکول قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے جہاں ان پڑھ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ سوئیزرلینڈ میں نہ تو ناخواندگی کا مسئلہ ہے اور نہ گندی بستیوں کا جہاں لوگوں کی زندگی میں امید اور حوصلہ پیدا کرکے اور جہالت کی تاریکی سے نکال کر اچھی اور بہتر زندگی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے فلاحی اداروں کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں اسکینڈ نیویا (سویڈن اور ڈنمارک وغیرہ) کی اڈلٹ ایجوکیشن کی اقامتی درسگاہوں کے نمونے پر شاید ہی کوئی درسگاہ ہو۔ جہاں نوجوانوں کو مفید زندگی گذارنے کے لیے چند ماہ ایک ساتھ رہنا سہنا ہوتا ہے۔ سوئیزرلینڈ میں اڈلٹ ایجوکیشن کے وہ ادارے جو بیسویں صدی کے ابتدائی پچاس سال میں قائم ہوئے ہیں ان کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی ہے کہ ان اداروں کو قائم کرنے اور چلانے والے اور ان اداروں کی خدمات سے مستفید ہونے والے لوگ ایک ہی سماجی طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں ان میں نہ تو کوئی کسی سے برتر ہے اور نہ کمتر۔ سب ایک ہی سطح پر ملتے جلتے ہیں۔

فرقہ وارانہ ادارے، سیاسی جماعتیں، ٹریڈ یونینیں، کوآپریٹیو سوسائٹیاں، اقتصادی انجمنیں، سائنسی اور فنی ماہروں کی انجمنیں، علاقائی کمیٹیاں، سماجی اور قومی تنظیمیں، سب کے سب ادارے ایک ہی مقصد کو سامنے رکھ کر قائم ہوئے تھے۔ ان کے پیش نظر صرف یہی مقصد تھا کہ وہ اپنی اپنی جماعت کے ممبروں اور ان دوسرے تمام لوگوں کو، جو ان کے زیر اثر آ چکے ہوں اور ان کی لیڈرشپ کو تسلیم کرتے

ہوں، سماج میں اپنی حیثیت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کی طرف سے باخبر رکھنے میں مدد پہنچائیں۔ ان انجمنوں کے تعلیمی پروگراموں میں شرکت پوری طرح اختیاری رہی ہے۔ ہر آدمی اپنی مرضی سے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ اپنے مسائل کو کس طرح حل کرے اور ان مسائل کی طرف سے کیا رویّہ اختیار کرے جو اس کے گھر کے لوگوں، اس کے چرچ اور کاروبار، اس کی میونسپلٹی اور ضلع اور اس کے صوبے اور ملک کے سامنے وقتاً فوقتاً درپیش ہوتے رہتے ہیں۔

تحریک میں نیا موڑ

ان انجمنوں کے علاوہ، جن کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، کچھ اور بھی ادارے ہیں جن کی سرگرمیاں کسی مخصوص گروپ تک محدود نہیں ہیں۔ ان اداروں کے سامنے پورا ملک ہوتا ہے اور ان کا مقصد تمام مہذب دنیا سے باہمی ربط ضبط پیدا کرنا ہے جس سے کہ سائنس اور فنی میدان میں ہونے والی ترقی اور علمی ورثہ سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ ادارے اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ آج ایسے تمام آدمیوں کو جن میں علم حاصل کرنے کی خواہش موجود ہے، اپنی ذہنی نشو و نما کا پورا پورا موقع ملنا چاہیے۔ علم اور سچائی کی کھوج کرنے والا ہر آدمی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے سامنے علم اور تحقیق کے دروازے کھلے ہوئے ہوں۔ ہر آدمی خواہ سماج میں اس کا کوئی درجہ ہو، وہ کسی بھی عقیدے کا ماننے والا ہو، کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، اقتصادی نقطۂ نظر سے کسی بھی طبقے کا ہو، وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو اور کسی بھی جگہ کا رہنے والا ہو، کسی بھی شخص کو اس کے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان اداروں میں سب سے زیادہ اہم سوئٹزرلینڈ کے "ووک سکوسکولین" ہیں۔ جو بالغوں کے لیے شام کے وقت مفت کلاسیں چلاتے ہیں۔ اس وقت اس طرح کے تقریباً ۱۰۰ اسکول چل رہے ہیں جن میں ۱۰۰ مختلف موضوعات کی کلاسیں چل رہی ہیں۔ ان میں ہر سال پچاس ہزار طالب علم حصّہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر ہرمن ولیمنی ۔ ڈائرکٹر زوریچ انسٹی ٹیوٹ آف اڈلٹ ایجوکیشن

جدید پبلک لائبریری

"پبلک لائبریری جدید جمہوریت کی پیداوار ہے اور جمہوریت کے اس اعتقاد کا عملی مظاہرہ ہے کہ پبلک لائبریری عمل تعلیم کا ایک عمل ہے جو زندگی بھر جاری رہتا ہے۔ پبلک لائبریری ایک اہم اور زندہ سماجی طاقت ہے۔ اس کی پالیسی میں مستعدی اور تعمیر پسندی کا پہلو غالب ہونا چاہیے اور جماعتی زندگی میں اس کا کردار ایک محرک کا ہونا چاہیے۔ اسے لوگوں کو یہ نہیں بتانا ہے کہ وہ کیا سوچیں بلکہ وہ خود فیصلہ کریں کہ انھیں کیا سوچنا ہے۔ لائبریری کا کام اس سلسلے میں ان کی مدد کرنا ہے۔ اور پھر نمائشوں کے ذریعے فہرست کتب کی اشاعت کے ذریعے، بحث و مباحثے کی مجلسوں کے ذریعے، تقریری پروگرام کے ذریعے، فلموں کے ذریعے اور مطالعۂ کتب کے سلسلے میں افراد کی رہنمائی کر کے زندگی اور اس کے ماحول کے مسائل کو روشنی میں لانا چاہیے۔ مطالعہ کا شوق بڑھانا چاہیے اور باہمی تعلقات کے مسلسل اور منظم پروگرام کے ذریعے لائبریری کی خدمات کا پروپیگنڈہ کرنا چاہیے۔

"پبلک لائبریری کو اپنی سرگرمیوں کا رشتہ دوسرے تعلیمی، تہذیبی اور سماجی اداروں کے کاموں سے پیدا کرنا چاہیے۔ مثلاً اسکول، یونیورسٹیاں، عجائب گھر، مزدوروں کی انجمنیں، مطالعے کے حلقے، تعلیم بالغان کے حلقے وغیرہ"

حساب لگا لیجئے

اڈلٹ ایجوکیشن آرگنائزر: (بہت حوصلہ لہجے میں) بھئی اُس دن جب گاؤں میں سنٹر کا افتتاح ہوا تھا تو آپ لوگوں میں بڑا جوش تھا۔ سنٹر میں پورا گاؤں سمٹ کر آگیا تھا مگر آج گنتی کے یہی آپ دو چار لوگ نظر آرہے ہیں!

ایک نوجوان: جناب اُس دن جو شخص افتتاح کرنے آیا تھا وہ لاکھوں آدمیوں پہ بھاری تھا۔ آج آپ تشریف لائے ہیں۔ اور آپ ...... بس حساب لگا لیجئے!

نہ اڈلٹ نہ ایجوکیشن

گاؤں میں اڈلٹ ایجوکیشن سنٹر ابھی نیا نیا کھلا تھا۔ سنٹر کے کارکن میں بڑا جوش تھا۔ ایک دن اس نے گاؤں کے چند با اثر لوگوں کو جمع کر کے کہا "دیکھئے حضرات، کل اخبار لکھنے والے ایک جن سنٹر دیکھنے آئیں گے۔ آپ لوگ تیار رہیں۔"

دوسرے دن کارکن جب اخبار نویس کو لے کر سنٹر پہنچا تو باہر سے بڑا اشور سنائی دے رہا تھا، اور کارکن دل میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ جب وہ اخبار نویس کو لے کر عمارت کے اندر پہنچا تو دیکھتا کیا ہے کہ بیس پچیس لڑکے آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ طرح طرح کے رشتے جتا رہے ہیں۔

اخبار نویس واپس جانے لگا تو کارکن سے پوچھا "کہئے اخبار میں کیا لکھوں۔ آپ مجھے اڈلٹ ایجوکیشن سنٹر دکھانے لائے تھے۔ مگر یہاں تو نہ اڈلٹ تھا نہ ایجوکیشن! ہاں کمیونٹی ضرور تھی اور اُس کا ڈیولپ منٹ بھی!"

ٹام اپنی منگیتر کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ بڑی تیزی سے چلی آرہی ہے مگر سسکتی اور بسورتی ہوئی۔

"کیا ماجرا ہے پیاری!" ٹام نے دریافت حال کیا۔

"ہائے ابا" اس نے سسکتے ہوئے جواب دیا

"کیا ہوا انھیں، کوئی حادثہ تو واقع نہیں ہوا؟" ٹام نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

"وہ دیوالیہ ہو گئے!" منگیتر نے جواب دیا۔

"وہ تو میں جانتا ہی تھا کہ تمھارے ابا ہماری شادی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔" چلو چھٹی ہوئی۔"

ایک نو آموز ڈراما نگار نے اپنا پہلا ڈراما اسٹیج کرنے کے لیے ایک تھیٹر کمپنی سے معاملہ کیا۔ کمپنی کے منیجر نے دیکھا کہ ڈرامے کے ٹکٹ جوں کے توں پڑے ہیں۔ کوئی انھیں خریدنے کے لیے آ ہی نہیں رہا ہے۔ اس نے ڈراما نگار سے کہا "معاف کیجیے گا جناب! ہم آپ کا ڈراما اسٹیج نہیں کر سکیں گے۔ لوگ اسے پسند نہیں کر رہے ہیں!"

ڈراما نگار نے جواب دیا "ڈرامے کو اسٹیج کرنا، نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے، لیکن آپ یہ کیسے کہتے ہیں کہ لوگ اُسے پسند نہیں کر رہے۔ وہ تو ابھی اسے دیکھنے نہیں آئے ہیں!!"

ماں اپنی چار سالہ بچی کو دینیات کا سبق پڑھا رہی تھی۔ اس نے اس سے پوچھا

"اچھا بتاؤ بیٹی، ہمیں کس نے بنایا؟"

"اللہ میاں نے"، بچی نے جواب دیا۔

"اللہ میاں نے کیوں بنایا ہمیں؟" ماں نے دوسرا سوال کیا۔

بچی نے تھوڑی دیر سوچا اور بولی "اس لیے امی، کہ انھیں اکیلے اچھا نہیں لگتا تھا!"

وکیل نے ٹیلیفون پر سنا "جناب میں شہر کے اس علاقے میں جا رہی تھی جہاں ۲۵ میل فی گھنٹے سے زیادہ گاڑی چلانا منع ہے۔ میری گاڑی کی رفتار ذرا تیز تھی، یہی کوئی ۴۰ میل فی گھنٹہ۔ میری گاڑی سڑک کے کنارے ایک چبوترے پر چڑھ گئی اور وہاں ایک کار سے ٹکرا گئی۔ وہاں جو لوگ مجھے گرفتار کرنے آئے اُن سے جھگڑا بھی ہو گیا۔ اب میں بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں!"

وکیل نے جواب دیا "محترمہ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ اس بات پر کوئی آپ کو جیل نہیں بھیج سکتا!"

فون: "بہت خوب! اور میں آپ کو فون کہاں سے کر رہی ہوں!"

گوبر گیس کے ایک عقیدت مند: "بھئی مشکل یہ ہے کہ میری ماتا جی پلانٹ لگانے کے لیے تیار نہیں ہوتیں۔ گوبر گیس کے فائدے

اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتے !"

گوبر گیس آرگنائزر: "چلئے میں اُن کو تیار کرتا ہوں " (گھر پر) "ماتا جی گوبر گیس کا سب سے بڑا فائدہ تو عورتوں ہی کو پہنچے گا "

ماتا جی: "وہ کیسے بیٹا۔ میں بھی تو سُنوں !"

آرگنائزر: " اس سے چولھا بس ایک سکنڈ میں روشن ہو جاتا ہے۔ نہ دھوئیں کی مصیبت نہ پھونک پھانک کا بکھیڑا۔ کھانا بڑے آرام سے تیار ہو جاتا ہے "

ماتا جی: نا بیٹا نا۔ اس گوبر گیس کو اپنے پاس ہی رکھو۔ میں تو گؤ موت سے پکا ہوا کھانا نہ آپ کھاؤں نہ کسی کو کھلاؤں! کیا سمے آگیا ہے بھگوان کہ اب کھانا گؤ موت کے چولھے پر پکانے کو کہتے ہیں۔ چلو ہٹو یہاں سے، میرا جی متلا رہا ہے "

ایک نئے ادیب نے اپنا ایک افسانہ ایک ایڈیٹر کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھ ایک خط میں لکھا " اس افسانے کے تمام کردار فرضی ہیں اور وہ کسی شخص سے چاہے وہ زندہ یا مُردہ، مماثلت نہیں رکھتے "

کچھ عرصے کے بعد افسانہ مع خط کے ادیب کے پاس واپس آگیا۔ خط کے حاشئے پر پنسل سے لکھا تھا " اور یہی اس افسانے کی خامی ہے "

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی

ایک نئی اسکیم

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے اب تک جو تحقیقیں کی تھیں، ان کی حیثیت عارضی اور اتفاقی تھی۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات کی رفتار کے پیش نظر ضرورت ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے اوپر ان تبدیلیوں کے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں، ان کا پوری طرح اور مسلسل مطالعہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایسوسی ایشن کے پاس اس کی اپنی عمارت اور کتب خانہ ہو جانے کا بھی تقاضا ہے کہ ایسوسی ایشن کے ماتحت ریسرچ اور تحقیق کا سلسلہ باقاعدہ شروع کیا جائے۔

ان باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسوسی ایشن نے اپنے یہاں ریسرچ اور تحقیق کا ایک سنٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا نام ہوگا "ترقی پذیر سوسائٹیوں کی تحقیق و مطالعے کا مرکز"۔ اس مرکز کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے:

(الف) سماجی تبدیلی کے جو اثرات طرزِ عمل اور طریقۂ فکر پر پڑ رہے ہیں، ان کی تحقیقات اور اس تحقیقات کی روشنی میں جو معلومات اور اعداد و شمار حاصل ہوں ان کا تجزیہ اور اخذ نتائج۔

(ب) سماجی تبدیلی کے مسائل سے متعلق اس کے مخصوص پہلوؤں کا جن لوگوں نے مخصوص مطالعہ کیا ہے یا کر رہے ہیں، ان کے اجتماعات اور سیمینار منعقد کرنا۔

فی الحال اس مرکز کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی طرف ہوگی:

کام کے راستے:- (۱) اس وقت حکومت ملک میں جو مختلف ضابطے اور نظام قائم کرتی جا رہی ہے، ان سے سوشل ایجوکیشن تیزی سے متاثر ہو رہی ہے۔ حکومت نے سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگراموں میں آگے بڑھ کر پہل کی ہے۔ مقامی قوتوں میں توانائی آئی ہے۔ خلاً ذات برادری اور علاقائی اداروں سے وابستگی اور وفاداری کا جذبہ، اور انتخابی ضابطوں کے اثرات ـــــ ان سب باتوں سے بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کا باقاعدہ

اور احتیاط کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تاکہ اس صورت حال کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے جس کے ماتحت سوشل ایجوکیشن کے رضاکارانہ پروگرام منظم کیے جائیں گے۔ اسی کے ساتھ سرکاری افسروں اور کارکنوں کی تعلیم کا اور ان کے تمام طرز عمل کا تنقیدی مطالعہ اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔

(۴) ترقی کے راستے پر سماج کی تیز رفتاری میں جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں، ان کے اوپر بحثیں تو ہوتی ہیں لیکن ان کا باضابطہ مطالعہ نہیں کیا جاتا۔ اس طرح کا مطالعہ بھی مرکز کے پیش نظر ہے۔

سوشل ایجوکیشن کا خصوصی مقصد : سماجی تبدیلی

وزارت تعلیم کے سنٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن نے سوشل ایجوکیشن کی ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی تھی جس نے اپنی رپورٹ بورڈ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اگرچہ یہ رپورٹ ابھی سنٹرل ایڈوائزری بورڈ کے سامنے زیر غور ہے اور اس نے اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں دیا ہے، تاہم اس کا خلاصہ معلوم ہو گیا ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے :

سوشل ایجوکیشن کا مقصد لوگوں کو سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی کے تغیر پذیر تصورات سے واقف کرا کے ملک میں ایک صحت مند اور پسندیدہ سماجی تبدیلی بروئے کار لانا ہے۔

سوشل ایجوکیشن ایک وسعت پذیر عمل ہے، اس اعتبار سے ہر وہ عمل جو مذکورہ بالا سماجی تبدیلی کو بروئے کار لانے میں مددگار ہوتا ہے، اور جدید زندگی کی بدلی ہوئی صورتِ حالات کا اثر ــــ یہ سب باتیں سوشل ایجوکیشن کے تصور کو قائم کرنے میں شامل ہو سکتی ہیں۔

سوشل ایجوکیشن کی یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ لوگوں میں اپنی ذات سے اور اسی کے ساتھ اپنے ملک کے مستقبل سے عقیدت و محبت کا جذبہ پیدا ہو۔

اس ماتحت کمیٹی کے ممبران حسب ذیل تھے :

۱۔ ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا۔ وائس چانسلر، راجستھان یونیورسٹی۔ چیرمین ۲۔ ڈاکٹر ڈی پی مشرا ۳۔ مسٹر ستیہ چرن ایم پی ۴۔ ڈاکٹر سروجنی مہیشی ایم پی ۵۔ محترمہ اوما دیوی ایم پی ۶۔ محترمہ سوشیلا پائی ۷۔ مسٹر ایس۔ ایل سیلم ۸۔ مسٹر ایچ۔ بھوتیا ۹۔ ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی اور ۱۰ مسٹر اے۔ آر۔ دیش پانڈے۔ سکریٹری۔

14 (9) 63

September 1963.

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ — شمارہ ۹
ستمبر ۱۹۶۳ء

بانی:۔ شفیق الرحمن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:۔
تعلیم و ترقی ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:۔
سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے
فون ۷۴۴۶۴

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

مطلع کچھ صاف ہوا

وزارت تعلیم کے سنٹرل ایڈوائزری بورڈ نے سوشل ایجوکیشن کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی بنائی تھی، اس نے اپنی رپورٹ کا پہلا حصہ بورڈ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی نے اُسے منظور کر لیا ہے۔ رپورٹ کے اس ابتدائی حصے میں کمیٹی نے سوشل ایجوکیشن کے تصور کو واضح کیا ہے اور اس کے پروگراموں کا مختلف عنوانات کے ماتحت ایک خاکہ بھی تجویز کر دیا ہے۔

اس رپورٹ کی نمایاں خصوصیت ــــــ جہاں تک سوشل ایجوکیشن کے تصور کا تعلق ہے ــــ یہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کو اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک جزو تسلیم کیا گیا ہے جس کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس رپورٹ سے پہلے تک سوشل ایجوکیشن کی تعریف کے بارے میں جتنے منہ اتنی باتیں تھیں اور وہ ایک معجون مرکب بن کر رہ گئی تھی۔ اس پریشان خیالی کا نتیجہ یہ تھا کہ سوشل ایجوکیشن کا کام تو کم ہوتا تھا، تعریف و تشریح زیادہ ہوتی تھی۔ اس خیال میں بہر حال سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والے قریب قریب سب لوگ متفق تھے کہ سوشل ایجوکیشن کا دائرۂ عمل اڈلٹ ایجوکیشن سے بھی وسیع ہے یہاں تک کہ خود اڈلٹ ایجوکیشن اس کا ایک جزو اور وہ بھی معمولی جزو ہے۔ ہم نے اب سے دو ڈھائی سال پہلے "تعلیم و ترقی" کے انھی صفحات میں "واپس اڈلٹ ایجوکیشن کو" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا تھا جس کا بنیادی خیال یہی تھا کہ سوشل ایجوکیشن دراصل اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک محدود شکل ہے اور اس کا ایک جزو ہے، لیکن سوشل ایجوکیشن کے مفہوم کو اس قدر گڈ مڈ کر دیا گیا ہے کہ اگر ہم عوام کی تعلیم کا کام اسی نام سے کرتے رہیں گے تو کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا جیسا کہ اب تک نہیں ہوا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اڈلٹ ایجوکیشن کی قدیم اصطلاح ہی کی طرف لوٹ چلیں اس لئے کہ وہ ایک جانی پہچانی چیز ہے اور کسی مزید تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ اس سے اتنا فائدہ تو ہوگا ہی کہ کام کچھ ہو جائے گا خواہ اس کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو، کم سے کم تعریف و تشریح کے اس حوصلہ شکن جھگڑے سے نجات مل جائے گی! خدا کا شکر ہے کہ ہماری یہ کوشش کسی حد تک کامیاب ہوئی اور تحریک کے آسمان پر جو بدلی سی چھائی تھی، جو کھلتی نہ تھی نہ برستی تھی، وہ اب چھٹنی شروع ہوئی

ہے اور مطلع صاف ہونے لگا ہے۔

لیکن جہاں تک اس تعریف و توضیح کی زبان اور اندازِ بیان کا تعلق ہے، وہ بدستور اُلجھا ہوا ہے اور "پتے کی بات" کا آسانی سے سمجھ میں آنا اب بھی مشکل ہے۔ کسی نظریے کی تعریف میں مقالے نہیں لکھے جاتے بلکہ دستور یہ ہے کہ تعریف جس قدر کم الفاظ میں بیان کی جائے اتنا ہی اچھا رہتا ہے۔ رپورٹ کی زبان اور اندازِ بیان سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "سوشل ایجوکیشن سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔ دوسرے الفاظ میں وہی اندازِ بیان جو لیڈروں اور وزیروں کا ہوتا ہے یہ اندازِ بیان عالمانہ اور ماہرانہ نہیں ہوتا۔ علماء اور ماہرین کی کمیٹیوں سے عالمانہ اور ماہرانہ اندازِ بیان کی امید کی جاتی ہے جس کی پابندی وزیروں اور لیڈروں کو بھی کرنی پڑتی ہے۔ اب اگر اسی اندازِ بیان کو جو رپورٹ میں اختیار کیا گیا ہے آخری اور مستند سمجھ لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ دو اور دو چار کے اصول پر کام کرنے والے فیلڈ کے کارکن کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ صرف اتنی سی بات کے فرق سے کہ سوشل ایجوکیشن اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک جزو ہے، اُن کا کام تو نہیں چلے گا۔ یا پھر اسی کے ساتھ ساتھ کمیٹی کو یہ سجھاؤ بھی دینا پڑے گا کہ گاؤں اور شہرا تی بستیوں میں کام کرنے والے بھی اُسی ذہنی معیار کے لوگ ہونے چاہئیں جو کمیٹی کے ممبران کا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس رپورٹ کو تو اسکیم کے بنیادی دستور کی حیثیت دی جائے اور اس کی بنیاد پر ضابطے اور دستور العمل (رکوڈ اور پروسیجر) مرتب کر دیئے جائیں جو نہایت صاف سہل اور ریاضی اور سائنس کی سی زبان میں ہوں۔ اسی طرح رپورٹ میں ضمیمے کے طور پر نہایت عام فہم زبان میں اڈلٹ ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کے تشریحی نوٹ بھی جوڑ دینے چاہئیں تاکہ کارکن کا دماغ ان دونوں جھگڑوں والے تصورات کی طرف سے صاف ہو جائے۔ رپورٹ کے اس حصے میں یہ بات کہیں نظر نہیں آتی کہ سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں اور ضلعے اور بلاک کی سطح کے افسروں کو ان تصورات اور ان کے ضوابطِ عمل سے اچھی طرح واقف اور روشناس کرانے کا بھی کوئی بندوبست ہوگا۔ سوشل ایجوکیشن کی اس تحریک کا یہ سب سے کمزور پہلو ہے اور اب تک اس کے اوپر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ کمیٹی اپنی رپورٹ کے دوسرے حصوں میں ان پہلوؤں پر اپنے خیالات صاف صاف پیش کرے گی اور ان سے متعلق حکومت کو عملی سجھاؤ دے گی۔

نیک ارادہ

حکومت ہند کے نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر نے اپنے اہتمام میں ایک سیمنار منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے جس کا عنوان ہے "سوشل ایجوکیشن میں ریسرچ اور مطبوعات کا مسئلہ" مطبوعات سے مراد نوسکھ بالغوں کا ادب نہیں ہے۔ بلکہ ایسی مطبوعات جو سوشل ایجوکیشن کے فن اور تکنیک سے متعلق ہوں۔ اس سیمنار میں جو ۲۰ سے ۲۵ ستمبر تک جے پور میں منعقد ہوگا۔ ریاستوں کے افسران، ماہرین فن اور چند منتخب غیر سرکاری اداروں کے نمایندے شریک ہوں گے۔ زیر بحث موضوع کے دو حصے کئے گئے ہیں جن میں سے ایک میں سوشل ایجوکیشن کے مسائل کی ریسرچ پر بحث ہوگی۔ اور ایک میں کارکنوں کے لٹریچر پر گفتگو ہوگی جو فن اور تکنیک اور ریسرچ کے نتائج وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں جو ایک مایوسی، بے کیفی اور سست رفتاری کی کیفیت غالب ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ فیلڈ کے کارکنوں کے لئے اپنے پیشے سے متعلق سیلف اسٹڈی کا کوئی سامان نہیں ہے اور نہ اب تک اس طرف کوئی توجہ کی گئی ہے۔ انگریزی زبان میں بلاشبہ کافی لٹریچر موجود ہے لیکن ہمارے فیلڈ کے کارکنوں کا انگریزی کا علم اتنا محدود ہے کہ وہ اس لٹریچر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ کارکن کے اپنی ذاتی سوجھ بوجھ سے کام کرنے کے امکانات سرے سے موجود نہیں ہیں، تاکہ کام کے سلسلے میں نئے نئے تجربات اور ایجادات کے لئے راستہ کھلے اور یہ وہ چیز ہے جو کسی تحریک کی کامیابی کے لئے شرط کا حکم رکھتی ہے۔

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کی تحریک پر یہ پہلا موقع ہوگا کہ تحریک کے رہنما اور کارکن اس نئے موضوع پر غور و بحث کرنے کے لئے مجتمع ہوں گے اور ہمیں امید ہے کہ تحریک کے اس پہلو پر سنجیدگی سے سوچ بچار ہوگا اور کارکنوں کے ادب کی اہمیت عملی طور پر تسلیم کی جائے گی۔

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر نے یہ بڑا نیک قدم اٹھایا ہے جو وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ ہم سنٹر کے اس نیک ارادے پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور ہماری دلی تمنا ہے کہ اس کی یہ دلیرانہ کوشش کامیاب ہو۔

سوشل ایجوکیشن کی نئی تعریف

سنہ ۱۹۶۲ء میں حکومت ہند نے "اسٹینڈنگ کمیٹی آن سوشل ایجوکیشن" کے نام سے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کا منصب یہ تھا کہ وہ ملک کے نئے حالات کی روشنی میں سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کا جائزہ لے اور اسکیم کو زیادہ کارگر اور موثر شکل میں چلانے کے بارے میں اپنی سفارشات پیش کرے۔

اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ کا پہلا حصّہ مرتب کر کے حکومت کو پیش کر دیا ہے۔ رپورٹ کے اس حصّے میں سوشل ایجوکیشن کے تصوّر اور اس تصوّر کے مطابق اس کے پروگراموں سے بحث کی گئی ہے۔ ہم اس رپورٹ کے کچھ اقتباسات انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے مضمون سے اخذ کر کے پیش کر رہے ہیں تاکہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے وہ ساتھی جو انگریزی زبان سے اچھی طرح استفادہ نہیں کر سکتے، تحریک کے اس نئے رُخ سے باخبر ہو سکیں۔ ——— ایڈیٹر

سوشل ایجوکیشن کے مفہوم کی تعریف

"سوشل ایجوکیشن کا منشا، لوگوں کو زندگی کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی دھاروں کے آئے دن بدلتے ہوئے رجحانات سے باخبر کر کے ایک خوشگوار اور پسندیدہ سماجی تبدیلی بروئے کار لانا اور ان کے اندر اپنی ذات اور اپنے ملک کے مستقبل سے لگاؤ اور خوش عقیدگی پیدا کرنا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی ریاست کے معاملات اور قومی ترقی سے متعلق اس کے منصوبوں اور پروگراموں اور سماجی تعمیر نو کے گوناگوں مسائل سے سچّی اور گہری دلچسپی لینے پر آمادہ کرے۔ سوشل ایجوکیشن کا منشا وسیع تر مفہوم میں یہ ہے کہ لوگ ملک اور سماج کے عبوری دور کے تقاضوں اور خطرات کو سمجھیں اور سماج دشمن سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ عوام میں ایسی سمجھ بوجھ

بیدار کی جائے کہ اس کے اثر سے وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ رہ کر پُرمسرت زندگی گذاریں اور سماجی زندگی میں انتشار اور بدنظمی کی کیفیت پیدا کرنے والے عناصر سے لڑنے کے لئے باہم متحد ہوجائیں۔ صحتی تعلیم بھی جس کے زیر اثر لوگ اپنے گھر اور آس پاس کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے عادی ہوجائیں اور زندگی بامعنی اور پُرمسرت ہوجائے، سوشل ایجوکیشن کا ایک اہم جزو ہے۔ قومی زندگی کی ایک ضرورت یہ ہے کہ لوگ اپنی معاشی اور سماجی زندگی کی تنظیم امداد باہمی کے اصولوں پر کریں اور وہ سماجی اور قومی تحفظ کے باب میں اپنی ذمے داریوں کو عملی طور پر محسوس کرنے لگیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ان احساسات کی تربیت کرنا بھی سوشل ایجوکیشن کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔"

آگے چل کر رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ سوشل ایجوکیشن کے پیشِ نظر فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترقی و اصلاح ہونی چاہئے، اس کے حسب ذیل منصب متعین کئے گئے ہیں۔

"سوشل ایجوکیشن کی منزل اس اعتبار سے یہ ہے کہ فرد کو مہارت اور ہُنرمندی کی تعلیم دے کر اور اُسے اُن مشینی ایجادات سے جو سائنس کی ترقی کی بدولت حاصل ہوئی ہیں، روشناس اور واقف کرا کے اس کی زندگی کو ترقی اور سدھار کی راہ پر لگایا جائے۔ سوشل ایجوکیشن فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ صحتی، تہذیبی اور تفریحی سرگرمیوں کے وسیلے سے اور اپنے پسندیدہ مشغلوں (ہابیز) کے روپ میں اپنی تخلیقی امنگوں کو ظاہر کرکے تسکین حاصل کرے۔ اسی طرح سماجی اعتبار سے جس کے ساتھ فرد زندگی گذارتا ہے، سوشل ایجوکیشن کی منزل فرد کو سماج کا ایک مفید رکن بنانا بھی ہے اور یہ اس طرح کہ اُسے اپنی جماعت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ٹولیاں اور گروپ بنانے کی تربیت دی جائے۔

"سوشل ایجوکیشن سماج کو بھی اپنی سماجی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی زندگی سنوارنے کے قابل بناتی ہے تاکہ اس کے اوپر قوم کی طرف سے جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، اُن کو حسن و خوبی کے ساتھ پورا کر سکے اور ان سب کے ساتھ سوشل ایجوکیشن کا ایک منصب رواداری کے جذبے کو فروغ دینا اور بین الاقوامی شعور کی پرورش کرنا بھی ہے تاکہ تمام دنیا کے عوام ایک دوسرے سے مل جل کر امن و سلامتی کی زندگی گذارنے کے قابل بن سکیں۔

"پڑھنے لکھنے کی صلاحیت ترقی کی راہ میں بلاشبہہ بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے خواندگی سوشل ایجوکیشن کا ایک لازمی جزو ہے۔ لیکن پڑھنا لکھنا سکھانے کو الگ سے کوئی کام نہیں سمجھنا چاہئے۔ ناخواندہ لوگوں میں پڑھنا لکھنا

سیکھنے کا شوق اسی حالت میں پیدا ہوتا ہے جب خواندگی اس معیار کی ہو کہ اس سے فرد اور سماج کی زندگی کا کوئی گراں قدر مقصد پورا ہوسکتا ہو اس لیے اچھی زندگی کی تعلیم کو اس وقت تک ملتوی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جب بالغ پورے طور پر خواندہ ہو جائے۔ اس اصول کے پیش نظر خاتمۂ ناخواندگی کی مہموں کو سوشل ایجوکیشن کے ہمہ گیر پروگرام سے الگ رکھ کر نہیں چلانا چاہیئے۔

"اگر سوشل ایجوکیشن کو عوام کے نزدیک کوئی بامعنی اسکیم بنانا ہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب عوام کی زندگی سے اس کا قریب ترین رشتہ ہو۔ اسے اچھی زندگی کی تعلیم ہر اعتبار سے بننا ہوگا ——— یعنی اچھی زندگی بہ اعتبار کام بہ اعتبار آرام، بہ اعتبار تفریح۔

"سوشل ایجوکیشن کا منصب ان لوگوں کے لئے جو مزید تعلیم حاصل کرنا چاہیں، آگے کی اور تسلسلی تعلیم کا انتظام کرنا بھی ہے۔ یہ تعلیم کا عمر بھر کا عمل ہے اس لئے کہ یہ سب کے لئے ہے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ یہ لوگوں کے دلوں میں مختلف مضامین کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش اور امنگ پیدا کرتی ہے اور اس مزید تعلیم کا مقصد صرف یہی قرار نہیں دیتی کہ اس سے پیشوں میں زیادہ سے زیادہ مہارت پیدا ہوگی اور اس سے مادی منفعت حاصل ہوگی بلکہ یہ بھی کہ حصول علم صرف حصولِ علم کی خاطر ہوتا ہے جس سے خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ علم کا منصب یہی نہیں ہے کہ وہ سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان سماجی اور معاشی اختلافات ہی کو کم کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ ذہنی اور تمدنی معیار کی اونچ نیچ کو بھی مٹائے۔

"کسی قوم کی قوت و توانائی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے اچھا پیمانہ اس کے ذہنی وسائل کی کوالٹی اور وسعت ہوا کرتی ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا رُخ اسی منزل کی طرف ہے اور اسی غرض سے اس کی توجہ تمام طبقوں اور آبادی کے حسب امکان بڑے بڑے حصے کو لبرل ایجوکیشن کے فوائد سے زیادہ سے زیادہ جہاں تک ممکن ہو لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ اس اعتبار سے سوشل ایجوکیشن صحیح معنی میں اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک حصہ ہے جس کا میدان بہت زیادہ وسیع ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے ان وسیع میدانوں کی بھی بہت بڑی اہمیت ہے اور ان کے اوپر بھی معقول توجہ دینے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔

"سوشل ایجوکیشن کی نوعیت "رسمی" نہیں "غیر رسمی" تعلیم کی ہے اور وہ بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے مخصوص ہے اس اعتبار سے بھی کہ وہ الگ الگ افراد ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں کے اراکین ہیں، اور ان کا نشانہ بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے ایک خوشحال اور پیداآور زندگی کی ضمانت کرنا ہے۔

• ان تشریحات کے بعد اب سوشل ایجوکیشن کا تصور مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ سوشل ایجوکیشن سے مراد

(الف) وہ تعلیم ہے جس کا منشا اڈلٹ ایجوکیشن کو فروغ دینا ہے۔

(ب) وہ تعلیم ہے جس کا منشا سماج میں ایک خوشگوار اور پسندیدہ تبدیلی بروئے کار لانا ہے۔

(ج) وہ تعلیم ہے جس کا منشا انفرادی، سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی زندگی میں بہتری پیدا کرنا ہے۔

(د) وہ تعلیم ہے جو جماعت (کمیونٹی) کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی ترقی اور نشوونما کا رُخ خود متعین کرے۔

(ہ) وہ تعلیم ہے جس کے فیض سے انسان کے کام میں، آرام میں، اوقات فرصت کے استعمال میں اور تفریح میں خوش سلیقگی اور نفاست پیدا ہوتی ہے۔"

رپورٹ میں سوشل ایجوکیشن کے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کام کے پروگراموں کی ایک مجمل تقسیم بھی کی گئی ہے اور تعلیمی اور تنظیمی سرگرمیوں کی ایک فہرست دی گئی ہے اور انھیں سوشل ایجوکیشن کا پروگرام قرار دیا گیا ہے۔ سوشل ایجوکیشن کی ان سرگرمیوں میں سے رپورٹ کی سفارش کے مطابق صرف وہ سرگرمیاں منتخب کی جانی چاہئیں جو "زیر تعلیم" علاقے کے لوگوں کے حسب حال ہوں اور جن لوگوں کے لئے یہ مخصوص ہوں ان کی ذہنی سطح کے ہم پلہ ہوں۔ ذیل میں پروگرام کی یہ مجمل تقسیم درج کی جاتی ہے جس کے ماتحت ان سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو سوشل ایجوکیشن کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہیں:

(الف) وہ سرگرمیاں جن کا منشا علم سکھانا ہے

ان سرگرمیوں میں حسب ذیل کام شامل ہیں: ناخواندگی اور جہالت کے خلاف جہاد، خواندگی کی مہمیں اور کلاسیں منظم کرنا، چھٹیوں کے زمانے میں رضاکار استادوں اور طالب علموں کی مدد سے سوشل ایجوکیشن کے کیمپ قائم کرنا، صحت و صفائی اور شہریت کے مسائل پر بحث مباحثے کے حلقے (گروپ ڈسکشن) منعقد کرنا اور پڑھنے لکھنے سے متعلق مختلف قسم کے مشقی پروگرام چلانا تاکہ ناخواندگی اور جہالت کی پھر نوبت نہ آنے پائے۔ ان مشقی پروگراموں کا میدان بہت وسیع ہے، مثلاً نوسکھ بالغوں کے ادب کی تالیف و اشاعت، دیواری اخبار اور نوسکھ بالغوں کے حسب حال اخبار

اور رسالے کی ترتیب و اشاعت، نوشت و خواند کے کلب بنانا، دیہی گشتی کتب خانے کے یونٹ، ریڈنگ روم عوام کے سننے کے لئے ریڈیو سیٹ وغیرہ کا بندوبست کرنا، دکھا سنا کر تعلیم دینے کے ذرائع اور آلات کا استعمال جیسے فلم، فلم اسٹرپ، میجک لالٹین، پوسٹر اور گشتی نمائشیں وغیرہ۔ ایسی مہمیں اور تدبیریں بھی کام میں لائی جانی چاہئیں جن سے لوگوں کو زراعت، گھریلو صنعتوں، گھر چلانے کے فن اور مکان کی تعمیر میں کمال حاصل کرنے اور نئے نئے ترقی یافتہ طریقے اپنانے کا شوق اور حوصلہ پیدا ہو۔

ب۔ وہ سرگرمیاں جن کا منشا سماجی تبدیلی بروئے کار لانا ہے

ان سرگرمیوں میں لیکچر، تقریریں اور تبادلۂ خیال کے حلقے منعقد کرنا شامل ہے۔ یہ لیکچر، تقریریں اور حلقے حسب ذیل قسم کے موضوعات اور عنوانات پر ہو سکتے ہیں:

(۱) وہ تبدیلیاں جو دنیا میں آ چکی ہیں اور آتی جا رہی ہیں اور وہ خوشگوار اور پسندیدہ سماجی تبدیلیاں جو ترقی اور خوشحالی کے لئے ہندوستان میں بروئے کار لانی ہیں۔

(۲) وہ تبدیلیاں جو مشینی تہذیب کی پیداوار ہیں، سائنس کا فروغ، سائنسی ایجادات، ذات پات، خاندان اور فیملی پلاننگ سے متعلق نئے اور بدلے ہوئے حالات اور تقاضے وغیرہ۔

ج۔ وہ سرگرمیاں جن کا منشاء لوگوں کو اجتماعیت کا خوگر بنانا ہے

ان سرگرمیوں کا مقصد لوگوں کو جماعتیں اور گروپ بنانے کی تعلیم دینا ہے تاکہ جماعت میں جو اچھے کام شروع ہو چکے ہوں وہ باقاعدہ ادارے کی شکل اختیار کر لیں اور جماعت کے رگ و پے میں پیوست ہو کر زبردست اجتماعی قوت کا کام دینے لگیں۔ اس مقصد کے ماتحت لوگوں کو حوصلہ دلانا اور اس کام میں ان کی مدد کرنا چاہئے کہ وہ سماجی آسائشیں حاصل کرنے کے لیے اپنی بستی میں بستی کا کمیونٹی سنٹر قائم کریں۔ نوجوان اپنی نوجوان برادریاں بنائیں، بچے اپنے بچوں کے کلب قائم کریں، عورتیں مہیلا منڈل منظم کریں، کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جائیں اور دیہی حفاظتی دستے ترتیب دئے جائیں۔

د۔ وہ سرگرمیاں جو تفریح اور تہذیبی پروگراموں سے متعلق ہیں

ان سرگرمیوں کا منشا یہ ہے کہ لوگ اپنے لئے صحت مند تفریح اور تہذیبی پروگرام کا اپنے آپ انتظام کرنے کی غرض سے

اپنی تنظیمیں بنائیں۔ ان سرگرمیوں میں حسب ذیل مشاغل شامل ہیں: جسمانی صحت کو بہتر بنانے کے لئے کھیل کود کے پروگرام اور اس مقصد کے لیے جمنازیم کا قیام، ڈراما کلب، اور سموہ گان، لیکچر ڈبیٹ، نظم خوانی وغیرہ کے گروپ بنانا جن میں وقتاً فوقتاً شعر و ادب کے مشاہیر کے کلام سننے کے موقعے نکالے جائیں۔ اس سلسلے میں مخصوص کوشش اس بات کی ہونی چاہئے کہ تفریحی و تہذیبی مشاغل کے روایتی طریقوں اور شکلوں کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ قائم رہیں جیسے لوک کلا ہے، لوک ناٹک ہے، لوک گیت ہیں اور لوک ناچ ہیں۔ اسی طرح بہت سے روایتی تہوار اور میلے ٹھیلے ہیں جنھیں پھر سے اس طرح زندہ کرنا چاہئے کہ اُن کی تنظیم میں ترتیب و سلیقے کا حُسن پیدا ہو جائے۔ سرگرمیوں کی اس فہرست میں نمائشوں کا انعقاد اور تہذیبی مشغلے (ہابیز) بھی شامل ہیں جن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

ط۔ وہ سرگرمیاں جو پسماندہ طبقات سے مخصوص ہیں

ہندوستان میں اس وقت بھی بعض پسماندہ طبقے موجود ہیں اور بعض جماعتوں میں رسماً عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق اور مواقع حاصل نہیں ہیں۔ ان طبقوں کی عورتوں کو اس سماجی بدحالی سے نجات دلانے اور ان کی اصلاح کے لئے جم کر کوشش کی جانی چاہئے۔ اس مقصد کے لئے سوشل ایجوکیشن کی سرگرمیاں مختلف علاقوں میں مختلف ہوں گی۔ ان علاقوں میں کوئی سرگرمی منظم کرنے سے پہلے پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ یہ دیکھنے کی ضرورت ہوگی کہ جس طبقے میں کام کرنا ہے اس کی ترقی کے راستے میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں اور کن مخصوص مسائل سے وہ دوچار ہیں۔

ی۔ وہ سرگرمیاں جو قبائلی لوگوں کے لئے مخصوص ہیں

ہندوستان میں بہت سی قبائلی بستیاں ہیں جو بالعموم پہاڑی علاقوں میں واقع ہیں۔ ان قبائلی لوگوں کی مختلف سطح اور معیار کی تہذیبیں ہیں اور ان کی زندگی طرح طرح کے قبائلی رسوم اور توہمات کی پابند ہے۔ سوشل ایجوکیشن کو ان قبائلی لوگوں کے حسب حال ایسی سرگرمیاں منظم کرنا چاہئے جن کے فیض سے وہ عام ہندوستانیوں کی سطح پر آجائیں جو ان کے آس پاس کے علاقوں میں رہتے ہیں۔

ک۔ وہ سرگرمیاں جن کا منشا لوگوں کو آگے کی اور تسلسلی تعلیم بہم پہنچانا ہے

یہ وہ کام ہیں جو اڈلٹ اسکولوں، شبینہ کالجوں، یونیورسٹیوں کے اڈلٹ ایجوکیشن کے شعبوں اور پبلک لائبریریوں کے کرنے کے ہیں اور ان کا تعلق نئے پڑھنے والوں کے لئے ادب کی تالیف و اشاعت اور پریس، فلم، ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے اطلاعات عامہ (ماس کمیونیکیشن) کے ذرائع سے ہے۔　　　(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

بالغوں کو تعلیم پر آمادہ کرنے کی شکلیں

۱۔ سماجی پہلو

"بالغوں کو پڑھنے کے لئے کیسے تیار کریں؟" کے عنوان سے گذشتہ مہینے، پڑھنے کی ترغیب دلانے کے سلسلے میں تمہید کے طور پر اس سوال پر بحث کی گئی تھی کہ انسان اپنے کسی بھی عمل کے لئے کیوں اور کس حالت میں آمادہ ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون اُسی سلسلے کی دوسری قسط ہے جس میں بالغوں کو تعلیم پر آمادہ کرنے کی مختلف شکلوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

——— ایڈیٹر

عمل کے محرکات میں شوق کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ مگر شوق خود خارج کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خارج کے یہ اثرات بعض اوقات اتنے قوی ہوتے ہیں کہ انسان کو ایک چیز کی ضرورت نہ بھی ہو پھر بھی وہ اسے حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے ماتحت بالغوں کو اپنی تعلیم پر اُبھارنے کے لیے پہلے اس کے سماج میں تعلیم کے شوق کا بیج بونا چاہیے۔ تعلیم اور تعلیم یافتہ معلّم کے باب میں ان پڑھ بالغوں کا طرزِ عمل بڑا دل شکن ہوتا ہے۔ وہ چونکہ تعلیم یافتہ طبقے کے ہاتھوں اتنا ستایا جا چکا ہے، اتنے دھوکے کھا چکا ہے کہ نہ صرف تعلیم یافتہ لوگوں سے ڈرتا اور اُن سے دور دور رہتا ہے بلکہ خود تعلیم کو اپنے لئے ایک جال سمجھتا ہے جو تعلیم یافتہ لوگ اُسے پھنسانے کے لیے بچھا رہے ہیں۔ اس طرزِ عمل کے ماحول میں کسی معلّم کا ایک فردِ واحد کو اپنے مخلصانہ جذبے کا یقین دلانا اتنا آسان نہیں ہوگا جتنا جماعت کے اندر آسان ہو سکتا ہے۔ مرگ انبوہ جشنے دارد کی مثل

جتنی اَن پڑھ بالغوں خصوصاً دیہاتی بالغوں کے اوپر صادق آتی ہے اتنی دوسرے کسی طبقے پر نہیں آتی۔ گاؤں کا آدمی ایک بات کو شبہے کی نظر سے دیکھنے کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ گاؤں کے دوسرے لوگ اس کے لئے تیار ہیں تو وہ بھی یہ کہتا ہوا کہ "چلو جو سب کا حال ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا!" اس کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

مختلف طریقے

۱۔ یونیسکو کے سجھاؤ

ڈاکٹر ولیم ایس گرے ملے اپنی کتاب "دی ٹیچنگ آف ریڈنگ اینڈ رائٹنگ" میں جماعت کو پڑھنا لکھنا سیکھنے پر آمادہ کرنے کے مختلف طریقے لکھے ہیں جنھیں ہم کسی قدر انحراف و اضافے کے ساتھ نیچے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ پڑھنے کے لئے نام لکھوانے کی مہم

مقررہ بستی میں نہایت دھوم دھام کے ساتھ ایک مہم منظم کی جاتی ہے جس میں خواندگی کی کلاسوں کے لیے پڑھنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اس مہم میں بڑی تعداد میں پوسٹر لگائے جاتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں، جلسے کئے جاتے ہیں۔ خواندگی کے فوائد اور اَن پڑھ بالغوں کے پڑھ سکنے کی صلاحیت جتلانے کے لیے طرح طرح کے مظاہرے کئے جاتے ہیں۔ اس طرح جب لوگوں میں جوش و خروش بڑھ جاتا ہے تب لوگوں کو نام لکھوانے کی دعوت دی جاتی ہے۔

اِس طریقۂ کار کے اگرچہ بڑے اچھے نتائج نکلے ہیں لیکن پھر بھی دیکھا گیا ہے کہ پہلے پہل تو لوگ جوش میں آکر نام لکھوا دیتے ہیں اور دو چار روز کلاس میں بھی آتے ہیں لیکن بعد کو غیر حاضریاں ہونے لگتی ہیں اور ایک ایک کرکے تعداد گھٹنے لگتی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہے کہ کلاسوں کے لیے لوگ جو نام لکھواتے ہیں، وہ وقتی جوش و ہنگامہ کے زیر اثر ہوتا ہے، اس بنا پر نہیں ہوتا کہ نام لکھوانے والوں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے سے دلچسپی تھی۔

۲۔ پڑھے لکھوں کو پڑھتے دیکھ کر شوق دلانے کا طریقہ

جن بستیوں میں پڑھنے لکھنے کا چرچا بہت کم ہوتا ہے، وہاں یہ کیا جاتا ہے کہ جگہ جگہ موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے سائن بورڈ لگائے جاتے ہیں، اور ان پر لکھی ہوئی عبارت کا مطلب سمجھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جیسے "خطرہ ہے: ہوشیار" مطلب سمجھانے کا اہتمام خود بخود ہو جاتا ہے۔ بستی میں دو چار آدمی تو پڑھے لکھے ہوتے ہی ہیں، وہ ان

سائن بورڈوں کو دیکھ کر انھیں پڑھنے کے لیے ٹھٹک جاتے ہیں۔ اُن کے اس عمل کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بے پڑھے بالغ اُن سے پوچھتے ہیں کہ "بھیا کیا لکھا ہے"! یہ پڑھے لکھے لوگ چونکہ پہلے ہی سے تیار کرلئے جاتے ہیں اس لئے اپنے اپنے طور پر پوچھنے والے سے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ وہ خود بھی پڑھنا لکھنا سیکھنے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔

سائن بورڈ کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزانہ یا دوسرے یا تیسرے بستی کی مرکزی جگہ یا کسی عام گذرگاہ پر دور سے نظر آنے کے قابل ایک خبرنامہ لگا دیا جائے جس میں بستی سے تعلق رکھنے والی اہم خبریں لکھی ہوں۔ اب بستی کے پڑھے لکھے لوگ اس خبرنامے کے ارد گرد جمع ہو جائیں اور اس میں لکھی ہوئی باتوں پر بات چیت شروع کریں، جو لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے، انھیں بھی اس بات چیت میں شریک کیا جائے۔ اس ترکیب سے یہ ہوگا کہ ان پڑھ بالغ بھی کم سے کم یہ سوچنے لگیں گے کہ "کاش ہم بھی پڑھے لکھے ہوتے"! اس موقعے پر ان کو یقین دلایا جائے کہ وہ اب بھی پڑھے لکھے بن سکتے ہیں۔

۳۔ ایسے موقعے پیدا کرنا کہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت کا احساس ہو جائے

اس طریقے کا تجربہ اور استعمال فنڈامنٹل ایجوکیشن کے منصوبوں میں کام کرنے والے کارکن کرتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جس بستی میں لوگوں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے پر آمادہ کرنا ہو، اس میں کچھ ایسے حالات پیدا کر دئے جائیں کہ لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ "یہ حالات تو ایسے ہیں کہ تعلیم کے بغیر ان میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اور پھر اس مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کے اندر خواندگی کی مہم شروع کی جائے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض علاقوں میں جس وقت لوگوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر وہ کتابیں پڑھنے کے قابل ہو جائیں تو ان کی فصلیں اچھی ہو سکتی ہیں، مرغی خانوں سے زیادہ منافع ہو سکتا ہے، منڈی میں دوسرے تاجروں سے اچھی طرح مقابلہ ہو سکتا ہے، اس وقت ان کے اندر پڑھنے لکھنے کا شوق اپنے آپ پیدا ہوا اور خواندگی کی مہموں کے پر لگ گئے۔

۴۔ اس بات پر زور کہ پڑھائی لطف و مسرت کا ذریعہ ہے

بعض بستیوں میں خواندگی کی مہم کی بنیاد اس بات کو بنایا گیا ہے کہ پڑھائی حصولِ مسرت کا ذریعہ ہے۔ اس بات کو بنیاد مان کر خواندگی کی مہم کی تنظیم اس طرح کی جاتی ہے کہ کہانیاں اور افسانے، داستانیں اور جنگ نامے اور مذہبی کتابیں پڑھنے کی مجلسیں دھوم دھام سے منعقد کی جاتی ہیں اور جو لوگ پڑھنا نہیں جانتے ان کو

ان مجلسوں میں بطورِ خاص مدعو کیا جاتا ہے۔ کتاب پڑھنے والا بیچ بیچ میں رُک جاتا ہے اور حاضرین سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ پڑھا گیا ہے، اس کے اوپر کچھ بات چیت ہو جائے۔

اس طرح کی مجلسوں کے کئی سلسلے منعقد کئے جاتے ہیں۔ چند مجلسوں میں شرکت کے بعد ناخواندہ لوگوں کو محسوس ہو جاتا ہے کہ اگر وہ پڑھ لکھ سکتے تو اس سے انھیں کس قدر مسرّت اور سکون حاصل ہوتا۔ اس احساس کو بھانپ کر خواندگی کی مہم چلانے والے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو لوگ شوق ظاہر کرتے ہیں، ان کی خواندگی کی کلاس شروع کر دی جاتی ہے۔ اور پھر جب ایک سلسلہ کامیاب ہو گیا تو یہ شوق دوسروں کے دل میں بھی پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے۔

۲۔ وزارتِ تعلیم کے سجھاؤ

حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم نے "ٹیچنگ اڈلٹس ٹو ریڈ اینڈ رائٹ" کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے اس کتابچے کے مصنف مشتاق احمد صاحب نے بستی میں خواندگی کی مہم کا ماحول پیدا کرنے کے دس نکات بتائے ہیں جو اس سلسلے میں بڑے کارآمد ہیں اور خواندگی کے مصنفین اور ماہرین نے مختلف موقعوں پر اپنے اپنے جو نظریے پیش کئے ہیں، ان سب کا نچوڑ ان نکات میں آ گیا ہے۔ ہم فاضل مصنف اور وزارتِ تعلیم کے شکریے کے ساتھ ان نکات کو جوں کا توں نیچے درج کر رہے ہیں:

۱۔ جس بستی میں آپ خواندگی کی کلاس شروع کرنا چاہتے ہوں، اس میں، اگر وہ دیہاتی بستی ہے، آپ کلاس شروع کرنے سے پہلے کم سے کم سات راتیں گذاریے۔

۲۔ اپنے زمانۂ قیام میں بستی سے ربط ضبط پیدا کرنے اور اس کی خاص خاص باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے گھل مل کر باتیں کیجئے۔

۳۔ اپنے ساتھ رنگین، عمدہ چھپی ہوئی اور باتصویر کتابیں، رسالے اور اخبارات لیتے جائیے اور جس کمرے میں آپ کا قیام ہو، اس میں ان کی سلیقے سے نمائش کیجئے۔ پھر موقع دیکھ کر جب کچھ لوگ کمرے میں یا اس کے آس پاس تاک جھانک کر رہے ہوں کوئی خوبصورت کتاب یا رسالہ یا اخبار اٹھا لیجئے اور لوگوں کو کچھ منتخب حصے یا خبریں پڑھ کر سنا دیجئے۔

۴۔ لوگوں کے خطوط پڑھ اور لکھ دیا کیجئے اور منی آرڈر فارم بھر دیا کیجئے۔

۵۔ گاؤں کے پٹواری سے گاؤں کے نقشے کی ایک نقل حاصل کر لیجئے اور جو لوگ دلچسپی دکھائیں، اُن سے ان کے کھیتوں کی کیفیت پر بات چیت کیجئے۔

۶۔ اپنے زمانۂ قیام میں کم سے کم ایک مرتبہ کوئی تہذیبی پروگرام رناچ گانا، ناٹک سوانگ) منعقد کیجئے۔

۷۔ اسکول جانے والے بچوں کی ان کی پڑھائی لکھائی میں مدد کر دیا کیجئے اور کبھی کبھار ان کے سرپرستوں پر یہ بات ظاہر کیجئے کہ اگر وہ چاہیں تو خود بھی اپنے بچوں کی اس طرح کی مدد کر سکتے ہیں۔

۸۔ وزارت اطلاعات و نشریات نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کی مختلف سرگرمیوں اور ہندوستانی زندگی کے بعض پہلوؤں سے متعلق بڑے اچھے اور خوبصورت پوسٹر شائع کئے ہیں۔ ان میں سے چند اچھے اور خوبصورت پوسٹر اپنے کمرے میں آویزاں کر لیجئے۔ ان پوسٹروں کے عنوانات اور عبارت کی زبان ذرا سخت ہے اور عام طور پر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ ان عنوانات اور عبارتوں کو گاؤں کی آسان اور بول چال کی زبان میں تبدیل کر دیجئے اور ان کے بارے میں لوگوں سے بات چیت کیجئے۔

۹۔ پڑھنے لکھنے کی ترغیب دلانے کا ایک آسان نسخہ دیواروں کے اوپر لکھنا ہے۔ گاؤں کے مندر، مسجد، اسکول، پنچایت گھر وغیرہ کے دروازوں چھوٹے چھوٹے نوٹس بورڈ لگا دیجئے اور اُن کے اوپر آسان زبان میں کچھ موثر مگر مختصر عبارتیں لکھ دیا کیجئے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو یہ عبارتیں "پڑھانے" کا اہتمام کریں۔ آپ بس انھیں وہاں لگا رہنے دیجئے۔ یہ عبارتیں خود لوگوں میں اشتیاق اور جستجو کا جذبہ پیدا کریں گی اور گاؤں کے طلباء انھیں آپ کی مدد کے بغیر آسانی سے پڑھ لیں گے۔

۱۰۔ جب آپ دیکھ لیں کہ چند ناخواندہ لوگ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں تو آپ اُن سے خواندگی کے فوائد کے بارے میں بات چیت شروع کیجئے۔ جس وقت آپ یہ باتیں کر رہے ہوں اُس وقت صبر سے کام لیجئے۔ ان کے اشتیاق سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ اب وہ خواندگی کی گولی آسانی سے حلق کے نیچے اُتار لیں گے اور آپ کا کام اُس گولی کو فوراً کے فوراً ان کے منہ میں ڈال دینا ہے۔ لوگوں کو موقع دیجئے اور حوصلہ دلائیے کہ وہ آپ سے کھل کر باتیں اور سوال و جواب کریں۔ آپ خود ہی بولتے اور سب باتیں بتاتے رہیں گے تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لوگوں کو موقع دیجئے کہ وہ خود ہی خواندگی کے فوائد بتائیں اور ان کے بارے میں باتیں کریں۔ سب نہیں تو اُن میں سے چند ضرور بولیں اور باتیں کریں گے۔

۳۔ خاتمۂ ناخواندگی کا اصول: ادارہ تعلیم و ترقی کا سجھاؤ

خاتمۂ ناخواندگی کا اصول لٹریسی کے میدان میں ایک بالکل مختلف نقطۂ نظر کی نمایندگی کرتا ہے ——— جو

شفیق صاحب مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے کہ

"لٹریسی کا کام بالعموم پھیلاؤ کے (EXTENSIVE) طریقے پر کیا جاتا ہے اس لیے باوجود اس کے کہ ہزاروں لاکھوں، ان پڑھ بالغ لٹریٹ بنا دیئے گئے ہیں لیکن پھر بھی چونکہ نتائج منتشر ہیں، مرکز نہیں ہیں، اس لیے لٹریسی کی تحریک میں اب تک کوئی قوت اور حرکت نہیں پیدا ہو سکی، اور تحریک میں جمود کی کیفیت جوں کی توں قائم ہے۔

"اس لئے لٹریسی کی مہم منصوبہ بندی اور اہتمام کے ساتھ شروع کی جانی چاہیئے، اس مقصد کو سامنے رکھ کر کہ ایک مقررہ علاقے کی آبادی میں ہر بالغ کو ایک مقررہ مدت کے اندر لٹریٹ بنا دیا جائے گا۔ یعنی COMPLETE ERADICATION OF ILLITERACY

اگرچہ یہ اصول ایک الگ طریقۂ فکر، ایک مستقل پالیسی کا درجہ رکھتا ہے جس کا تعلق نیشنل پالیسی سے ہے۔ لیکن پھر بھی جہاں تک خواندگی کے نئے سماج میں ایک ماحول پیدا کرنے کا تعلق ہے، اس اصول کی تفصیلات سے کام کرنے والے کو بہت مدد مل سکتی ہے۔

یہ اصول پہلے پہل ادارہ تعلیم و ترقی کے بانی اور ڈائرکٹر شفیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں پیش کیا تھا۔ پھر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے عہدہ داروں اور کارکنوں کے سامنے اسے پیش کیا جنھوں نے اسے اپنے پہلے نیشنل سیمنار کا (جو ۱۹۵۳ء میں جبل پور میں منعقد ہوا تھا) موضوع بحث قرار دیا۔ اور شفیق صاحب کے اشارات کی بنیاد پر سیمنار کا ورکنگ پیپر مرتب کیا۔ سیمنار کی پوری کارروائی شفیق صاحب کی رہنمائی میں ہوئی جس کے بعد سیمنار کی سفارشات کو ایک رپورٹ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ یہ سفارشات ایک طرح سے شفیق صاحب کے مذکورہ بالا اشارات کی تفصیلات ہیں۔ رپورٹ انگریزی میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی طرف سے کتابی شکل میں چھپ چکی ہے۔ اس کا مطالعہ لٹریسی کی مہم میں کام کرنے والے کارکنوں کے لئے بہت مفید رہے گا۔ ہم نیچے شفیق صاحب کے اشارات اور انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی رپورٹ سے اس باب کے حسب حال جستہ جستہ اقتباسات درج کر رہے ہیں:

شفیق صاحب کے اشارات

(مہم شروع کرنے سے پہلے)

(جس علاقے میں خاتمۂ ناخواندگی کی مہم شروع کرنی ہو) اس میں زمین ہموار کرنے کے لئے کچھ سوشل ایجوکیشن کا کام

اور تیاری لٹریسی کی مہم سے پہلے شروع کرنی ہوگی مثلاً

(۱) وسائل کو ملحوظ رکھ کر لٹریسی کی مہم کے لئے علاقے کی حدبندی

(۲) اس علاقے میں بچوں کے لئے لازمی جبری تعلیم کا انتظام (یہ انتظام اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کے بالغ ہوجانے پر ان پڑھ بالغوں کی تعداد پھر جوں کی توں نہ ہوجائے)

(۳) علاقے میں کسی مرکزی جگہ پر سوشل ایجوکیشن سنٹر کا قیام

(۴) علاقے کا ایک تعلیمی جائزہ

(۵) لٹریسی کی مہم کے لئے کارکنوں اور رضاکاروں کا انتظام

(۶) ضروری سامان تعلیم کا انتظام

(۷) سازگار فضا کی تیاری

(۲ - لٹریسی کی مہم کی ابتداء)

(۱) اگر وسائل کافی ہوں تو تو پورے علاقے کی پوری بالغ اِل لٹریٹ آبادی کی جماعت بندی ایک ساتھ کی جائے (فی جماعت ۲۵ طلبا کے حساب سے) ورنہ وسائل کے مطابق پہلے بستی کے ایک حصہ آبادی کو لیا جائے اور پھر دوسرے حصے کو۔

(۲) چھپے ہوئے اسباق روزانہ طلبا کو تقسیم کئے جائیں اور انہی اسباق کے پوسٹر گلی کوچے میں لگائے جائیں۔ اور بچوں کو بھی اسباق روز تقسیم کئے جائیں تاکہ وہ اپنے گھروں پر اس کا چرچا کریں۔

(۳) لٹریسی کی مہم کے زمانے میں سوشل ایجوکیشن کا عام پروگرام سنٹر کے ذریعے جاری رکھا جائے بالخصوص پڑھا اخبار، سوشل ایجوکیشن کے کارواں کا گشت، تفریحی پروگرام وغیرہ۔

(۴) لٹریسی کی مہم کی مدت کے ختم پر ایک مطبوعہ سند مرکز کی طرف سے لٹریٹ کو دی جائے اور لٹریٹ کی طرف سے ایک دستخطی سند بطور نشان مرکز کے لیے حاصل کی جائے۔

(۵) "اس گھر میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس گلی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" "اس بستی میں اب کوئی ان پڑھ نہیں رہا" یہ مطبوعہ اعلان ہر گھر اور ہر گلی میں لگایا جائے اور بستی کے متعلق یہ اعلان اخبارات میں کیا جائے۔ چاروں طرف ڈھنڈورا پیٹا جائے۔

یونیورسٹی ایکسٹنشن

(۲)

اس مضمون کی پہلی قسط میں اس موضوع پر بحث کی گئی تھی کہ یونیورسٹیاں اڈلٹ ایجوکیشن کو اپنے کام کا ایک جزو کیوں تسلیم کریں۔ اس سلسلے میں مغربی علمار کے بیانات کی روشنی میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ یونیورسٹی اپنے ہم عصر سماج کے تقاضوں سے بے خبر ہو کر کام نہیں کر سکتی بلکہ اُسے علوم کا زندہ ادارہ کہلوانے کا اسی وقت حق پہنچتا ہے جب اپنے عالمانہ رنگ کو قائم رکھتے ہوئے وہ سماج کی نبض پر مستقل طور پر ہاتھ رکھے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آمادہ رہے۔

زیرِ نظر قسط میں انھی ممالک کی یونیورسٹیوں کے کام کی روشنی میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک موٹا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

——ایڈیٹر

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے چار پہلو

دو ڈھائی سال ہوئے ۱۹۶۱ء میں نیویارک میں دنیا کے مختلف ملکوں کی یونیورسٹیوں کے نمایندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا جو کام ہو رہا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے اور آیندہ کے لئے کام کا ایک نقشہ تجویز کیا جائے۔ کانفرنس کے انعقاد سے پہلے نمایندوں سے یہ فرمائش کی گئی تھی کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کی یونیورسٹیوں کے کام کی رپورٹیں مرتب کر لیں تاکہ ان سے یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی یونیورسٹیوں میں کیا کام ہو رہا ہے۔

رپورٹ کا پلان یہ تجویز کیا گیا تھا کہ کام کو چار پہلوؤں میں تقسیم کر کے ان کے ماتحت کام کی تفصیل لکھی جائے۔

کام کے چار پہلو یہ تجویز کئے گئے تھے:

۱۔ معاشی تیاری۔ تعلیم کے اس پہلو سے مراد ایسے کورس ہیں جن میں شریک ہو کر طالب علم اپنی زندگی کے معاشی پہلو کو زیادہ مستحکم بنا سکتا ہے۔

۲۔ پیشہ ورانہ تعلیم۔ ایسے کورس ہیں جن کا منشاء طالب علم کی پیشہ ورانہ مہارت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ قومی ذمّے داری۔ ایسے کورس جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی سیرت میں اُن امور کے بارے میں جن کا قومی وقار و تہذیب سے تعلق ہے، ذمّہ داری کا احساس بیدار ہو۔

۴۔ علوم عالیہ (لبرل ایجوکیشن)۔ ایسے کورس جن کے ماتحت بالغ طلباء کو لبرل ایجوکیشن کے مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے۔" اور جن کا منشا اگرچہ کہیں کہیں کورس کی تکمیل پہ یونیورسٹی کی سند دینا بھی ہے، لیکن بیشتر طالب علم کی زندگی میں نفاست اور لطف و مسرت پیدا کرنا ہوتا ہے جو بالواسطہ طور پر قومی زندگی میں استحکام و استواری کا باعث بنتا ہے۔

کانفرنس میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے پہلوؤں کے باب میں جو بحث ہوئی، اس کے نتیجے کے طور پر یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے چار حسب ذیل پہلو قرار پائے۔

ا۔ ٹکنیکل پروفیشنل اور ووکیشنل ایجوکیشن: اس سے مراد ایک تسلسل ٹکنیکل اور صنعتی تعلیم ہے۔ اس کا مقصد بالغ کو اس کی زندگی کے پورے وقت تک جب کہ وہ کام کے قابل رہتا ہے، صنعت اور پیشے کے نئے نئے گروں اور خیالات کی تعلیم دینا جس سے کام لے کر وہ اپنے پیشے کو، خواہ وہ مزدور کا پیشہ ہو، کاشت کاری کا پیشہ ہو یا کوئی اور پیشہ ہو، زیادہ کارآمد اور نفع خیز بنا سکے۔ یہ تسلسلی تعلیم خاص طور پر علم الادویہ (میڈیسن) قانون، انجنیئری وغیرہ میں اور دوسری طرف صنعتی میدان میں مستریوں، مزدوروں اور کسانوں کو دی جاتی ہے۔

۲۔ شہریت، حکومت اور قومی ذمّے داری کی تعلیم: طبیعی اور سماجی علوم کی تسلسلی تعلیم جو مختلف نئی نئی تحقیقوں اور نئے تصورات و نظریات سے متعلق ہے۔ اور شہری، قومی اور بین الاقوامی معاملات کے اہم اور فیصلہ کن موضوعات اور مسائل کی

تعلیم جو بالغ کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ اس سے اُسے اپنی شخصی، جماعتی اور قومی زندگی کے مسائل کے باب میں صحیح اور صائب فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۳۔ اصلاحی اور فنڈامنٹل ایجوکیشن: اس سے مراد وہ تعلیم ہے جو بالغ کو اس لئے دی جاتی ہے کہ اس کے فیض سے وہ جس سماج میں بھی رہے، اس کی اُن سب ذمّہ داریوں کو حُسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے جو اس کے اوپر اُس سماج کا شہری ہونے کے رشتے سے عائد ہوتی ہیں۔ یہ دراصل تعلیم کا ایک اصلاحی پروگرام ہے جس کے ماتحت بالغ کو وہ ٹریننگ دی جاتی ہے جو اس کے لڑکپن کے زمانے میں اُسے نہیں ملی تھی۔

۴۔ علوم انسانی (لبرل ایجوکیشن):- اس تعلیم کا تعلّق بالغ کے انفرادی، ذہنی اور جمالیاتی ذوق کی نشوونما سے ہے۔ ہر فرد کے لئے اس کی پوری زندگی تک اس کا موقع رہنا چاہیئے کہ وہ اپنے اس ذوق کی زیادہ اور پھر اور زیادہ نشوونما کر سکے۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا خاکہ مرتّب کرنے میں کام کی مذکورہ بالا دونوں فہرستوں سے مدد ملے گی۔ لیکن ان کی روشنی میں کام کا کوئی خاکہ مرتّب کرنے سے پہلے مناسب یہ ہوگا کہ ان عنوانات کے ماتحت مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں جو پروگرام رائج ہیں، ان کا مختصراً ذکر کر دیا جائے اور اس کے بعد انٹرنیشنل کانگریس فار یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن (جس کا ذکر اس مقالے کی ابتدا میں آیا ہے) کی ان سفارشات کا خلاصہ بیان کر دیا جائے جو اس نے اپنے تجویز کئے ہوئے مذکورہ بالا چار عنوانات کے ماتحت منظور کی ہیں۔ ان تمہیدی ابواب سے جہاں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اڈلٹ ایجوکیشن کو اپنی ذمّہ داریوں کا جزو تسلیم کرنا کس حد تک ہندوستانی یونیورسٹیوں کا قومی فریضہ ہے، وہاں یہ بھی سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ ہم اپنے کام کی بسم اللہ کس نقطے سے کریں۔

(طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف برطانیہ، امریکہ، یونیورسٹی آف برٹش کولمبیا (کینیڈا) اور یونیورسٹی آف کوسٹاریکا کے پروگراموں کا ذکر کریں گے (یہ انتخاب اس خیال پر مبنی ہے کہ برطانیہ اور امریکہ کی اس باب میں تاریخی اعتبار سے بہت بڑی اہمیت ہے اور ثانی الذکر دونوں یونیورسٹیاں ایسی ہیں جن کے حالات ایک حد تک ہندوستانی حالات سے مشابہ ہیں)

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن برطانیہ میں

تاریخی پس منظر

برطانیہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ بہت پرانی ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے قریب قریب یہی حیثیت یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کو بھی حاصل ہے، جو موجودہ عہد میں یونیورسٹیوں کے "ا کسٹرا میورل ورک" کے نام سے معروف وموسوم ہے۔ اس کی ابتدا انیسویں صدی کے وسط یعنی ۱۸۴۵ء ہی میں ہو گئی تھی جب عوام کے طبقے میں یونیورسٹی ایجوکیشن کی توسیع کے چرچے شروع ہوئے تھے۔ برطانیہ میں "یونیورسٹی ایکس ٹنشن" کے لفظ کی عجیب داستان ہے۔ ابتدا میں یہ لفظ موجودہ اصطلاح کے معنی میں نہیں بولا جاتا تھا بلکہ اس سے یہ مراد تھی کہ یونیورسٹیاں خود یونیورسٹیوں کے احاطے میں اور دوسرے مقامات خصوصاً صنعتی مرکزوں میں کالجوں کی تعداد میں اضافہ کر کے اپنی تعلیم سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دیں۔ یہ تحریک نتیجہ تھی اس زمانے کے بدلے ہوئے سماجی اور معاشی حالات کا جو صنعتی انقلاب کی پیداوار تھے۔

اس کے بعد جب ان بدلے ہوئے سماجی حالات کے مطالبے بڑھ گئے تب صحیح معنی میں یونیورسٹی ایکس ٹنشن کی ابتدا کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جیمس اسٹوراٹ کے ہاتھوں ہوئی جن کا خواب یہ تھا — اور جسے انھوں نے اپنی ذات کے بل بوتے پر پورا کر کے بھی دکھایا —— کہ مزدوروں اور عوام کے لئے ایک "گشتی یونیورسٹی" قائم ہونی چاہئے جن کے اساتذہ مختلف مقامات پر گھوم گھوم کر علوم پر لیکچر دیں۔ انھوں نے جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے، کئی مقامات پر جا کر خود لیکچروں کے سلسلے منعقد کئے مگر یونیورسٹی ایجوکیشن کے لئے "کلاس" کا خیال ان کو اس وقت آیا جب وہ راشڈیل میں کوآپریٹیو پانیروں کو فلکیات پر لیکچر دے رہے تھے۔ ایک دن جب وہ آئے تو چند شوقین طالب علموں نے اُن سے فرمائش کی کہ وہ لیکچر کے وقت سے کچھ پہلے آجایا کریں تاکہ لیکچر کے سلسلے کے نقشوں اور خاکوں پر تفصیل سے تبادلۂ خیال ممکن ہو سکے۔

جیمس اسٹوراٹ کی تحریک پر ۱۸۷۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے سامنے چند اداروں نے جن کے سامنے وہ لیکچر دے چکے تھے ایک عرضداشت پیش کی کہ یونیورسٹی ایسے لیکچروں کا اہتمام مستقل طور پر اپنی طرف سے کیا کرے۔ اس عرضداشت پر یونیورسٹی نے ایک کمیٹی مقرر کی جس کی سفارش کے مطابق ۱۸۷۳ء میں پہلی مرتبہ کیمبرج یونیورسٹی میں یونیورسٹی ایکس ٹنشن کے کورسوں کا انتظام کیا گیا اور اسی سال ڈربی، لیسٹر، اور ناٹنگھم میں لیکچروں کے کورس منعقد کئے گئے۔

کیمبرج یونیورسٹی کی مثال کو سامنے رکھ کر دوسری یونیورسٹیوں خصوصاً آکسفورڈ اور لندن کی یونیورسٹیوں نے بھی ایکس ٹنشن لیکچروں کے سلسلے شروع کر دیئے اور یہ سلسلہ بڑھتا رہا۔ آگے چل کر ان کورسوں کے انعقاد میں مختلف قسم کی دشواریاں پیش آنے لگیں اور خصوصاً مزدور طبقے کو یہ بات کھٹکنے لگی کہ اگرچہ اعلیٰ تعلیم کے اس انتظام سے عوام کی زیادہ تعداد کو مستفید ہونے کا موقع مل رہا ہے لیکن کچھ تو فیسوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ مضامین کا انتخاب مزدوروں کے مناسب حال نہیں ہوتا، اب بھی اعلیٰ متوسط طبقہ ہی اس انتظام سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مزدور جوں کے توں محروم رہتے ہیں۔ مزدوروں میں یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم کی خواہش اس عرصے میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے اثر لے کر ہول سیل فروش کوآپریٹیو سوسائٹی کے ایک کلرک ایلبرٹ مانسبرج نے ۱۹۰۳ء میں "مزدوروں کی اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینے والی انجمن" کے نام سے ایک ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مزدوروں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کوآپریٹیو سوسائیٹیوں، ٹریڈ یونینوں، اور یونیورسٹیوں کے ایکس ٹنشن ڈپارٹمنٹوں کو باہم متحد کیا جائے۔ اس ایسوسی ایشن کا اثر بہت جلد قائم ہو گیا اور اس کی شاخیں دور و نزدیک کے علاقوں خصوصاً صنعتی اور کوآپریٹیو مرکزوں میں دھڑا دھڑ قائم ہونے لگیں۔ ۱۹۰۵ء میں اس ایسوسی ایشن نے اپنا نام بدل کر "ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن" کر دیا۔ اس ایسوسی ایشن نے عوام خصوصاً مزدور طبقے کی اعلیٰ تعلیم کا خاص طور پر بہت اہم کام انجام دیا ہے اور اب تک دے رہی ہے۔ اس کا کام یونیورسٹیوں سے مل کر اعلیٰ تعلیم کی کلاسیں منظم کرنا ہے۔ جو لیکچروں کے کورسوں سے بالکل مختلف ایک کام ہے۔ اس انجمن کے قیام سے یونیورسٹیوں کو جو دشواریاں پیش آ رہی تھیں، ان میں بھی کمی واقع ہو گئی اور وہ اس کام سے اس درجہ متاثر ہوئیں کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی پالیسی اور پروگرام مرتب کرنے کے لئے اپنی مستقل جوائنٹ کمیٹیاں بنانے لگیں جن میں مزدوروں کے نمائندے اور یونیورسٹیوں کے نمائندے برابر تعداد میں ہوتے ہیں۔

کام کا تعارف

اس تاریخی پس منظر میں اب آیئے دیکھیں برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کا کیا نقشہ ہے:

آکسفورڈ یونیورسٹی کے اکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ کے صدر فرینک ڈبلیو جیپ نے برطانوی یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی کیفیت اپنی ایک یادداشت میں بیان کی ہے جو انھوں نے نیویارک کی انٹرنیشنل یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کانگریس

میں پیش کی تھی۔ اس یادداشت کے منتخب اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن سے برطانوی یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی موجودہ صورتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن، اڈلٹ ایجوکیشن کی عام تحریک سے الگ نہیں ہے

اپنی یادداشت کی تمہید کے طور پر پروفیسر موصوف فرماتے ہیں:

"یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن فی نفسہٖ کوئی پروگرام نہیں ہے بلکہ اڈلٹ ایجوکیشن کا صرف ایک حصّہ ہے۔ اس لئے اس کے کام کا نقشہ مرتب کرنے میں جہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ سماج میں یونیورسٹی کا صحیح منصب کیا ہے، وہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اس سماج میں اڈلٹ ایجوکیشن کے اور کون سے ادارے اور سنستھائیں کام کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر انگلستان میں ٹکنیکل کالجوں، لوکل ایجوکیشن اتھارٹیوں اور غیر سرکاری تنظیموں مثلاً ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، بالغوں کے اقامتی کالجوں، ویمنز انسٹی ٹیوٹوں وغیرہ کے کام کو سامنے رکھے بغیر بات پوری نہیں ہوگی۔"

۱۔ پیشہ وروں کی مزید تعلیم کے میدان میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے کام سے متعلق پروفیسر جیپ کا بیان ہے کہ برطانوی یونیورسٹیاں تعلیم کی اس شاخ کو یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ذمّے داری عموماً تسلیم نہیں کرتیں، تاہم اکسٹرامیورل ورک کے کچھ ڈپارٹمنٹ چند خاص خاص پیشوں میں مزید تعلیم کے کورس منظم کرتے ہیں مثلاً پولیس والوں کے لیے جرمیات (جرائم کے علم) کے کورس، اور سماجی کارکنوں کے لئے سماجی خدمات کے علم سے متعلق چند کورس۔ البتہ علمی پیشوں کے لئے اعادی کورس (ریفریشر کورس) کے طور پر کچھ نصاب منعقد کئے جاتے ہیں جن کا مقصد ان پیشوں سے متعلق نئی تحقیقوں اور نظریات سے پیشہ وروں کو روشناس کرانا ہوتا ہے۔ جیسے علم الادویہ (میڈیسن) اور قانون کے پیشے۔

۲۔ قومی ذمّے داری کے تعلیم کے میدان میں بھی برطانوی یونیورسٹیاں اڈلٹ ایجوکیشن کا کوئی خاص پروگرام نہیں چلاتیں ان کا کہنا ہے کہ ضرورت تو اس تعلیم کی یقیناً ہے لیکن اس کا ابھی تک کوئی طریقہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ اس سلسلے میں یونیورسٹیوں کا کام ابھی یہی ہے کہ اطلاعاتِ عامّہ کے دوسرے ادارے خصوصاً بی۔ بی۔ سی۔ اور تجارتی ٹیلی ویژن کمپنیاں جو پروگرام چلاتی ہیں، اس میں یونیورسٹی کے اساتذہ آمادگی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں مثلاً بی۔ بی۔ سی سے نشر ہونے والے اس سلسلے کے پروگراموں کی تقریریں اور مقالے اکثر و بیشتر یونیورسٹیوں کے اساتذہ ہی لکھتے اور سناتے ہیں۔

۳- لبرل ایجوکیشن - برطانوی یونیورسٹیوں کے اکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ لبرل اسٹڈیز (علوم عالیہ) بالغوں کی تعلیم کو اپنا خاص اور پسندیدہ منصب تصور کرتے ہیں۔ اس موقعے پر مناسب ہوگا اگر لبرل ایجوکیشن کی تعریف و توضیح کر دی جائے تاکہ اس سلسلے میں یونیورسٹیوں کی ذمّے داری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

پروفیسر جیب نے اپنی یادداشت میں لبرل ایجوکیشن کی حسب ذیل تعریف بیان کی ہے۔

" ہمارے نزدیک لبرل ایجوکیشن جس میں زبان کے استعمال، تصورات و خیالات کا نبھاؤ، روابط اور تعلقات کی پرکھ کی تربیت اور اقدار کی ایسی کسوٹیاں قائم کرنا شامل ہے جن کے اوپر ذوق اور اخلاق کو جانچا اور پرکھا جائے "۔

"اس اعتبار سے لبرل ایجوکیشن کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے کہ اُسے چند "علوم انسانی" (ہیومینسٹ) تک محدود کر دیا جائے بلکہ جہاں اس میں یہ علوم انسانی شامل ہیں وہاں طبعی علوم (نیچرل سائنسیز) کے لئے بھی گنجائش موجود ہے"۔

"برطانوی یونیورسٹیاں اکسٹرا میورل ایجوکیشن (یونیورسٹی کی وہ تعلیم جو یونیورسٹی اپنے حدودِ عمارت سے باہر جا کر لوگوں کو دیتی ہے) اپنے منصب کا ایک ضروری جزو تسلیم کرتی ہیں اور اس خیال میں برطانیہ کی یونیورسٹی گرانٹس کمیٹی بھی اُن سے پورے طور پر متفق ہے۔

"اس تعلیم کے دو پہلو ہیں۔ (۱) یونیورسٹی اور سماج کے درمیان ربط قائم کرنا اور (۲) بالغوں کی لبرل ایجوکیشن جو روایتی اعتبار سے اکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ کا نہایت اہم اور قدیم منصب ہے۔ اول الذکر منصب کے ماتحت یونیورسٹیوں کے اکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ یونیورسٹی کے بعض شعبہ جات جیسے شعبہ سائنس، شعبہ قانون اور شعبہ ریاضی ہیں، ان کی طرف سے انھی کی مرضی و منشا کے مطابق عوام کے لئے نصاب منظم کرتے ہیں۔ موخر الذکر منصب یعنی بالغوں کی لبرل ایجوکیشن کے ماتحت یہ ڈپارٹمنٹ یونیورسٹی کے جغرافیائی علاقے میں بالغوں کے لئے جو کچھ کام کرتا ہے وہ پورے سال چلتا رہتا ہے لیکن سوائے چند یونیورسٹیوں کے جو ان کورسوں کی تکمیل پر سرٹیفکٹ دیتی ہیں، عام طور پر نہ کوئی امتحان ہوتا ہے اور نہ سرٹیفکٹ یا ڈگری دی جاتی ہے۔

بالغوں کے لئے لبرل ایجوکیشن کے یہ کورس کئی طرح کے ہوتے ہیں جن میں خاص خاص حسب ذیل ہیں:

۱- تین سال کے کورس جو ہر سال دو دو گھنٹے کے ۲۴ پیریڈ پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۲- اسی طرح کے ایک سال کے کورس

۳- پبلک لیکچروں کے مختصر کورس

۴- خصوصی مہارت رکھنے والے گروہوں کے لئے کلاسیں جن میں تعلیم کا معیار نسبتاً زیادہ اُونچا ہوتا ہے۔

۵- اقامتی کورس جو ایک سے لے کر کئی کئی ہفتے کی مدت کے ہوتے ہیں۔

انتظام اور نصاب

ان کورسوں میں بالغ طلبا کو پڑھانے کے لئے اکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ کے مقرر کردہ کل وقتی ٹیوٹر ہوتے ہیں۔ ڈپارٹمنٹ کے ان ٹیوٹروں کی اپنی ایک انجمن قائم ہے جو ان کے پیشے میں اصلاح و ترقی اور ان کے حقوق کی حفاظت کا کام کرتی ہے۔ ان ٹیوٹروں کے علاوہ (خاص طور پر لیکچروں کے کورسوں کے لئے) یونیورسٹیوں کے دوسرے علما اور باہر کے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ جیسے موسیقی کے لئے ماہرین موسیقی اور لٹریچر کے لئے ملک کے مشہور ادیب اور نقاد وغیرہ۔

ڈپارٹمنٹوں کے کام پر جو خرچ آتا ہے اس کا بڑا حصہ یونیورسٹی گرانٹس کمیٹی کی سفارش پر ٹریژری اور وزارت تعلیم کی گرانٹس سے پورا کیا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ طالب علموں کی فیسوں سے نکل آتا ہے لیکن اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔

جن مضامین کی تعلیم کے لئے یہ کورس منعقد کئے جاتے ہیں وہ عموماً حسب ذیل ہوتے ہیں:

تاریخ، انگریزی ادب۔ سماجی علوم۔ طبعی علوم۔ ویژول آرٹس۔ موسیقی۔ فلسفہ اور مذہب۔

اپنی رپورٹ کو ختم کرتے ہوئے پروفیسر جیپ لکھتے ہیں:

"برطانیہ میں سماجی حالات بدل چکے ہیں، بدل رہے ہیں اور آئندہ بدلتے رہیں گے۔ ہمیں جس بات پر ہمہ وقت غور کرتے رہنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یونیورسٹیاں بدلتے ہوئے سماجی حالات کے حسب منشا اپنے منصب کو زیادہ سے زیادہ مؤثر طریقے پر کس طرح انجام دے سکتی ہیں۔"

(مسلسل)

(مضمون کی غیر معمولی طوالت کے پیش نظر امریکہ، کوسٹاریکا اور کنیڈا کے نمونے اور ہندوستانی یونیورسٹیوں کے لئے کام کا ایک خاکہ اگلے شمارے کے لئے ملتوی کیا جا رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

پڑھنا اور سیکھنا

تعلیمی میدان کے کارکنوں کے لئے یہ مسئلہ نیا نہیں ہے کہ استاد جتنا پڑھاتے ہیں طلباء اتنا سیکھتے نہیں ہیں۔ اُستاد کے پڑھانے اور طلبا کے سیکھنے میں بڑا فرق رہتا ہے اور یہ فرق ہمارے ملک میں نرسری اسکول سے تجربز کالج تک عام طور سے ہر جگہ اور ہر جماعت میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی معیار دن بہ دن گرتا جا رہا ہے اور نام نہاد تعلیم یافتہ طبقے میں اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی کمزوریاں بڑھتی جارہی ہیں۔

یوں تو پڑھانے اور سیکھنے کے درمیانی فرق کو دور کرنے کی کوشش صدیوں سے جاری ہے مگر حصول آزادی کے بعد اس کوشش میں ہر اعتبار سے مزید اضافہ ہوا ہے۔ مربوط طریقۂ تعلیم پر زور دیا جارہا ہے نصاب تعلیم کو بچے کی دلچسپیوں اور ضرورتوں کے پیش نظر مرتب کیا جارہا ہے۔ جماعت بندی کے نقائص کو دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رہنمائی اور ہدایت کے کام کو رواج دیا جارہا ہے۔ غرض یہ کہ اُستاد کے پڑھانے اور طالب علم کے سیکھنے کے کام میں زیادہ سے زیادہ تال میل اور قربت پیدا کرنے کی کوشش جاری ہے مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایک سرپرست لکھتے ہیں :۔

"چھوٹی منی کا امتحان جاری ہے۔ نویں درجہ میں پڑھتی ہے اور تیرہ پرچوں میں امتحان ہوگا۔ اس میں کمی کی طرف کوئی راغب نہیں ہے۔ ممکن ہے کچھ اضافہ ہی ہو جائے۔ وہ دن دور نہیں کہ طالب علموں کے امتحان ہی امتحان رہ جائیں گے اور تعلیم غائب .... مختصر یہ کہ جس طرح آج ادب میں تخلیق کی کمی اور تنقید حد سے زیادہ ہوگئی ہے اسی طرح آج کل درس گاہوں میں تعلیم غائب ہوتی جاتی ہے اور امتحانات بڑھتے جاتے ہیں۔ کچھ بھی ہو نتیجہ میں ڈگری یا انڈا کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے"۔

ہمارا خیال ہے کہ تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے اُستاد کے پڑھانے اور طالب علم کے سیکھنے میں جو فرق ہے اسے دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کام کو کرنے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جواب سے خاطر خواہ مدد ملے گی۔

(۱) پڑھانے اور سیکھنے کے درمیان بنیادی مسئلہ کیا ہے؟

(۲) پڑھانے اور سیکھنے کے درمیانی فرق کو اُستاد کس طرح دور کرسکتے ہیں ؟

بنیادی مسئلہ :

ہمارے اسکولوں میں اُستاد کے پڑھانے اور طالب علم کے سیکھنے کے درمیان میں فرق پایا جاتا ہے اور گوناگوں کوششوں کے باوجود یہ فرق مٹ نہیں پاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم پڑھانے کے لئے تحکمانہ طریقے اختیار کرتے ہیں اور یہ طریقے طالب علم کی اندرونی حیاتیاتی ترقی اور سیکھنے کے عمل کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ چنانچہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ نامناسب اور تحکمانہ طریقۂ تعلیم کو سیکھنے کے مناسب اور مفید عمل میں کس طرح تبدیل کیا جائے۔

طالب علم عام طور سے ایک کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔ اندرونی طور پر وہ حیاتیاتی عمل کے تحت بڑھنا چاہتا ہے اور اس کے اُستاد اور بزرگ اسے خارجی اور تحکمانہ طریقے سے پڑھانا چاہتے ہیں۔ ایک طرف اسے اپنے اندرونی تقاضوں کو پورا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنے اُستادوں اور بزرگوں کی امیدوں اور مطالبات کو پورا کرنے کی فکر۔ کبھی وہ اپنی طرف کھنچتا ہے اور کبھی اپنے اُستادوں اور بزرگوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ اس کشمکش میں یا تو وہ ایک فرماں بردار، خوش مزاج، اور لائق طالب علم بن کر مروجہ نصابِ تعلیم کے مضامین کو یاد کرلیتا ہے یا وہ ایک نافرماں بردار، بدمزاج اور نالائق انسان بن کر تحکمانہ طریقۂ تعلیم اور خارجی نظم و نسق کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک سے بھی اس کی فطری اور خداداد صلاحیتوں کے اُجاگر ہونے، ترقی پانے اور پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ وہ ہر صورت میں اپنی اندرونی قوت کا بیشتر حصہ اپنے اندرونی تقاضے پر قابو پانے میں صرف کرتا ہے۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کی فطری صلاحیت اور قوت کا خون ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی شخصیت کی نشوونما اور فروغ کی بجائے اسے ختم کرنے یا کسی دوسرے کے تابع بنا دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

اُستاد کے پڑھانے اور طالب علم کے سیکھنے کے درمیانی فرق کو دور کرنا ضروری ہے اس لئے کہ :۔

(۱) بچوں میں پیدائشی طور پر سیکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ لیکن یہ صلاحیت ہر بچے میں دوسرے بچے سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ کوئی دو بچے بھی کسی کام کو ایک طریقہ سے ایک وقت میں یکساں نتیجہ کے ساتھ پورا نہیں کرسکتے ہیں پس سیکھنے میں مساوات کی بجائے عدم مساوات کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) بچے سیکھنے کی فطری صلاحیت کو قدرتی اور سماجی ماحول میں رہ کر ترقی دیتے ہیں۔ وہ ماحول سے سیکھتے ہیں اور سیکھنے کے لئے اشیائے خام حاصل کرتے ہیں۔ مناسب اور موافق ماحول میں بچے کی شخصیت تیزی سے نشوونما پاتی ہے اور نامناسب اور ناموافق ماحول میں اس پر غلط اثر پڑتا ہے۔

(۳) بچوں کو قدرت عقلی صلاحیتیں ودیعت کرتی ہے ان میں سے صرف چند سماج اور مدرسہ کے ماحول کے ذریعہ ترقی پاتی ہیں۔ باقی بیشتر صلاحیتیں خارجی دباؤ کے اثر سے پُرانی روایات کے تابع بن جاتی ہیں یا دب دبا کر بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔

(۴) ابھی تک کوئی ایسا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا ہے جس کے استعمال سے بچہ ماں، باپ کی امیدوں کے مطابق سیکھنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیتیں لے کر پیدا ہو سکے۔ چنانچہ اسی میں فائدہ ہے اور یہی تعلیم کا مقصد بھی ہے کہ بچوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ابھارا جائے اجاگر کیا جائے تاکہ وہ اچھے اور ذمہ دار شہری بن سکیں۔

سیکھنے کی فطری صلاحیتوں کے تذکرہ کے بعد یہ بات کسی قدر واضح ہو جاتی ہے کہ ہر ایک اُستاد کو اپنا طریقۂ تعلیم بچے کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کی روشنی میں وضع کرنا چاہیئے۔ سیکھنے کے لئے مناسب، موزوں اور خوشگوار ماحول پیدا کرنا چاہیئے۔ طلبا کے ساتھ اس طرح گھل مل کر رہنا چاہیئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے، ان سے اچھی طرح کام لینے اور انھیں پوری طرح ترقی دینے میں اُستاد سے مدد مانگ سکیں۔ طلبا، اُستاد کی رہنمائی میں اپنی صلاحیتوں کو ترقی دینے کا وہ شوق پیدا کر سکیں جو زندگی بھر بڑھتا چلا جائے۔

ظاہر ہے کہ ہمارے مدرسوں میں بچوں کو پڑھنے اور سیکھنے کے عمل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا ہے۔ ہمارے تعلیمی منصوبوں کا مقصد طالب علم کی انفرادی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کی تحقیق اور ترقی نہیں بلکہ ماں باپ اور دیگر بزرگوں کے مقررہ مقاصد کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اُستاد صرف وہ کام کراتے ہیں جن کے نتیجہ سے ماں باپ مطمئن ہوں۔ کسی استاد یا بزرگ کی توجہ اس طرف نہیں ہوتی کہ بچہ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور اُن کے استعمال کا موقع دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ سازگار اور مناسب ماحول پیدا کیا جائے۔ کوئی اُستاد اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہناتا ہے کہ شخصیت کی تعمیر اور تکمیل عمل سے ہوتی ہے اور عمل کی قوت فرد کی اندرونی خواہش کو بروئے کار لانے اور اس کی جسمانی، نفسیاتی اور ذہنی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ہوتی ہے۔

مدرسہ کا ماحول بچے کے لئے نامناسب اور ناسازگار ہوتا ہے۔ وہ خارجی نظم و نسق کی بندشوں اور نشو و نما کی اندرونی خواہش کے دباؤ میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اسے گھر اور مدرسہ کے انتظامی معاملات میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ وہ اس قسم کی عادات و اطوار سیکھ لیتا ہے جو اس کے لئے قطعی بے معنی اور ماں باپ کے لئے بالکل ناقابلِ قبول ہوتے ہیں۔ وہ زندگی بھر اپنے وجود کی حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے۔ اسے عموماً ایک انسان کی حیثیت سے اپنے مزاج اور مرضی کے مطابق ترقی کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود طالب علم اپنی ذات یا اپنے وجود کی بقا کے لئے کچھ نہ کچھ حاصل کرتا ہے اور صرف

حیاتیاتی ترقی کے عمل کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ اُستاد کے پڑھانے اور سمجھانے سے اُسے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ اُستاد سے جو کچھ سیکھتا ہے اس سے شخصیت کی تکمیل اور تسکین پر برائے نام اثر پڑتا ہے اس طرح اُستاد کے پڑھانے اور طالب علم کے سیکھنے میں فرق رہ جاتا ہے۔

اُستاد اس فرق کو کس طرح دور کر سکتے ہیں:۔

اُستاد اپنے طریقۂ کار اور فرائض کو اچھی طرح جانتے ہیں وہ پڑھانے اور سیکھنے کے فرق سے بھی بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے علم کو عملی جامہ پہنانے سے معذور رہیں۔ یہ کام بہت دشوار ہے اور بہت ہی کٹھن۔ تاہم ہمارا مشورہ ہے کہ:۔

(۱) جس طرح اور جہاں کہیں ممکن ہو سکے خارجی تحکمانہ اختیار اور جانچ پڑتال کو ختم کیا جائے اور اس کی بجائے آزادی اور بھائی چارے کی فضا قائم کی جائے۔ جو لوگ بچّوں سے اپنے مقررہ مقاصد یا دوسروں کی ترقی کے نتائج حاصل کرانا چاہتے ہیں وہ اس مالی کی طرح ہیں جو کیکر کے درخت سے آم کا پھل لینا چاہتے ہیں۔

(۲) تمام مدرسوں میں آزاد جمہوری فضا قائم کی جائے اور اس میں تمام طلبا کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر مختلف قسم کے کام کرنے کا موقع دیا جائے تاکہ ہر وہ طالب علم جو کم از کم ۶ سے ۱۴ سال تک لازمی اور مفت تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ سے نکلتا ہے مل جل کر کام کرنے کے فوائد کو سمجھے۔ اپنی روزانہ زندگی میں زندگی بھر دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کر سکے اور سماجی خدمت کو اپنے لئے طرۂ امتیاز بنائے۔

(۳) ماں باپ اور دیگر بزرگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ خارجی تحکمانہ طریقۂ تعلیم بچّوں کو تندرست، بے مثل اور تخلیقی انسان بننے میں مددگار ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے نہ تو عوام کی امیدیں پورے طور پر پوری ہو پاتی ہیں اور نہ ہی طالب علم وہ بن پاتا ہے جس کے لئے اس کی ذات میں بے پناہ صلاحیتیں مضمر ہوتی ہیں۔

(۴) اُستادوں کو خود یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ سیکھنے کے عمل اور اصولوں کو جدید تعلیمی تحقیقات کی روشنی میں سمجھیں۔ بچّے کی فطرت اور اس کی نشو و نما کے طریقوں کو جانیں۔ وہ بچّوں کو امتحان کے خوف اور سند کے لالچ سے بچائیں اور ان میں تجسّس اور تحقیق کا جذبہ بیدار کریں۔ اس کام کے لئے ضروری ہے کہ اُستاد لکیر کے فقیر نہ بنے رہیں۔

مختصر یہ کہ پڑھانے اور سیکھنے کے درمیانی فرق کو مٹانے کے لئے اُستادوں کو اپنے اندر ایک نیا ارادہ، نیا جوش

اور بنیادی ولولہ پیدا کرنا ہوگا۔ انھیں سب سے پہلے اپنے کو بدلنا ہوگا۔ اپنے طریقہ کار کو بدلنا ہوگا۔ اپنے کام اور اس کے کامیاب نتائج کے ذریعہ خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ کم از کم اتنا کر لینے کے بعد وہ مذکورہ فرق کو مٹانے میں مددگار ثابت ہو سکیں گے۔ اور ان کے طالب علم اپنی صلاحیتوں کے مطابق دوسروں کے ساتھ مل جل کر ایک بہتر سماج بنانے اور بہتر انسان بننے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

(ڈاکٹر) محمد اکرام خاں

(بقیہ صفحہ ۳۳)

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کی مشاورتی کمیٹی کی تشکیل

حکومت ہند کی تعلیمی تحقیق اور ٹریننگ کی قومی کونسل نے ایک مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کی ہے جو نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کو اس کے پروگراموں کے بارے میں مشورہ دے گی۔ ڈاکٹر موہن سنگھ مہتہ اس کمیٹی کے صدر ہیں جس کے دوسرے اراکین ہیں سشری اے۔ آر۔ دیش پانڈے، شری ایس۔ سی۔ دتہ، شری ایس۔ ایل۔ سیلام، شری بھدریہ، اور نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے ڈائرکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی۔

زراعتی ترقی کے لئے محض سرمائے کی فراہمی کافی نہیں

ہندوستان جیسے ملک میں زراعتی ترقی کا انحصار صرف اس بات پر نہیں ہے کہ کسانوں کو کافی سرمایہ ملے جس سے کہ وہ ترقی یافتہ قسم کی اچھی اور قیمتی مشینیں خریدیں اور کھیتوں میں اچھی کھاد اور فرٹیلائزر کے انبار لگا دیں۔ ہندوستان کی زراعتی ترقی کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ کسان اپنے معمولی اوزاروں اور کھیتی کے قدیم طریقوں میں حسب ضرورت ہلکے پھلکے سدھار کر لیں"

یہ خیالات اسرائیل کے ایک ماہر کسان مسٹر بنجامن میلیوی نے جو ہندوستان میں ڈیڑھ سال تک زراعتی ترقی کے میدان میں تجربے کرنے کے بعد اسرائیل واپس جاتے ہوئے بنارس کے زراعتی اسکول کے فارم میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے وقت ظاہر کئے تھے۔

۱۹۸۰ء تک ہندوستان سے ناخواندگی کے خاتمہ کی تجویز

حکومت ہند نے پلان کے کاموں کا جائزہ لینے والی کمیٹی کے ماتحت سماجی تعلیم کی ایک مطالعہ کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس مطالعہ کمیٹی نے جو تجویزیں حکومت ہند کے سامنے رکھی ہیں ان میں سے ایک اہم تجویز یہ ہے کہ ۱۹۷۵ء کی مدت تک ہندوستان کی تمام بالغ آبادی سے ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

معاصر اسٹیٹسمین نے نئی دہلی کے حلقوں سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر یہ خبر شائع کی ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ ریاستی حکومتوں سے یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے کاموں کے منصوبے جلد سے جلد تیار کر کے بھیجیں تاکہ وہ چوتھے پلان میں شامل کئے جا سکیں۔

کمیٹی کی رائے میں اس بات کی بہت شدید ضرورت ہے کہ ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے تمام ملک میں ایک سازگار ماحول تیار کیا جائے جس سے کہ ہر سطح سے ناخواندگی کو دور کرنے کا کام آسانی سے عمل پذیر ہو سکے۔ مطالعہ کمیٹی نے سیاسی جماعتوں اور تعلیمی میدان کے تمام رہنماؤں کے ساتھ ساتھ تمام مقامی بورڈوں کے تعاون اور اشتراک سے کل ہند پیمانے پر خاتمۂ ناخواندگی کی ایک تحریک شروع کرنے کی سفارش کی ہے۔

مطالعہ کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی ہے کہ اس تحریک کی طرف سے دلچسپی اور رغبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں شرکت کرنے والے اسکول کے اساتذہ کو مفت رہائش اور اسی طرح کی دوسری سہولتیں مہیا کی جائیں جس سے کہ لوگ خوشی خوشی اس تحریک کو آگے بڑھانے میں دلچسپی لیں اور یہ تحریک زور پکڑ سکے۔

پنچایتی راج کے اداروں کی خود مختارانہ حیثیت

پنچایتی راج کے اداروں کو خود کفیل بنانے اور اس طرح صحیح معنوں میں خود مختار ادارے کی حیثیت سے ترقی دینے کے سلسلے میں ایک مطالعہ کمیٹی نے حکومت ہند کو کچھ بہت اہم اور مفید مشورے دیئے ہیں۔

مطالعہ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ہر ریاست میں ایک پنچایتی راج فائننس کارپوریشن قائم کیا جائے۔ اور پنچایتی اداروں کو ایک مقررہ سالانہ امداد کے علاوہ ایک کم سے کم بنیادی امداد برابر ملتی رہنی چاہئے۔ جس میں مرکزی اور ریاستی حکومت برابر کی شریک ہوں۔

ٹیم نے مندرجہ بالا تجویزیں اس بات کو مان کر کی ہیں کہ پنچایتی راج کے اداروں کو خود مختار مقامی اداروں کی حیثیت سے ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے منصوبوں کو مقامی حالات کے مطابق ڈھالنے اور انھیں عملی جامہ پہنانے میں بہت نمایاں اور اہم کام انجام دینا ہے۔ (باقی صفحہ ۳ پر)

ایک خط

محترمی ایڈیٹر صاحب

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی تنظیم نو اور ایسوسی ایشن کے کاموں کے نئے رخ کے بارے میں تعلیم و ترقی کے اگست ۱۹۶۳ء کے شمارے کا اداریہ میں نے بہت دلچسپی سے پڑھا ہے۔

فکروعمل کو دعوت دینے والا یہ اداریہ آپ نے بہت برقت لکھا ہے جس کے پیچھے مجھے شفیق صاحب مرحوم کے بے لوث جذبے کی کارفرمائی اور سوشل ایجوکیشن کے میدان میں تعمیری کوششوں کو پروان چڑھانے کی کوششوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں اور ایسوسی ایشن کو جو قیمتی مشورے دیئے ہیں ان کے لئے میں آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسوسی ایشن کو چلانے کا کام جن نئے کاندھوں پر آیا ہے وہ اس میں نئی زندگی پیدا کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ آپ کی رہنمائی جس کی ہم آپ سے برابر امید کرتے ہیں ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ ایسوسی ایشن کی ممبر سازی کی مہم میں آپ کی پوری پوری رہنمائی حاصل رہے گی۔ شکریہ

آپ کا نیازمند

بی - چوہڑہ

سکریٹری دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ ——— شمارہ ۱۰

اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔

تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:

سالانہ چار روپے　　فی پرچہ ۴۰ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۴۲۴۴

ترتیب

مرتب و پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع برقی پریس، جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک نئے موڑ پر

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کو سوشل ایجوکیشن کی اعلیٰ تعلیمی سنستھا کہہ سکتے ہیں جس کا منصب ٹریننگ اور ریسرچ ہوتا ہے اور جب سے یہ ادارہ نیشنل کاونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کا ایک حصّہ بنا ہے اس وقت سے تو اس کی یہ حیثیت اور بھی پکّی ہو گئی۔ ہمیں خوشی ہے کہ سنٹر نے اپنی اس حیثیت کا عملی ثبوت بھی پیش کر دیا۔ پچھلے مہینے اس کے اہتمام میں جے پور میں "سوشل ایجوکیشن میں ریسرچ اور مطبوعات کا مسئلہ" کے عنوان سے چھ دن کا ایک سیمنار منعقد ہوا تھا جس کی رپورٹ کا ایک حصّہ اسی پرچے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

رپورٹ کا مطالعہ کیجئے تو صاف معلوم ہوگا کہ پروگرام میں حصّہ لینے والے چاہے وہ افسر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں یا فیلڈ ورکر کی حیثیت سے، پروگرام کے قریب قریب ہر پہلو میں ریسرچ اور تحقیق کے پیاسے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اس کے بارے میں ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں کر رہے ہیں اور انھیں معلوم نہیں کہ یہ راستے انھیں کہاں پہنچائیں گے۔ یہی کیفیت سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر کتابوں کی ضرورت کی ہے۔ سرکاری مطبوعات کے رنگ روپ سے مختلف نئے انداز کی کوئی معمولی سی کتاب بھی ان کے ہاتھ پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے وہ اسے پی جانا چاہتے ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں یہ پہلا موقع ہے جب پروگراموں کی ریسرچ اور ان سے متعلق کتابوں کی تالیف و اشاعت کی ضرورت اس شدّت سے محسوس کی گئی ہے۔ اس ضرورت کا یہ احساس تحریک کے حق میں بڑا مبارک شگون ہے خاص طور پر اس اعتبار سے کہ خود حکومت کے ایک ادارے نے اس احساس کو ابھارا ہے ورنہ جہاں تک غیر سرکاری اداروں کا تعلق ہے وہ اس ضرورت کو اب سے بہت پہلے سے محسوس کر رہے تھے مگر چونکہ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے قدم آگے نہیں بڑھتے تھے۔

لیکن جہاں ایک طرف ہمیں نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے اس دلیرانہ اقدام سے خوشی ہے اور ہمارے دل

امیدوں سے پڑھیں، وہاں ہمیں یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ گذشتہ سال کے لٹریسی سیمینار کی سفارشات کا جو حشر ہوا ہے، کہیں اس سیمینار کا بھی خدانخواستہ وہی حشر نہ ہو۔ پچھلے سال جب اسی سنٹر کی طرف سے دلی میں "خواندگی اور اس کے مسائل" کے عنوان سے بڑے اہتمام کے ساتھ سیمینار منعقد ہوا تھا، اور سرکاری نمایندے جس آمادگی اور جوش کے ساتھ خواندگی کی نہیں بلکہ ناخواندگی کے انسداد کی ضرورت جتلا رہے تھے تو اس کو دیکھ کر بڑی ہمت بندھی تھی اور ہم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ

"ایک ایسی گفتگو میں جس کا موضوع بالغوں کی خواندگی ہو، ان افسروں کی شرکت مسئلہ خواندگی کے حق میں بڑا نیک شگون ہے اور امید بندھتی ہے کہ شاید اب یہ پیچیدہ گتھی سلجھ جائے۔ اس امید کی بنیاد یہ ہے کہ یہ افسران پوری آمادگی اور ذوق و شوق کے ساتھ اس گفتگو میں شرکت کے لئے آئے ہیں ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جو ریاستیں اور افسران خواندگی کو عوام کی اصلاح و ترقی کے پروگرام کا غیر ضروری جزو سمجھتے ہیں، وہ اس کے بارے میں ہونے والی گفتگو کو بھی بے نتیجہ سمجھ کر شرکت ہی سے انکار کر دیتے اس لئے کہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کا بلاوا ان کے لئے حکم کی حیثیت تو رکھتا ہی نہیں تھا کہ اس کی پابندی لازمی تھی۔ اب تو اس سیمینار میں جو گفتگو ہوگی، جو نتائج نکالے جائیں گے اور جو سفارشیں منظور کی جائیں گی اُن کے پیچھے اگر "اتفاق رائے" نہیں تو "کثرت رائے" تو ہوگی ہی اور اگر یہ نتائج اور سفارشیں خواندگی کے حق میں ہوئیں جیسی کہ امید ہے کہ حق ہی میں ہوں گی، تو ان کے مطابق عمل کرنا ان افسروں کا قانونی نہیں تو اخلاقی فرض تو ہوگا ہی۔"

اس لٹریسی سیمینار کو منعقد ہوئے اور اس کی سفارشات کو شائع ہوئے ایک سال سے زیادہ کا زمانہ گذر چکا ہے لیکن ان کی روشنی میں ناخواندگی کے مسئلے کے بارے میں ابھی تک کوئی قطعی پالیسی طے ہوئی ہے اور نہ کوئی پروگرام بنا ہے بلکہ اس کے برخلاف سننے میں یہ آرہا ہے کہ تیسرے پلان میں سوشل ایجوکیشن اور خواندگی کے لئے جو کچھ سرمایہ منظور کیا گیا تھا وہ بھی کم و بیش تخفیف کی زد میں آگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب سرمایہ میسر ہے ہی نہیں تو سوشل ایجوکیشن کے اس نئے پروگرام کا جس کے لئے جوش و خروش کے ساتھ نہایت امید افزا سفارشات منظور کی گئی ہیں، کیا حشر ہوگا؟ مگر پھر بھی امید یوں بندھتی ہے کہ چونکہ ضابطے کے لحاظ سے یہ سیمینار نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے اہتمام میں منعقد کیا گیا تھا، اور کاؤنسل خالصتہً سوشل ایجوکیشن کا ادارہ نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کام کے لئے اگر سوشل ایجوکیشن کی مد میں سرمایہ نہ ہو تو کاؤنسل

اپنی عام تعلیمی مد سے اس مقصد کے لئے سرمایہ فراہم کر دے اور یہ کام کم سے کم شروع ہو جائے۔

بہرحال صورتِ حالات خواہ کچھ بھی ہو انسان اور اس کے منصوبے اور حوصلے امید کے سہارے پر مدتوں قائم رہتے ہیں اس لئے ہمیں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے اور چونکہ سیمینار کی ان سفارشات کے پیچھے سوشل ایجوکیشن کے افسروں اور کارکنوں کے خلوص اور کام کے پیچھے جذبے کی کارفرمائی ہے، یہ کام معمولی ہی سی ابتدا کے ساتھ سہی شروع ضرور کر دیا جائے گا۔ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کی اس نیک کوشش میں ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہیں، اور اس کے لئے ہم سنٹر کو مبارک باد دیتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۹)

کم کر دینا چاہیئے۔ ایک دوسری شرط یہ رکھی گئی ہے کہ ریسرچ کے ایسے منصوبوں کے لئے امداد نہیں دی جائے گی جو کاؤنسل سے منظور شدہ نہ ہوں، اس شرط کی سختی سے پابندی نہیں کرنا چاہیئے۔ ریسرچ کے لئے ابھی تک یہ قاعدہ ہے کہ امداد صرف اداروں اور سنستھاؤں ہی کو دی جا سکتی ہے۔ اس قاعدے میں یہ اضافہ ہو جانا چاہیئے کہ امداد سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص کو بھی دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ امداد کے لئے کسی یونیورسٹی ریسرچ کے کسی مشہور و معروف ادارے یا سوشل ایجوکیشن کی کسی تسلیم شدہ سنستھا کے توسط سے بھیجیں۔

۵۔ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو چاہیئے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کی تحقیقوں کے نتائج کی تاریخ وار اشاعت کی غرض سے ان کے خلاصہ نامے (ABSTRACTS) تیار اور شائع کرنے کا اہتمام کرے۔

بالغوں کو تعلیم پر آمادہ کرنے کی شکلیں

اس سلسلۂ مضامین کی دوسری قسط میں جو گذشتہ پرچے میں شائع ہوئی تھی یہ بحث کی گئی تھی کہ افراد کو اپنی تعلیم پر آمادہ کرنے کے لئے سماجی محرکات کیا ہو سکتے ہیں۔

زیر نظر قسط میں جو اس سلسلے کی آخری کڑی ہے یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی کیا تدبیریں ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے خود بالغ کے اندر شخصی طور پر پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہو اور برابر قائم رہے۔

—— ایڈیٹر

۲۔ انفرادی پہلو

پہلا اور بنیادی اصول

ان پڑھ بالغ کو اپنی تعلیم پر آمادہ کرنے کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ پڑھانے والا اس کے اس قدر قریب آجائے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا "یار" سمجھنے لگیں۔ عام اصول ہے کہ انسان کے دل پر جو اثر اس کے ہمدم و ہمراز دوست کی بات کا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے شخص کی بات کا نہیں ہوتا اور نہ وہ اس سے کم معیار کے تعلق پر کسی سے کھل کر بات کرتا ہے۔ چنانچہ اس اصول کی اتنی اہمیت ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے ماہرین اسے بالغوں کی تعلیم پر آمادہ کرنے کی مہم میں پہلا اور بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر فرینک سی لاباخ جو بالغوں کی تعلیم کے امام سمجھے جاتے ہیں اس اصول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"...... ناخواندہ بالغ کہیں کا ہو —— نیویارک کا رہنے والا یا بمبئی کا۔ زنجبار کا یا کزکو کا —— اجنبیوں کو شبہے کی نظر سے دیکھتا ہے —— اس شبہے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُستاد اپنے آپ کو طالب علم سے اونچا سمجھتا ہے، جیسا کہ تعلیم یافتہ لوگ، سب کے سب اپنے عمل سے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اونچے ہیں۔ ناخواندہ لوگ

برتری کے اس طرز عمل کو اسی قدر ناپسند کرتے ہیں جس قدر ہم خود اس سے مکدر اور بدمزہ ہوتے ہیں۔

شبہے کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اُستاد جو پڑھانے آتا ہے، تو اس کے دل میں چھری ضرور ہے۔ یہ بات بھی بے وجہ نہیں ہے اس لئے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں وہ اس قدر ستایا گیا ہے، اور انھوں نے اسے اس درجہ دھوکے دیئے ہیں کہ اس کے دل میں ہماری طرف سے خوف بیٹھ گیا ہے۔ چنانچہ اپنے بچاؤ کی اس کے پاس بس یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہم سے دور ہی دور رہے۔

اس صورتِ حال میں تعلیم یافتہ ٹیچر کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس کے دل سے اس شبہے کو دور کرے اور اپنے عمل سے ثابت کرے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے اونچا نہیں سمجھتا اور نہ اس کے خلاف کوئی چال چل رہا ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ ان پڑھ بالغ کو تعلیم سے لگاؤ نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ پڑھنے سے انکار کرتا ہے تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ آپ کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا آپ کو اس کے "ناخواندگی نہیں" بیچنی ہے" بلکہ " اپنے آپ کو بیچنا ہے"۔
اسی اصول کو آگے چل کر یہ تجربہ کار ماہر یوں بیان کرتا ہے:۔

"لیکن سب سے زیادہ اہم خدمت یہ ہے کہ اُستاد اپنے طالب علم کے سامنے اُس سے حقیقی محبت اور ہمدردی کا ثبوت پیش کرے۔ ناخواندہ لوگوں کو الہام سا ہوجاتا ہے کہ آیا ہمیں اُن سے حقیقی بھائیوں کی سی محبت ہے یا ہم انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ وہ خود احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں، لہٰذا وہ بہت حساس ہوجاتے ہیں اور ان کے دل میں سرپرستی کے جذبے کا ذرّہ برابر خیال ہوتا ہے تو وہ اُسے فوراً بھانپ لیتے ہیں۔ لہٰذا ان پڑھ بالغ کو تعلیم دینے کا پہلا اصول یہ ہے کہ

اپنے طالب علم سے محبت کیجئے اور اپنے آپ کو اسی کی سطح پر لے آیئے ہم جو کہتے ہیں کہ پڑھاتے وقت آپ کو اپنے طالب علم کے پاس بیٹھ جانا چاہئے اور کبھی اس کے سر پر کھڑا نہیں ہونا چاہئے تو یہ اسی اصول کے ماتحت کہتے ہیں، اسی طرح یہ بات بھی اسی اصول کے ماتحت ہے کہ طالب علموں کی ایک جماعت ہونے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی طالب علم ہو"!

کلاس شروع ہوگئی

سماجی تعلیم کے ذیل میں بالغوں کو تعلیم پر آمادہ کرنے کے لئے جو طریقے پہلے لکھے جاچکے ہیں، ان کے اثر سے آپ کو اپنی کلاس کے لئے

جتنے بالغوں کی ضرورت ہے انھوں نے اپنے نام لکھوا دیئے ہیں اور کلاس میں آ بھی گئے ہیں۔ اب یہ کرنا ہے کہ وہ کلاس سے بددل ہو کر اُسے چھوڑ نہ دیں، بلکہ انھیں اتنی دلچسپی ہو جائے کہ جلد از جلد کلاس لگنے کا انتظار رہنے لگے۔ بالغوں میں پڑھنے کی صلاحیت کا جہاں تک تعلق ہے، وہ عمر کے پکے پن اور زندگی کے تجربات کی بنا پر ان میں بچوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے[1] اور اس کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اُستاد کو صرف اس بات کی ہونی چاہئے کہ بالغوں کو اپنی اس صلاحیت کا یقین ہو جائے اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر طرح تیار ہو جائیں۔ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے معاملے میں یہی وہ مقام ہے جہاں بالغ کو اپنی تعلیم کے لئے انفرادی طور پر آمادہ کرنے کی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔

پہلے ہی دن سے پڑھائی نہ شروع کیجئے

کلاس کا پہلا دن اُستاد کی کامیابی یا ناکامی کا سنگِ بنیاد ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے دن سب سے زیادہ ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس دن پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ اُستاد اور شاگرد ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف اور متعارف ہو جائیں۔ اُستاد کو پہلی بات یہی کہنی چاہئے کہ وہ سب سے واقف ہے اس لئے کہ گاؤں یا بستی میں پہلی بار نہیں آیا ہے بلکہ ایک عرصے سے وہیں مقیم ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ نام بھول گیا ہو اس لئے "آئیے ہم سب لوگ ایک دوسرے کا نام یاد کر لیں"۔ سب سے پہلے وہ خود اپنا تعارف کرائے اور اس دوران میں اپنے شاگردوں پر اچھی طرح واضح کر دے کہ (بقول ڈاکٹر لاباخ) وہ بھی انھی جیسا ایک آدمی ہے۔ وہ ان لوگوں سے کسی طرح اونچا یا برتر نہیں ہے، نہ انھیں اپنے یا کسی دوسرے کے مطلب سے بہکانے یا پھسلانے آیا ہے۔ اپنا نام نہایت صاف اور موٹے حرفوں میں بلیک بورڈ پر لکھ دے اور اس انداز سے لکھے کہ اس کا نام سب سے آخر میں آ جائے۔ اس کے بعد باری باری اپنے ہر شاگرد سے خود اپنا تعارف کرانے کی فرمائش کرے اور ان کے نام بلیک بورڈ پر لکھتا جائے۔ اگر کوئی طالب علم اپنا تعارف کرانے میں کچھ جھجک رہا ہو تو اس کا حوصلہ بڑھا بڑھا کر اور تعارف کے عنوانات قائم کر کر کے اُسے جواب دینے پر آمادہ کرے۔

معلومات کا چارٹ

تعارف کے بعد کوئی خوشگوار بہانہ بنا کر طالب علموں کو اس بات کے لئے آمادہ کیا جائے کہ وہ ایک ایک کر کے اپنے بارے میں مفصل معلومات مہیا کریں۔ اس معلومات کا ایک چارٹ اُستاد کے پاس پہلے سے تیار ہونا چاہئے تاکہ جوں جوں طالب علم چارٹ کے عنوانات کا جواب دیتے رہیں ویسے ویسے اُستاد ان باتوں کو چارٹ میں بھرتا رہے۔

---

[1] دی ٹیچنگ آف ریڈنگ اینڈ رائٹنگ" ص ۱۵۴

اس چارٹ کا ایک نمونہ یہاں دیا جا رہا ہے لیکن اس نمونے کو آخری نمونہ نہیں سمجھنا چاہئے، استاد اس نمونے کی مدد سے معلومات کے عنوانات میں اپنے مطلب کے مطابق ترمیم تنسیخ یا اضافہ کر سکتا ہے۔ مقصد اس چارٹ کا صرف اتنا ہے کہ اُستاد اپنے ہر شاگرد سے اچھی طرح واقف ہو جائے تاکہ آگے چل کر اس واقفیت کی روشنی میں اس کے حالات کے تقاضے کے مطابق اس کی مدد کر سکے۔

معلومات کا چارٹ

نام طالب علم .... سکونت (گاؤں یا محلہ یا گلی) ....

عمر .... پیشہ ....

کمائی کا کوئی اور ذریعہ ....

کچھ پڑھنا جانتے ہیں یا بالکل ان پڑھ ہیں ....

کیا پڑھنا لکھنا سیکھنے کا شوق ہے ....

پڑھنا لکھنا کیوں چاہتے ہیں ....

عہدہ (پنچ، سرپنچ، نمبردار، مُکھیا، چوکیدار وغیرہ) ....

گھر میں کیا حیثیت ہے؟ ....

شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ....

کوئی اور قابلِ ذکر بات ....

پرائمر شروع کرنے سے پہلے

کتاب، کتاب میں لکھے ہوئے حروف اور الفاظ ان پڑھ بالغ کے لئے ایک اجنبی دنیا کی چیزیں ہوتی ہیں لہذا اس اجنبی دنیا میں لے جانے سے پہلے کچھ ایسا کرنا چاہئے کہ ان پڑھ بالغ جب وہاں پہنچے تو یک دم ہکا بکا ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ایسا محسوس کرے کہ یہاں کی کچھ موٹی موٹی باتوں سے واقف ہو چکا ہے۔ اس مقصد کے لئے اصل پڑھائی شروع کرنے سے پہلے دو چار دن تک تعلیم

وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے "جو کہانی کے طریقے" اور "ماڈیول" کتابوں میں بتایا جا چکا ہے۔ یہاں اس طریقہ کار کا ایک مختصر دستور العمل پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کلاس کے پہلے دن کے بعد جب آپ کے شاگرد دوسرے دن حاضر ہوں تو سب سے پہلے تو آپ ایک ایک سے نہایت بے تکلفی کے انداز میں اس کی، اس کے گھر کی، بال بچوں کی خیریت پوچھیئے۔ خوشی کی خبروں پر دل کھول کر اپنی خوشی کا اظہار کیجیئے۔ اور کوئی تکلیف دہ اطلاع ملے تو اس پر اپنے رنج و غم اور جذبۂ ہمدردی کا مظاہرہ کیجیئے۔ یہ پروگرام یوں بھی مناسب ہے اور اس کے علاوہ اس کے اثر سے آپ کے شاگرد آپ سے قریب آ جائیں گے اور آپ کو اپنا سمجھنے لگیں گے اور اگر ان کے اور آپ کے درمیان یہ اپنائیت پیدا ہو گئی تو یقین رکھیئے آپ نے آدھی منزل پار کر لی۔

۲۔ حال چال اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے دوران ہی کوئی ایسی بات منتخب کر لیجئے جس سے سب کو یکساں دلچسپی ہو۔ اس بات کو دو یا تین یا زیادہ سے زیادہ چار لفظوں والے ایک جملے میں ڈھال لیجئے اور اُسے بلیک بورڈ پر نہایت صاف، خوشخط اور جلی حروف میں لکھ دیجئے، اور اسے پہلے خود پڑھیئے اور مختلف بہانوں سے کئی بار پڑھیئے۔ جملہ چونکہ سب کا جانا بوجھا ہوا ہوگا، بلیک بورڈ پر لکھا جا چکا ہوگا اور بار بار پڑھا جا چکا ہوگا اس لئے اُسے دیکھنے والے آپ کے شاگرد پہچان جائیں گے اور آپ فرمائش کریں تو اسے پڑھ بھی لیں گے۔

جملہ منتخب کرنے کی دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ گاؤں یا بستی میں جس بات کا عام چرچا ہو ——— اور جس سے آپ بھی واقف ہوں گے اس لئے کہ بستی میں ایک عرصے سے آپ مقیم ہیں ——— اس سے متعلق جملہ ڈھالئے۔ مقصد یہ ہے کہ جملہ ایسا عام ہونا چاہیئے جس کو بورڈ پر لکھ کر صرف ایک بار پڑھنے کی ضرورت ہو اور اس کے بعد وہ خود زبانوں پر رواں ہو جائے۔

۳۔ جب سب طالب علم جملے کو پڑھ لیں تو اب آپ اس جملے کے الفاظ کی طرف توجہ کیجئے، سب سے پہلے جملے کا پہلا لفظ چھوڑ کر باقی دوسرے لفظوں کو مٹا دیجئے۔ پھر لوگوں سے پوچھئے کہ اب کیا رہ گیا؟ جملے کا چونکہ یہ پہلا لفظ ہوگا اور جملے کو زبان سے ادا کرنے میں سب سے پہلے یہی نکلتا ہے اس لئے آپ کے شاگرد اسے آسانی سے پہچان لیں گے۔ تھوڑی دیر تک اس لفظ کی ڈرل کرائیے۔ اس کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے اور پھر چوتھے لفظوں کی اسی طرح پہچان کرائیے۔

۴۔ جب لفظوں کی پہچان پکی ہو جائے تو ایک ایک لفظ لے کر اُن کے حروف کو الگ الگ کیجئے (مگر یہ یاد رہے کہ حروف کی صرف آوازیں بتائی جائیں، اُن کے نام ہرگز نہ بتائے جائیں)۔ اور ان کی خوب مشق کرائیے۔

۵۔ اب انہیں حروف کے میل سے جس لفظ کے حروف ہوں، بالکل انہی کی طرح کے نئے لفظ اور ان لفظوں سے نئے جملے بنوائیے۔

۶۔ اسی طرح کم سے کم پانچ چھ نئے جملوں کی پہچان کرا دیجئے۔

مثال

۱۔ آپ نے جملہ منتخب کیا رام کے گھر بہو آئی

اس جملے کو اچھی طرح پہچنوا دیجئے۔ پہچان کرانے کے لئے جملے کے لفظوں کی ترتیب بھی بدل سکتے ہیں مثلاً بہو رام کے گھر آئی۔ بہو آئی رام کے گھر۔ گھر بہو آئی رام کے۔ لیکن لفظوں میں اس طرح کا ہیر پھیر اسی وقت کرنا چاہئے جب پہلے سیدھا جملہ سب لوگ بے جھجک پڑھنے لگ جائیں، ورنہ الجھن میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ رام کے گھر بہو آئی ایک مرتبہ لکھ کر "کے گھر بہو آئی" اس طرح مٹائیے کہ ہلکا ہلکا نشان باقی رہے۔ اسی طرح جب "رام" کی پہچان ہو جائے تو بچے بعد دیگرے "کے"، "گھر"، "بہو" اور "آئی" کے الفاظ پہچنوا دیجئے اس حد تک کہ جوں ہی بلیک بورڈ پر کوئی لفظ لکھا جائے طالب علم اسے دیکھتے ہی پہچان جائیں۔

۳۔ اب پہلے "رام" کا لفظ لے کر اس کے حروف ر ا م الگ الگ کیجئے اور ہر ایک کی مشق کرائیے۔ اس کے بعد "کے" کا لفظ لے کر ک ے کے حروف کی پہچان کرائیے۔ مگر ان حروف کی صرف آوازیں بتائی جائیں، نام نہ بتایا جائے۔ جب ان دو لفظوں کے حروف کی پہچان مکمل ہو جائے تو ان سے نئے لفظ مثلاً کام، مار، کار وغیرہ بنوائیے اور ان کی مشق کرا دیجئے۔

جملے اگر دو یا تین لفظوں کے ہوں تو ایک کے بجائے دو یا تین جملے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے شاگردوں کو پڑھانے کے لئے کوئی بنی بنائی پرائمر نہ استعمال کرنا چاہیں اور روزانہ پڑھانے کے لئے خود سبق تیار کر کے لانے کے لئے تیار ہوں تو پڑھانے سے پہلے کے مذکورہ بالا طریقہ کار سے آپ کو زیادہ مدد ملے گی بشرطیکہ آپ اپنے آئندہ سبق میں ایسے ہی حروف اور الفاظ کا اہتمام کریں۔

اس کام میں پڑھائی شروع کرنے سے پہلے کے تین چار دن صرف ہوں گے لیکن اس سے پڑھائی کا آئندہ کا کام آسان ہو جائے گا اس لئے کہ اس ابتدا سے دماغ پڑھائی سے آشنا ہو چکے ہوں گے اور پڑھنے کے کام سے طلبا میں دلچسپی پیدا ہو چلی ہوگی۔

اصلی پڑھائی سے پہلے کی اس تمہیدی پڑھائی کے لئے مختلف استاد مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً جملے کے انتخاب میں کلاس کی عام دلچسپی یا بستی کے کسی مشترک مسئلے سے کوئی جملہ ڈھالنے کے لئے بجائے بعض استاد کوئی مشہور شعر، دوہا یا قول منتخب کر لیتے ہیں جیسے "رگھوپت راگھو راجا رام" یا "ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں" وغیرہ

بعض مقامات پر استاد فلم اسٹرپ استعمال کرتے ہیں۔ کلاس میں پردہ کھڑا لگا ہوا ہے، استاد بات چیت کے ذریعے

طالب علموں کو فلم دیکھنے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ایک فریم سامنے آجاتا ہے۔ فریم میں اوپر تصویر بنی ہوتی ہے اور اس کے نیچے اس سے متعلق جملہ یا لفظ لکھا ہوتا ہے۔ فلم کی طرف توجہ اپنے آپ معمول سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے اُستاد کے صرف اشارے پر پوری کلاس جُملے کو پڑھ لیتی ہے۔ اس کے بعد کم و بیش اسی اصول کی بنیاد پر جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ جُملے سے لفظ اور لفظوں سے حروف اور حروف سے نئے لفظ بنوائے جاتے ہیں۔

اب باقاعدہ پڑھائی شروع کیجئے

اصل پڑھائی شروع کرنے سے پہلے کی مذکورہ بالا سرگرمی سے آپ کے شاگردوں میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کے باب میں اعتماد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہوگی آگے کی منزلیں پار کرنے کا حوصلہ پیدا ہو چکا ہوگا اور کسی وجہ سے کوئی ہمت ہار چکا ہوگا تو اس کا بھی پتہ چل گیا ہوگا اور آیندہ کسی کے کلاس کو چھوڑ بھاگنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

اس موقعہ پر خواندگی کا جو طریقہ آپ نے اپنے لئے منتخب کیا ہو، اس کے مطابق باضابطہ پڑھائی کا کام شروع کر دیجئے لیکن یہ کسی حالت میں نہ بھولئے کہ

آپ کو اپنے ہر طالب علم کی نظر میں اس کا "یارِ غار" ثابت کرنا ہے

ورنہ آپ کی مہینوں کی محنت پر ایک ذرا سی غفلت اور بھول سے پانی پھر سکتا ہے۔

یارِ غار بننے اور رہنے کے چند گُر

۱۔ کلاس میں سنجیدگی کی فضا مضر ثابت ہوگی اس لئے موقعہ موقعہ سے لطیفوں اور چٹکلوں کے ذریعے طلباء کو ہنساتے رہئے لیکن کوئی لطیفہ یا چٹکلا ایسا ہرگز نہ ہو جس سے کسی طالب علم کے اوپر چوٹ پڑتی ہو۔

۲۔ کلاس میں پڑھائی شروع کرنے سے پہلے پانچ منٹ ہر طالب علم کی خیریت دریافت کر لیجئے۔ اگر خدانخواستہ کسی طالب علم کے اوپر خود یا اس کے خاندان کے کسی فرد کے اوپر کوئی حادثہ گذرا ہو تو اس دن کلاس ملتوی کر دیجئے اور سب لوگ مل کر اس کے گھر جائیے اور اس کے دُکھ درد میں شرکت کیجئے۔ اس کے برعکس کسی کے گھر کوئی خوشی ہوئی ہو بچہ پیدا ہوا ہو خود کی یا لڑکے لڑکی کی شادی ہوئی ہو تو رسم کے مطابق اس سے "مٹھائی" طلب کیجئے اور کلاس کے ختم پر اس کے گھر جائیے اور اس کی خوشی میں شرکت کیجئے۔ اس کی اپنی شادی ہوئی ہو تو بیوی کے بارے میں اسی طرح باتیں کیجئے جیسے اس کا کوئی اپنا "یار"

باتیں کرتا۔ سب لوگ بالغ ہوں گے اس لئے شائستہ اور مہذب انداز میں اس طرح کی باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ اپنے فاضل وقت میں باری باری اپنے ہر طالب علم کے گھر جائیے، کچھ دیر بیٹھئے اور اس سے باتیں کیجئے۔ اس کا کوئی خانگی معاشی مسئلہ سامنے ہو تو اس میں صحت مند مشورہ دیجئے البتہ اگر وہ بستی کے کسی جھگڑے میں مبتلا ہے تو اسے خوبصورتی سے ٹال دیجئے

۴۔ بستی کے عام مذاق کا لحاظ رکھتے ہوئے ہفتے میں یا دسویں پندرھویں دن پوری کلاس کو لے کر کوئی پکنک کروائیے، یا کسی دلچسپ مقام کی سیر کرالائیے اسی طرح بستی کے کسی مسئلے کو لے کر جس میں پوری بستی کو دلچسپی ہو اس کا ایک ناٹک یا سوانگ کھیل ڈالئے ناٹک اپنی رہنمائی میں طالب علموں سے خود لکھوائیے انھی میں سے کسی کو ایکٹر، کسی کو ڈائرکٹر، کسی کو میوزک ڈائرکٹر بنا دیجئے اور جو باقی بچیں انھیں ناٹک کے انتظامات سپرد کر دیجئے۔

۵۔ کلاس کے دوران میں کم سے کم دو دفعہ پوری کلاس کو اپنے جائے قیام پر مدعو کیجئے اور ان کی خاطر تواضع کیجئے۔ خاطر تواضع کی نوعیت آپکے اپنے حالات پر منحصر ہے، اصل چیز وہ خلوص اور محبت ہے جو آپ کو ان کے اوپر ظاہر کرنی ہے۔

ناموں کا مصوّر چارٹ

ایک بڑے سائز کے کاغذ پر طالب علموں کی تعداد کے مطابق خانے بنا لیجئے اور اگر آپ کے پاس کیمرہ ہو تو ہر طالب علم کی تصویر لے کر خانوں میں چپکا دیجئے۔ یہ مصوّر چارٹ کلاس میں کسی نمایاں جگہ پر لگا رہنا چاہئے۔ ہر طالب علم کو اجازت ہو کہ جس وقت وہ اپنی تصویر کی جگہ اپنے ہاتھ سے اپنا نام لکھ لے اس وقت وہاں سے تصویر ہٹا کر اسے خود اپنے پاس رکھ لے۔ اس طرح ایک دن وہ آجائے گا کہ چارٹ میں تصویروں کی جگہ طالب علموں کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نام ہوں گے۔

اگر تصویروں کا انتظام نہ ہو سکے تو خانہ دار چارٹ خالی ہی رہنے دیجئے اور طالب علموں کو دعوت دیجئے کہ اپنی نشست کے مطابق خانہ دیکھ کر اس میں اپنا نام لکھ دیں۔ جو طالب علم اپنا نام سب سے پہلے لکھے اس کے نام پر آپ "نمبر ۱" لکھ دیں۔ دوسرے نمبر پر لکھنے والے کو نمبر ۲ دیجئے اور اسی طرح ہر لکھنے والے کو اس کے خانے ہی میں اس کی کامیابی کے مطابق نمبر دے دیجئے۔

ہوسکتا ہے کہ چارٹ میں نام پیدا کرنے کی غرض سے طالب علم پہلے اپنا نام لکھنا سیکھنے کا مطالبہ کریں۔ ان کا یہ مطالبہ خود پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے اُن کی آمادگی کی علامت ہوگا اس لئے آپ کو چاہئے کہ سب سے پہلے اس مطالبے ہی کو پورا کریں اور پڑھائی کا پروگرام ایک آدھ دن کے لئے ملتوی کر دیں۔ اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ اس مطالبے کی وجہ سے پڑھائی کے پروگرام میں زیادہ خلل پڑے گا تو چارٹ کی سرگرمی پڑھائی شروع کرنے کے دو چار دن بعد شروع کیجئے تاکہ اس عرصے میں کچھ حروف کی اُن کو پہچان ہو جائے اور نام لکھنے کی مہم میں زیادہ دیر نہ لگے۔ چارٹ کی یہ سرگرمی طلباء میں پڑھنے لکھنے سے دلچسپی پیدا کرنے کا ایک وسیلہ

اس لئے اس کا اہتمام حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے لیکن ہونا ہر حال چاہئے۔

ہمارا اخبار

اخبار زمانہ حاضر کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ آپ طلبا ر سے اخبار سے دلچسپی پیدا کرنے کا آغاز اپنی خواندگی کی کلاس ہی سے شروع کر سکتے ہیں۔ اس کی بسم اللہ تو ناموں کے چارٹ ہی سے ہو جائے گی لیکن کلاس شروع ہونے کے چند دن بعد جب طلبا ر تمام حروف اور اُن کے جوڑوں سے واقف ہو جائیں اور چھوٹے چھوٹے لفظ اور چھوٹے چھوٹے جملے پڑھنے لگیں تو ایک بڑے سائز کے کاغذ پر چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل بستی کی خبروں کا ایک روزانہ دیواری اخبار "ہمارا اخبار" کے عنوان سے ترتیب دینا شروع کر دیجئے۔ یہ اخبار روزانہ کلاس شروع ہونے سے پہلے کلاس میں آویزاں کر دیا جائے اور کلاس کے بعد بستی کے کسی مرکزی مقام یا کلاس کے پھاٹک پر لگا دیا جائے اس سے ایک طرف آپ کے طالب علموں کی پڑھائی کی عام مشق ہو جائے گی اور پڑھنے لکھنے سے ان کی دلچسپی قائم رہے گی اور دوسری طرف اخبار بینی کا شوق پیدا ہوگا۔ یہی اخبار جب آگے چل کر خواندگی کے بعد کی منزل میں مشتقی (FOLLOW UP) پروگرام شروع ہوگا، اس وقت بستی کے تعلیمی مرکز کی طرف سے شائع ہونے والے مستقل مصوّر دیواری اخبار کی شکل اختیار کر لے گا۔

ان تمام کاموں میں محنت یقیناً کرنی پڑے گی لیکن یہ طے ہے کہ اگر اتنی محنت آپ نے کر لی　　　جو اگر آپ کو خواندگی کی تحریک سے لگاؤ ہے تو آپ کو یقیناً کرنی چاہئے ——— تو آپ کامیاب رہیں گے اور ناکامی جو خواندگی کی مہموں کے ساتھ لازم و ملزوم سمجھی جانے لگی ہے، آپ سے کوسوں دور رہے گی۔

جے پور سیمنار کی رپورٹ اور سفارشات

گذشتہ مہینے کی ۲۰ سے ۲۵ تاریخ تک نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے زیر اہتمام راجستھان یونیورسٹی جے پور میں سوشل ایجوکیشن کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے نمایندوں کا ایک سیمنار منعقد ہوا تھا جس کا موضوع تھا "سوشل ایجوکیشن کے میدان میں ریسرچ اور مطبوعات کے مسائل"۔

اس سیمنار کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں ہم اشارات کے کالم میں بحث کر چکے ہیں یہاں ناظرین کی معلومات اور دلچسپی کے لئے سیمنار کی رپورٹ نقل کر رہے ہیں۔

—— ایڈیٹر

تشریحی نوٹ

سیمنار کے موضوع کو پانچ ابواب میں تقسیم کر دیا گیا تھا جو موضوع سے متعلق سوالات کی پانچ فہرستوں کی شکل میں تھے۔ سیمنار کے نمایندوں کی سہولت کی غرض سے سوالات کی ہر فہرست کے ساتھ مختصر تشریحی نوٹ دے دیئے گئے تھے۔ یہ پانچ ابواب حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ سوشل ایجوکیشن کا پروگرام اور اس کی ریسرچ

سوال نمبر ایک : سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ نے ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کے پروگرام پر کس حد تک اثر ڈالا ہے؟

سوال نمبر دو : کیا ہونا چاہئے کہ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں جاندار اور نتیجہ خیز رول ادا کرے!

۲۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے میدان اور طریقۂ کار (میتھڈالوجی)

سوال نمبر ایک: ہندوستان میں ریسرچ کا کام کرنے والوں نے سوشل ایجوکیشن کے کن پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہے اور کن پہلوؤں پر بہت زیادہ زور دیا ہے؟

سوال نمبر دو: ریسرچ کے موضوع منتخب کرنے میں کن اصولوں کی کارفرمائی ہونی چاہیے؟

سوال نمبر تین: سوشل ایجوکیشن کے کون سے اہم مسائل ہیں جن پر ریسرچ کی ضرورت ہے؟

سوال نمبر چار: کیا ان مسائل کے لحاظ سے ریسرچ کے طریقۂ کار سے متعلق کچھ تجویزیں ہیں؟ اِس وقت تک جو کچھ ریسرچ ہوئی ہے، اس میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے؟

۳۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے ادارے

سوال نمبر ایک: ہندوستان میں ایسے کون سے ادارے ہیں جو سوشل ایجوکیشن میں ریسرچ کا کام کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں؟

سوال نمبر دو: سوشل ایجوکیشن میں ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں کی کس طرح مدد کی جائے کہ وہ ریسرچ کا تیز تر پروگرام ہاتھ میں لے سکیں۔

سوال نمبر تین: سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے بارے میں نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کیا خدمات انجام دے رہی ہے؟ کیا کاؤنسل کو اس معاملے میں مزید خدمات اور سہولتیں فراہم کرنا چاہیئے؟

۴۔ سوشل ایجوکیشن کا پروگرام اور اس سے متعلق مطبوعات

سوال نمبر ایک: سوشل ایجوکیشن کے مضمون پر (یہاں نوسکھ بالغوں کا ادب مراد نہیں ہے) مطبوعات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جا رہی ہے۔ کیا یہ ضرورت پوری بھی ہو رہی ہے؟ مطبوعات کی نوعیت اور مقدار کے اعتبار سے موجودہ صورتِ حال کیا ہے؟

سوال نمبر دو: جو مطبوعات موجود ہیں، وہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں کس حد تک مددگار ثابت ہوئی ہیں؟

اُن کی افادیت میں اضافہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ سوشل ایجوکیشن کے کن میدانوں میں اور کن موضوعات پر کتابوں کی سب سے پہلے ضرورت ہے؟

۵۔ سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر کتابیں شائع کرنے والے ادارے

سوال نمبر ایک: ہندوستان میں کون سے ادارے ہیں جو سوشل ایجوکیشن کے مضمون پر کتابیں شائع کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں؟

سوال نمبر دو: کیا ان اداروں کو مزید مطبوعات شائع کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟ ان اداروں کی مدد کس طرح کی جائے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کے مضمون پر کتابیں شائع کرنے کا زیادہ منظم پروگرام بنا سکیں؟

سوال نمبر تین: کیا سوشل ایجوکیشن پر شائع ہونے والی مطبوعات کارکنوں تک پہنچتی ہیں؟ مطبوعات کے کارکنوں تک پہنچانے کے کیا راستے ہیں؟ کیا انتظامات کئے جائیں کہ مطبوعات کے جلد سے جلد پہنچنے کی ضمانت ہو سکے؟

سوال نمبر چار: سوشل ایجوکیشن کے مضمون پر مطبوعات کی اشاعت کے سلسلے میں نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کیا خدمات بہم پہنچا رہی ہے؟ کیا کاؤنسل کو اس سلسلے میں مزید خدمات اور سہولتیں فراہم کرنا چاہیے؟

رپورٹ

پہلا باب: سوشل ایجوکیشن کا پروگرام اور اس کی ریسرچ

گذشتہ بیس پچیس سال میں علم کے متعدد میدانوں میں تحقیق اور ریسرچ کے کام میں قابلِ ذکر توسیع ہوئی ہے۔ سماجی علوم میں تحقیق اور ریسرچ کے کام میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے اور اس کے بعض میدانوں میں اس کی وجہ سے سماجی پالیسی پر بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ تعلیم کے میدان میں نفسیات، سماجیات اور دوسرے متعلقہ علوم کی تحقیقوں کی روشنی میں کافی تبدیلی آئی ہے اور تعلیمی پالیسیاں انھی کی روشنی میں وضع کی گئی ہیں۔ سماجیات میں جو تحقیقیں ہوئی ہیں ان کا اثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کاروبار، صنعت

کمیونٹی ڈیویلپ منٹ، سوشل ایجوکیشن، ایکس ٹینشن میں جہاں تک انسانی رشتوں کا تعلق ہے، ان کے بارے میں سوچنے اور پالیسی وضع کرنے کے طریقے بدل گئے ہیں۔ تحقیق اور ریسرچ کے اس ترقی پذیر رجحان کی جھلک سوشل ایجوکیشن کے میدان میں بھی نظر آنی چاہئے تاکہ ان کے اثر سے سوشل ایجوکیشن کے مسائل کا حل نکل سکے۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں اب تک جو تحقیقیں ہوئی ہیں ان کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا رُخ کام کے اصل مسائل کی طرف نہیں رہا ہے اور اگر کچھ رہا بھی ہے تو بہت کم۔

سیمنار کے پہلے موضوع "سوشل ایجوکیشن کا پروگرام اور ریسرچ" پر صورتِ حالات کے اسی پس منظر میں سیمنار میں غور و خوض کیا گیا۔

(۱) سیمنار اس رائے پر پہنچا کہ ان مقالات سے قطع نظر جو یونیورسٹیوں کے طلبا نے ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے اپنے نصاب کی جزوی تکمیل کے طور پر لکھتے ہیں، سوشل ایجوکیشن کے میدان میں صحیح معنی میں تحقیق کا کام بہت ہی کم ہوا ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں کچھ تجربے، تحقیقاتیں، اور مطالعے بلاشبہ ہوئے ہیں اور سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کی نشو و نما میں ان کے اثرات بھی پڑے ہیں لیکن اس حد تک نہیں کہ اس طرح کی تحقیقاتوں اور مطالعوں کے نتائج سے سوشل ایجوکیشن کی پالیسی اور پروگراموں میں کوئی بنیادی تبدیلی آگئی ہو۔ ریسرچ کے اثر کی اس کمی کے اسباب سیمنار کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

(الف) ریسرچ کا کام ناکافی اور اکّا دکّا رہا ہے۔

(ب) ریسرچ سے دلچسپی رکھنے والے کارکنوں کی کمی رہی اور وہ ریسرچ کے فن سے بہت کم واقف رہے ہیں۔

(ج) جو کچھ ریسرچ ہوئی ہے، اس کے نتائج کی معقول اشاعت نہیں ہوئی ہے۔

(د) جو تجربے ہوئے، ان میں تسلسل قائم نہیں رہا اور نہ ان کے نتائج کی جانچ ہوئی۔

(ہ) ریسرچ کے فن اور طریقوں سے متعلق علاقائی زبانوں میں کتابوں کی کمی رہی ہے۔

(۲) سوشل ایجوکیشن کے پروگرام پر ریسرچ کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے جانچ کے معیار پر غور کرنے کے بعد سیمنار اس رائے پر پہنچا کہ اس کا خاص معیار یہ دیکھنا ہے کہ ریسرچ سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کو سوشل ایجوکیشن کے معمولات میں کہاں تک تسلیم کیا گیا ہے۔ واضح طور پر اس سلسلے میں سیمنار نے حسب ذیل معیار مقرر کئے:

(۱) آیا ریسرچ کے نتائج کے مطابق عمل کرنے سے کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟

(۲) ریسرچ کے نتائج سے لوگوں میں سوشل ایجوکیشن کی اہمیت اور افادیت کا کس حد تک یقین پیدا ہوا ہے؟

(۳) سوشل ایجوکیشن کی پالیسی وضع کرنے میں ریسرچ کے نتائج کا کس حد تک اثر پڑا ہے۔

(۴) آیا سوشل ایجوکیشن کی ٹریننگ اور دوسرے متعلقہ میدانوں میں کوئی اصلاحی قدم اٹھایا گیا ہے؟

(۵) سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کا عوام کے ساتھ سلوک کرنے میں جو رویّہ پہلے رہا ہے اور اپنے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے میں ان کا جو دستور پہلے رہا ہے، آیا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟ اسی طرح آیا ریسرچ کے نتائج سے کارکنوں کی شخصیت میں کوئی تغیر رونما ہوا ہے؟

(۶) آیا سوشل ایجوکیشن کے جملہ پروگرام پر خاص خاص تحقیقوں کا کوئی اثر پڑا ہے؟

(۷) آیا ریسرچ کے نتائج سے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کو قائم رکھنے اور اس میں مزید تیزی اور شدت پیدا کرنے کے لئے پالیسی بنانے والوں کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے

(۸) آیا عملے کے انتخاب کے طریقۂ کار پر تحقیقوں کا کوئی اثر مرتب ہوا ہے؟

(۹) سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کو ٹریننگ دینے کے جو طریقے رہے ہیں، آیا ریسرچ کے نتائج سے ان کے اوپر اثر پڑا ہے؟

۳۔ سیمنار کی رائے ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے منصوبے بنانے اور ان کو پورا کرنے کے معاملات پر غور کرتے وقت ان سماجی علوم کی تحقیقوں کو بھی، جن کا سوشل ایجوکیشن سے تعلق ہو، ذہن میں رکھنا چاہئے اس لئے کہ سوشل ایجوکیشن پروگرام کا روپ متعین کرنے میں ایسی تحقیقوں کا زبردست کردار رہا ہے۔

۴۔ وہ کیا تدبیریں ہیں جن سے سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں میں اہم اور نتیجہ خیز کردار ادا کر سکے؛ اس سلسلے میں سیمنار نے حسبِ ذیل سجھاؤ پیش کئے:

الف۔ اس وقت جو تحقیقی ادارے موجود ہیں انھیں چاہئے کہ وہ تحقیق اور ریسرچ کے حق میں ریاست اور عوام دونوں کی تربیت کریں اور ان کے دل میں تحقیق کے کام کی طرف سے جوش اور ولولہ پیدا ہو۔

ب۔ تحقیقیں سوشل ایجوکیشن کے مقصد اور مسائل دونوں میں ہونی چاہئے۔

ج۔ سوشل ایجوکیشن کے کام کے مختلف مرحلوں کے بارے میں بہت بڑے پیمانے پر تحقیقیں ہونی چاہئیں۔

د۔ تحقیق اور ریسرچ کے جتنے ادارے ہیں انھیں چاہئے کہ وہ اپنے ریسرچ کے پروگرام آپس میں مل کر بنائیں تاکہ ایک ہی طرح کے کاموں میں ٹکراؤ نہ ہو۔

ہ۔ ریسرچ کے نتائج کی اشاعت اور تبلیغ کا بہت منظم طریقے پر اہتمام ہونا چاہئے۔ نتائج میدان کے اصل کارکنوں تک اُن کی علاقائی زبان میں پہنچنے چاہئیں۔

د ۔ سوشل ایجوکیشن کے مختلف حیثیتوں کے کارکنوں کو ریسرچ کے فن سے روشناس کرایا جانا چاہئے اور انہیں آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنے کام کے معمولات کو بہتر کرنے کی غرض سے ریسرچ کے نتائج پر نظر رکھا کریں۔ افسران متعلقہ کو چاہئے کہ وہ فیلڈ کے کارکنوں کو ریسرچ کے نتائج پر عمل کرنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں اور اس مقصد کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

س ۔ ریسرچ کے فن میں ٹریننگ یا معمولی واقفیت کے کورس چلا کر ریسرچ کا کام کرنے والوں کا ایک عملہ تیار کر لینا چاہئے۔

ح ۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاستوں میں ریسرچ کا کام کرنے والوں کو تربیت دینے اور ان کی رہنمائی کرنے کے لئے ریسرچ ٹریننگ سنٹر کھولے جانے چاہئیں اور ریاست کے اندر سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے منصوبوں کے درمیان تال میل قائم کرنے کے انتظامات ہونے چاہئیں۔

ط ۔ ہر سال ریاست کی سطح پر ریاستی حکومت اور اگر ریاست میں اسٹیٹ سوشل ایجوکیشن ایسوسی ایشن قائم ہو تو اس ایسوسی ایشن کے ساتھ مل کر سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی کانفرنسیں منعقد کی جانی چاہئیں ان کانفرنسوں کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس میں جن مسائل پر ریسرچ کی ضرورت ہو، اُن کا تعین کیا جائے اور اس طرح ریسرچ کا پروگرام مرتب کیا جائے۔

ی ۔ ان کانفرنسوں میں ریسرچ کے لئے جو مسائل طے پائیں، ان میں وہی شروع کئے جائیں جن کی سب سے پہلے ضرورت ہو۔

ث ۔ فیلڈ ورکروں، انتظام کاروں اور ریسرچ کے ماہروں کے درمیان قریب ترین تعاون و اشتراک ہونا چاہئے۔

ل ۔ ریسرچ کے کام کے لئے حکومت کو معقول مقدار میں سرمایہ منظور کرنا چاہئے۔

م ۔ ریسرچ کا کام کرنے والے کو اتنا وقت ملنا چاہئے کہ وہ اپنے پروجیکٹ کو اطمینان و سکون کے ساتھ مکمل کر سکے۔

ن ۔ کنزیومر ریسرچ (RONSUMER RESEARCH) کے تصور کو فروغ دینا چاہئے جس کا مقصد یہ ہے کہ افراد کے جس طبقے کے لئے ریسرچ کی جائے اس کو اس کے نتائج کی سچائی اور صحت پر پورا پورا بھروسہ ہو اس لئے کہ اسی حالت میں افراد اس کو تسلیم کریں گے۔

س - آپریشنل اور ایکشن ریسرچ کی بھی ضرورت ہے تاکہ ان کے ذریعے کارکنوں اور دوسرے متعلقہ افسروں کی رہنمائی ہو سکے۔

ع - ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جانی چاہئیں کہ سوشل ایجوکیشن میں جو قابلِ ذکر تحقیقیں ہوتی ہیں وہ چھپ جائیں اور فیلڈ کے کارکن اور دوسرے دلچسپی رکھنے والے لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔

ف - مختلف اداروں اور محکموں کو مل کر تال میل کا ایسا طریقہ کار سوچنا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی تحقیقوں سے فائدہ اٹھا سکے۔

ص - کام کے جن میدانوں میں کسی تحقیق یا تحقیقوں کے نتائج کے مطابق عمل کیا جا رہا ہو وہاں اس کے اثرات کا اندازہ کرنے کی غرض سے پڑتالی تحقیقیں بھی ہوتی رہنی چاہئیں۔

۵ - ریسرچ کے طریقہ کار (میتھڈالوجی) کے سلسلے میں سیمینار کا خیال ہے کہ طریقہ کار کا تعین زیرِ تحقیق مسئلے کی نوعیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ریسرچ کے میتھڈ بہرحال حسبِ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱- مشاہدہ (آبزرویشن)　　۲- سوال نامہ اور اس کے ساتھ ملاقات کا طریقہ کار جس کی تعلیم حسبِ ذیل ہو سکتی ہے:

(الف) ملاقات افراد سے (ب) چھوٹے چھوٹے منتخب گروپوں سے (ج) بڑے گروپوں سے۔

۳- مثالی سروے (NORMATIUE SURVEY)　۴- پائلٹ پروجیکٹ (ایکشن ریسرچ کی قسم)

۵- ایک ایک کیس کو لے کر اس کا مفصل مطالعہ (CASE STUDIES)

طریقہ کوئی بھی ہو زور اس بات پر رہنا چاہیے کہ جو معلومات اور اعداد و شمار (DALA) حاصل ہوں وہ صحیح اور قابلِ اعتماد ہوں۔

دوسرا باب: سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے میدان اور مسائل

سیمینار اس بات پر متفق ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے حسبِ ذیل دہ پہلو ہیں جن پر ریسرچ کی ضرورت ہے:

ملہ ایکشن ریسرچ سے مراد وہ تحقیقات ہوتی ہے جو کسی مجوزہ منصوبے کو لاگو کرنے سے پہلے اس کے قابلِ عمل یا ناقابلِ عمل کم خرچ یا مہنگے کامیاب یا ناکام ہونے کے امکانات وغیرہ کے بارے میں کی جاتی ہے۔ آپریشنل ریسرچ وہ تحقیقات ہے جو کسی منصوبے کے عمل میں آجانے کے دوران میں کی جاتی ہے۔

۱۔ بالغوں کی خواندگی اور خواندگی کے بعد کا مشق (FOLLOW UP) پروگرام (ہمہ گیر خواندگی، سوشل ایجوکیشن اور خواندگی کا مشترک کام، مخصوص طبقوں کی خواندگی وغیرہ)

۲۔ نوسکھ بالغوں کا ادب

۳۔ سوشل ایجوکیشن میں کتب خانوں کا پہلو

۴۔ اطلاعاتِ عامّہ (MASS COMMUNICATION) کے وسائل

۵۔ کارکنوں کا انتخاب اور ٹریننگ

۶۔ تفریح

۷۔ یوتھ ایجوکیشن اور لیڈر شپ کی ٹریننگ

۸۔ سماج کی نشو و نما کے لئے عام تعلیم کا پروگرام

(الف) کمیونٹی سنٹر کی تنظیم

(ب) گروپوں کی تنظیم، ان کے پروگرام اور ان کے لئے سنٹر

(ج) شہریت کی تعلیم

۹۔ صنعتی مہارت کی تعلیم

۱۰۔ پروگراموں کی جانچ

۱۱۔ تسلسلی تعلیم کا پروگرام

سیمنار کی رائے ہے کہ بالغوں کی خواندگی، بالغوں کے ادب اور پروگرام کی جانچ کی غرض سے ہونے والے چند مطالعوں کو چھوڑ کر دوسرے تمام میدانوں کو ریسرچ کا کام کرنے والوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

سیمنار نے تحقیق طلب پروجیکٹوں کے انتخاب کے لئے چند اصول متعین کئے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ مقررہ پروگراموں کو کامیابی سے چلانے میں کارکنوں کی مشکلات کی شدّت

۲۔ جو مسائل درپیش ہوں ان کا حل تلاش کرنے کی فوری ضرورت — جو مسائل سب سے شدید ہوں ظاہر ہے اُن کو سب سے پہلے لیا جائے گا۔

۳۔ ریسرچ کے پروگراموں کو تکمیل تک پہنچانے میں زیادہ سے زیادہ وسائل اور ریسرچ کی صلاحیت رکھنے والے کارکنوں کی موجودگی۔

۴۔ ریسرچ پروگرام کے پہلے مرحلے میں انہی پروگراموں کو سب سے پہلے رکھا جائے جن کی تکمیل میں ریسرچ کے آسان اور سیدھے سادے طریقوں سے کام چل سکتا ہو۔

۵۔ یہ دیکھا جائے کہ ریسرچ کے کون سے پروجیکٹ ایسے ہیں جو آبادی کے زیادہ سے زیادہ حصے کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوں گے اور اُن کے احاطے میں اس کا زیادہ سے زیادہ حصہ آجائے گا۔

۶۔ ریسرچ پروگرام کا رُخ موجودہ پروگراموں میں اصلاح کی طرف ہونا چاہئے خصوصاً ایکشن ریسرچ پروگرام کی طرف

۷۔ مستقبل کے ایسے ایکشن ریسرچ پروگرام جن کے لئے علمی اور بنیادی نوعیت کی ریسرچ کی ضرورت ہو خصوصاً تصوری نوعیت کے مطالعے (یعنی مطالعے کے ذریعے ایسے خاکے اور منصوبے مرتب کرنا کہ اگر فلاں فلاں شرائط پوری ہو جائیں تو فلاں نتیجہ برآمد ہوگا)

۸۔ "تائیدی (SUPPORTIUE) ریسرچ جس کا مقصد اس بات کی کھوج لگانا ہو کہ سوشل ایجوکیشن پروگرام کس حد تک کامیاب ہو چکا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے متعلقہ لوگوں کو پروگرام کی افادیت کا یقین دلایا جا سکے۔ اس سے سوشل ایجوکیشن کی افادیت کے حق میں رائے عامّہ قائم کرنے میں بھی بڑی حد تک مدد ملے گی۔

۹۔ سوشل ایجوکیشن کے وہ میدان جو اب تک نظرانداز کئے جاتے رہے ہیں۔

۱۰۔ وہ میدان جن کے آیندہ اہمیت اختیار کرنے امکان ہو۔

سیمنار نے سوشل ایجوکیشن کے ان مسائل کی ایک فہرست تیار کی جن پر ریسرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ مسائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس بات کی تحقیق کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے باب میں اس کے کارکنوں کی شخصیت کا کیا معیار رہے اور ان کا اس پروگرام کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے۔

۲۔ اس بات کی تحقیق کہ لوگوں کے پڑھنے پڑھانے کی عادات میں اصلاح کرنے کے لئے کیا تدبیریں عمل میں لائی جانی چاہئیں۔

۳۔ انتظامی طریقوں پر ایک تحقیق۔

۴۔ ٹریننگ کے مختلف طریقوں کی افادیت پر ایک تحقیق۔

۵۔ خواندگی کی غرض سے اَن پڑھ بالغوں کو آمادہ کرنے کے معیاروں کا تعین۔ (یعنی بالغوں کو آمادہ کرنے کی مہم

کس معیار کی ہو کہ اس کے اثر سے وہ پڑھنا لکھنا سیکھنے پر آسانی سے آمادہ ہو جائیں گے۔

۶- آمادہ کرنے کی مہم کے ان معیاروں کی جانچ۔

۷- اس بات کی تحقیق کہ دیہی اور شہراتی علاقوں میں ان پڑھ بالغوں کو معلومات بہم پہنچانے کے کیا کیا ماخذ ہیں۔

۸- یہ تحقیق کہ قبائلی، دیہی، قصباتی اور شہراتی علاقوں میں لٹریسی کے لئے ناخواندہ بالغوں کو آمادہ کرنے والے کیا کیا محرکات ہیں؟

۹- خواندگی کی کلاسوں کو چھوڑ بھاگنے کے مسئلے پر ایک ریسرچ۔

۱۰- خواندگی کی کلاسوں کی حاضری کی عام کیفیت کا ایک تجزیہ۔

۱۱- خواندگی کی تعلیم کے مختلف طریقوں کی جانچ کر کے ان کی حیثیت مقرر کرنا۔

۱۲- ملک کے مختلف حصّوں میں خواندگی کی کلاسوں میں جو نصاب اور فارم وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں ان کا مطالعہ تاکہ اس کی روشنی میں آیندہ کے لئے نمونے کے نصاب اور فارم وغیرہ ترتیب دیئے جا سکیں۔

۱۳- خواندگی کے اُستادوں کی ٹریننگ کے پروگرام مثلاً نصاب تعلیم، مدّت، طریقہ تعلیم وغیرہ کا ایک مطالعہ تاکہ اس کی روشنی میں ان چیزوں کا ایک مثالی نمونہ قائم کیا جا سکے۔

۱۴- خواندگی کے چند طریقوں کا ایک مطالعہ جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ کہاں تک کارآمد اور نتیجہ بخش ہیں۔

۱۵- ان محرکات کا ایک مطالعہ جو خواندگی کے پروگرام کی نتیجہ خیزی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۱۶- ایک تحقیق جس سے یہ معلوم ہو کہ کسی شہراتی علاقے میں نوسکھ عورتوں اور مردوں کو کیا کیا پڑھنے کا شوق ہے اور آیا انہیں پڑھنے کی عادت بھی ہے یا نہیں۔

۱۷- دیہی ایڈمنسٹریشن یا کسی دوسری ایجنسی میں خواندگی کے بعد کے شقی پروگرام (FOLLOW UP) کا مطالعہ جس سے معلوم ہو کہ آیا یہ پروگرام کس پیمانے پر چل رہا ہے آیا نوسکھ بالغوں کے مطالعہ کے مطابق ہے یا نہیں، اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہو رہا ہے یا نہیں، اور یہ کہ اس کے اوپر خرچ کیا آتا ہے۔

۱۸- گشتی کتب خانوں کے پروگرام کا ایک مطالعہ

۱۹- یہ تحقیق کہ مختلف علاقوں میں آیا لوگوں کو پڑھنے کا شوق ہے اور اگر ہے تو کیا پڑھنے کا شوق ہے۔ جن چیزوں کے مطالعے کو وہ ترجیح دیتے ہیں، خصوصاً ان کی تحقیق۔

۲۰- مختلف زبانوں کے عام بول چال کے الفاظ کا شمار ــــــ خصوصاً الفاظ کی درجہ وار فہرستوں کی ترتیب قا لیف

۲۱۔ خواندگی کی قابلیت کے قائم رہنے کی تحقیق یعنی یہ معلوم کرنا کہ مختلف وقفوں کے بعد یہ قابلیت کس حد تک قائم رہتی ہے۔

۲۲۔ نوسکھ بالغوں کے ادب کی جانچ کر کے اس کی حیثیت مقرر کرنا۔

۲۳۔ چند منتخب علاقوں کو لے کر یہ تحقیق کہ خواندگی کے بعد نا خواندگی کی حالت کو کون سے لوگ اور کیوں پہنچ جاتے ہیں۔

۲۴۔ بالغوں کی خواندگی میں مشتمل پروگراموں کا ایک مطالعہ۔

۲۵۔ خواندگی کی صلاحیت کے استعمال کا ایک مطالعہ۔

۲۶۔ دہلی کے اوچندی گاؤں نے پیداوار اور صفائی میں اوّل انعامات حاصل کئے ہیں۔ اس گاؤں میں اور اسی طرح کے دوسری ریاستوں کے گاؤں میں جن کو اوّل انعامات ملے ہیں، یہ مطالعہ کی ان کی کامیابی میں خواندگی اور اس سے متعلق دوسری باتوں کا کہاں تک دخل رہا ہے۔

۲۷۔ دہلی میں خواندگی کو جو فروغ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ اس کے پیچھے کیا محرکات ہیں۔

۲۸۔ خواندگی اور معاشی ترقی کے درمیان ربط باہمی۔

۲۹۔ یہ تحقیق کہ گذشتہ پچاس سال میں ملک میں خواندگی کی کیا رفتار رہی ہے تاکہ اس کی روشنی میں مستقبل کے لئے پروگرام مرتب کرنے میں آسانی ہو۔

۳۰۔ ایک ایسا مطالعہ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ شہرانی علاقوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کی کتنی ضرورت ہے۔

۳۱۔ مقامی لیڈروں کی ٹرننگ کے پروگرام کا ایک مطالعہ۔

۳۲۔ کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم اور سرگرمیوں پر ایک تحقیق۔

۳۳۔ عورتوں کے کلبوں اور نوجوانوں کی تنظیموں کی تشکیل اور سرگرمیوں پر ایک تحقیق۔

۳۴۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ بلاکوں میں سوشل ایجوکیشن کے اوپر اخراجات کی جو نوعیت ہے اور اس کا جو اثر سوشل ایجوکیشن کے پروگرام پر پڑا ہے، اس کے بارے میں ایک مطالعہ۔

۳۵۔ سماجی تبدیلی کے موضوع پر ریسرچ کا ایک پروجیکٹ، جس سے اندازہ ہو سکے کہ سماجی تبدیلی کے کیا اثرات رونما ہوئے ہیں، اور ان کی ذمہ داری کن محرکات کے اوپر ہے۔

۳۶۔ یہ تحقیق کہ نوجوانوں کو اسکول سے باہر کی تعلیم کی کتنی ضرورت ہے اور اس کے لئے مواقع اور وسائل کہاں تک

میسر ہیں۔

۳۷۔ یہ مطالعہ کہ سوشل ایجوکیشن کے لیے جو مختلف آڈیو۔ ویژول ایڈز تیار ہوئے ہیں ان کی نسبتی حیثیت کیا ہے۔

۳۸۔ ریڈیو سننے والے گروہوں اور دیہاتی براڈکاسٹ کی صورتِ حال کی تحقیق۔

۳۹۔ یہ مطالعہ کہ شہریت کی تعلیم سے متعلق جو سرگرمیاں منظم کی جاتی ہیں ان کی کیا کیفیت اور افادیت ہے۔

۴۰۔ یہ مطالعہ کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں خواندگی کا کیا مقام اور فائدہ ہے۔

۴۱۔ ترغیب و تشویق سے متعلق مطالعے جن کا مقصد ان محرکات کی کھوج لگانا ہے جن کے اثر سے بالغوں کے ہر طبقے کے لوگ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے آمادہ ہو سکیں۔

۴۲۔ عورتوں کی ناخواندگی کی ایک تحقیق

۴۳۔ یہ تحقیق کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو کامیاب بنانے میں قدیم اور روایاتی سماجی اداروں کو کس طرح اور کس حد تک استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مستقبل میں ہونے والے مذکورہ بالا تحقیق طلب مسائل کے انتخاب کا فیصلہ مقامی حالات وضروریات کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔

سیمنار کی یہ بھی رائے ہے کہ شری جے۔ پی۔ نائک نے ریسرچ کے لئے جو مسائل تجویز کئے ہیں اور ان میں سے پہلے اور بعد میں لئے جانے والے جن مسائل کا ذکر کیا ہے انہیں مستقبل کے لئے ریسرچ پروگرام کو ترتیب دیتے وقت سامنے رکھنا چاہیے۔ تحقیق طلب مسائل کی اوپر جو فہرست دی گئی ہے، وہ آخری اور مفصل نہیں بلکہ محض نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔

سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر جو تحقیقیں کی جا چکی ہیں، ان کی جو ایک تعارفی فہرست سیمنار میں تقسیم کی گئی تھی، اس کے اوپر غور کیا گیا؛ اور سیمنار اس نتیجے پر پہنچا کہ ان تمام تحقیقوں میں بس چند ہی ایسی ہیں جنہیں واقعی سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کہا جا سکتا ہے۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کی طرف سے اس لاپروائی کے جو بڑے نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ سیمنار کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

۱۔ تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے جن تدابیر، جن آلات و اوزار اور جن طریقوں کی ضرورت ہے، ان میں ترقی نہیں ہوئی۔

۲۔ قومی ڈیولپمنٹ کے بارے میں پالیسی بنانے والے اور دوسرے لوگ سوشل ایجوکیشن اور بالخصوص ان پروگراموں کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھنے میں قاصر رہے۔

۳۔ اس لاپروائی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے لئے جتنے سرمائے اور وسائل کی ضرورت تھی وہ مہیا نہیں کئے گئے۔

۴۔ مختلف پروگراموں کے رنگ روپ میں ناکامی سے بچنے کے لئے جو اچھی تبدیلیاں کی جا سکتی تھیں، وہ عمل میں نہیں لائی جا سکیں۔

۵۔ اس صورتِ حالات سے جو اسی لاپروائی کا نتیجہ ہے کارکنوں میں خاص طور پر اور بالعموم عوام میں بھی بے یقینی، پریشان خیالی، مغلوب الذہنی، اور غلط فہمی کی عام کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ "تاریکی میں راہ دکھانے والے ذرائع مہیا نہیں ہو سکے اور بہت سے پروگرام ترک کر دیئے گئے ہیں۔

نوٹ: رپورٹ کا باقی ماندہ حصہ جو بحث کے تیسرے چوتھے اور پانچویں عنوانات سے متعلق ہے اگلے پرچے میں دیا جائے گا۔

— ایڈیٹر

جے پور سیمنار کی

سفارشات

سیمنار نے اپنی چھ دن کی بحث و گفتگو کی روشنی میں حسب ذیل سفارشات منظور کیں ،

حصہ اوّل

یہ بات محسوس کرکے کہ ریسرچ اور تحقیق کا ایسا کام جس کا منشا مسائل کا حل نکالنا ہو سوشل ایجوکیشن کے میدان میں صحیح اور سچے پروگراموں کی نشو ونما کے لئے ضروری ہے اور

یہ دیکھ کر کہ اس سلسلے میں بہت ہی کم اور اکا دکا ہی کام ہوا ہے ، اس لئے کہ ریسرچ کی ضرورت کی اہمیت ہی نہیں تسلیم کی گئی تھی ، ریسرچ کا کام کرنے والے بہت کم تھے ، ریسرچ کے کام کی انھیں ٹریننگ نہیں ملی تھی ، اور سرمایہ بھی اس کام پر صرف کرنے کے لئے ناکافی تھا

سیمنار کی سفارش ہے کہ

۱- جو ادارے ریسرچ کے کام کی اہلیت رکھتے ہوں اور اس کی شرائط کو پورا کرتے ہوں انھیں مسائل کا حل نکالنے والی تحقیق یا ایکشن ریسرچ کا کام بڑے پیمانے پر شروع کرنا چاہئے ۔ اس ریسرچ کے خاص خاص میدان حسب ذیل ہیں :

(الف) بالغوں کی خواندگی اور مشقی (فالو اپ) پروگرام (ہمہ گیر خواندگی ، سوشل ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ ہونے والا خواندگی کا پروگرام ، مخصوص طبقات کی خواندگی وغیرہ)

(ب) سوشل ایجوکیشن کے مختلف پروگراموں کے ٹھیک یا غلط طریقے پر ہونے کی جانچ اور ان کی فائدہ مندی

کا اندازہ

(ج) نوسکھ بالغوں کے ادب کی نوعیت۔

(د) عوام کو معلومات بہم پہنچانے (ماس کمیونیکیشن) کے ذرائع

(ہ) عملہ۔ اس کا انتخاب اور ٹریننگ۔

(و) تفریح اور دل بہلاؤ

(ز) نوجوانوں کی تعلیم اور لیڈرشپ کی ٹریننگ

(ح) سماجی ترقی کے لئے جنرل ایجوکیشن کا پروگرام

(i) جماعتیں بنا کر کام کرنے کا شعور (کمیونٹی آرگنائزیشن)

(ii) ٹولیوں کی تنظیم اور ان کے پروگرام اور ان کے سنٹر

(iii) شہریت کی تعلیم

(ط) صنعتوں میں مہارت پیدا کرنے کی تعلیم

(ی) تسلسلی تعلیم کا پروگرام

۲۔ ریسرچ کا کام کرنے والوں کے ایک مستقل عملے کی جلد از جلد تنظیم کر لینی چاہئے۔

۳۔ فیلڈ ورک سے متعلق تمام اداروں کو چاہئے کہ وہ تحقیقوں کے نتائج کو اپنے فیلڈ کے معمولات میں استعمال کریں

۴۔ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن اور نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کو چاہئے کہ وہ باہم مل کر ریسرچ کے حق میں رائے عامہ کو ابھاریں، اپنے اپنے طور پر مختلف اہم موضوعات پر بنیادی ریسرچ کا کام شروع کریں، مختلف اداروں کی طرف سے ہونے والے ریسرچ کے کاموں میں تال میل قائم کریں، اور ریسرچ کے نتائج کو فیلڈ کا کام کرنے والے اداروں تک پہنچانے کا اہتمام کریں۔

۵۔ مذکورہ بالا کام کے ساتھ ساتھ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کو یہ بھی چاہئے کہ وہ اپنے اہتمام میں سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والے مختلف ایجنسیوں کے کارکنوں کے لئے ریسرچ کے طریقۂ کار کی ٹریننگ کے کورس چلائے۔

۶۔ ریاستی حکومتوں کو چاہئے کہ خود بھی اور جہاں جہاں اڈلٹ ایجوکیشن کی ریاستی ایسوسی ایشنیں موجود ہوں، وہاں ان کے ساتھ مل کر سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی سالانہ ریاستی کانفرنسیں منعقد کریں جن میں سوشل ایجوکیشن کے مسائل اور ان کے حل کیلئے ریسرچ کے پروگرام طے کئے جائیں۔

حصہ دوم

سوشل ایجوکیشن کے میدان میں اب تک جو ریسرچ ہوئی ہے جن اداروں نے یہ کام انجام دیا ہے اور فیلڈ میں اس ریسرچ کا جو اثر پڑا ہے ان پر پوری طرح غور و خوض کرکے،

یہ محسوس کرکے کہ سوشل ایجوکیشن کے فروغ کے لئے ریسرچ کے ایک موثر اور جاندار پروگرام کی سخت ضرورت ہے اور اسی طرح اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے تمام اداروں کا اشتراک و تعاون نہایت ضروری ہے، اور

یہ سوچ کر کہ ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں کو مالی امداد، فنی رہنمائی اور ٹریننگ کی سہولتوں کی ضرورت ہے، سیمنار کی سفارش ہے کہ

۱۔ سوشل ایجوکیشن کے اداروں کو اس بات کا حوصلہ دلانا چاہئے کہ وہ ریسرچ کی صلاحیت رکھنے والے کم سے کم عملے کا انتظام کرکے اپنے اپنے یہاں پابندی سے کام کرنے والے ریسرچ یونٹ قائم کریں۔

۲۔ حکومتِ ہند کی وزارتِ تعلیم کو چاہئے کہ وہ ان اداروں کو جو اس کام کے لئے موزوں ہوں ریسرچ یونٹ قائم کرنے کیلئے سو فیصدی امداد کے اصول پر امدادیں منظور کرے۔ ان یونٹوں میں کام کرنے والے عملے کی تنخواہوں کا معیار کم و بیش وہی ہونا چاہئے جو سرکاری محکموں میں اس طرح کا کام کرنے والے عملے کا ہوتا ہے۔

۳۔ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کو چاہئے کہ فیلڈ ورکروں کے لئے ریسرچ کے طریقۂ کار کی ٹریننگ کا انتظام کرے، ریسرچ کے منصوبے تیار کرنے میں فنی مشورے دے اور ریسرچ پروجیکٹ میں فیلڈ کا کام کرنے والوں کی رہنمائی کرے۔ اس کے علاوہ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ میں کام کرنے والے کارکنوں کی وقتاً فوقتاً کانفرنسیں بھی منعقد کرے۔

۴۔ نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کو چاہئے کہ اس نے سوشل ایجوکیشن کے جن اداروں کو ریسرچ کے مخصوص منصوبوں اور ریسرچ سے متعلق حوالے کا مواد جمع کرنے کی غرض سے امدادیں دی ہیں ان امدادوں کو جاری رکھے۔ اس نے امداد کے اپنے موجودہ ضابطوں میں ریسرچ کے مددگاروں کے لئے تنخواہوں کا جو معیار رکھا ہے اس میں اُسے تبدیلی کرنا چاہئے تاکہ ان کے گریڈ بھی کم و بیش اُسی سطح پر آجائیں جو سرکاری محکموں کے ریسرچ کے مددگاروں کا ہے۔ اس ضابطے میں مدت کی جو شرط رکھی گئی ہے کہ امداد انہی اداروں کو ملے گی جو کم سے کم تین سال سے ریسرچ کا کام کر رہے ہوں، اسے کم سے کم ایسے اداروں کے معاملے میں جو مستحق ہوں

رفتار کار روائی

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی

سلور جوبلی

اس سال دسمبر میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو قائم ہوئے پچیس سال ہو جائیں گے۔ ایسوسی ایشن کی ایکزیکیٹو کونسل نے اپنے ایک ہنگامی جلسے میں جو ۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء کو منعقد ہوا تھا، پروفیسر محمد مجیب کی صدارت میں ایک سب کمیٹی مقرر کی ہے جو ایسوسی ایشن کی سلور جوبلی منانے کے لئے پروگرام کی تفصیلات طے کرے گی۔ کمیٹی کے دوسرے ممبران شری سوہن سنگھ، شری ٹی اے کوشی اور شری ایس سی دتہ ہوں گے۔

امید ہے کہ کمیٹی سلور جوبلی کانفرنس کے لئے جو سنہ ۱۹۶۴ء کے آغاز میں کسی وقت منعقد ہوگی اپنی تجاویز ایسوسی ایشن کی ایکزیکیٹو کونسل کو بہت جلد پیش کر دے گی۔

کونسل نے اس تجویز کو بھی منظور کیا کہ اگلے نیشنل سیمینار کا موضوع بحث "سوشل ایجوکیشن اور نوجوان طبقہ" رکھا جائے اور ڈاکٹر ٹی اے کوشی کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا جائے۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

شری کے۔ ٹی منتری کی وفات

ہمیں یہ خبر شائع کرتے ہوئے بہت غم ہے کہ شری کے۔ ٹی۔ منتری کا حال ہی میں بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ شری کے۔ ٹی۔ منتری بمبئی کی مشہور "بمبئی سٹی سوشل ایجوکیشن کمیٹی" کے بانیوں میں تھے اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے ایک قابلِ احترام بزرگ تھے۔ انتقال کے وقت وہ بمبئی سٹی سوشل ایجوکیشن کمیٹی کے ایک نائب صدر تھے۔

شری منتری کو خاص دلچسپی نوسکھ بالغوں کے لئے ان کے مذاق اور لیاقت کے مطابق کتابوں کی تالیف سے تھی۔ شری منتری کی وفات سے سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے ایک سبق آموز شخصیت اٹھ گئی، خدا اُن کی روح کو ابدی سکون بخشے اور اُن کے متعلقین کو صبر کی ہمت۔

نامہ نگار

ترقی کرتی ہوئی سوسائٹیوں کے ریسرچ سنٹر کی گورننگ باڈی

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو ایشیا فاؤنڈیشن کی طرف سے ایک پروجیکٹ ملا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ایشیا کے ترقی کرتے ہوئے سماجوں کی سماجیاتی تحقیق کا کام کیا جائے۔ اس پروجیکٹ کا اصلی انگریزی نام "سنٹر فار دی اسٹڈی آف ڈیولپنگ سوسائٹیز" ہے جو ایسوسی ایشن کی ایگزیکٹیو کاؤنسل کی مقرر کی ہوئی ایک انتظامی مجلس کے ماتحت کام کرے گا۔ یہ انتظامی مجلس اب مقرر کردی گئی ہے جس کے ممبران حسب ذیل ہوں گے:

۱ - ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا۔ صدر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن — صدر بہ لحاظ منصب
۲ - پروفیسر وی، کے، این، مینان ۔ ڈائرکٹر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن
۳ - پروفیسر محمد مجیب ۔ وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ
۴ - ڈاکٹر اے۔ جی۔ دستور۔ صدر شعبہ سیاسیات، بمبئی یونیورسٹی
۵ - ڈاکٹر بھاسکرن ۔ صدر شعبۂ سیاسیات ، مدراس یونیورسٹی
۶ - ڈاکٹر ایم۔ این۔ سری نواس ۔ صدر شعبۂ سماجیات ۔ دہلی یونیورسٹی
۷ - شری ایس۔ سی۔ دتّا ۔ آنریری سکریٹری، انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن
۸ - شری رجنی کوٹھاری

ایگزیکٹیو کاؤنسل نے ایک تجویز کے ذریعے سنٹر کو گرانٹ دینے کے لئے ایشیا فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کیا۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

راجستھان میں خواندگی کے ٹیچروں کی ٹریننگ

حکومت راجستھان کے محکمۂ سوشل ایجوکیشن نے ریاست سے ناخواندگی کی لعنت کو کم کرنے کی غرض سے ایک اسکیم بنائی ہے۔ اس اسکیم کے مطابق پہلے سینئر بیسک ٹریننگ کالجوں اور ٹریننگ کے دوسرے اداروں سے ایک ایک اُستاد لے کر ان کو بالغوں کی خواندگی کے مضمون کی ٹریننگ دی جائے گی پھر یہ اُستاد بیسک اسکولوں کے ٹیچروں اور دوسرے اُستادوں کو اس فن کی ٹریننگ دیں گے جو اپنے اپنے علاقوں میں بالغوں کی خواندگی کا کام کریں گے۔ اس کے علاوہ اسکیم کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ ریاست کا ہر ٹیچر ٹریننگ کالج چار چار اڈلٹ اسکول قائم کرے گا اور ان کی نگرانی کرے گا تاکہ کالج کے آس پاس کے علاقے سے ناخواندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

اسکیم کے اوّل الذکر حصّے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے محکمے کی دعوت پر لکھنؤ کے لٹریسی ہاؤس نے ٹیچروں کو ٹریننگ دینے والے اُستادوں کی ٹریننگ کے لئے تین ہفتے کا ایک کیمپ چلایا تھا جو جولائی میں منعقد ہوا تھا۔ ٹریننگ کے خاص خاص پہلو حسب ذیل تھے:

۱۔ فنکشنل (کارآمد) لٹریسی کا مقصد اور مفہوم

۲۔ بالغوں کی خواندگی کی کلاس کے لئے شرطیں جن کا کلاس شروع ہونے سے پہلے پورا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ خواندگی کے معلّم میں کیا کیا صلاحیتیں ہونی چاہئیں۔

۴۔ سروے اور جائزے کی ضرورت اور طریقۂ کار۔

۵۔ پڑھنے کی لیاقت کی نشو و نما کے اصول۔

اس ٹریننگ کیمپ میں ریاست بھر کے ٹریننگ کے ۳۷ اداروں سے اُستاد شریک ہوئے تھے۔

(انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

14(11)63

November 1963.

تعلیم و ترقی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۴ ——— شمارہ ۱۱
نومبر ۱۹۶۳ء

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:

پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:

تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت:

سالانہ چار روپے فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۲۶۴۴

ترتیب

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے محبوب المطابع پریس جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

اشارات

ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والوں کی تعلیم

کامراج پلان

کامراج پلان آزاد ہندوستان کی تاریخ میں بڑا اہم سیاسی واقعہ ہے اور اس سے اہم واقعہ اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں کی آمادگی ہے۔ ملک کے لیڈر کی ایک آواز پر مرکزی اور ریاستی وزیروں کا اپنے اپنے عہدوں سے دھڑا دھڑ استعفا دینا معمولی بات نہیں ہے۔ کامراج پلان اور اس کا منشا ہے کیا؟ اس سوال پر بحث کرنا ہمارا کام نہیں ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ملک کے مقبول اور ذمے دار سیاسی رہنماؤں نے یہ بڑا مبارک فیصلہ کیا — اور بر وقت کیا — کہ اگر ملک کو غیر ترقی پسند عناصر سے محفوظ رکھتے ہوئے اُسے اطمینان و سکون کے ساتھ ترقی کی راہوں پر لگانا ہے تو برسرِ اقتدار جماعت کو، جو کم سے کم اپنی تنظیم کے بنیادی فلسفے کے بہ نقطۂ نظر ملک کی واحد ترقی پسند جماعت ہے، فرقہ پرست اور ترقی دشمن عناصر سے پاک کرنا اور اس کے پیغام "جمہوری سوشلزم" کو عوام میں مقبول کرنا لازمی ہے۔ اور یہ وہ کام ہے جو سنیئر، ہر دلعزیز اور دور اندیش رہنماؤں ہی کے کئے ہو سکتا ہے۔ ایسے رہنما قریب قریب سب کے سب ایوانِ حکومت کی زیب و زینت بن گئے تھے اور ظاہر ہے ایوانِ حکومت سے عوام پر صرف حکومت کی جا سکتی ہے، ان کی تربیت کا کام نہیں ہو سکتا۔

کانگریس کے ذمے دار رہنما آزادی حاصل کرکے یہ بات قریب قریب بھولنے جا رہے تھے کہ سیاسی آزادی ملک و قوم کو ترقی کی راہ پر لگانے کی صرف ایک اور پہلی منزل تھی۔ یہ بجائے خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ مقصد کو حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ تھا جو بہ منزلۂ شرط کے تھا۔ اس شرط کے پورا ہو جانے کے بعد جو ذریعے اختیار کئے جاتے ہیں وہ زیادہ کٹھن اور صبر آزما ہیں خاص طور پر ایسی حالت میں جب فرقہ پرست اور ترقی دشمن قوتیں براہ راست سیاسی اقتدار کو ہتھیانے کی تاک میں ہوں، چنانچہ غالباً اسی غفلت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی حاصل کئے پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا لیکن جن لوگوں کو صحیح معنی میں عوام کہہ سکتے ہیں، ان کی حما اور غربت و افلاس کا عالم جوں کا توں قائم ہے اور اب بھی آبادی کا قریب قریب ۶۰ فی صدی حصہ ایسا ہے جس کی روزانہ آمدنی چالیس پچاس نئے پیسے سے زیادہ نہیں ہے۔ ان حالات میں کامراج پلان کے ماتحت ملک کے ہر دلعزیز اور ذمے دار لیڈروں

کا حکومت کے ایوان سے باہر رہ کر کام کرنے کا فیصلہ بہت نیک ہے اس لئے کہ جس وقت وہ جس کام کی ضرورت سمجھیں گے وہ جلد از جلد اس لئے پورا ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کی مشین اور ارباب حکومت سے واقف اور قریب ہوں گے اور اس اعتبار سے عوام اور حکومت کے درمیان مؤثر اور کارگر ربط (لائزون) پیدا ہو جائے گا جو جمہوری طرزِ حکومت کی کامیابی کے لئے بدرجۂ شرط کے ہوتا ہے۔

کانگریس کے تعلیمی و تعمیری شعبے کی ضرورت

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کامراج پلان کے ماتحت جو وزرا حکومت سے باہر نکلے ہیں، وہ اپنے کام کے لئے راستہ کون سا اختیار کرتے ہیں؟ اگر انھوں نے گاندھی جی کے اصولِ تبلیغ کی طرف سے آنکھیں بند کر کے عوام کو صرف سبھاؤں اور بھاشنوں کے ذریعے کانگریس کی موجودہ سیاسی پالیسی یعنی جمہوری سوشلزم کی تعلیم دینا اپنا شعار بنا لیا اور اس کے علاوہ اور کچھ نہ کیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ کامراج پلان کو جسے جواہر لال نہرو کی رہنمائی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بڑی امیدوں کے ساتھ منظور کیا ہے، وہ کامیابی نصیب نہ ہوگی جو اس کا حق ہے۔ گاندھی جی نے انگریز سے سیاسی اقتدار چھیننے کے لئے جس منصوبہ بنایا تھا وہ صرف سبھاؤں اور تقریروں تک محدود نہیں تھا۔ اس کا اگر ایک حربی پہلو تھا، جو سبھاؤں، بھاشنو اور گرفتاریوں پر مشتمل تھا تو دوسرا اور اسی قدر اہم پہلو "تعمیری" تھا جسے اس کی نوعیت کے پیشِ نظر "تعلیمی" کہا جا سکتا ہے کامراج پلان کے ذریعے کانگریس کے بیمار جسم میں نیا خون پہنچانے کا جو منصوبہ زیرِ عمل ہے، اس کے بھی اسی طرح کے دو پہلو ہونے چاہئیں۔ ایک سیاسی جس کا مقصد عوام کو ترقی دشمن عناصر کے اثر سے پاک کرنا اور ان کے اندر جمہوری سوشلزم کی تبلیغ کرنا ہو اور دوسرا تعلیمی و تعمیری جس کا منشا ہونا چاہئے عوام کو غربت و افلاس کے اندھیرے سے نکل کر خوشحالی کے خوشگوار اور جانفزا ماحول میں زندگی گذارنے کا ڈھنگ سکھانا۔

گاندھی جی کی رہنمائی میں گانگریس کا تعمیری شعبہ اس سمت میں کام کر رہا تھا اور گاندھی جی کی نظروں میں اس کی اتنی اہمیت تھی کہ جب کبھی آزادی کی جنگ کے لئے حکومت کے خلاف مورچہ لینے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ اس شعبے کے کارکنوں کو مورچے پر جانے سے روک دیا کرتے تھے۔ اُس زمانے میں اس شعبے نے کام کے جو منصوبے بنا رکھے تھے، اُن کا رخ بھی غریبوں کی غریبی ہی دور کرنے کی طرف تھا لیکن پھر بھی ان کے اوپر سیاسی رنگ چڑھا رہتا تھا اور اُس وقت اس کی ضرورت بھی تھی۔

اب سیاسی آزادی اور آزاد قومی حکومت کے قیام سے حالات بدل گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان بدلے ہوئے

حالات کے تقاضوں کے مطابق کانگریس کے تعمیری پروگرام کا رنگ روپ بھی بدل دیا جائے، اور اس پروگرام کے ذریعے عوام کو زندگی کی تعمیر کے اُس نظریے کی طرف متوجہ کیا جائے جو جمہوریت اور سوشلزم کی روح ہے۔ اس بات میں گاندھی جی کا نقطۂ نظر بالکل صاف اور سائنٹفک تھا اور ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اسی راستے پر اپنے تعمیری قافلے کو ڈال دیں۔ گاندھی جی نے فرمایا تھا:

"سیلف گورنمنٹ کا مطلب ہے حکومت کی محتاجی سے آزاد ہونے کی مسلسل جدوجہد سوراجی حکومت بڑی افسوسناک چیز ثابت ہوگی اگر اس کا یہ اثر ہو کہ لوگ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں حکومت کی دخل اندازی کے محتاج بنے رہیں۔ سوراج کا مطلب یہ ہے کہ ہر اوسط دیہاتی میں یہ شعور پیدا ہو جائے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے والا وہ خود ہے۔"

مربوط سماجی تعلیم اور اس کا بنیادی 'کرافٹ'

ان حالات میں سوچنا یہ ہے کہ عوام کو اس منزل پر پہنچانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے۔

بالغوں کی تعلیم کا جو حشر خود قومی حکومت کے ہاتھوں ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اس کے پیش نظر اس سوال کے جواب میں یہ کہتے ہوئے زبان کو لکنت ہوتی ہے کہ یہ راستہ اڈلٹ ایجوکیشن اور صرف اڈلٹ ایجوکیشن ہے جسے ہم نے اپنے مخصوص حالات کے ماتحت سوشل ایجوکیشن کا نام دے دیا ہے۔

مگر سوشل ایجوکیشن کا پروگرام ایک ناکام پروگرام کی حیثیت سے ملک میں بدنام ہو چکا ہے۔ اس بدنامی کی حقیقت اور اس کے اسباب کیا ہیں، یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، لیکن اتنی بات بہرحال صاف ہے کہ اسباب چاہے کچھ بھی رہے ہوں، سوشل ایجوکیشن کی کامیابی کے لئے جس نوعیت کی ترغیب اور موٹیویشن کی ضرورت ہوتی ہے، اُسے پیدا کرنے میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور جب کوئی بات سننے کے لئے دماغ آمادہ ہی نہ ہو تو صاف سے صاف بات بھی جھوٹی ثابت ہو جاتی ہے۔

لیکن جہاں یہ بات صحیح ہے کہ موٹیویشن کی کوئی مؤثر شکل اب تک پیدا نہیں ہو سکی وہاں یہ بھی واقعہ ہے کہ موٹیویشن کے بارے میں تحریک کے کارکن خاموش بھی نہیں بیٹھے۔ آل انڈیا ماس ایجوکیشن سوسائٹی ایک عرصے سے مربوط طریقۂ تعلیم کے اصول پر سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کو ڈھالنے کی تدبیریں سوچتی اور آزماتی رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کو بالغوں (خصوصاً دیہات کے بالغوں) کے ذہن نشین کرانے اور اس کے لئے انھیں آمادۂ عمل کرنے کے لئے

ایک ایسے بنیادی گرانٹ کی تلاش تھی جو سوئے ہوئے دماغوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دے اور اپنے دلفریب امکانات سے ان کے دلوں کو موہ لے اور ان کے اوپر ایسی حالت طاری کر دے کہ ان سے جو کچھ بھی کرنے کو کہا جائے، اس کے لئے وہ آسانی سے تیار ہو جائیں۔

سوشل ایجوکیشن کا یہ بنیادی گرانٹ آل انڈیا ماس ایجوکیشن سوسائٹی کی تحقیق کے مطابق گوبر کی گیس کا استعمال ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک دو مویشی بھی ہوں تو وہ ابتدا میں تھوڑا سا سرمایہ لگا کر یہ گیس حاصل کر سکتا ہے اور اس سے گھر کے پکانے ریندھنے کے کام آسانی اور آرام کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ اجتماعی بہبود کے لئے اس گیس کی مشین (جو گاؤں ہی میں حاصل ہونے والے اینٹ گارے اور لوہے سے تیار ہو جاتی ہے) بڑے پیمانے پر لگا کر اور اس میں گیس کو بجلی میں تبدیل کرنے والا انجن نٹ کر کے (جو ہزار ڈیڑھ ہزار روپئے سے زیادہ قیمت کا نہیں ہوتا) پورے گاؤں کے لئے بجلی کی طاقت حاصل کی جا سکتی ہے جو جدید دنیا اور اس کی جدید تہذیب کا واحد وسیلہ ہے۔

اس بات میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ اگر گاؤں کو سستی بجلی اور خانہ ساز گیس میسر آ جائے تو ان کے ذریعے ان کے پیشوں میں، ان کی کھیتی باڑی میں اور ان کی پوری زندگی میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور ان کی غریبی اور تنگ دستی کا روگ دور ہو سکتا ہے اور جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے گی تو ان سے اپنی زندگی کے سماجی اور تہذیبی پہلوؤں کو سنوارنے کے لئے جو بات کہی جائے گی اس کی طرف وہ پوری آمادگی کے ساتھ متوجہ ہوں گے۔

ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والوں کی تعلیم

لیکن یہ بیسک گرانٹ اور موٹیویشن کی یہ شکل تھوڑا بہت سرمایہ چاہتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کچھ قابل احترام اور ذمے دار شخصیتوں کی پشت پناہی اور ہمت افزائی۔ اس کا یہی تقاضا ہے ــ اور جسے موجودہ حالات میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ــ جسے پورا کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ کامراج پلان کے ماتحت ایوان حکومت کو چھوڑ کر باہر آنے والے وزراء اور ان کے توسط سے حکومت کے موجودہ ارکان کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے جو امید ہے، سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کام کرنے والے افراد اور ادارے پورا کریں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ آل انڈیا ماس ایجوکیشن سوسائٹی نے سوشل ایجوکیشن کی اس اسکیم کو لے کر وزارتوں سے استعفا دینے والے رہنماؤں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کے پاس جانے کا ایک پروگرام ترتیب دیا ہے۔ کیا اچھا ہو اگر سوشل ایجوکیشن کی سب سے بڑی جماعت انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن بھی "ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والوں" کی تربیت کا ایسا ہی ایک پروگرام مرتب کرے اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو اس پروگرام پر عمل کرنے کی دعوت دے۔

تعارف

"ایک دئے سے سو دیئے"

یہ عنوان ہے کم وبیش ایک کتاب کا جو ابھی حال ہی میں ویلیتھی فیشر نے اپنی سوانح حیات پر لکھی ہے۔ رسالہ "تعلیم وترقی" کے پڑھنے والے خاص طور سے اور تعلیم بالغان کے میدان میں کام کرنے والے عام طور پر اس ہشتاد سالہ (۸۰ برس کی) خاتون سے واقف ہوں گے جنھوں نے اب سے ۱۰ سال پہلے لکھنؤ کے نواح میں بالغوں کی تعلیم کے لئے ایک بستی بسائی اور اس کا نام "لٹریسی ویلیج" یا "تعلیم نگر" رکھا۔

ویلیتھی فیشر کا شروع ہی سے یہ عقیدہ تھا کہ کوئی سماجی خرابی ایسی نہیں جو دور نہ ہو سکے، اور جہالت اور خستہ حالی یہ دو ایسی ہی خرابیاں ہیں۔ یہ وہ عقیدہ تھا جو انھیں چین لے گیا اور وہاں انھوں نے اپنی اس طویل عمر کے ۲۶ سال چینی لڑکیوں کو تعلیم دینے میں صرف کئے۔ وہ ایک بار ہندوستان بھی آئی تھیں اور اس وقت وہ اپنے شوہر فریڈ فیشر کے ساتھ جو ہندوستان اور برہما میں میتھوڈسٹ چرچ کے پادری تھے گاندھی جی سے ملی تھیں۔ اس ملاقات کے دوران میں کہیں گاندھی جی نے یہ فرمادیا تھا کہ "ہم کو گاؤں میں جا کر کام کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہندوستان اصل میں گاؤں ہے"۔

۱۹۵۲ء میں اپنے عزیز شوہر کے انتقال کے بعد جب وہ دوبارہ ہندوستان آئیں تو انھیں گاندھی جی کی یہ بات یاد آئی اور اس وقت سے وہ اس بستی تعلیم نگر کو بسانے میں لگ گئیں۔ اس بستی بسانے کی داستان اور ویلیتھی فیشر کی سوانح حیات کوئی دو چیز نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ہم مختصراً اور حسبتہ حسبتہ حصّے اس مختصر کتاب کے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آسکیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ تعلیم اس دنیا میں زندگی کو بہتر بنانے اور اسے وسعت دینے کا ایک ذریعہ ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ عورتوں کو ضرور تعلیم دینا چاہئے تاکہ وہ زندگی میں اپنا مناسب حصّہ لے سکیں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور کنفیوشس کی تعلیمات کے مطابق اس دنیا میں تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔" انسان کی زندگی لوگ ماہ و سال سے شروع کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کی زندگی کی ابتدا اصل میں ان عقائد و خیالات سے ہوتی ہے، جو ماہ و سال کے ساتھ چلتے اور پھلتے پھولتے

ہیں۔ ویلتھی فیشر کی زندگی کی ابتدا انھی خیالات سے سمجھنی چاہئے، جس کے برگ وبار ہیں کچھ تو چین میں اور کچھ ہندوستان میں نظر آئیں گے۔ معلوم نہیں چین میں ان کی ۲۶ سالہ کوششوں کے نتائج کچھ باقی ہیں یا کمیونزم کے طوفان میں بہہ گئے، لیکن ہندوستان میں ان کا لگایا ہوا پودا جس کو ابھی مشکل سے دس سال ہوئے ہیں، برگ وبار لا رہا ہے اور یہ سرزمین ایسی زرخیز اور دامن گیر ہے کہ ایک بار اگر اس نے جڑ پکڑ لی تو حوادث کے تھپیڑے اور باد مخالف کے جھونکے اسے اپنی جگہ سے ہرگز ہلا نہ سکیں گے۔

مسز فیشر کس طرح ہندوستان آئیں اور یہاں اپنا بالغوں کی تعلیم کا کام کیسے شروع کیا، یہ خود ان کے الفاظ میں سنئے تو زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

۵ ارد سمبر ۱۹۴۷ء کو چین سے واپس آتے ہوئے میں چند دنوں کے لئے ہندوستان میں ٹھہری۔ یہاں آکر مجھے ایک بار گاندھی جی کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا۔ وہ مسٹر فیشر کے انتقال پر میرے ساتھ اظہار ہمدردی کر رہے تھے اور میں کستوربا کے گزر جانے پر ان کے ساتھ۔ بالآخر جب ہم رخصت ہونے لگے تو انھوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا "کہو اب تم کب ہندوستان میں رہنے کے خیال سے آرہی ہو اور گاؤں والوں کے پاس کب جاؤ گی اور ان کی مدد کرو گی۔ ہندوستان تو اصل میں گاؤں ہے"۔ ۳۰ جنوری کو وہ اس دنیا سے گذر گئے۔

وقت بڑی تیزی سے گذرتا ہے۔ میرے شوہر کے انتقال کو کوئی چودھواں سال اور گاندھی جی کی وفات کو چوتھا سال ہوگا کہ میں گاندھی جی کی خواہش کے مطابق ہندوستان میں مستقل طور پر رہنے کے لئے آئی۔ میں اس وقت کوئی ۲۷ سال کی تھی لیکن اپنے اندر جوانی کی چستی اور تیزی پاتی تھی۔ اس نئے آزاد ہندوستان میں نہ مسٹر فیشر تھے اور نہ گاندھی جی، میں نہیں سمجھتی تھی کہ کام کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔

میں نے نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن یہاں کی زندگی مجھے کسی طرح پسند نہ تھی۔ ایک دن شام کو مجھے ڈاکٹر موشر کا ایک تار ملا جو اس وقت الہ آباد کے اگریکلچر انسٹی ٹیوٹ میں کام کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے لکھا کہ فوراً الہ آباد چلی آؤ۔ یہاں حکومت گاؤں میں بھیجنے کے لئے تعلیم بالغان کے کام کرنے والے تیار کرنا چاہتی ہے۔ تم ایک مشیر کی حیثیت سے کام کرو۔

میں سوچنے لگی کہ واقعی بے تعلیمی بھی اس نئے زمانے میں آدمی کے لئے لعنت ہے۔ جب ایک قوم ترقی کے راستے پر قدم رکھتی ہے تو پرانے طرز کی تعلیم کا کوئی موقع نہیں رہتا اور نہ پرانی تہذیب کے آدمیوں کے لئے صرف زبانی تعلیم کافی ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی پڑھا لکھا نہیں ہے تو نہ وہ اپنی حکومت کے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے اور نہ صحیح آدمیوں کو

حکومت چلانے کے لئے منتخب کر سکتا ہے۔ چونکہ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا ہے اس لئے کسی کام کا نہیں ہوتا: نہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کچھ لکھ پڑھ سکتا ہے اور نہ اپنی صنعت اور مشینوں کے بارے میں کچھ جان سکتا ہے۔ آج کل اس نئے ہندوستان میں مردوں اور عورتوں کو لکھنے پڑھنے کی جتنی ضرورت ہے اتنی اس سے پہلے کبھی نہیں سمجھی گئی تھی۔

چنانچہ یہ سب سوچ کر اگلے دن میں الٰہ آباد روانہ ہوگئی۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے میری تعلیم شروع ہوئی مجھے بتایا گیا کہ انشی ٹیوٹ کے کام میں خود دشواریاں پیش آتی ہیں اس لئے کہ اس میں کام کرنے والے خود پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ ہندوستانی کچھ بے وقوف نہیں ہوتے اور نہ تبدیلیوں سے گھبراتے ہیں۔ وہ پڑھنا لکھنا دل سے چاہتے ہیں لیکن اس کا موقع نہیں پاتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کی بدولت وہ ساہوکاروں کے شکار ہوتے ہیں۔ جہاں فصل خراب ہوئی اور وہ ان کے جال میں آگئے۔ اب مجھے گاندھی جی کی وہ بات یاد آنے لگی کہ اصل ہندوستان تو گاؤں ہے۔

غرض الٰہ آباد میں مجھے ۲۰ بالغ مردوں اور ۳ عورتوں کی ایک جماعت تعلیم کے لئے ملی۔ سب سے پہلے میں نے ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ اب ہندوستان میں گاندھی نہیں رہا لیکن گاندھی کی روح ہر جگہ موجود ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں اپنا کام کس طرح شروع کرنا چاہئے۔ ہم سب کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والے ہیں: ہم میں ہندو بھی ہیں، مسلمان بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں، پارسی بھی ہیں، سکھ بھی ہیں اور بدھ بھی ہیں۔ ہم سب کو اپنا کام مذہبی جذبہ کے ساتھ شروع کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم نے گاندھی جی کے طریقہ پر ہر روز مختلف مذاہب کی کتابوں سے کچھ نہ کچھ حصّہ چن لیتے اور اسے پڑھنے یا اس کا ترجمہ سنانے کے بعد پھر آگے بڑھتے۔ اس سے ہم میں ایک طاقت پیدا ہوتی، ایک ایسی طاقت جو ایسے نئے اور دشوار کاموں کے لئے بہت ضروری ہوتی ہے۔

پھر میں نے ان کو اس بات پر آمادہ کرنا شروع کیا کہ آپ لوگ جو دیہاتوں سے آئے ہیں اب دیہاتوں کا رُخ کرنا نہیں چاہتے، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آج کے دیہات کس قدر بدل گئے ہیں اور گاندھی جی نے ان میں کیا روح پھونک دی ہے۔ وہ مادّی حیثیت سے خواہ بہت کچھ ترقی یافتہ نہ ہوئے ہوں لیکن ان میں انقلاب اور بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ میں ان سے کہتی کہ انگریزوں کے زمانہ میں اگر پیچھے سے کسی انگریز کی کوئی کار آتی اور وہ ذرا سا ہارن بجاتی تو آگے دیہاتیوں کی بیل گاڑیاں رعب اور خوف کے مارے جھٹ کچے راستے پر ڈال دیتے۔ لیکن اب حال یہ ہوکہ پیچھے سے آنے والی کاریں خواہ کتنا ہی ہارن بجائیں گاڑی والا سوتا ہی رہے گا اور اس سے زیادہ اس کے بیل بھی خودداری اور آزادی کے جذبہ میں ایک انچ بھی ہٹنا پسند نہیں کریں گے۔

اس کے بعد ہم لوگوں کا پڑھائی کا کام شروع ہوتا ہم نے مختلف جگہوں سے ہندی الفاظ کی فہرست منگا رکھی تھی

جو ہمیں ان دیہات والوں کو پہلے سکھانا تھا۔ اس سے ہم نے خود اپنی ایک فہرست تیار کرلی تھی جو بہت کارآمد تھی پھر سوال یہ تھا کہ انھیں پڑھنے کو کیا دیا جائے؟ بچوں کی کہانیاں یا چوہے بلی کے قصے تو ان کے لئے کسی طرح موزوں اور دلچسپی کے باعث نہیں ہو سکتے تھے۔ ہم نے بحث و گفتگو کے بعد یہ طے کیا کہ زراعت اور پھر اس کے بعد مذہب کے متعلق امور ان کے لئے سب سے زیادہ دلچسپی کا موضوع بن سکتے ہیں۔

ان کم پڑھے بالغوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ کتاب کا تھا چنانچہ سب سے پہلے میں نے خود ایک کتاب لکھی: "ہماری سرکار"۔ اس کے بعد پھر دوسروں کو بھی ہمت ہوئی۔ دوسری کتاب مارگریٹ لی رن بک نے لکھی جو اس فن میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہم ہر قسم کے چارٹ اور تصویریں بھی استعمال کرتے تھے۔ اب ہمارے طالب علموں کی استعداد اتنی ہوگئی کہ وہ ہر جانچ پر پورے بلکہ اس سے آگے اترتے تھے۔ اس کے ساتھ میں نے کتابوں کے ۵۰۰ سٹ تیار کئے جنھیں ٹین کے رنگ برنگ صندوقوں میں بند کرکے انھیں گاؤوں میں بھیجنے لگی۔ اسی کے ساتھ میں نے ان کے پڑھائی لکھائی کے سامان کا تھیلا بھی تیار کیا جس میں تختہ سیاہ چاک، سلیٹ، پنسل وغیرہ رکھ کر سائیکلوں پر بھیجتی اور اس طرح ایک تھیلے کے سامان سے ۲۵ بالغ بہ یک وقت پڑھ لکھ سکتے تھے۔

لیکن جلد ہی میں نے محسوس کیا کہ یہاں ہمارا سب کام عارضی ہے، اس کے آگے کوئی مستقبل نہیں۔ یہ خیال مجھے مارے ڈالتا تھا اور میں سوچتی تھی کہ اس طرح عارضی طور پر یہ کام کیسے چلے گا۔ اور مستقل عمارت اور سامان کے لئے پیسہ کہاں سے آئے؟

۱۹۵۵ء میں میں نے امریکہ کا دورہ کیا اور سوچنے لگی کہ یہاں اپنے پرانے دوستوں اور واقف کاروں کی جیبیں کھنگالوں گی لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور ایک ہی ذریعہ سے جو عالمی انجمن خواندگی[1] کے نام سے مشہور ہے، مجھے ۴۵ ہزار ڈالر کی اکٹھی رقم مل گئی۔ اس کے بعد میں پھر ہندوستان لوٹ آئی اور اس رقم کی مدد سے میں نے کچھ اور مکانات کرائے پر لئے اور اس میں ضروری ترمیم و تنسیخ کرکے کام چلانا شروع کیا، لیکن عارضی ہونے کا دھبہ پھر بھی ہمارے دامن سے نہ مٹ سکا۔

اسی اثنا میں کسی سبب سے میرا لکھنؤ جانا ہوا اور وہاں اس وقت کے گورنر مسٹر کے۔ ایم منشی سے میری ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے میرا جو یہ حال سنا تو فوراً لکھنؤ آنے کی دعوت دی اور کہا کہ تم اس کے مضافات میں بس جاؤ اور کام شروع کرو۔ میں جہاں تک ہو سکے گا، ہر طرح کی مدد دوں گا۔

لکھنؤ کے مضافات میں جو سڑک لکھنؤ سے کان پور جاتی ہے، اس پر مجھے دو قطعے زمین کے ملے: ایک ۱۰ ایکڑ کا جہاں تک بجلی کے کھمبے آتے تھے، دوسرا ۱۵۰ ایکڑ کا لیکن وہاں کوئی بجلی نہ تھی۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد سوچا کہ بجلی سے قریب والا قطعہ زیادہ بہتر رہے گا۔ دوسرے حصہ میں بجلی لانے اور اس کے خرچ کی بڑی دشواری ہوگی۔ چنانچہ میں نے پہلے ہی قطعہ کا

[1] World Literacy Inc. اور Margaret Lee Rumbeck

انتخاب کر لیا اور اس کی بات چیت بھی پکی ہو گئی ۔

اسی دوران میں میں ڈاکٹر امرناتھ جھا سے ملی جو آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر تھے۔ انھیں میں ہندوستان کے چند بہترین لوگوں میں سمجھتی تھی جو تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان سے میں نے کہا کہ امریکہ کے ورلڈ لٹریسی ایسوسی ایشن کی طرح میں ہندوستان میں بھی ایک اسی طرح کی چیز قائم کرنا چاہتی ہوں اور اس کے لئے چند اچھے ہندوستانیوں کا ایک بورڈ بنانا چاہتی ہوں۔ انھوں نے جھٹ سنتے ہی کہا کہ "اچھا اس کا سب سے پہلا صدر میں ہوں گا" اور وہ آخر عمر تک اس کے صدر رہے ۔

اس کے بعد پھر ہم الہ آباد سے لکھنؤ منتقل ہونا شروع ہوئے اور جون میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس زمین پر ابھی کوئی عمارت بنی نہ تھی، لیکن ایک میل دوری پر کچھ مکانات کرایے پر مل گئے جس میں ہم نے اپنا تمام سازوسامان رکھا اور اس میں کام شروع کر دیا اب مجھے نئی عمارتوں کے لئے نقشے کی تلاش ہوئی، جس کے لئے میں دہلی آئی ۔ یہاں ایک آرکیٹکٹ (معمار) نے ہمیں اچھے نقشے بنا دیئے لیکن وہ ہندوستانی طرز کے نہ تھے ۔ پھر مجھے ایک انگریز آرکیٹکٹ (معمار) لوری بیکر کا پتہ چلا جو پتھورا گڑھ کے قریب اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، جو خود بھی ایک بہت ہی اچھی لیڈی ڈاکٹر ہیں اور یہاں انھوں نے ایک ہسپتال بنا رکھا ہے۔ میں یہ خبر سنتے ہی وہاں گئی اور ان سے اپنا تمام حال بیان کیا۔ انھوں نے کاغذ پنسل ہاتھ میں لیا اور میری باتیں سنتے گئے اور کاغذ پر کچھ نقشے بنانے گئے بہت کچھ ترمیم و تنسیخ کے بعد بالآخر دار الاشاعت، دفتر، کھلی ہوا کے تھیٹر اور کچھ رہائشی مکانات کے نقشے تیار ہو گئے۔ کل عمارت ایک بیضوی شکل کی نظر آتی تھی جس کے سامنے ایک دیوار بھی رکھی تھی جو ایک طرف تو ہمارے امن و سکون کی محافظ تھی اور دوسری طرف اپنے بڑے دروازے کے ساتھ باہر سے لوگوں کو آنے کی دعوت بھی دیتی تھی۔ دروازوں پر جو تصویریں ہوں گی وہ سب دیہات کے لوگوں کی اور دیہاتی زندگی کی ترجمان ہوں گی۔ ایک طرف بچوں کی اور ان کے اساتذہ کی تصویریں ہوں گی جو سب آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوں گے۔ دوسری طرف ایک بوڑھا مرد، پگڑی باندھے پڑھ رہا ہوگا۔ پھر اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی عبادت گاہ ہوگی، جو اوپر سے پھوس کی چھائی ہوگی اور بیچ میں ساکت پانی کا ایک چشمہ ہوگا۔ یہ سب میرے اتنے عرصہ کے خواب کی تعبیر تھی، جو اس نے کاغذ پر کھینچ کر رکھ دی۔

ہم نے یہ تعمیر صدری دروازے سے شروع کی، اگرچہ اصل کام کرایہ والی عمارتوں ہی میں ہوتا رہا۔ اس صدری دروازے کے اوپر "بیت الخواندگی" یا "لٹریسی ہاؤس" لکھا تھا، اور اس طرح آہستہ آہستہ ہمارا تعمیری کام نقشہ کے مطابق چلتا رہا اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمارا تعلیمی کام بھی جاری رہا۔ استادوں کی تربیت اسی طرح جاری رہی جو گاؤں میں جا کر بالغوں کو پڑھانے کا کام شروع کرتے۔ ہمارے سفری کتب خانے تعلیمی وان کے ذریعہ اسی طرح علم کی روشنی دور دور گاؤں میں پھیلا رہے تھے۔ کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کا سلسلہ برابر جاری تھا CARE کی مدد سے ان تصانیف کی تیاری اور طباعت

میں بڑی مدد ملی۔ پہلا پندرہ روزہ رسالہ اُجالا اب ہفتہ وار ہوگیا جس سے دیہات والوں کو خبریں اور مضامین جلد جلد ملنے لگے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اب عمارت اتنی بن چکی تھی کہ ہمیں اس کی رسم افتتاح کا خیال آیا تاکہ اس طرح ہم اپنے معاونین اور مددگاروں کو اپنے کام سے بھی روشناس کرا سکیں۔ ہم نے الٰہ آباد، لکھنؤ، دہلی اور دوسرے حصوں میں جہاں جہاں بھی ہمارے محسن اور مددگار تھے۔ ان کے پاس دعوت نامے بھیجے تاکہ اگر وہ نہ آسکیں تو کم سے کم ہمارے کام کی اطلاع ہی انھیں ہو جائے۔ چنانچہ وہ مبارک دن آ ہی گیا اور اس دن کی صبح کو ہم سب اکٹھے ہوئے اور دعا کے لئے جو موضوع رکھا وہ یہ تھا کہ زندگی ہمارے ماضی اور مقاصد کے زینوں پر چلتی ہے۔

اس افتتاحی جلسہ کی تیاری میں ہم نے ایک نمائش بھی لگا رکھی تھی جس میں زیر تربیت استادوں کی تصویریں تھیں، بالغوں کی جماعتوں کی تصویریں تھیں، ان نئی کتابوں کی نمائش تھی جو مبتدی بالغوں کے لئے لکھی گئی تھیں، پھر وہ ہے کے شیلف میں وہ کتابیں لگی ہوئی تھیں جو میں نے بڑی مشکل اور بڑی قیمت سے بالغوں کے لئے حاصل کی تھیں۔ کتب خانہ کے پیچھے ٹرک کھڑا ہوا تھا جس لوہے کے صندوقوں میں کتابیں بھری جا رہی تھیں جو مختلف دیہاتوں میں بھیجے جا رہے تھے۔ جلسہ شروع ہونے کے بعد جہاں نظمیں اور تقریریں ہوئیں، وہاں سب سے دلچسپ اور نئی چیز "گڑیوں کا ناچ" (Puppet Show) تھا۔ یہ ناچ دراصل تفریح کا ذریعہ نہ تھا بلکہ بالغوں کی تعلیم کا ایک بڑا وسیلہ تھا اور آج کا موضوع جو اس نمائش کے لئے مخصوص طور پر تیار کیا گیا تھا وہ "جہیز کی رسم" تھی جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ اس رسم بد کی بدولت کس طرح ان پڑھ کسان ساہوکار کا مقروض اور غلام بن جاتا ہے۔

یہ کام ختم ہو چکا اور میری ۸۰ویں سالگرہ آئی تو میں نیویارک میں تھی۔ میری آمد پر میرے دوست احباب اور اس "خواندگی گرام" " Literacy Village " جو اب "بیت الخواندگی" کا نیا نام ہو گیا تھا۔ کے جتنے معین اور ہمدرد تھے سب تہنیت اور مبارک باد کے پیامات بھیجنے لگے۔ اور میں جہاں جہاں گئی لوگ ایک طرف تو مجھے مبارکباد دینے دوسری طرف اس خواندگی گرام کے حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین اور مضطرب نظر آتے تھے۔ میں خود بھی ان کے اس اضطراب اور بے چینی پر سوچنے لگی کہ واقعی یہ کتنا بڑا معجزہ ہوا ہے۔ ہندوستان اس وقت دنیا میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک اتصال کی کڑی ہے۔ مشرق میں ایک طرف روس اور چین ہیں جو بڑے وسیع خطوں کے مالک ہیں۔ چین میں آبادی بھی بہت ہے۔ لیکن ہندوستان میں رقبہ کو دیکھتے ہوئے اس سے بھی شاید زیادہ پڑتی ہے۔ اگر ہندوستان میں جمہوریت نے اپنی گہری جڑیں پکڑلیں تو یہ دنیا کے لئے بڑی خیر و برکت کا باعث ہیں اور ان جڑوں کا مدار بڑی حد تک یہاں کے عوام کی خواندگی پر ہے۔ اس وقت تک اس "خواندگی گرام" سے ۵ ہزار استاد تربیت پاکر نکل چکے

ہیں اور وہ مختلف گاؤں میں جا کر کوئی ڈیڑھ لاکھ بالغ ان پڑھوں کو پڑھنا لکھنا سکھا چکے ہیں۔ یہ اگرچہ بڑے سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن جیسا کہ کسی مشرقی شاعر نے کہا ہے کہ "رات کی تاریکی کو کوسنے سے بہتر ہے کہ ایک دیا جلا دیا جائے" اور پھر اس دیے سے دیا جلتا رہے گا۔

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا جشن سیمیں
ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں کانفرنس

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا جشن سیمیں کے موقع پر جو مارچ ۱۹۶۴ء میں منایا جائے گا ایک کانفرنس منعقد ہوگی جس کی صدارت جمہوریہ ہند کے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فرمائیں گے۔

۱۲ نومبر کی نشست میں ایسوسی ایشن کی مجلس انتظامیہ کے فیصلے کے مطابق اس کانفرنس کے موقعے پر "قومی اتحاد و ہم آہنگی" کے موضوع پر ایک مباحثہ بھی ہوگا جس میں ملک کے قابل رہنماؤں جیسے پلاننگ کمیشن کے نائب صدر شری اشوک مہتہ جیسی قابل قدر شخصیتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

والدین اور اساتذہ کی قومی انجمن کا قیام

والدین اور اساتذہ کے ایک قومی سہ روزہ کنونشن نے جو نئی دہلی میں ۹ تا ۱۱ نومبر منعقد ہوا تھا، والدین اور اساتذہ کی ایک قومی انجمن کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ اس سلسلے میں کنونشن نے ایک عارضی کمیٹی تجویز کر دی ہے جو اس انجمن کا دستور تیار کرے گی۔

صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن اس انجمن کے سرپرست ہوں گے۔ کنونشن میں مندرجہ ذیل عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ شریمتی شانتی کبیر (صدر) ڈاکٹر سوندرم رام چندرن، نائب وزیر تعلیم اور ڈاکٹر جی، ایس ملکوت ایم، پی (نائب صدر) اور شریمتی رکشا سرن (خازن)

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی بین الاقوامی کانگریس

یونیورسٹیاں اور تعلیم بالغان

ہر عمر کے لوگوں کی ہر معیار کی تعلیم کا انتظام کرنا آج ہر سماج کی، خاص طور سے ترقی پذیر سماج کی، سب سے اہم ضرورت ہے۔ ایک ایسے سماج میں جہاں مختلف پیشوں کے تربیت یافتہ لوگوں کی کمی بہت نازک صورت اختیار کر چکی ہو وہاں یونیورسٹیاں اپنی خدمات ملک کے کچھ خوش قسمت نوجوانوں تک محدود رکھ کر اپنے آپ کو حق بجانب نہیں کہہ سکتی ہیں، خواہ یہ طبقہ اس سماج کا کتنا ہی حوصلہ مند اور ذہین طبقہ کیوں نہ ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی بہت سی یونیورسٹیوں نے خاص طور سے ترقی پذیر ملکوں کی یونیورسٹیوں نے — جہاں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے — ابھی یہ ذمہ داری تسلیم نہیں کی ہے اور نہ اس کے لئے وہ مائل دکھائی دیتی ہیں۔ اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے کاموں سے عملی طور پر دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کچھ ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔

یونیورسٹیوں کا روایتی منصب

اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ یونیورسٹیوں کا روایتی اور اصل منصب تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے کچھ ماہرین یونیورسٹیوں کی یہ ذمہ داری تسلیم کرتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ ساری بستی کی زندگی کو علم کی روشنی سے جگمگا دینے کا کام بھی یونیورسٹی کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا تو نام سنتے ہی وہ بوکھلا اٹھتے ہیں، جیسے یہ کوئی بہت گھٹیا درجے کا کام ہو۔ وہ اس بات کو یونیورسٹی کے وقار کے خلاف تصور کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی تعلیم کا انتظام کرے جو لوگ کسی طرح کے حالات سے مجبور ہو کر ایک خاص عمر تک تعلیم کی نعمت سے محروم رہے ہیں۔ یونیورسٹی کی تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات بہت قدامت پسندانہ ہیں۔ یہ بات کہتے وقت وہ بھول جاتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں قائم ہونے والی

یونیورسٹیاں ایک بالکل مختلف سماج کے تقاضوں کو پورا کرنے کے مقصد سے وجود میں آئی ہیں اور آج اگر انھیں بیسویں صدی کے نئے سماج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تیار ہونا ہے تو ضروری ہوگا کہ ان کے پروگراموں میں کچھ بنیادی تبدیلی لائی جائے۔ یعنی انھیں اپنے روایتی کام — اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے ساتھ ساتھ سماج کی تعمیر کے لئے ہر عمر کے لوگوں کی تعلیم کے لئے بھی تیار ہونا چاہئے اور اپنے یہاں سے تعلیم پاکر نکلے ہوئے طالب علموں کو اس بدلتی ہوئی دنیا میں تازہ ترین علوم سے واقف بنائے رکھنے کا انتظام کرنا چاہئے۔

تعلیم بالغان کے میدان میں یونیورسٹیاں

دنیا کی بہت سی یونیورسٹیوں نے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کیا ہے اور بہت دنوں سے وہ اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پروگرام چلاتی رہی ہیں "یونیورسٹیوں اور اڈلٹ ایجوکیشن کے درمیان قریبی تعلق انگریزی بولنے والے علاقوں کی یونیورسٹیوں کی ایک عام خصوصیت ہے۔ ان تمام یونیورسٹیوں کی نشو و نما چونکہ ایک مشترک تہذیبی پس منظر میں ہوئی ہے اس لئے ان کے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کسی نہ کسی شکل میں ضرور مل جاتا ہے۔ جہاں جہاں انگریزی زبان اور انگریزی خیالات پہنچے ہیں وہاں یونیورسٹی ایکسٹنشن (یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن) کا خیال بھی اپنی جڑیں جما چکا ہے۔"

مگر دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ہونے والا اڈلٹ ایجوکیشن کا کام بہت بے ربط طریقے پر اپنے اپنے طور پر ہوتا آرہا ہے۔ اور اب کسی یونیورسٹی کو دوسری یونیورسٹیوں کے بارے میں سمجھنے اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ہونے کے برابر رہا ہے۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے کاموں کو ایک منظم اور متعین شکل دینے اور عالمی پیمانے پر ایک پیشہ ورانہ تحریک کی حیثیت سے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے کام کو ایک ٹھوس شکل دینے کی ضرورت بہت دنوں سے محسوس کی جارہی تھی اور یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والے افراد اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے مواقع کی تلاش و جستجو میں اپنے اپنے طور پر لگے ہوئے تھے۔

یونیسکو اور اڈلٹ ایجوکیشن

یونیسکو نے اپنے پروگراموں میں جب سے اڈلٹ ایجوکیشن کو شامل کیا ہے اس نے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن میں خاص دلچسپی دکھائی ہے۔ اس کے مدنظر ہمیشہ یہ بات رہی ہے کہ یونیورسٹیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے اپنے روایتی کاموں کے علاوہ تمام بستی کی تعلیمی ضرورت کو پورا کرنے پر بھی توجہ دیں، جن کی آج کی

تہذیبی زندگی کی بقا کے لئے بہت اہمیت ہے۔ یونیسکو نے اس مقصد کے پیش نظر ۱۹۵۲ء میں اپنے تعلیمی مسائل کے سلسلۂ مطبوعات میں "اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں یونیورسٹیاں" کے عنوان سے ایک خصوصی مطالعہ شائع کیا تھا۔ یہ مطالعہ تین انگریزی بولنے والے ملکوں یعنی کناڈا، برطانیہ اور امریکہ کے تجربات اور افکار و نظریات پر مبنی ہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں یونیسکو نے برطانیہ کو خصوصی امداد دی کہ وہ "یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن" کے موضوع پر ویلس میں جو سیمینار منعقد ہوا تھا اس کی مفصل رپورٹ شائع کرے۔ ان مطبوعات نے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے اصول و نظریات کی وضاحت میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک بین الاقوامی انجمن کے قیام کی ضرورت

یونیسکو کی اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنسوں، مختلف قومی اور بین الاقوامی اداروں کے مختلف اجلاس اور نشستوں میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی ایک منظم اور مربوط شکل کے ارتقا اور عالمی سطح پر مختلف یونیورسٹیوں کے زیر نگرانی ہونے والے اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام میں تال میل پیدا کرنے اور اس طرح پیشہ ورانہ حیثیت سے ایک عالمی تحریک منظم کرنے کی تجویزیں بارہا آتی رہی ہیں۔ ان تجویزوں کے پیچھے دو خاص باتیں رہی ہیں ایک تو یہ کہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والے مختلف ادارے اور افراد ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کے تجربوں سے فائدہ اٹھائیں جس سے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے سلسلے میں خیالات میں صفائی اور پروگرام میں ایک حد تک یکسانیت کا رنگ اور تال میل پیدا ہو اور اس طرح یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن، پروگرام کی ایک شکل متعین ہو سکے اور خیال میں صفائی اور پختگی آسکے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں کو تعلیم بالغان کے کاموں میں دلچسپی دلائی جائے اور عالمی ادارے کی منظم کوششوں کے ذریعہ ان یونیورسٹیوں میں جو اب تک یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کوئی کام نہیں کر رہی ہیں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ وہ اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کا باقاعدہ پروگرام شروع کریں اور عالمی ادارہ اس بات کی کوشش کرے کہ جو یونیورسٹیاں اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام شروع کرنے پر آمادگی ظاہر کریں ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی ہو اور وہ اپنے سامنے کوئی ایسی دشواری محسوس نہ کریں جنھیں حل کرنا ان کے لئے مشکل ہو۔ غرضکہ انھیں یہ محسوس ہو کہ ان کو اپنے اس نئے اور نیک کام میں دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں کا تعاون اور رہنمائی بھی حاصل ہے۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کانگریس

اگست ۱۹۶۰ء میں یونیسکو کے زیر اہتمام اڈلٹ ایجوکیشن کی دوسری عالمی کانفرنس کناڈا میں منعقد ہوئی تھی۔ اس

موقع پر اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف پہلوؤں کو لے کر مختلف ملکوں پر سات دوسری کانفرنسوں کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ ان سات کانفرنسوں میں سے ایک کانفرنس جو اڈلٹ ایجوکیشن کی عالمی کانفرنس کے فوراً بعد ستمبر ۱۹۶۰ء میں سیگا مور (نیویارک) میں منعقد ہوئی تھی، یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر تفصیل سے غور و بحث کرنے کے لئے خاص طور سے بلائی گئی تھی۔

سیگامور کانفرنس میں ۱۴ ملکوں کی مختلف یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کی سرگرمیوں میں دلچسپی رکھنے والے ۳۵ نمایندے شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس، جو سیراکیوز یونیورسٹی میں پانچ دن تک چلتی رہی، اپنے ڈھنگ کی پہلی کانفرنس تھی جس میں پہلی بار یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والوں کو عالمی سطح پر مل بیٹھنے اور اپنے مسائل اور پروگراموں پر مل جل کر غور کرنے اور مختلف ملکوں میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کے رجحانات کو سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن جیسے پیچیدہ موضوع پر جس کی اب تک کوئی واضح اور آخری شکل متعین نہ ہوئی ہو غور و بحث کر کے مختلف ملکوں کے لئے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے کوئی ایسا پروگرام تجویز نہیں کیا جا سکتا، جو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تمام ملکوں میں یکساں طور پر برتا جا سکے۔ اس کانفرنس کا یہ مقصد بھی نہیں تھا۔ کانفرنس نے مختلف ملکوں کے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے تجربات اور رجحانات کو سمجھنے اور ان کے آیندہ منصوبوں سے واقفیت حاصل کرنے پر ہی توجہ دی، جس کے لئے یہ بہت مناسب موقع تھا۔ کانفرنس کے نمایندوں نے اس حیثیت سے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

کانفرنس کی افتتاحی تقریب کے موقع پر اور اس کی باقاعدہ نشستوں اور نمایندوں کی بے تکلف صحبتوں میں جو بات چیت ہوئی اس میں نمایندوں کی یہ زبردست خواہش محسوس کی گئی کہ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والوں کی ایک بین الاقوامی انجمن بننی چاہئے جو اس میدان میں باہم ربط ضبط بڑھانے اور فنی معاملات میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کرنے میں مددگار ہو۔

نمایندوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ ادارہ نظم و ضبط اور قواعد و ضوابط کے شکنجوں میں جکڑا ہوا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے ایک ایسا ادارہ ہونا چاہئے جس کے پروگرام اور تنظیم میں نظم و ضبط کے ساتھ ایک لچک بھی ہو جس سے کہ یہ ادارہ یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والوں کے لئے باہم ربط و اشتراک بڑھانے کا ایک اچھا وسیلہ ثابت ہو سکے۔ اس مقصد کے پیش نظر نمایندوں نے "انٹرنیشنل یونیورسٹی کانگریس آن اڈلٹ ایجوکیشن" کی تنظیم کا فیصلہ کیا اور کانگریس کے لئے ایک عارضی انتظامی کمیٹی کی تشکیل کر دی۔

بین الاقوامی کانگریس کے کچھ بنیادی کام

اس کانفرنس نے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی بین الاقوامی کانگریس کی تشکیل کے وقت کانگریس کے خاص خاص کاموں کا ایک موٹا سا خاکہ تیار کر دیا تھا اور عارضی انتظامی کمیٹی سے فرمائش کی تھی کہ وہ انٹرنیشنل کانگریس کے لئے دستور اور قواعد وضوابط تیار کرنے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل پروگرام شروع کرنے کے سلسلے میں فوراً ضروری اقدامات کرے۔

۱۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والے افراد اور اداروں کی مفصل فہرست بندی

۲۔ محکمہ اطلاعات کا قیام۔ یہ مرکز یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کام کرنے والوں کی عام دلچسپی کی اطلاعات اور خبروں کی نشر و اشاعت کا انتظام کرے۔ جیسے اڈلٹ ایجوکیشن کی مختلف کانفرنسوں اور اجلاسوں کی تاریخوں کا اعلان، اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں نئے پروگرام اور نئے رجحانات سے باخبر رکھنے والے اعلانات اور خبریں اور اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان کی دوسری سرگرمیاں۔

۳۔ دوسرے ملکوں میں سیر و سیاحت کرنے والے اساتذہ کی مدد کی جائے جس سے کہ ان ملکوں میں انھیں اپنی دلچسپی کے مضامین کے اساتذہ اور عالموں سے ربط ضبط پیدا کرنے اور اس میدان میں کام کرنے والے مختلف اداروں اور ان کے کاموں سے متعارف ہونے میں اجنبیت کا احساس نہ ہونے پائے۔

۴۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر کتابوں کی تیاری و اشاعت اور ایک رسالے کا اجرا۔

۵۔ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کی علاقائی اور عالمی کانفرنسوں کے انعقاد کے سلسلے میں ضروری کارروائیاں کرنا۔

ستمبر/اکتوبر ۱۹۶۲ء تک کے کام کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ "انٹرنیشنل کانگریس آف یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن" کا ایک دستور مرتب ہو چکا ہے اور ممبر سازی کی کوششیں جاری ہیں۔

اس کے علاوہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والے افراد اور اداروں کی ایک ابتدائی فہرست عارضی طور پر شائع کر دی گئی ہے۔ انٹرنیشنل کانگریس کی طرف سے باقاعدہ طور پر ایک رسالے کا اجرا ہو گیا ہے اور اس کا ابتدائی شمارہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ دو خبرنامے شائع ہو چکے ہیں جن میں انٹرنیشنل کانگریس آف اڈلٹ ایجوکیشن کی سرگرمیوں اور منصوبوں کے تعارف کے علاوہ یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں خاص طور سے اور اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں عام طور سے اہم اطلاعات شائع کی گئی ہیں۔ "فرانس میں یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن" کے

موضوع پر ایک کتابچہ بھی چھپ چکا ہے۔

دنیا کے مختلف حصوں میں مقامی یونیورسٹیوں اور اداروں کے تعاون سے کانگریس نے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر مختلف علاقائی کانفرنسیں منعقد کرنے کے سلسلے میں بات چیت کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ غانا میں یونیورسٹی آف غانا کے تعاون سے ایک علاقائی کانفرنس منعقد ہو چکی ہے۔ جس میں افریقہ کے مختلف ملکوں کی ۱۵ یونیورسٹیوں نے اور شمالی امریکہ کی ۲۰ یونیورسٹیوں کے نمایندوں نے شرکت کی۔

یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر یونیسکو کی مشاورتی کمیٹی کی حیثیت مل جانے کے سلسلے میں بھی انٹرنیشنل کانگریس ضروری کارروائیاں کر رہی ہے اور یونیسکو کے تعاون سے مختلف پروگرام اپنے ہاتھ میں لینے کا منصوبہ بھی بنا رہی ہے۔

انٹرنیشنل کانگریس کی رکنیت

انٹرنیشنل کانگریس کے دستور کے مطابق اس کے ممبر افراد بھی ہو سکتے ہیں اور ادارے بھی، بس ایک شرط ہے کہ وہ افراد اور ادارے یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے کاموں سے عملی طور سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ انفرادی ممبری کی فیس ۵ ڈالر سالانہ ہے اور اداروں کی ۳۰ ڈالر سالانہ۔

انٹرنیشنل کانگریس آف یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن اس مختصر سی مدت میں جو اہم کام انجام دیئے ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ کانگریس کا قیام یونیورسٹی اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں عالمی سطح پر مختلف بہانوں سے آپس میں ملتے جلتے رہنے والے لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس انجمن کو دنیا کی تمام یونیورسٹیوں کا صحیح معنی میں نمایندہ ادارہ بننے کے لئے اتنا ہی ضروری نہیں ہے کہ وہ چند مفید مطبوعات کی تیاری اور اشاعت اور علاقائی اور عالمی کانفرنسیں منعقد کر کے مطمئن ہو جائے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ انٹرنیشنل کانگریس دنیا کے مختلف ملکوں کی یونیورسٹیوں کو اور خاص طور سے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کی یونیورسٹیوں کو ——— اڈلٹ ایجوکیشن کا باقاعدہ پروگرام شروع کرنے پر مائل کرنے کے کام کو اپنا شعار بنا لے۔

ڈسپلن

گذشتہ چند سال سے اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا جس قدر بدنظمی کے مرتکب ہو رہے ہیں اس کی مثال ماضی میں شاذ ہی مل سکے۔ اسی لئے یہ مسئلہ ہمارے اساتذہ کے لئے جس قدر تشویشناک ہے شاید اس سے کہیں زیادہ ماہرین تعلیم کے لئے اس کی اہمیت ہے۔

جدید تعلیمی افدار کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ ڈسپلن تعلیمی عمل کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے اثرات مُضر ہوں۔ بلکہ ہماری زندگی اور اس کی منصوبہ بندی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ نظم ونسق دو قسم کا ہو سکتا ہے۔

۱۔ تعمیری نظم ونسق

۲۔ حاکمانہ نظم ونسق

حاکمانہ نظم ونسق سے مراد ہے کسی اعلیٰ طاقت کا حکم ماننا، بلا سوچے سمجھے سماجی اقدار کی تقلید کرنا، اپنی انفرادیت کو پوری طرح اجتماعیت کے گہرے کھڈ میں گرا دینا۔ اس کو ہم فوجی نظم ونسق سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ ڈسپلن کا یہ تصور نہ صرف ناقص ہے بلکہ جدید قسم کے رجحانات کے قطعی منافی بھی ہے۔ بقول ڈیوی "اگر تعلیم محض ٹریننگ ہی نہیں بلکہ فرد کے لئے زندگی کی راہِ عمل ہے تو یقیناً ڈسپلن بھی فرد کی قدرتی نشوونما اور پرداخت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ڈسپلن اس کے اوپر باہر سے زبردستی لادا ہوا خارجی لبادہ نہیں۔ بلکہ آزادانہ تخلیقی ڈسپلن۔ یہ لبادہ وقتی طور پر تو بڑا مؤثر ہوتا ہے۔ لیکن خوف کے عنصر کے ہٹتے ہی فرد کا ذہن پھر شر انگیزیوں اور تباہ کن تخریبی سرگرمیوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ لیکن اس آزادانہ تخلیقی ڈسپلن کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ فرد کو تمام تر ذمہ داریوں سے منہ موڑنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے برعکس اس کا مقصد فرد کے ذہن اور شخصیت کی مکمل تربیت ہے تاکہ وہ اپنی زندگی اور سماجی مقاصد کو سمجھ سکے اور آپ اپنے فیصلے کے زیرِ اثر اپنے سماج کا ایک بہتر سے بہتر رکن بن سکے۔ صحیح مقاصد کی تکمیل کے لئے صرف اختیاری جدوجہد فرد کی حرکات وسکنات اور اس کے طریقِ عمل کو قابو میں رکھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ مقاصد فوری بھی ہو سکتے ہیں اور دیرپا بھی۔ یہ مقاصد اپنی انفرادی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ہو سکتے ہیں یا پھر سماجی

فلاح و بہبود کے لئے۔ اس طرح ایک خاص قسم کا مقصد اس تعمیری ڈسپلن کو جنم دیتا ہے۔ یعنی اگر مقصد صحت مند اور دیر طلب ہو تو یقیناً اس کی تکمیل کے لئے فرد کو کسی ایسے نظم و نسق کے تحت رہنا پڑے گا جو نہایت دیر پا ہو۔

نظم و نسق کی ان دونوں اقسام کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے ایک مثال لیجئے۔ ایک شخص کار چلا رہا ہے۔ چوراہے پر پولیس کانسٹبل کو دیکھ کر وہ کار کی رفتار کو کم کر دیتا ہے۔ یہ عمل چونکہ اس نے کانسٹبل کے خوف کے تحت کیا کہ کہیں وہ اس کا چالان نہ کر دے لہذا یہ عمل حاکمانہ نظم و نسق کے زیر اثر ہوگا۔ دوسرا شخص تیز کار صرف اس لئے نہیں چلاتا کہ یہ حرکت سڑک پر چلنے کے اصولوں کے خلاف ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے اس کی کار سے کوئی حادثہ واقع ہو جائے اور اس سے کسی فرد کو نقصان پہنچ جائے۔ اس کا ضمیر بیدار ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت سے وہ مالامال ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ایسا شخص کبھی کار تیز نہیں چلائے گا چاہے چوراہے پر سپاہی موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ تعمیری نظم و نسق کی مثال ہے۔ اس کے برعکس پہلا شخص سپاہی کی عدم موجودگی میں کار کی رفتار جتنی بڑھانا چاہے گا بڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں صرف سپاہی کی موجودگی اور عدم موجودگی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔

تعلیم کا مقصد ہے

(الف) زندگی کے اعلیٰ ترین مدارج کا حصول

(ب) زندگی کے تعمیری، پسندیدہ اور صحت مند مقاصد کی تکمیل

(ج) فرد کے مقاصد کو اجتماعیت کی شکل دینا۔

ایک جمہوری طرز کے سماج میں جہاں سماج ہی کے ہاتھ میں پوری سیاسی قوت ہوتی ہے اور وہ اپنے علاوہ کسی دوسری شخصی قوت کے ردِ عمل پر نظر نہیں رکھتی اس بات کی تمام تر ذمہ داری تعلیمی اداروں کی ہو جاتی ہے کہ وہ افراد میں پوری پوری سماجی زندگی کا احساس بیدار کریں۔ لیکن سماجی زندگی کا یہ احساس ہر فرد کی دلی خواہش اور قلبی جذبہ کے زیر اثر ہو نہ کہ کسی خوف یا ڈر کی وجہ سے۔ "ڈسپلن دراصل ایک رجحان ہے، ایک عادت ہے اور زندگی کا ایک مخصوص لائحہ عمل ہے ـــــ جو طلبا کو اپنے سماج اور سماجی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ہر فرد میں قدرتی طور پر چند خوبیاں اور صلاحیتیں مخصوص طور پر ودیعت ہوتی ہیں۔ ڈسپلن کا منصب یہ ہے کہ وہ انفرادی قوتوں کو سماج اور خود فرد کی بہتری کے لئے استعمال کرتا ہے۔ غیر محدود معنوں میں ڈسپلن ذہن، روح اور جسم کی بہترین تربیت کا دوسرا نام ہے بلکہ

مخصوص اور صحت مند قسم کا ردعمل جس کے اندر تمام تر صحت مند رجحانات، میلانات اور معیاری کردار کی خصوصیات بھی شامل ہیں۔ جو زندگی کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بناتی ہیں اور کسی طرح بھی سماجی فلاح و بہبود کو پس پشت نہیں ڈالتیں۔

ڈسپلن کے کام

(الف) ان حالات کو پیدا کرنا جو اسکول اور کالج کی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔
(ب) طلبار کو سماجی زندگی کے لئے تیار کرنا۔
(ج) طلبار کو اپنے نفس پر قابو پانے کا بنیادی سبق دینا

ڈسپلن کی اہمیت

(۱) ڈسپلن وہ قوت ہے جس پر انفرادی اور سماجی زندگی کی بقا کا دارومدار ہے۔ اس کے ماتحت فرد اپنی تمام ذہنی قوتوں اور مخصوص صلاحیتوں کا اچھے سے اچھا استعمال کر سکتا ہے۔ یہ ان قوتوں کی نشوونما کرتا ہے اور ان کو قوت بخشنے کے ساتھ ساتھ ان پر قابو پانے کی تلقین بھی کرتا ہے۔

(۲) ڈسپلن ان انفرادی صلاحیتوں اور قوتوں کو صحت مند مقاصد کی راہ دکھاتا ہے جو سماجی زندگی کی اعلیٰ اقدار ہیں۔ برعکس اس کے بدنظمی ان قوتوں کو برباد کرتی ہے اور وہ اپنی تکمیل کے لئے غلط راستے اختیار کرتی ہیں جو سماج اور اس کی اعلیٰ اقدار کے قطعی خلاف ہوتے ہیں۔

بدنظمی کے اسباب

(الف) موجودہ تعلیمی نظام کے عام نقائص:۔
تعلیمی اداروں میں مناسب تعلیمی ماحول کی غیر موجودگی طلباء کے ذہنوں پر بہت برا اثر ڈالتی ہے اور انھیں غلط قسم کی سرگرمیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً آسانی سے غلط قسم کے سیاسی پروپیگنڈے کے شکار ہو جاتے ہیں۔ مناسب تعلیمی ماحول کی عدم موجودگی کی ایک بڑی وجہ امتحانات کا ناقص ظہور ہے۔ یہ امتحانات طلبار کے اندر سے صحیح تنقیدی صلاحیت کو مفقود کر دیتے ہیں اور یہ بات علم کے مکمل حصول کے قطعی منافی ہے۔ طلبا امتحان سے چند ماہ پیشتر حقائق کو سمجھنے کے بجائے اُن کی رٹائی شروع کرتے ہیں چند مخصوص قسم کے سوالات رٹنے کے بعد وہ امتحان

ہیں تو کامیاب ہو جاتے ہیں مگر ان کا علم جو بہتے ہوئے دریا کی طرح ہونا چاہیئے صرف ٹھہرے ہوئے گندے نالے کی مثال
بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا علم ان کے ذہن، کردار اور ان کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہو پاتا۔ سال کا بیشتر حصہ
انھیں کتابوں اور صحیح تعلیمی ذوق سے دور رہ کر گذارنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ان کی یہ بے کاری انھیں طرح طرح کی تخریبی حرکات
پر مجبور کرتی ہے۔ ان امتحانات سے اساتذہ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ان کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ نصاب کے انہی پہلوؤں
پر اپنی توجہ زیادہ مبذول کریں جو امتحان کے نقطۂ نظر سے زیادہ اہم ہوں۔ اسی وجہ سے ان کا طریقۂ تعلیم ناقص ہو جاتا ہے اور
ان کے اندر صحیح عالمانہ شان باقی نہیں رہتی جو طلباء کے اندر پائیدار علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ تعلیم کا یہ ناقص انداز
طلباء کے جذبات اور ذہن کی نشو و نما کو روک سا دیتا ہے۔

تعلیم کے رجحانات، میلانات اور اصول تبدیلی کی کھٹی میں

ہمارے موجودہ جمہوری نظام نے ہماری تعلیمی اقدار، اس کے اصولوں، اس کے میلانات اور رجحانات کو پوری طرح متاثر کیا
ہے یہ تمام عناصر نہایت شدید تبدیلی کے مدارج سے گذر رہے ہیں۔ لیکن ان تبدیلیوں کو بروئے کار لانے کی کوشش اساتذہ کی
جانب سے بہت کم ہو رہی ہے۔ غالباً اس لئے کہ ایک طویل مدت کی غلامانہ ذہنیت کا آن کی آن میں اس طرح تبدیل ہو جانا
ممکن نہیں ہے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کا صحیح استعمال کر سکیں۔ اور اس نے جن نئی اقدار سے ہماری تعلیم کو متعارف کرایا ہے
ان کا صحیح صحیح استعمال کیا جا سکے۔

تعلیمی اداروں پر تنقید کرنے کا رجحان

تعلیمی نظام کے عام نقائص تعلیم کے رجحانات میں تبدیلی اور امتحانات کا ناقص تصور تو خیر ایسی باتیں ہیں جن میں جلد یا بدیر اصلاح
ممکن بھی ہے اس لئے کہ تبدیلی کے محرکات کی طرف سے بہت زیادہ دن تک اعراض ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو کیا کیجئے
کہ موجودہ تعلیمی نظام کی مختلف کمزوریوں کی بنا پر عوام میں ایک نکتہ چینی کے جذبات نے جنم لے لیا ہے تخریبی تنقید کا یہ جذبہ
طلباء میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ چنانچہ سماج کی ہر اعلیٰ قدر پر انھیں طمع کاری کا شبہہ ہوتا ہے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی کتاب
Indian Heritage of Democracy میں اس بات پر زور دیا ہے کہ طلباء کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر تعمیری تنقید کا جذبہ پیدا
کریں اس کی عدم موجودگی نہ تو سماج ہی میں کوئی بنیادی تبدیلی لا سکتی ہے اور نہ نظام تعلیم ہی میں۔ تعمیری تنقید سے مراد ہے کہ افراد
جن سماجی عناصر کو ناقص سمجھیں انھیں ضرور خارج کر دیں مگر ایک مفکرانہ جذبے کے ساتھ ساتھ انھیں چاہیئے کہ نئے نئے رجحانات

اور صحت مند خیالات سے ان خالی جگہوں کو پر کریں جہاں سے انھوں نے ناقص عناصر کو خارج کیا ہے تاکہ ان کی موجودگی سماجی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے نئی نئی راہیں کھول دے۔

طلبار کی سماجی، اقتصادی اور تمدنی صورت حال

ہمارے تعلیمی اداروں کے ماحول اور باہر کے سماجی ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دست کاری اور محنت مزدوری کو ہمارے یہاں حقیر نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جو لوگ اپنے لباس وضع قطع اور رسم ورواج میں کسی قدر بچھڑے ہوئے نظر آتے ہیں انھیں جاہل اور گنوار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ طلبا کو بھی بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے یہاں کوئی ایسا وسیلہ نہیں جس کے ذریعے طلبا اپنی طالب علمانہ زندگی میں اپنے مالی مسائل کا حل نکال سکیں۔ اس کے برعکس مغربی ممالک میں یہ ایک عام بات ہے کہ طلبار کی مالی مشکلات کو دور کرنے کے لئے مختلف قسم کے ذرائع فراہم کئے جاتے ہیں لیکن وہ کسی بھی طرح ان کی عزتِ نفس اور خودداری کو چوٹ نہیں پہنچاتے۔

لائق استادوں کی کمی

موجودہ تنخواہیں اور سماج میں وقعت اور عزت نہ ہونے کی وجہ سے مناسب اور قابل شخصیتیں تعلیم کے پیشے کی طرف متوجہ نہیں ہوپاتیں۔ ایک اچھے ہیڈ ماسٹر کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ عالم فاضل ہی ہو۔ بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کردار اور شخصیت کا حامل بھی ہونا چاہئے تاکہ اسے طلبا اور دوسرے اساتذہ سے گہری انسیت اور ہمدردی ہو اور ان کے مسائل کو سمجھنے اور انھیں سلجھانے کی مخلصانہ فکر ہو۔ اس لئے کہ ایک اچھا اور منتظم صدر مدرسہ بہت بڑی حد تک انتظامی امور کو سنوار اور سنبھال سکتا ہے۔

اساتذہ کا سماج کی رہنمائی کرنے کے حق سے محروم ہونا

موجودہ تعلیمی نظام اور تعلیمی اداروں کو آجکل جتنا ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اور اساتذہ کا سماج میں جو مقام ہے اس سے کون واقف نہیں۔ موجودہ دور میں بس چاندی کے چند سکوں کی بنیاد پر کسی کی عزت ہوتی ہے۔ اس صورتِ حال میں غریب اسکول ماسٹر کا سماج میں کیا مقام جو تنخواہ کے اعتبار سے بہت سے کم مرتبہ کارکنوں سے بھی کمتر ہوتا ہے اور اسے اپنی اقتصادی پستی کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے اِدھر اُدھر ٹیوشن کرنا پڑتا ہے۔ اس کی یہ مصروفیتیں اور ذہنی خلفشار اسے

طلبا کی طرف توجہ دینے کی اجازت نہیں دیتا اور وہ اپنے آپ سے، اپنے پیشے سے اور اپنے طلبا سے دور سے دور ہوتا رہتا ہے۔ اور جب یہ کیفیت ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی شخصیت اپنے علم اپنے تجربہ اور اپنے کردار سے طلبا کی شخصیت اور ان کے کردار کی کیا تعمیر کر سکتا ہے۔

تعلیمی اداروں کا اُداس اور یاس انگیز ماحول

ہمارے یہاں اچھے اسکولوں کی بہت کمی ہے بہت سے اسکول ٹوٹی پھوٹی عمارتوں میں ہیں۔ خستہ حال فرنیچر، صفائی اور روشنی کی بدحالی، جماعتوں میں طلبا کا ہجوم، یہ باتیں بچوں کی جذباتی اور ذہنی نشو و نما پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ استاد اپنی توجہ ہر طالب علم پر مبذول کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان کی پوری پوری نگہداشت اور رہبری تعلیمی میدان میں نہیں ہو پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ طلبا پوری طرح سے اپنے اساتذہ کے فیض سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ کثیف اور یاس انگیز ماحول ان کو جذباتی، ذہنی اور سماجی اعتبار سے آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے اور ان کے اندر سے سوچنے سمجھنے کا جذبہ ختم سا ہو جاتا ہے۔

تعلیمی اداروں میں سماجی زندگی کا فقدان

ہمارے تعلیمی اداروں کے اندر معاون نصابی مشاغل co-curricular activities کا نہ تو مناسب استعمال ہے اور نہ ہی ان کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان مشاغل میں ڈبیٹ، بحث و مباحثے ادبی انجمنیں اور دوسرے کھیل کود شامل ہیں۔ یہ مشاغل طلبا کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور سماجی نشو و نما میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور بالغ طلبا کے لئے اور بھی مفید رہتے ہیں۔ ہماری درسگاہوں میں ایسی تقریبات بہت کم ہوتی ہیں جن میں سماج کے افراد کی شرکت بھی ہو۔ چنانچہ طلبا کو بہت کم موقع ملتا ہے کہ وہ سماجی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ ان مواقع کی غیر موجودگی سے انھیں سماج کو سمجھنے میں رکاوٹ پڑتی ہے، اس لئے ان کے اندر اعلیٰ سماجی اقدار کا فقدان رہتا ہے۔

مستقبل کے معاملے میں بے اطمینانی

بدنظمی اور شر پسندی کی عمارت دراصل خوف اور اچھے مستقبل کے بارے میں بے اطمینانی کی بنا پر کھڑی ہوتی ہے۔

آج یہ یقین کس کو ہے کہ تعلیم کی بدولت اسے حسب دل خواہ ملازمت مل جائے گی اور اس کے معاشی مسائل حل ہو جائیں گے خوف اور بے یقینی، کسمپرسی کا احساس، غربت و افلاس اور اسی طرح کے اور عناصر ہیں جو بدنظمی اور شر انگیزی کے پودے کو پروان چڑھاتے ہیں۔

ہمارے تعلیمی نظام کے یہ ہیں وہ نقائص جو درحقیقت بدنظمی کو براہ راست یا بالواسطہ راہ دیتے ہیں۔ بدنظمی کے حالات پر قابو پانے کے لئے سب سے پہلے انھیں دور کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل قدم اس سلسلے میں اور اٹھائے جا سکتے ہیں۔

بچوں کی حکومت، عدالت اور یونین کا قیام

اسکول کے انتظامی امور میں بچوں کا اشتراک زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے اس سے طلباء میں ذمہ داری کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جن طلبا کے ہاتھ میں یہ انتظامی امور ہوتے ہیں وہ اسکول کی سماجی زندگی میں فخر کا احساس کرتے ہیں۔ طلباء کے اندر آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں اور جوہروں کو ابھرنے کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔ غرض یہ مصروفیتیں انھیں زندگی کی مختلف راہوں میں رہنمائی اور پیش پیش رہنے کے لئے تیار کرتی ہیں۔

۲- والدین اور اساتذہ کے درمیان اشتراک

بچے کے سماجی، ذہنی، جذباتی اور اقتصادی پس منظر کو سمجھنے کے لئے طالب علم کی دلچسپیاں، رجحانات، مزاج، اور اس کی پسند نا پسند کو بخوبی سمجھا جا سکے۔ والدین اور اساتذہ کا تعاون انتہ ضروری ہے تاکہ اس مقصد کے لئے والدین اور اساتذہ کی انجمنیں بننی چاہئیں تاکہ وہ آپس میں مل بیٹھ کر اور بحث و مباحثہ کے ذریعے بچوں کے مختلف مسائل کا حل ڈھونڈھ سکیں۔

۳- کھیل کود

تعلیمی اداروں میں مختلف قسم کے کھیلوں کی طرف خاص توجہ ہونی چاہئے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے ان کی بڑی اہمیت ہے۔ بچے لامحدود قوتوں کے حامل ہوتے ہیں، جن کے ذریعے ان قوتوں کا اظہار نہایت نفع بخش طور پر ہوتا ہے۔ کھیل کود کی عدم موجودگی انھیں تخریبی عناصر کی طرف مائل کردے گی۔ یہ مشاغل طلباء کو سماج کے لئے بھی تیار

کرتے ہیں۔ ایک ساتھ کھیلنے کودنے سے ان کے اندر احساسِ عدل، باہمی اتحاد، ضبط و تحمل اور ڈسپلن جیسی خصوصیات کی نشوونما ہوتی ہے۔ ذہین طلباء کھیلنے کودنے کے بعد پھر تازہ دم ہوجاتے ہیں۔ اور ان کے اندر نیا یقین، حوصلہ اور ولولہ پیدا ہوجاتا ہے۔

۴۔ اسکول کی روایات اور قوانین

سچ پوچھئے تو نظم و نسق کا انحصار بہت بڑی حد تک اسکول کی صحت مند روایات اور اچھے قواعد و ضوابط پر ہوتا ہے چنانچہ اگر اس کی روایات اور قوانین بودے اور کمزور ہوں گے تو یقیناً اس کا نظم و نسق بھی بودا اور کمزور ہوگا۔

۵۔ اسکول کی خستہ حالی

اگر اسکول کی عمارت دیدہ زیب ہے، صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ عمدہ اور مناسب فرنیچر موجود ہے لائبریری اور لیبارٹری بچوں کی تعلیمی ضروریات کے حسب حال ہیں، کلاس روم کشادہ اور صاف ستھرے ہیں۔ اسٹاف روم، وزٹنگ روم، اسمبلی ہال وغیرہ مناسب ہیں، روشنی اور عمدہ پانی کا انتظام ہے، کھیل کود کا معقول انتظام ہے تو ان کے اثر سے اسکول کی عام فضا خوشگوار اور صحت مند ہو جائے گی اور ان کا اثر طلبا کے ذہن اور جذبات کے تخریبی پہلوؤں کو بیدار نہ ہونے دے گا۔ یہ ذہنی سکون اور جذباتی ہم آہنگی یقیناً انھیں ضبط و تحمل اور اطمینان و سکون کی زندگی کی طرف مائل کر دے گی۔

۶۔ بیرونی اثرات کا سدّباب

اسکول کا محل وقوع اس کے حالات کو بڑی حد تک متاثر کرتا ہے وہ اسکول جو بیچ شہر اور سینما اور فیکٹریوں کے قریب ہوں گے یقیناً ان کا ماحول کثیف اور ناساز گار ہوگا۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو اسکول گھنی آبادیوں سے دور، شہر کے ہنگاموں سے پرے کھلی اور کشادہ فضا میں ہونے چاہئیں تاکہ سماج کے غیر صحت مند اثرات پر پوری طرح قابو رکھا جا سکے۔

۷۔ انعامات

انعامات طلباء کے اندر صحت مند مقابلے کا شوق پیدا کرتے ہیں۔ جب طلباء کے کاموں کو دوسروں کی موجودگی میں

سراہا جاتا ہے تو اس طالب علم کی ہمت افزائی ہوتی ہے والدین کو بھی مسرت ہوتی ہے جب ان کے بچے انعامات اور امتیازی حیثیت حاصل کرتے ہیں۔ انعامات کے چند مضر پہلو بھی ہیں۔ مثلاً بہت سے طلباء محنت کے باوجود کم ذہین ہونے کی بنا پر انعامات حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس وقت ان میں اپنی ناکامی کے اسباب کا احساس تو ہوتا نہیں اسلئے اُن کے اندر حسد کے جذبات کی پرورش ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا انعامات تقسیم کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ طلباء کی مجموعی تعلیمی اور دوسری سرگرمیوں کی بنیاد پر بھی انعامات تقسیم ہوں مثلاً اچھے ڈسپلن، پسندیدہ عادات و اطوار، انتظامی قابلیت، اسکول کے مشاغل میں شرکت، پابندیٔ وقت اور حاضری کی تعداد وغیرہ کی بنیاد پر انعامات دیئے جائیں۔ یہ انعامات طلباء کے جوہر کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ ان میں اور بہت سی اعلیٰ سماجی اقدار پیدا کرتے ہیں۔

۸۔ سزا

نظم و نسق کی بحالی کے لئے اس حربہ کو سب سے آخری سمجھنا چاہئیے کیونکہ یہ ایک منفی حربہ ہے۔ سزا ہمیشہ اس خیال کے پیش نظر دینی چاہئیے کہ اس سے طالب علم کو عبرت اور اس کی اصلاح ہوگی، اور اس سے اس کی انفرادیت کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ سزا کبھی کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی نہیں کرنا چاہئیے۔ سزائیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں جیسے ڈانٹ پھٹکار، چھٹی کے بعد طالب علم کو اسکول میں روکنا، اسکول کے کھیل کود میں شریک نہ ہونے دینا۔ کچھ دنوں کے لئے اسکول سے نکال دینا۔ کسی عہدے سے ہٹا دینا۔ اگلی کلاس میں جانے سے روک دینا وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک ممکن ہو جسمانی سزائیں نہ دینا چاہئیں۔ جیسے طمانچے مارنا۔ مرغا بنانا۔ اور مولا بخش کی دھنائی وغیرہ۔ ان سزاؤں سے بچے کے ذہن میں اُستاد کی سفاکی کا خیال بیٹھ جاتا ہے جو عمر بھر نہیں نکلتا۔ اساتذہ سے ہی نہیں بلکہ اسکول اور اس کی پڑھائی لکھائی غرض ہر چیز سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ سزائیں ذہنی، جذباتی اور جسمانی نشوونما پر بھی بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے جسمانی سزاؤں سے پرہیز کرنا چاہئیے۔ اگر حالات بالکل بے قابو ہو جائیں تو کسی حد تک اُن کا استعمال جائز ہے۔

ان اقدامات کے علاوہ اور بھی بہت سے قدم اس سلسلے میں اٹھائے جا سکتے ہیں جن کو بروئے کار لا کر ہم اسکول کی عام فضا اور ماحول کو بہتر سے بہتر اور خوشگوار سے خوشگوار بنا سکتے ہیں۔ جس کے اوپر اسکول کی تمام تر پڑھائی لکھائی اور تربیت کا انحصار ہے۔

ہمت اور حوصلے کی جیتی جاگتی تصویر

مادھوپور گاؤں: جسے اپنے پردھان پر فخر ہے

اُتر پردیش میں پنچایتی راج کے قیام کے بعد سے یہ مسلسل کوشش کی جا رہی ہے کہ گاؤوں میں عوام کے نمائندوں کو گاؤں کی اصلاح اور ترقی کے کاموں میں لگایا جائے اور ان کی رہنمائی اور نگرانی میں ڈیولپمنٹ کے زیادہ سے زیادہ کام کئے جائیں۔ اس سمت میں اگرچہ اب تک کامیابی کی رفتار بہت امید افزا نہیں رہی ہے مگر اس کے باوجود ریاست کے کچھ گاؤوں میں پردھانوں اور پنچوں کی نگرانی اور رہنمائی میں کچھ بہت ہی قابل تعریف کام ہوئے ہیں۔

اس سمت میں فتح پور ضلع کے دیومئی ڈیولپمنٹ بلاک کے مادھوپور گاؤں میں ہماہمی اور بیداری کی جو جھلک دکھائی دیتی ہے اس میں اس گاؤں کے پردھان برہم دین شکلا کی کوششوں کو بہت کچھ دخل رہا ہے۔ ڈیولپمنٹ بلاک کو قائم ہوئے اگرچہ دو ہی سال ہوئے ہیں مگر مادھوپور گاؤں میں ترقیاتی کام جس تیزی سے ہوئے ہیں اس کا سہرا انہی پردھان جی کے سر ہے جو پچھلے آٹھ سال سے مسلسل اس گاؤں کے پردھان چلے آرہے ہیں۔ ڈیولپمنٹ بلاک سے ملنے والی امداد کے سہارے یہ گاؤں نہ صرف فتح پور ضلع کے لئے ایک نمونے کا گاؤں بن گیا ہے بلکہ ریاست کے اچھے اور نمونے کے گاؤوں میں بھی آسانی سے اس کا شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس گاؤں میں تقریباً ایک سو خاندان آباد ہیں۔ ان کے وسائل بہت محدود ہیں مگر گاؤں کے تمام لوگ گاؤں کے ڈیولپمنٹ کے کاموں میں پوری طرح دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ گاؤں اپنے پردھان کی رہنمائی اور نگرانی میں ترقیاتی کاموں میں مشغول و مصروف ہے۔

گاؤں کے سبھی کسانوں نے کھیتی کے ترقی یافتہ طریقے اختیار کرکے زراعتی پیداوار میں خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ کیمیائی کھاد، سبز کھاد، سدھرے ہوئے بیج اور کنوؤں کے ذریعہ آب پاشی کا مکمل انتظام رہتا ہے۔ اس گاؤں میں کل قابل کاشت

زمین کا رقبہ ۹ ۶۲ ۱ ایکڑ ہے اس میں سے محض ۴۳ ایکڑ ہی پرتی زمین ہے۔

گاؤں کی سبھی گلیاں صاف ستھری ہیں۔ تمام گلیوں میں کھڑنجے بچھے ہوئے ہیں۔ گاؤں کے لوگوں نے اپنی ان تھک محنت سے اور ڈیولپ منٹ بلاک سے ملنے والی امداد کے سہارے گاؤں کی گلیوں میں کھڑنجہ بچھا دیا ہے۔ یہ کھڑنجے ۲۴۳۰۰ مربع فٹ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ گلیوں میں بچھے ان کھڑنجوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سخت سے سخت بارش میں بھی گلیوں میں کہیں کیچڑ اور دلدل کا نام و نشان نہیں ہوتا۔

گاؤں کی کل آبادی ۳۵ ۷ افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں ۴۰ خاندان ہریجنوں کے ہیں باقی دوسرے کسان آباد ہیں۔ یہ لوگ زراعتی پیداوار بڑھانے میں پوری لگن سے لگے ہوئے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں نے مقامی وسائل اور سرکاری امداد کے سہارے گاؤں میں پینے کے پانی کے ۱۱ کنوئیں تعمیر کئے ہیں۔ ان کنوؤں میں سے بیشتر میں ہینڈ پمپ لگے ہوئے ہیں۔ ان کنوؤں اور پمپوں سے پانی لینے میں ہریجنوں کو کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

گاؤں کا پنچایتی بھون بھی ابھی حال ہی میں تعمیر ہوا ہے جس میں دارالمطالعہ اور ریڈیو سننے والوں کا حلقہ قائم ہے۔ شام ہوتے ہوتے گاؤں کے بیشتر افراد اس پنچایتی بھون میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں اکٹھے ہو کر وہ لوگ آپس میں دل بہلاوا بھی کر لیتے ہیں۔ یہ بھون گاؤں والوں کی تفریح طبع کا ایک اچھا مرکز بن گیا ہے۔

گاؤں میں کسانوں کے پاس ۵ کلٹیویٹر، ۵ مٹی پلٹنے والے ہل اور ۴ رہٹ ہیں۔ ان سامانوں سے زراعتی پیداوار بڑھانے کے کاموں میں کافی مدد ملتی ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے مل جل کر ایک لمبی سڑک بنائی ہے۔ زراعت کی بہتر حالت کی وجہ سے گاؤں کے لوگ کافی خوشحال ہوئے ہیں۔ اس وقت گاؤں والوں کے پاس ۵۰ گائیں اور ۳۰۰ بھینسیں ہیں جو گاؤں کی خوشحالی کا ثبوت دیں۔

ایک میل لمبی سڑک کے علاوہ گاؤں کے لوگوں نے شرمدان کے ذریعہ ۲ میل ۲ فرلانگ لمبی نہر کی گولیں اور ۴ فرلانگ لمبی کچی سڑک بھی بنائی ہے۔

اس سال گاؤں میں ۱۴۳ ایکڑ کے رقبے میں دو فصلیں بوئی گئیں اور ۱۲ ایکڑ میں کپاس کی کھیتی کی گئی۔ سبز کھاد کی کاشت کے رقبے میں ۱۹۵ ایکڑ زمین کا اضافہ ہوا اور ۵ مہینے کی مدت میں ۲ ٹن نائٹروجن کھاد اور ½ ۵ من فاسفورس کھاد استعمال کی گئیں۔ گاؤں پنچایت میں خاتون پنچوں کی تعداد ۳ ہے۔ پنچایت ٹیکس سو فی صدی وصول ہو رہا ہے۔ گاؤں کے سبھی گھرانے خدماتی کو اپریٹیو سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ کو اپریٹیو سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد اس وقت ۱۵۰ ہے۔ ۱۰ ہزار روپے کا قرض پچھلے ۶ ماہ کی مدت میں تقسیم کیا گیا۔ یہ قرض اس وقت تقسیم کیا گیا جب کہ خریف کی فصل کے موقع پر پیداوار بڑھانے کی

تحریک پورے زور شور سے چلائی گئی تھی۔

گاؤں میں نوجوان منڈل کافی مستعدی سے کام کر رہا ہے۔ نوجوان منڈل کے ممبروں کی تعداد ۲۲ ہے۔ یہ نوجوان گاؤں کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے کاموں میں بہت سرگرمی سے دلچسپی لیتے ہیں۔

قومی سنکٹ کے اس دور میں ریاست کے ہر گاؤں میں رضاکاروں کے دستوں اور حفاظتی محنت بنکوں کے قیام کے پیچھے جو خاص مقصد رہا ہے۔ یہ گاؤں صحیح معنی میں اُن کی تکمیل کر رہا ہے۔ گاؤں میں رضاکاروں کے ۴ دستے تشکیل کئے جا چکے ہیں۔ ہر دستے کے سردار کے پاس اپنی وردی ہے حفاظتی محنت بنک کے ماتحت اب تک ۱۲۰۰ روپئے کی محنت بقدر معاوضہ جمع ہو چکا ہے یہ رقم ترقیاتی کاموں میں استعمال کی جا رہی ہے۔

تعلیم کے میدان میں بھی اس گاؤں نے کافی ترقی کرلی ہے پنچایت بھون میں دن کے وقت لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں لگتی ہیں۔ گاؤں کے آٹھ دس نوجوان ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ لوگ قریب کے قصبے کے کالج میں پڑھنے جاتے ہیں۔

اس گاؤں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ دکھائی دی کہ ہر کسان کے پاس چارہ کاٹنے کی اپنی مشین ہے، ہیں یہ مشین ہر گھر کے باہر دروازے پر لگی ملیں۔ یہ مشینیں گاؤں کے ان گھروں کی خوشحالی کی نشان دہی کرتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ریاست کے ترقی یافتہ گاؤوں میں مادھو پور گاؤں کو بیداری اور ترقیاتی کاموں سے لگن کے معاملے میں سب سے آگے کہا جا سکتا ہے؛ جس کا سہرا اس گاؤں کے پردھان شری برہم دین شکلا اور ان کے ساتھیوں اور سارے گاؤں والوں کے سر ہے۔ پردھان جی کی سچی لگن، بے لوث خدمت اور ایثار کے سچے جذبے سے گاؤں کا ہر فرد متاثر ہے اور ان کی رہنمائی میں گاؤں ترقیاتی کاموں میں برابر آگے بڑھتا جا رہا ہے۔

مادھو پور گاؤں ایک محنتی اور ہمت والے پردھان کی جیتی جاگتی کہانی سنا رہا ہے۔ یہ کہانی ایک ترقی یافتہ اور خوشحال گاؤں کی کہانی ہے۔ ایک بار اس گاؤں کو دیکھ لینے پر اس کی یاد آسانی سے بھلائی نہیں جا سکتی۔

جگدیش نرائن مہروترا۔ ڈیولپمنٹ کمشنر آفس
لکھنؤ

December 1963.

ادارہ تعلیم وترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم وترقی

جلد ۱۴ ـــــــ شمارہ ۱۲

دسمبر ۱۹۶۳ء

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:-

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:-

تعلیم وترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

قیمت

سالانہ چار روپے   فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے

ٹیلیفون ۳۳۶۴۲

ترتیب

اشارات

یونیورسٹی کی تعلیم کی پست معیاری: مسئلہ اور اس کا حل

سکنڈری ایجوکیشن کے بورڈوں کے چیرمینوں اور سکریٹریوں کی ایک کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے حکومت ہند کے نئے وزیر تعلیم مسٹر ایم۔ سی۔ چھاگلا نے ہائی اسکولوں کے امتحانات میں اصلاح کا ذکر کرتے کرتے ایک بڑے تیے کی بات کہی۔ موصوف نے فرمایا کہ "یہ بات کہ ہائی اسکولوں کے امتحانات میں پاس ہونے والے طلبار کا اونچا اوسط یونیورسٹیوں میں ہجوم کا باعث ہوگا، ایک الگ مسئلہ ہے"۔ موصوف کی اس بات میں یہ سمجھنے کے لئے کافی گنجائش نکلتی ہے کہ ان کو ان امتحانات میں فیل ہونے والے طلبار کی کثیر تعداد کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ اگر زیادہ تعداد میں طلبار کو پاس کیا جائے گا تو یونیورسٹیوں میں طلباء کا ہجوم ہو جائے گا جو پہلے ہی سے ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ گویا نصف سے زیادہ تعداد میں ہائی اسکول کے طلباء کو فیل کرنا منجملہ اور اسباب کے ایک مصلحت کے پیش نظر بھی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ یونیورسٹیوں میں طلبار کے ہجوم کے مسئلے سے بچنے کے لئے اتنا بڑا نقصان برداشت کر لینا جائز قرار دے لیا گیا ہے ـــــ اتنا بڑا نقصان جسے وزیر موصوف نے "بدبختی اور انسانی وسائل کا ہیبت ناک نقصان" قرار دیا ہے۔

یونیورسٹیوں میں طلبار کے ہجوم کو روکنے کے لئے "یونیورسٹی کے داخلے کا نسبتاً سخت امتحان" لینا ایک طریقۂ کار ضرور ہے، لیکن یہ امتحان ہائی اسکولوں کے عام امتحانوں سے مختلف ہوتا ہے اور یہ اعلان کر کے لیا جاتا ہے کہ یہ یونیورسٹی کے داخلے کا امتحان ہے اور نسبتاً مشکل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ عام امتحان میں پاس ہونے والے بہت سے طلبار بھی اس امتحان میں شریک نہیں ہوتے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ہائی اسکول کے عام امتحانات میں طلبار کو اس لئے فیل کرنا کہ یونیورسٹیوں میں ان کا ہجوم نہ ہو انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ اس مسئلے کو حل کرنے میں اپنی ناکامی کا ثبوت دینا ہے ـــــ جو ایک ترقی پسند اور فلاحی ریاست (ویلفیر اسٹیٹ) کے شایان شان نہیں ہے۔

یونیورسٹیوں میں طلبار کے ہجوم کو روکنے کے لئے ایک اور صرف ایک راستہ ہے، اور وہ ہے ہائی اسکول کے امتحانات میں

پاس ہوکر یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے خواہش مند طلبار کی چھنٹائی جس کے لئے یونیورسٹی کے داخلے کے امتحان (یونیورسٹی انٹرنس اکزامنیشن) کا رواج عام کرنا ہوگا۔ یہی دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی ریت ہے اور اسی سے یونیورسٹی کی تعلیم اور یونیورسٹی کے طالب علم کی عالمانہ شان اور معیار کو قائم رکھنے کی ضمانت ہوسکتی ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو ہمارے قلم سے پہلی بار نکل رہی ہے۔ یہ تعلیمی نکتہ ماہرین تعلیم اور یونیورسٹیوں کے علمار کا جانا پہچانا ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ راز سب پر عیاں ہے تو پھر اس کے مطابق ملک میں عمل کیوں نہیں ہوتا اور یونیورسٹیوں میں طلبار کے ہجوم اور اس ہجوم کی وجہ سے یونیورسٹی کی تعلیم کے معیار کی پستی کا بار بار ماتم کیوں کیا جاتا ہے؟

دراصل یہی وہ سوال ہے جس کی طرف سے ملک کے سفید و سیاہ کا فیصلہ کرنے والے جان بوجھ کر آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ اس سوال کے بعد ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہائی اسکولوں سے نکلے ہوئے طلبار کی صرف ایک محدود تعداد —— جو ظاہر ہے یونیورسٹی کے داخلے کے امتحان کی شرط ہونے کے بعد محدود ہی رہے گی اس لئے کہ یہ سب کے سب طلبار مستقبل کے عالی دماغ عالم ہونے کی صلاحیت لے کر پیدا نہیں ہوتے —— کو یونیورسٹی کی تعلیم میں مصروف کیا جائے تو باقیماندہ بڑی تعداد کو مصروف رکھنے کے لئے کیا کیا جائے؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب دینے سے لوگ کترا رہے ہیں۔ صحیح جواب اس سوال کا موٹے حساب سے یہ ہے کہ

(۱) یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کی اہلیت رکھنے والے طلبار کو یونیورسٹیوں میں بھیج دیا جائے۔

(۲) جو طلبار بچ رہیں، ان میں سے جو ٹکنیکل تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہوں، انھیں ٹکنیکل ٹریننگ دے کر چھوٹے پیمانے کے ٹکنیکل پیشوں میں لگایا جائے۔

(۳) اس چھنٹائی سے جو طلبار بچیں انھیں سال آدھ سال کی سول سروس کی ٹریننگ دے کر دفتروں، کارخانوں اور صنعتی مرکزوں میں دفتری کاموں پر لگایا جائے۔

مختصر آیہ کہ یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کی لیاقت نہ رکھنے والے طلبار کو کسی نہ کسی بہانے روزگار کا یقین دلایا جائے جب تک روزگار کی ضمانت نہیں کی جائے گی اس وقت تک نہ یونیورسٹی کے داخلے کے امتحان کا رواج پڑ سکتا ہے نہ یونیورسٹیوں میں طلبار کے ہجوم اور اس کی وجہ سے یونیورسٹی کی تعلیم کی پست معیاری کا ماتم ختم ہوسکتا ہے۔

حکومت ہند کے نئے وزیر تعلیم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بہ حیثیت وزیر تعلیم کے اس مسئلے اور اس سے بڑھ کر اس کے حل کی ضرورت کا احساس کیا ہے۔ موصوف کے اس ارشاد میں کہ

"ہائی اسکول کا امتحان پاس کرنے والے طلبار کے لئے (جو یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے) یونیورسٹی کی تعلیم کا ایک نہ ایک نعم البدل تلاش کیا جانا چاہیے"

اس مسئلے کے حل کا کم سے کم اشارہ ضرور پایا جاتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ موصوف اپنی علمی، قانونی اور انتظامی قابلیت کو کام میں لاکر اپنے اس نظریئے کو عمل اور اشارے کو اصلیت میں تبدیل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش فرمائیں گے۔ ہماری دلی تمنائیں ان کی اس تعلیمی اصلاح کے ساتھ ہیں۔

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی سلور جوبلی
ایک تجویز

اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں کام کرنے والوں کے لئے بڑی مسرت اور فخر کی بات ہے کہ ان کی کل ہند نمایندہ جماعت اگلے سال مارچ میں اپنی عمر کی پچیسویں سال گرہ بڑی دھوم دھام سے منانے والی ہے۔ ایسوسی ایشن کو قائم ہوئے پچیس سال تو اسی مہینے یعنی دسمبر ۱۹۶۳ء ہی میں پورے ہو گئے اور اس اعتبار سے سلور جوبلی کی تقریبیں اسی سال کے اسی مہینے میں منائی جانی چاہئے تھیں لیکن انتظامی مصلحتوں کے پیش نظر اگلے سال کا مارچ کا مہینہ اس مبارک تقریب کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، انتظامی مصلحتوں کے پیش نظر تو سلور جوبلی کی تقریبیں بعض اوقات، پچیسواں سال گذر جانے کے پورے ایک ایک سال کے بعد منائی جاتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ان تقریبات کی نوعیت اور آن بان کیا ہوتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ایسوسی ایشن کے ذمّے دار احباب نے اس کی سلور جوبلی منانے کا پروگرام جماعت کی کُل ہند نوعیت کے شایان شان مرتب ہوگا اور تحریک میں کام کرنے والے ساتھیوں سے امید ہے کہ وہ ایسوسی ایشن کی اس کام میں ہر طرح مدد کریں گے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر تقریب کی رونق کو بڑھائیں گے۔

اس موقعے پر ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسوسی ایشن کے سامنے سلور جوبلی کی تقریب کے حسب حال ایک تجویز پیش کریں۔

ایسوسی ایشن نے اپنی عمر کے ان پچیس سال میں اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ بہت بڑی حد تک اُن شخصیتوں کی رہین منت ہیں جو اس کی ابتدا سے اس کے کاموں سے وابستہ رہی ہیں اور اب تک وابستہ ہیں۔ ہمارے خیال میں اس بات سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہوگا کہ پروفیسر رچرڈسن، ڈاکٹر امرناتھ جھا، رنجیت ایم چیتسنگھ مولانا ابوالکلام آزاد۔ خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر ذاکر حسین۔ شفیق الرحمٰن قدوائی۔ سردار کے۔ ایم پانیکار ـــــ نام

بہت سے ہیں یہاں صرف چند پر اکتفا کرنے کی اجازت دیجئے ——— ان کو انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے تعلق سے اتنا فیض نہیں پہنچا جتنا خود ایسوسی ایشن کو ان شخصیتوں کے رشتے سے فائدہ پہنچا۔ ہمیں یہ کہنے میں بالکل پس وپیش نہیں ہے کہ ان عظیم شخصیتوں کے تصورات ونظریات اور عملی تجربات کی بدولت آج سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو اڈلٹ ایجوکیشن کی زندہ اور جاندار تحریکوں کی صف میں مقام حاصل ہے، ورنہ وہ دن بھی تھے کہ اب سے اتنی ہی مدت پہلے جب ایسوسی ایشن کا جنم ہوا تھا، ملک کی اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک اڈلٹ لٹریسی کی چند اکا دکا اور منتشر اور غیر منظم کوششوں کا نام تھا۔

ان میں سے بیشتر شخصیتوں کا سایہ ابھی خدا کے فضل وکرم سے ہمارے سروں پر قائم ہے، البتہ چند ہم سے جدا ہو کر جنت سدھار گئی ہیں۔ ہماری تجویز ہے کہ

(۱) ایسوسی ایشن اپنی عمارت "شفیق میموریل" کے ٹیگور ہال میں جس کی تعمیر امید ہے مارچ ۱۹۶۴ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی، ایسوسی ایشن کے کم سے کم ان رہنماؤں کی رنگین تصویریں، جو اب ہمارے درمیان نہیں ہیں، آویزاں کردے اور جوبلی کی تقاریب میں ایک تقریب ان تصاویر کی نقاب کشائی کے لئے طے کرے۔

(۲) ان کے ساتھ ان رہنماؤں کا جو ابھی تک کسی نہ کسی حیثیت سے ایسوسی ایشن کی رہنمائی کر رہے ہیں اور انہی کے ساتھ ان کارکنوں کا بھی جنھوں نے تحریک میں کوئی نمایاں کام انجام دیا ہے یا کوئی کارآمد تجربہ کرکے دکھایا ہو، ان کے مختصر حالاتِ زندگی کے ساتھ ایک خوبصورت تصویری مرقع مرتب کرکے شائع کرے اور اس خیال سے کہ ... کی ترتیب، طباعت اور اشاعت پر جو خرچ آیا ہو، وہ نکل آئے، اس کی تھوڑی سی قیمت بھی متعین کردے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ وہ کم سے کم قیمت ہے جو ایسوسی ایشن اپنی سلور جوبلی کے جشن کے موقعے پر اپنے محسنوں کو ادا کرسکتی ہے اور یہ قیمت اسے ادا کرنا چاہئیے۔ دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تحریک کے کارکن اپنے رہنماؤں کی زیارت سے فیضیاب ہوں گے اور اس سے انھیں اپنے کام میں لگن اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

جے پور سیمینار کی رپورٹ

نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے زیر اہتمام ستمبر ۱۹۶۳ء میں جے پور میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جس کا عنوان بحث تھا "سوشل ایجوکیشن میں ریسرچ اور مطبوعات کے مسائل"۔ اس سیمینار کی رپورٹ کا ایک حصہ ہم اکتوبر ۶۳ء کے شمارے میں شائع کر چکے ہیں جس میں سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ، اس کی موجودہ کیفیت، ریسرچ کے موضوعات اور ریسرچ کی کمی کے نتائج وغیرہ سے بحث کی گئی تھی۔

رپورٹ کا زیر نظر حصہ عنوانِ بحث کے بیشتر دوسرے پہلو یعنی سوشل ایجوکیشن کی مطبوعات اور ان کے مسائل سے متعلق ہے۔

سیمینار کی سفارشات ہم گذشتہ شمارے میں شائع کر چکے ہیں۔

—— ایڈیٹر

تیسرا باب: سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے ادارے

سیمینار نے ان اداروں کی فہرست مرتب کی جو ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کا کام کر رہے ہیں یا اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ادارے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن دہلی
۲۔ بمبئی سٹی سوشل ایجوکیشن کمیٹی بمبئی
۳۔ میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کاؤنسل میسور
۴۔ لٹریسی ہاؤس لکھنؤ
۵۔ "ادارہ" دہلی
۶۔ جن شکشا سنستھا دہلی۔

۷۔ راجستھان وشوا ودیا پیٹھ اُدے پور
۸۔ گنگا جل ودیا پیٹھ، علیا باڑا، جام نگر
۹۔ شری مونی ودیا پیٹھ گارگوٹی کولہا پور
۱۰۔ گاندھی گرام۔ مدورائی
۱۱۔ لوک بھارتی سنوسرا، بھاؤ نگر
۱۲۔ گجرات سوشل ایجوکیشن کمیٹی، سورت
۱۳۔ گاندھی ودیا مندر، سردار شہر، بیکانیر
۱۴۔ ودیا پیٹھ سانگانیا، گنگا نگر راجستھان
۱۵۔ ودیا بھون، اُدے پور
۱۶۔ انڈین لائبریری ایسوسی ایشن اور اس کی ریاستی شاخیں
۱۷۔ تمام رورل انسٹی ٹیوٹ
۱۸۔ تمام سوشل ایجوکیشن آرگنائزرز ٹریننگ سنٹر
۱۹۔ جیلیز کالج۔ ہلدوانی یو پی
۲۰۔ سوشل ایجوکیشن کمیٹی، مہاراشٹر
۲۱۔ تمام گرام سیویکا ٹریننگ سنٹر
۲۲۔ پروگرام ایویلوشن آرگنائزیشن، پلاننگ کمیشن
۲۳۔ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی
۲۴۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کمیونٹی ڈیولپمنٹ مسوری
۲۵۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
۲۶۔ راما کرشنا مشن۔ بیلور مٹھ
۲۷۔ وشوا بھارتی، شانتی نکیتن
۲۸۔ بھارتی ودیا بھون
۲۹۔ نیشنل کرسچین کاؤنسل آف انڈیا
۳۰۔ تمام رورل کالج
۳۱۔ پنجاب ودیا پیٹھ، گورداسپور
۳۲۔ پلاننگ ریسرچ اینڈ ایکشن انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ
۳۳۔ آل انڈیا کرسچین کاؤنسل کی اڈلٹ لٹریسی کمیٹی
۳۴۔ تمام اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشنیں
۳۵۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ

۲۔ اس خیال سے کہ ریسرچ کے ایک موثر اور جاندار پروگرام کو فروغ ہو، سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں کو مالی امداد دینے کے بارے میں سیمنار نے حسب ذیل سجھاؤ پیش کئے:

۱۔ سوشل ایجوکیشن کی کام کرنے والی سنستھاؤں کی اس بات میں حوصلہ افزائی کرنا چاہئے کہ وہ اپنے اپنے یہاں ریسرچ کے شعبے قائم کریں اور اس کے لئے حسب حیثیت قابل اور کارپرداز عملہ کا تقرر کریں۔

۲۔ جن موضوعات پر ریسرچ ممکن ہو ان کی ایک فہرست تیار کی جائے اور انہیں ریسرچ کے مختلف اداروں میں جو اس کام کے اہل ہوں برحصہ مساوی تقسیم کر دیا جائے۔

۳۔ یونیورسٹیوں کی اس بات میں حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ وہ اپنے اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کریں اور ان میں سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے شعبے بنائیں۔

۴- دوسری ایجنسیوں کی بھی جو ریسرچ کے کام کی اہل ہوں ہمت افزائی کرنی چاہئے کہ وہ اپنے یہاں ریسرچ کے شعبے قائم کریں
۵- ریسرچ کے کام سے مناسبت رکھنے والی ایجنسیوں کو اپنے یہاں ریسرچ کے شعبے قائم کرنے اور تحقیق کے منصوبوں پر عمل کرنے کے لئے معقول مقدار میں ریکرنگ اور نان ریکرنگ امدادیں دی جانی چاہئیں۔
۶- حکومت کو چاہئے کہ وہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر کے توسط سے سوشل ایجوکیشن کے ایسے کارکنوں کو جو ریسرچ کا پروگرام چلا رہے ہوں تحقیق و ریسرچ کے طریقۂ کار کی ٹریننگ کی آسانیاں فراہم کرے۔
۷- حکومت کو چاہئے کہ وہ ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں کو ریسرچ کے کام سے متعلق حوالے کا مواد اور ساز و سامان اکٹھا کرنے کے لئے معقول مقدار میں امدادیں دے
۸- ریسرچ کا کام کرنے والے جو کارکن ریسرچ کا پروگرام چلا رہے ہوں یا فیلڈ کی تحقیقات کر رہے ہوں حکومت کو چاہئے کہ انھیں ماہرانہ فنی صلاح و مشورے بہم پہنچائے۔
۹- فیلڈ ورکروں کو ٹریننگ کی آسانیاں بہم پہنچائی جانی چاہئیں۔
۱۰- منتخب رضاکار اداروں میں جو ریسرچ کے کام میں لگے ہوں ریسرچ کے حلقے (سیل) قائم کئے جانے چاہئیں جیسے سوشل ایجوکیشن آرگنائزر ٹریننگ سنٹروں میں آج کل قائم ہیں۔
ان حلقوں کو سو فی صدی امداد کے اصول پر گرانٹ دی جانی چاہئے اور ان کے اراکین عملہ کو جو تنخواہیں دی جائیں ان کا گریڈ قریب قریب وہی ہونا چاہئے جو اس طرح کا کام کرنے والے دوسرے ڈپارٹمنٹوں کے عملے کا ہوتا ہے۔
۳- سیمینار نے حکومت اور نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ سے حاصل ہونے والی امداد کی نوعیت پر غور کیا اور حسب ذیل سجھاؤ منظور کئے:-

۱- ریسرچ کے کام کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے فیاضانہ مالی امداد بہم پہنچائی جانی چاہئے۔
۲- نیشنل کاونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی طرف سے سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے طریقے کار کی ٹریننگ کا بندوبست ہونا چاہئے۔
۳- ریسرچ کے ساز و سامان کی بہم رسانی کا انتظام کیا جانا چاہئے۔
۴- مذکورہ بالا ڈپارٹمنٹ کو سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے لئے مواد اور معلومات بہم پہنچانے والے مرکز کا کردار ادا کرنا چاہئے۔
۵- اسے کتابوں کی فہرستیں اور تعارف نامے وغیرہ تیار اور شائع کرنا چاہئے۔

۶۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے جو ٹریننگ کورس چلائے جائیں ان میں ریاستوں کے طلبا کے لئے نشستیں مقرر کردینی چاہئیں۔

۷۔ جو اشخاص اور ادارے سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے کام میں لگے ہوں، انھیں فنی مشورے سے امداد دی جانی چاہئیے۔

۸۔ نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ تحقیق اور ریسرچ کے جو منصوبے منظور کرے، اُن میں کام کرنے والے ریسرچ ورکروں کو تنخواہ کے معقول اور فیاضانہ گریڈ دیئے جانے چاہئیں۔

۹۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے لئے کاؤنسل کی طرف سے جو گرانٹ ملے اسے گرانٹ حاصل کرنے والے ادارے کی مجلس منتظمہ کی منظوری سے خرچ کیا جانا چاہئیے (یعنی اس کا بجٹ بنانے میں کاؤنسل کو دخیل نہیں ہونا چاہئیے)

۱۰۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کا کام کرنے والے ادارے ریسرچ کا جو منصوبہ پہلے سے ہاتھ میں لے چکے ہوں ان کے لئے بھی تھوڑی بہت ضروری تبدیلیوں کے بعد نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کی طرف سے امداد منظور کی جانی چاہئیے۔

۱۱۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ میں لگے ہوئے کارکنوں کے لئے کاؤنسل کی طرف سے قومی اور ریاستی سطح پر سیمنار اور کانفرنسیں منعقد کی جانی چاہئیں۔

۱۲۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے کسی پروجیکٹ کو نامنظور کرنے سے پہلے پروجیکٹ کے مصنف سے مشورہ کرلیا جانا چاہئیے۔

سیمنار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ کاؤنسل کو چاہئیے کہ ملک کے مختلف حصّوں میں سوشل ایجوکیشن اور اس کی ریسرچ سے متعلق جو خیالات رائج ہوں اور جو تجربے کئے جاچکے ہوں یا کئے جارہے ہوں، ان کے بارے میں یہ انتظام کرے کہ ایک ریاست کے خیالات اور تجربات دوسری ریاستوں تک پہنچ سکیں۔

اہم دفعات پر

نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نے گرانٹ کی جو اسکیم بنا رکھی ہے اس کی غور کرنے کے بعد کاؤنسل کے غور و فکر کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی گئیں۔

(۱) گرانٹ کی اسکیم کا باب دوم، دفعہ ۳ (iii)، دوسرا پیرا

گرانٹ حاصل کرنے کے لئے درخواست دینے والے اداروں پر یہ جو پابندی لگائی گئی ہے کہ اُسے کم سے کم ریسرچ کے کام کا تین سال کا تجربہ ہونا چاہئے، اُس میں مستثنیٰ اداروں کے معاملے میں کمی کر دینا چاہئے۔ یعنی ان کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دینا چاہئے کہ وہ درخواست دینے سے پہلے کم سے کم تین سال کام کر چکے ہوں ۔

(۲) باب دوم، دفعہ ۳ (۱۷) دوسرا پیرا

اس کے اوپر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) باب چہارم دفعہ ۶ (ا) تیسرا پیرا

ریسرچ کا کام کرنے والے قابل اور مشاق کارکنوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی غرض سے تنخواہ کے اسکیل میں تبدیلی کی جانی چاہئے ۔

بہ شرطیکہ اگر کوئی پروگرام کونسل کی منظوری سے پہلے شروع کر دیا گیا ہو گا تو اس کے لئے گرانٹ نہیں دی جائے گی، اس کی سختی سے پابندی نہیں کی جانی چاہئے تاکہ ریسرچ کے ایسے معقول پروگراموں کے لئے بھی گنجائش رہے جن کے لئے کاؤنسل سے پہلے منظوری نہیں لی گئی ہے۔ اگر اس رعایت پر اتفاق ہو جائے تو رضا کار اداروں کو مطلع کر دیا جانا چاہئے تاکہ گرانٹ کی اسکیم سے وہ بھی استفادہ کر سکیں۔

گرانٹ کی اسکیم انہی اداروں اور صرف اداروں کے لئے محدود ہے جو ریسرچ کا کام کرتے ہوں۔ سیمنار کی رائے ہے کہ اداروں کے علاوہ اشخاص کی بھی جنہیں سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ سے دلچسپی ہو، مناسب امداد کی جانی چاہئے بشرطیکہ وہ کسی یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ آف اڈلٹ ایجوکیشن یا ڈپارٹمنٹ آف لائبریری سائنس کے توسط سے امداد کی درخواست کریں ۔

چوتھا باب : سوشل ایجوکیشن کی مطبوعات

۱- اس موضوع پر بحث کے درمیان سیمنار نے محسوس کیا کہ اگرچہ مختلف اداروں کی طرف سے مختلف نوعیت کی مطبوعات شائع ہوئی ہیں، سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے آج کل تیزی سے بدلتے ہوئے سماج کے پیش نظر کارکنوں کے لئے مفید اور

کارآمد ادب کی بہت ضرورت ہے اور آیندہ بھی رہے گی۔

اس کام میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ جو کچھ ادب تیار ہوتا ہے وہ ان لوگوں تک ہمیشہ پہنچ نہیں پاتا جن کے لئے وہ تیار کیا جاتا ہے۔

۲۔ ان مطبوعات میں جو کچھ مواد ہوتا ہے وہ چونکہ فیلڈ کے متعلقہ مسائل کا احاطہ نہیں کرتا اس لئے کارکنوں کو اپنے مسائل اور مشکلات کے حل میں ہمیشہ مدد نہیں ملتی۔

۳۔ اکثر و بیشتر کتابیں ایسی زبان اور اسلوب میں لکھی ہوتی ہیں جو کارکنوں کے معیار اور فہم سے بہت اونچی ہوتی ہیں اس لئے وہ انھیں آسانی سے سمجھ نہیں پاتے۔

۴۔ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیر تالیف ادب کی تالیف و اشاعت سے پہلے اس کے بارے میں اصل فیلڈ میں کام کرنے والے کارکنوں سے صلاح و مشورہ نہیں کیا جاتا۔

۵۔ کارکن کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی کہ یا تو وہ خود کتاب لکھے یا اس کے کام سے متعلق جو ادب اسے میسر ہو، اس کا باقاعدہ مطالعہ کرے۔ دوسرے الفاظ میں اسے اتنی سہولتیں فراہم نہیں کی جاتیں کہ وہ مطالعے کے ذریعے اپنی کارکردگی میں اضافہ کر سکے۔

۶۔ سیمنار نے محسوس کیا کہ کارکنوں کے لئے جو مطبوعات شائع کی جائیں ان کی نوعیت کا تعین کارکنوں کی ضروریات کی روشنی میں کیا جانا چاہیئے۔ مثال کے طور پر کارکنوں کا ادب ان کی حسب ذیل ضرورتوں کے حسب حال ہو تو زیادہ اچھا ہوگا:

۱۔ کارکنوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے کام کے لئے جس علمی پس منظر کی ضرورت ہے، اس میں کیا کیا کمیاں ہیں۔

۲۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کی حیثیت سے اس کا کیریر کس طرح تابناک اور روشن ہو سکتا ہے۔

۳۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کی کیا کیا مخصوص دلچسپیاں ہونی چاہئیں، ان کی تعریف اور ترقی کی راہیں۔

۴۔ سماجی علوم کی متعین اور مخصوص شاخوں سے سوشل ایجوکیشن کا تعلق کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ کتابیں ایسی ہوں کہ ان کے مطالعے سے سوشل ایجوکیشن کے فیلڈ کے حدود اور پیچیدگیاں سمجھ میں آ سکیں۔

۶۔ ان کتابوں کے مطالعے سے کارکن میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جانی چاہئے کہ اس پیشے سے متعلق جو ادب اس کے سامنے آئے اُسے وہ پڑھ سکے، اس کا تجزیہ کر سکے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکے۔

۷۔ ان مطبوعات کے مطالعے سے کارکن کے اندر سرداری اور لیڈرشپ کی صفات پیدا ہو جانی چاہئے وغیرہ۔

سیمنار کی رائے ہے کہ ان ضروریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں تک اس طرح کے مفید اور کارآمد لٹریچر کی مشکل ہی سے رسائی ہوتی ہے۔ اس لئے کارکنوں کو مفید اور مناسب خصوصاً حسب ذیل نوعیت کے لٹریچر کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ کام میں رہنمائی کرنے والے رسالے اور کتابچے

۲۔ فیلڈ کے کاموں کے ایسے مطالعے جو براہ راست فیلڈ میں کئے گئے ہوں۔

۳۔ کتابوں کی تعارفی فہرست اور تبصرے جو حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہوں

(الف) ایکشن ریسرچ[۱] کے منصوبوں کی رپورٹیں

(ب) سوشل ایجوکیشن سے متعلق سوچ بچار کی جو مرکزمیاں منعقد ہوں یعنی سیمنار، ورکشاپ، مختلف کاموں اور منصوبوں کی رفتار ترقی وغیرہ ان کی رپورٹیں؛

۴۔ عام مطالعے اور معلومات کی کتابیں۔

۵۔ سوشل ایجوکیشن سے متعلق حوالے اور مستند معلومات کی کتابیں۔

۶۔ سوشل ایجوکیشن کا فلسفہ اور نظریہ

۷۔ مخصوص پروگراموں سے متعلق مخصوص کتب مطالعے کے پیکٹ

۳۔ جہاں تک سوشل ایجوکیشن کی مطبوعات کے لئے موضوع اور عنوانات کا تعلق ہے اس سلسلے میں سیمنار نے اُس فہرست کو منظور کیا جو "سوشل ایجوکیشن کی مطبوعات" نام کے مقالے میں پیش کی گئی ہے۔ اس فہرست میں مندرجہ ذیل مطبوعات کا بھی اضافہ کیا گیا۔

۱۔ خواندگی کے مختلف پہلو۔
۲۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں جو جانچیں اور پڑتالیں کی گئی ہیں ان کا حال
۳۔ بالغوں کو پڑھانے کے طریقے اور گر
۴۔ سوشل ایجوکیشن میں آڈیو ویژول ایڈ کلاس کا استعمال اور طریقے
۵۔ لوک ناچوں اور لوک گیتوں سے متعلق معلوماتی ادب
۶۔ پنچائتی راج کے ادارے اور ان کے کام اور اختیار
۷۔ دیہات کے لئے کتب خانے کی تنظیم
۸۔ دیہات میں بات چیت کے حلقے منظم کرنے کے طریقے
۹۔ بچوں، نوجوانوں، مردوں اور عورتوں کی تنظیمیں اور سنستھائیں منظم کرنے کے طریقے۔

[۱] ایکشن ریسرچ سے مراد وہ مطالعہ ہے جو کسی منصوبے یا کام کو تسوسع کرنے سے پہلے اس کے مختلف پہلوؤں کی چھان بین اور ممکن نتائج وغیرہ سے متعلق کی جاتی ہے اور ان کی روشنی میں پھر وہ منصوبہ نافذ کیا جاتا ہے۔ م

۱۰۔ مردوں، عورتوں اور نوجوانوں کے لئے پروگرام   ۱۱۔ سوشل ایجوکیشن کی ریسرچ کے سادے اور آسان طریقے

۱۲۔ بیرونی ممالک میں سوشل ایجوکیشن کے کام کی کیفیت اور طریقے جن سے یہ واضح ہو کہ ان طریقوں اور نمونوں کو اچھے سے اچھے طریقے پر ہمارے ملک میں کس طرح اختیار کیا جاسکتا ہے۔

سیمنار کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی مطبوعات کی موجودہ صورتِ حال، خواہ وہ نوعیت کے اعتبار سے ہو یا مقدار کے اعتبار سے ناکافی ہی نہیں بلکہ غیر اطمینان بخش اور ضرورت سے کہیں زیادہ کم ہے۔

۴۔ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد کہ کتاب کو مفید بنانے میں کن باتوں کی ضرورت ہے، سیمنار اس نتیجے پر پہنچا کہ مواد کی خوبی اُسے پیش کرنے کا ڈھنگ، اسلوب بیان، تقطیع اور ان سب کی اثر آفرینی وہ چیزیں ہیں جن سے کتاب مفید اور مطالعے کے قابل بنتی ہے۔

سیمنار نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ کارکنوں کی مطبوعات علاقائی زبانوں میں ہونی چاہئیں۔

۵۔ مطبوعات کی ترتیب و تالیف میں کن ضرورتوں کو مقدم رکھنا چاہیئے؟ اس سوال کے باب میں سیمنار اس نتیجے پر پہنچا کہ حسب ذیل نوعیت کی کتابیں پہلے سامنے آنی چاہئیں۔

۱۔ کام میں رہنمائی کرنے والے رسالے اور کتابچے

۲۔ مخصوص اور مقررہ موضوعات پر تحقیق اور ریسرچ کے نتائج۔

۳۔ مخصوص موضوعات سے متعلق کتب مطالعہ کے پیکٹ

۴۔ ریسرچ کی رپورٹیں

۵۔ ریاستی زبانوں میں کارکنوں کے رسائل

کارکنوں کے ادب کے سلسلے میں سیمنار نے حسب ذیل باتوں کا بھی سُجھاؤ پیش کیا۔

۱۔ کتاب کی ترتیب و تالیف کے وقت پڑھنے والوں کے مزاج و مذاق اور مفادات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۲۔ شائع شدہ مواد مطالعہ کا معقول اور مناسب طریقے سے اشتہار کیا جانا چاہیئے۔

۳۔ کتابیں اور رسالے وغیرہ آسان زبان میں لکھے جانے چاہئیں۔

۴۔ کتاب کی قیمت کا تعین اس طرح کرنا چاہیئے کہ پڑھنے والا اسے آسانی سے خرید سکے۔

کتابیں لکھنے کے لئے فیلڈ کا تجربہ رکھنے والے اشخاص کے گروپ ہونے چاہئیں، نہ کہ ایک واحد مصنف

۶۔ ایسی کتابوں کی تالیف زیادہ ہونی چاہیئے جن میں کسی پروجیکٹ یا مخصوص پروگرام کی داستان بیان کی گئی ہو۔

۷۔ سوشل ایجوکیشن کے رسالوں اور پرچوں میں ایک گوشہ ایسا ہونا چاہیے جن میں فیلڈ سے آئے ہوئے سوالات اور ماہرین کی طرف سے ان کے جوابات درج ہوں۔

۸۔ سوشل ایجوکیشن کے رسالوں اور پرچوں کو آمادہ کرنا چاہیئے کہ وہ ٹریننگ کے کورسوں، فیلڈ ورک اور سوشل ایجوکیشن کی لائبریریوں سے متعلق تازہ ترین اطلاعات شائع کیا کریں۔

۹۔ ریاستوں میں سوشل ایجوکیشن کے مواد کا مختلف علاقائی زبانوں میں ترجمہ کرنے کی غرض سے ایک مناسب نظام عمل قائم کیا جانا چاہیئے۔

۱۰۔ کتاب کو دلچسپ بنانے میں جن باتوں سے مدد ملتی ہے، ان کا اس کی تیاری میں پورا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

۱۱۔ سوشل ایجوکیشن ایک متحرک اور بڑھنے اور پھیلنے والا پروگرام ہے اس لئے کارکنوں کو حوصلہ دلانا چاہیئے کہ وہ رسالوں اور پرچوں کا اپنے کام کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ استعمال رکھیں۔

مطبوعات کو ترقی دینے والی ان متعدد خدمات کے علاوہ جن کا شری منی سوامی نے اپنے مقالے میں ذکر کیا ہے ـــــ مثلاً تالیف و اشاعت کا معقول بندوبست، کتاب کی تصویریں اور حسن طباعت، کتابوں کی تقسیم اور انہیں مقبول بنانے کے اپائے ـــــ ان کے علاوہ حسب ذیل باتوں کا بعض سجھاؤ پیش کیا گیا۔

۱۔ کارکنوں تک کتابوں کی فہرستیں اور ان کے تعارف نامے پہنچانے کا معقول بندوبست ہونا چاہیئے۔

۲۔ کتابوں کے مسودات کی ایڈیٹنگ، زبان، اسلوب بیان اور مواد مطالعہ کے نقطۂ نظر سے ہونی چاہیئے۔

(جے پور سیمنار کی رپورٹ ختم)
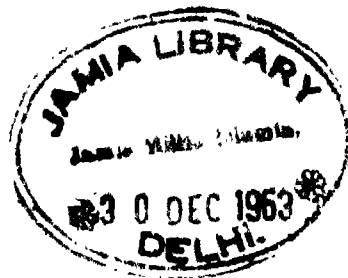
تعلیم کا خرچ: ایک نفع بخش سرمایہ

تعلیم پر کئے جانے والے خرچ کی حیثیت ایسے سرمائے کی ہے جو سماج خود اپنی بہبودی اور بہتری کے لئے صرف کرتا ہے۔ یعنی ایسا سرمایہ جو کسی نفع بخش روزگار میں منافع کی امید میں لگایا جائے۔ غیر مہذب اور قبائلی سماج میں تعلیم کا منصب تہذیبی ورثے کو پشت در پشت سماج میں منتقل اور مروج کرنا اور اس طرح اسے دائمی شکل دینا ہوتا ہے یعنی آنیوالی نسلوں کو اپنے پرکھوں کی زندگی کے طور طریقوں سے واقف کرانا۔ تمام غیر ترقی پذیر تہذیبی سماجوں میں تعلیم کا مقصد کم وبیش کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے۔

آج کے سائنسی اور مشینی دور کے ترقی پذیر سماجوں میں تعلیم کا اس کے علاوہ ایک اور مقصد بھی قرار دیا گیا ہے۔ ایسے سماج میں تعلیم کو انسانی اصلاح وتربیت کا ایک وسیلہ مان کر ، لوگوں کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تعلیم پر آنے والا خرچ روزگار میں لگائے جانے والے سرمائے کی طرح ہوتا ہے (جو اس امید سے لگایا جاتا ہے کہ اصل کے ساتھ کچھ نفع بھی ملے گا)۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ تعلیم پر انفرادی اخراجات بیشتر ذاتی مفاد کے پیش نظر کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیم کے ریاستی اخراجات سارے سماج کی بہبود اور فائدے کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ ریاست تعلیم پر اپنی غرض سے سرمایہ لگاتی ہے اور وہ غرض ہے سماج میں تسلسل اور استحکام پیدا کرنا اور سماجی اور تکنیکی تبدیلیوں کے ذریعہ خود اپنی (سماج کی) ترقی اور بہتری کے مواقع بہم پہنچانا۔

اس پس منظر میں دیکھئے تو تعلیم کا شمار نہ تو ان کاموں میں کیا جا سکتا ہے جو دوسروں کی بہبود اور بہتری کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یعنی خالص سماجی خدمت کے کام اور نہ اس کو ایسے کار خیر سے مشابہ کیا جا سکتا ہے جو دوسروں کی مدد کے طور پر کئے جاتے ہیں۔ سماجی بہبود یا سماجی خدمت کا کام اس مقصد کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے کہ لوگ زندگی کے ایک مقررہ معیار سے نیچے نہ گرنے پائیں۔ یہ کام سماج کے کم خوش نصیب لوگوں کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں جس سے کہ وہ لوگ جسمانی، ذہنی اور سماجی اعتبار سے معمول کی زندگی گذارنے کے قابل بن سکیں۔

تعلیم کے کام کی نوعیت اس سے کچھ مختلف ہوتی ہے۔ اس پر کئے جانے والے خرچ کی حیثیت سرمایہ لگانے جیسی ہوتی ہے تعلیم کا مقصد زندگی کو ایک معمول پر قائم رکھنے سے کہیں زیادہ ہے تعلیم کسی کی حالت پر ترس کھا کر دی جانے والی بخشش نہیں ہے۔ وہ تو سماجی اور ٹکنیکی ترقی کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ دودھ کے پاؤڈر کی تقسیم یا طبی معائنے کی خدمات کی طرح تعلیمی خدمات تمام لوگوں میں یکساں طور پر تقسیم نہیں کی جا سکتیں۔ لوگ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مختلف طریقے سے اور مختلف معیار کی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ موجودہ زمانے کی ریاستیں بہت دانش مندانہ طریقے سے خود اپنی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق مختلف معیار کی اور مختلف ڈھنگ کی تعلیم کا جو انتظام کر رہی ہیں اس میں وہ اس لحاظ سے پوری طرح حق بجانب ہیں۔

کسی بھی ریاست کا سب سے اہم سرمایہ خود اس میں بسنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اس حیثیت سے کسی بھی ریاست کے لئے انسانی وسائل کی سب سے زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ تعلیمی اخراجات کے لئے پالیسی متعین کرنے میں حکومت اس بات کا لحاظ رکھتی ہے کہ یہ تعلیم ایسی ہو کہ اس سے اس کی مرضی اور ضرورت کے مطابق لوگوں میں کچھ خاص طرح کی صلاحیت اور ہنر مندی پیدا ہو سکے۔ اس بات سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ نازی اور کمیونسٹ سماج کی طرح ریاست کے تمام شہریوں کی حیثیت غلاموں جیسی ہوتی ہے اور حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شہریوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے۔ میرا منشا تو صرف یہ کہنا ہے کہ ایک بار جب سرکاری خزانے کا پیسہ لوگوں کی تعلیم پر لگا دیا گیا تو پھر اس سے فائدہ اٹھانے والے لوگ بھی یہ ضرور سوچیں کہ اب سماج کی طرف سے بھی ان کے اوپر ایک اخلاقی ذمہ داری عائد ہو گئی ہے اور وہ سماج کے اچھے کارکن، ریاست کے اچھے شہری، اچھے اُستاد، ہوشیار ڈاکٹر، ہنر مند مستری، لائق سرکاری عہدہ دار اور اچھے عامل بن کر اپنے اس فرض سے سبکدوش ہوں۔ یعنی تعلیم نے انھیں جو فیض پہنچایا ہے اس کی طرف سے احسان فراموشی نہ کریں۔

یہ تصور کہ تعلیم کا خرچ نفع بخش روزگار میں سرمایہ لگانے جیسا ہے، اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ کسی ملک کے بسنے والے لوگوں اور اس کی حکومت کے ذمہ دار آدمیوں میں اگر اس کا سچا احساس پیدا ہو جائے تو تعلیم کے اخراجات کے راستے میں آنے والی ساری رکاوٹیں اپنے آپ دور ہو جائیں۔

(ہومر کیمپفر کے ایک طویل مضمون سے اقتباس)

ناخواندگی کے بوجھ سے دنیا کو بچاؤ

مندرجہ ذیل مضمون اس تقریر کا خلاصہ ہے جو یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل نے یو۔این۔او کی جنرل اسمبلی کے سامنے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۳ء کو خاتمۂ ناخواندگی کی عالمگیر تحریک کا خاکہ پیش کرتے وقت کی تھی۔

دنیا کی آبادی کے اعداد و شمار کو دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ناخواندہ بالغوں (یعنی ۱۵ سال سے اوپر عمر والوں) کی آبادی ۷۰ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ۲/۵ واں حصہ ناخواندگی کی اندھیری دنیا میں بھٹک رہا ہے۔ اس میں سے بہت بڑی آبادی، جس میں اکثریت عورتوں کی ہے دنیا کے ان ملکوں میں بستی ہے جو ابھی پوری طرح ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۶۰ء میں افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ۸۵ ملکوں میں اسکولی عمر کے بچوں کی آبادی ۲۰ کروڑ ۷۰ لاکھ تھی جس میں سے محض ۱۱ کروڑ یعنی ۵۵ فی صدی بچے ہی ابتدائی اسکولوں میں داخل تھے۔ ان اعداد و شمار سے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تناسب اگر اسی طرح برقرار رہا تو ناخواندہ لوگوں کی آبادی میں ۲ سے ۲½ کروڑ تک اضافہ ہر سال ہوتا رہے گا۔

یو۔این۔او کی جنرل اسمبلی کے سامنے دنیا سے ناخواندگی کی لعنت دور کرنے کے منصوبے کا خاکہ پیش کرتے ہوئے اس موقعے پر یونیسکو کے ڈائرکٹر مسٹر ماہیو نے دریافت کیا کہ اس تشویشناک صورت حال کو دور کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ یونیسکو کی رپورٹ میں مختلف ملکوں کی حکومتوں اور دوسرے بااختیار اداروں کی کوششوں کا ذکر ملتا ہے جو انہوں نے اپنے اپنے ملک میں خواندگی کی تحریک چلانے کے سلسلے میں کی ہیں۔ انہی ان کوششوں میں انہیں جو کامیابی ملی ہے، اس رپورٹ میں اس کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس سمت میں خود یونیسکو کی کوششوں کا ذکر ملتا ہے جو اس نے اپنے محدود وسائل کو سامنے رکھ کر کی ہیں۔ ڈاکٹر ماہیو نے بتایا کہ ان کوششوں سے یہ اندازہ بہت آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ نتائج امید افزا ضرور ہیں مگر انہیں کسی بھی طرح قابل اطمینان نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ نتائج امید افزا اس لئے کہے جا سکتے ہیں کہ یہ کوششیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے جو فنی وسائل درکار ہوتے ہیں وہ موجود ہیں۔ مگر ان کوششوں کو ناکافی اور غیر تسلی بخش اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے جس جوش و خروش سے اور عالمگیر پیمانے

بر جس طرح کی جدوجہد کی ضرورت ہے وہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ان حقائق کی طرف سے تمام دنیا کو باخبر کر دیا جائے۔

اس عالمگیر جدوجہد کا ذکر یونیسکو کی رپورٹ کے دوسرے حصے میں ملتا ہے، جس میں دنیا سے ناخواندگی کے سلسلے میں وہ اقدامات تجویز کئے گئے ہیں جو یو۔ این۔ اپنی تنظیمی نوعیت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے آسانی سے انجام دے سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ناخواندہ لوگوں کی آبادی میں مزید اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔ اور یہ شرط صرف اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب کہ عالمگیر پیمانے پر مفت اور جبری ابتدائی تعلیم کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے۔

مختلف ملکوں کی حکومتوں کے سامنے اس وقت جو کچھ خاص مقاصد ہیں ان میں سے ایک عالمگیر پیمانے پر مفت اور جبری ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنا بھی ہے۔ اور اس سلسلے میں انھیں یونیسکو سے خاطر خواہ مدد مل رہی ہے۔ تعلیم کی توسیع و اشاعت کے منصوبے جو گذشتہ چار سال کے اندر افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے لئے علاقائی سطح پر بنائے گئے ہیں ان کا خاص مقصد آیندہ دس سے بیس سال کے اندر اسکولی عمر کے تمام لڑکوں کے لئے مفت اور جبری ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنا ہے۔ اس دشوار مسئلے کا حل تلاش کرنا کے سلسلے میں اب کافی حد تک کام ہو چکا ہے۔

مگر سب سے زیادہ جس بات کی ضرورت ہے وہ بالغوں کی تعلیم کا کام ہے ضرورت ہے کہ اس مورچے پر ڈٹ کر کام کیا جائے تاکہ اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے لڑکے ایسے سماج میں قدم نہ رکھیں جو ہر طرف سے ناخواندہ لوگوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس سے دو طرح کا اندیشہ ہے۔ ایک یہ اندیشہ کہ ناخواندہ لوگوں سے گھرے ہوئے سماج میں رہنے سہنے سے وہ آسانی سے ناخواندگی کی طرف لوٹ سکتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس طرح سے پرانی اور نئی نسل کے لوگوں میں الجھن اور کشمکش کی کیفیت بہت بڑھ سکتی ہے۔

اس سلسلے میں یونیسکو کے منصوبے کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ماہیو نے بتایا کہ اس وقت ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں یونیسکو کے ممبر ملکوں میں اندازاً ۵۰ کروڑ آبادی ناخواندہ ہے۔ یونیسکو کے منصوبے کے مطابق پہلے دس سال میں اس میں سے دو تہائی آبادی یعنی ۳۳ کروڑ لوگوں کو خواندہ بنا دینے کا پروگرام شامل ہے۔

اس سلسلے میں جو اقدامات کئے جائیں گے ان کی نوعیت لازمی اور بنیادی طور پر ملکی اور قومی کوششوں کی ہوگی۔ خواندگی کی مہموں کے لئے سرمائے اور کارکنوں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے وسائل کی فراہمی کا انتظام بھی ملکی حکومتوں کو اپنے اپنے طور پر کرنا ہے اور وہی اس مہم کے لئے ایسی انتظامی مشنری کی تشکیل کریں گی جو اس سلسلے میں حسب ضرورت اور حسب موقع مناسب اور ضروری اقدامات اٹھانے کے لئے احکامات جاری کرنے کی مجاز ہو۔

اتنی بات تو بہر حال طے ہے کہ ترقی پذیر ممالک اتنا بڑا کام خود اپنے طور پر انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھیں ایک حد تک باہری امداد پر منحصر رہنا ہوگا جو اخلاقی اور مادی دونوں لحاظ سے ضروری ہے۔

مسٹر ماہیو نے جنرل اسمبلی کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ یونیسکو کے منصوبے کے مطابق دس سال کے اندر ۳۳ کروڑ افراد کو ناخواندگی کے کھڈ سے باہر نکال لانے کی اس عالمی مہم پر ۱۹۱ کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر کے خرچ کا تخمینہ ہے۔

ملکی وسائل سے فراہم کیا جانے والا سرمایہ:-

اس عالمی تحریک پر آنے والے کل خرچ کا ۱۷ فی صدی حصّہ ملکی حکومتوں کو اپنے اندرونی وسائل سے فراہم کرنا ہے یعنی تقریباً ۱۴۸ کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر۔ اس موقع پر مسٹر ماہیو نے یہ یقین ظاہر کیا کہ یہ رقم کوئی اتنا بڑا بار نہیں جسے قومی معاشیات برداشت نہ کر سکے۔ اعداد و شمار کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مختلف ملکوں میں ۱۹۶۱ء میں ضمنی مالیت کی کل پیداوار ہوئی تھی یہ رقم اس کا محض ۱۲۳۰ فی صدی ہے۔ مسٹر ماہیو نے اپنی تقریر کے دوران یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ یہ خرچ ملکی ترقیاتی منصوبوں اور ان میں پیہ دگراموں کی ترجیح و تاخیر کی ترتیب اور ان کے حصول مقاصد میں کسی طرح رکاوٹ نہیں بنے گا۔ اس نکتہ کی وضاحت کرنے کے لئے مسٹر ماہیو نے یونیسکو کے ایشیائی، تعلیمی وزراء کی اس کانفرنس کی سفارشات کی طرف توجہ دلائی جو ۱۹۶۲ء میں ٹوکیو میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس نے ۱۹۸۰ء تک کے لئے تعلیمی توسیع کا ایک منصوبہ جس پر ملکی پیداوار کی کل ملکیت ۴ سے ۵ فی صدی حصّہ تک خرچ کرنے کا عزم دکھایا گیا تھا، اصولی طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ مسٹر ماہیو نے اس کانفرنس کی سفارشات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ بڑے پیمانے پر خواندگی کی قومی تحریک چلانے پر آنے والے اخراجات کو اس ہمہ گیر عام تعلیمی منصوبے کا جزو آسانی سے بنایا جا سکتا اور یونیسکو مختلف علاقائی اقتصادی کمیشنوں کی صلاح اور ان کے توسط سے ساری دنیا میں اس کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

بیرونی امداد

بیرونی امداد کی شکل میں اس خرچ کا ایک چوتھائی حصّہ ان ملکوں کے لئے فراہم کرنا ہے یعنی تقریباً ۴۳ کروڑ ڈالر۔ حساب پھیلائے تو یہ رقم فی کس خواندگی پر ڈیڑھ ڈالر آتی ہے۔ مسٹر ماہیو نے کہا کہ "میں نہیں مانتا کہ انسانی اتحاد و ہم آہنگی کے لئے یہ کوئی مہنگا سودا ہے"۔

آخر میں مسٹر ماہیو نے جنرل اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر یو۔ این۔ او اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے اور اس کے لئے ضروری امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو یونیسکو اپنی بساط بھر اس بات کے لئے تیار ہے کہ وہ ایک عالمگیر تحریک کھڑی کر کے دنیا سے ناخواندگی کا بوجھ بہت بڑی حد تک کم کر دے جس سے دب کر آج دنیا بری طرح پسی جا رہی ہے۔

(یونیسکو)

خاتمۂ ناخواندگی کی عالمی تحریک

جنرل اسمبلی کی تجویز

دنیا سے خاتمۂ ناخواندگی کی ایک عالم گیر تحریک شروع کرنے کے سلسلے میں یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل مسٹر رن ماہیو نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو یو۔این کی جنرل اسمبلی کی سیکنڈ کمیٹی کے اٹھارہویں اجلاس کے سامنے یونیسکو کی ایک رپورٹ پیش کی تھی۔ کمیٹی نے اس رپورٹ پر تفصیل سے غور و بحث کرنے کے بعد متفقہ طور پر ایک تجویز پاس کر دی ہے۔ یہ تجویز جسے ۹۶ ملکوں کے نمائندوں نے مل کر پیش کیا تھا، ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کے سلسلے میں دنیا کے ملکوں کے اتحادِ عمل کا ایک جیتا جاگتا مظاہرہ ہے۔

اس تجویز میں یو۔این کے سکریٹری جنرل سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دنیا سے ناخواندگی کو دور کرنے کے سلسلے میں مختلف ملکوں کی کوششوں میں مدد دینے کے لئے مناسب اقدامات تجویز کرے۔ خواہ یہ کوشش ساری دنیا میں خواندگی کی ایک عالم گیر تحریک شروع کر کے کی جائے یا کسی اور مناسب طریقے سے۔

تجویز میں کہا گیا ہے کہ سکریٹری جنرل یہ کام یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل کے تعاون سے اور اسپیشل فنڈ کے مینجنگ ڈائرکٹر، فنی امدادی بورڈ کے چیرمین اور عالمی بنک کے صدر اور بنک کی الحاقی شاخوں کی مدد اور مشورے سے انجام دے۔ تجویز میں سکریٹری جنرل سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی تحقیقات مناسب تجویزوں کی سفارش کے ساتھ جنرل اسمبلی کے ۱۹ ویں اجلاس کے سامنے پیش کرے۔

کمیٹی نے ہمہ گیر خواندگی کے لئے عالمی تحریک شروع کرنے کے سلسلے میں یونیسکو کی رپورٹ کا یہ حصہ خاص طور سے نوٹ کیا جس میں دنیا میں ناخواندگی کی تشویشناک حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ "بہتر سے بہتر طریقے پر جو اعداد و شمار جمع کئے جا سکے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے وسط میں ۱۵ سال اور اس سے زیادہ عمر کے لوگوں میں ۷۰ کروڑ افراد (یعنی دنیا کی آبادی کا ۲/۵ واں حصہ) ناخواندہ تھے۔

"افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ میں ناخواندہ بالغوں کی آبادی کا اوسط ۷۰ سے ۸۰ فی صدی تک ہے اس میں ناخواندگی کا اوسط سب سے زیادہ عورتوں میں ہے۔ ان ملکوں میں موجودہ حالت کے پیش نظر اگلے چھ سات سال کے اندر ناخواندوں کی آبادی میں دو سے ڈھائی کروڑ تک کا اور اضافہ ہو جائے گا"۔

تجویز میں یو۔ این۔ او۔ کے اُن ممبر ملکوں کو توجہ دلائی گئی ہے جہاں کافی حد تک خواندگی موجود ہے کہ وہ اپنے ہمہ گیر ترقیاتی منصوبوں میں ایسی گنجائش نکالیں "جس سے کہ بنی نوع انسان سے ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے میں وہ مناسب حصہ لے سکیں۔

تجویز میں ان ممبر ملکوں سے بھی درخواست کی گئی ہے جنھوں نے اپنے یہاں سے بڑے پیمانے پر ناخواندگی کو دور کیا ہے کہ وہ ان ملکوں کو فنی اور مالی امداد بہم پہنچائیں جہاں اس وقت ناخواندگی کا اوسط بہت زیادہ ہے تجویز میں ناخواندگی کو دور کرنے کے سلسلے میں یونیسکو کے اقدامات کو سراہا گیا ہے اور یہ توقع کی گئی ہے کہ یونیسکو اس میدان میں آیندہ اپنی کوششیں اور تیز کرے گا۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل نے خاتمۂ ناخواندگی کی عالمی تحریک شروع کرنے کے سلسلے کی جو رپورٹ جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کی تھی اس میں یہ کہا گیا تھا کہ دنیا کی ناخواندہ آبادی میں سے محض ۳۳ کروڑ افراد کو ناخواندگی کے کھڈ سے باہر لانے کے لئے اس عالمی تحریک پر اندازاً ۱۹۱ کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر خرچ آئے گا۔ اس میں سے ۱۴۸ کروڑ ۱۰ لاکھ ڈالر یعنی تقریباً ۷۰ فی صدی مختلف ملکوں کو اپنے اندرونی وسائل سے فراہم کرنا ہوگا اور ۴۳ کروڑ ڈالر بیرونی امداد سے یعنی فی کس خواندگی کے لئے ڈیڑھ ڈالر

(یونیسکو)

ایک نمونہ

ان پڑھ بالغ کو کیسے پڑھائیں

بچوں کا کوئی اُستاد اگر بڑوں کو پڑھانے کا کام کرتا ہو تو اُسے بالکل نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچوں کو پڑھانے پڑھاتے وہ جن جن طریقوں کا عادی ہو گیا ہے ان میں سے بہت سے اسے چھوڑنا پڑیں گے بلکہ بعض صورتوں میں اس کے برعکس طریقے اختیار کرنے پڑیں گے۔ ان پڑھ بالغوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بالکل مختلف ہوگا۔ ان کے ساتھ بہت نرمی اور شائستگی کے ساتھ پیش آنا ہوگا۔ بالکل ایسے جیسے وہ اپنے افسروں سے پیش آتا ہے۔

اس بات کا ذرا بھی احساس کہ اُستاد بالغ شاگرد سے اپنے کو اونچا اور برتر سمجھتا ہے پڑھائی کے سارے منصوبے کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ بالغ بہت زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اس میں کمتری کا بھی احساس ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ شیخی بگھارتا ہے اور بڑی بڑی باتیں کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ احساس کمتری کو چھپانے کے لئے ہی ایسی باتیں کرتا ہے۔

بالغ ان پڑھ کی ہمت توڑنا یا ہمت شکنی کرنا بہت آسان ہے۔ اگر ہم اس سے ایک یا دو بار "نہیں" کہیں تو کیا عجب نہیں کہ "میری بلا سے" وہ پڑھنے سے انکار کر دے۔ اس لئے بالغ کو پڑھاتے وقت "نہیں" کا لفظ بھول کر بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے یہاں تک کہ جہاں "نہیں" کہنا ہے وہاں "ہاں" کہنا چاہئے۔ چھوٹی موٹی غلطیوں کی طرف تو دھیان بھی نہیں دینا چاہیے۔ کوئی فاش غلطی ہو تو بالواسطہ طریقے سے اسے آگاہ کر دینا چاہئے مثلاً ٹوپی کا لفظ وہ غلط بول رہا ہے تو اس سے کہئے کہ "بھئی واہ آج آپ ٹوپی تو بہت بانکی اوڑھ کر آئے ہیں" اور اس طرح تعریف کے پردے میں اسے غلطی کا دھیان دلائیے۔

بچوں کو سخت سزائیں بھگتنے پر بھی اسکول میں پڑھنا ہے۔ ان کے مقابلے میں بالغ ان پڑھ کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ وہ تو ذرا بھی مزہ ہوا تو کلاس چھوڑ کر چل دے گا اور جس سے بھی ملے گا تعلیم یا بالغوں کی پڑھائی کی مذمت کرے گا۔ وہ تو اپنی پڑھائی کا سلسلہ تبھی جاری رکھے گا جب آپ محبت اور خلوص سے پڑھائیں گے۔

(دفتر نیک کار بالغ)

پنچایتوں کی کامیابی کے لئے اخلاقی تعلیم کی ضرورت

گاؤں پنچایتوں پر ایک نظر

پنچایتوں کا رواج ہمارے دیش میں پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ یہ ہمارے گاؤں کی پرانی ریت ہے کہ گاؤں کے چند بزرگ چوپالوں پر اکٹھے ہوتے تھے اور گاؤں کے ہر قسم کے جھگڑوں کو آپس میں طے کر لیتے تھے اور اس طرح سیدھے سادے غریب گاؤں والے عدالت کی بھاگ دوڑ اور فضول خرچی سے بچ جاتے تھے۔

لیکن جب انگریزی راج ہندوستان میں قائم ہوا تو دربانوں کے ساتھ ہی ساتھ پنچایتی ادارے بھی بہت کمزور پڑ گئے۔ انگریزوں نے جب زمینداری سسٹم کی بنیاد ڈالی تو ہر کسان کا تعلق گاؤں پنچایت کے بجائے کسی ایک زمیندار سے ہو گیا اور آہستہ آہستہ پنچایتیں کمزور ہونا شروع ہو گئیں۔ ہندوستان کے بیدار مغز حضرات اُس زمانہ میں بھی اس خطرے سے آگاہ تھے۔ انھوں نے پنچایتی راج کو دوبارہ زندہ کرنے کی بات سوچی اور اس کے لئے قدم بھی اٹھائے۔ انگریزی حکومت ان سے بہت حد تک متفق ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء میں پہلی کوشش رائل کمیشن (ROYAL COMMISSIN) کے ذریعے کی گئی۔ اس کے نتیجے کے طور پر کچھ صوبوں میں ۱۹۲۰ء سے پہلے گاؤں پنچایتیں قائم ہو گئیں جن کی دیکھ بھال کا کام ضلع کلکٹر کے سپرد تھا۔

آزادی کے بعد

۱۹۴۷ء میں جب انگریزی راج ختم ہوا تو اس وقت پنچایتوں کا میدان بہت محدود تھا۔ ان کے نہ صرف حقوق کم تھے بلکہ آمدنی بھی بہت کم تھی۔ ہندوستان کی جمہوری حکومت قائم ہوئی، جمہوری آئین عمل پذیر ہوا جس میں پنچایتی راج قائم کرنے کی ہدایت دفعہ ۴۰ کے تحت کی گئی ہے۔ اس کے تحت گاؤں میں خود مختار مقامی حکومتیں قائم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہیں

گاؤں اپنے مقامی معاملات خود ہی طے کر سکیں۔ مختلف صورتوں میں اور مختلف اوقات میں دیہی پنچایت ایکٹ پاس ہوئے اور پھر اس کے بعد ترمیمیں ہوئیں اور اب پورے ہندوستان میں پنچایتی حکومت قائم ہے۔ دہلی میں ۱۹۵۴ء میں ردرل پنچایت ایکٹ پاس ہوا اور ۱۹۵۹ء میں پنچایتی راج ایکٹ نافذ ہوا۔

مختلف صوبے مختلف طریقے سے پنچایتیں چلانے کے تجربے کر رہے ہیں۔ راجستھان میں سہ منزلہ ڈھانچے کا طریقہ سب سے پہلے شروع کیا گیا جو بہت کامیاب رہا اور اب پورے ملک میں اسی قسم کی پنچایتیں بنانے کی کوشش ہے۔ مختلف ریاستوں کی پنچایتوں کی تنظیم اور طریقہ کار میں تھوڑا بہت فرق ضرور دیکھا جا سکتا ہے لیکن بنیادی اصول اور نصب العین کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی نظم و نسق اور ترقیاتی پروگراموں کو جمہوری لامرکزیت کی بنیاد پر چلانا پنچایتی راج کے ماتحت قائم ہونے والی پنچایتیں گاؤں کی زندگی کے مختلف شعبوں کا احاطہ کر لیتی ہیں یعنی سیاسی، معاشی، تعلیمی، تمدنی صحت و صفائی۔ گاؤں کی حفاظت جھگڑے مقدمے طے کرنا وغیرہ تمام امور کسی نہ کسی شکل میں پنچایتوں کے ماتحت آ گئے ہیں۔

دو طرح کی پنچایتیں

پنچایتوں کو اُن کے کام کی بنیاد پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ گاؤں پنچایت اور نیائے پنچایت ۔ گاؤں پنچایت کا کام گاؤں کی صحت و صفائی و حفاظت گاؤں والوں کی تعلیم۔ گاؤں کی سڑکیں۔ اسکول۔ باغ، پارک، پل اور دوسرے مقامی ترقیاتی کام انجام دینا ہوتا ہے اور نیائے پنچایتیں گاؤں والوں کے فوجداری اور مالی مقدمے طے کرتی ہیں ڈھائی سو روپیہ تک مقدمہ آسام کی نیائے پنچایت سن سکتی ہے۔ اور ۵۰۰ روپیہ تک کا مقدمہ مدھیہ پردیش اور یوپی کی نیائے پنچایتیں لے سکتی ہیں۔ اڑیسہ اور بنگال میں ۱۵ اور ۷ دن کی علی الترتیب سزائیں دینے کا بھی نیائے پنچایت کو حق حاصل ہے۔

پنچایت سمیتیاں اور ضلع پریشد

بلاک کے تمام ترقیاتی پروگرام گاؤں میں پنچایتوں ہی کے ذریعے عمل میں آتے ہیں۔ گاؤں پنچایتوں کے اوپر ایک بلاک سمتی ہوتی ہے اور اس کے اوپر ضلع پریشد۔ جہاں ضلع نہیں ہیں وہاں دیہی ترقیاتی کمیٹی[a] بنا دی گئی ہے جیسے

[a] VILLAGE DEVELOPMENT COMMITTEE

دلی میں ۔۔ اس طرح گاؤں کی ترقی کا دارومدار بہت کچھ پنچایتی راج کے اداروں اور ان کے کارکنوں پر ہو گیا ہے زیادہ پیداوار کے لئے اچھے بیج۔ اچھی کھاد۔ اچھے اوزار بلاک سے حاصل کر کے گاؤں والوں میں تقسیم کرانا۔ کواپریٹیو سوسائٹیاں کھلوانا۔ گاؤں والوں کو قرضہ دلوانا۔ اب یہ سارے کام پنچایتوں کے ذریعے ہی ہوتے ہیں۔ آب پاشی کا انتظام کرانا۔ شرم دان کرانا۔ سیلاب روکنے کے لئے بندھ بنوانا وغیرہ وغیرہ سب کام پنچایتوں کو ہی کرنے ہوتے ہیں لیکن ایک سوال یہ ہے کہ اس میں سے کتنے کام آج پنچایتیں انجام دے پاتی ہیں اس سلسلے میں میرا اپنا تجربہ کوئی بہت امید افزا نہیں ہے۔

پنچایتیں اتنے اختیارات مل جانے کے باوجود بھی کیوں اتنی سرگرم نہیں دکھائی دیتیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر دیہی ترقی کے کاموں سے دلچسپی رکھنے والے ہر آدمی کو بہت سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مختلف اخباروں نے بھی پنچایتوں کی کارکردگی میں ان دنوں بہت دلچسپی دکھائی ہے۔ پنچایت کا موضوع اب تقریباً تمام رسالوں کا ایک اہم باب بن گیا ہے۔ پنچایت کے موضوع پر اب کئی رسالے بھی نکلنے لگے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں نے بھی اس سمت میں اب پہلے سے زیادہ دلچسپی دکھائی ہے۔ اس طرح کے مضامین اکثر و بیشتر میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں پنچایتوں کی ناکامی کے بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ پچھلے دنوں اسٹیٹسمین نے دہلی میں پنچایتوں کے کاموں پر ایک بہت اچھا تبصرہ دو تین قسطوں میں شائع کیا تھا یہ مطالعہ واقعی دہلی کی پنچایتوں کے آئندہ پروگراموں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ میں دہلی کے شاہدرہ بلاک کے کچھ گاؤں میں اکثر جاتا رہتا ہوں۔ اترپردیش کے بہت سے گاؤں اور گاؤں پنچایتوں کے پرمکھوں اور پنچوں سے میرے تعلقات ہیں۔ پنچایتوں کے کاموں کے بارے میں ان سے اکثر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان دو جگہوں کی پنچایتوں کی ناکامی کا ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پنچایتی راج نہ صرف یوپی اور دہلی میں بلکہ سارے ہندوستان میں بہت کامیابی سے نہیں چل رہا ہے۔ انگریزی راج میں پنچایتیں اگر گہری نیند میں سو گئی تھیں تو اب اپنے راج میں وہ ایک بڑی مہلک بیماری کا شکار ہو گئی ہیں اور وہ بیماری ہے بے ایمانی۔ جس کا واحد علاج اخلاقی تعلیم ہے۔

یہاں ہم دلی کے پنچایتی راج کو لیتے ہیں اور اس کے کاموں کو پرکھ کر دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ اتنے ترقی یافتہ علاقے میں جو ہندوستان کی ناک کہلاتا ہے پنچایتی راج کے ادارے کس طرح پھل پھول رہے ہیں۔

دہلی میں پنچایتی راج

پنچایت کا چناؤ گاؤں سبھا کرتی ہے۔ پنچایت کے نمایندوں کی تعداد کم سے کم ۵ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ

ہو سکتی ہے۔ ۵۰۰ سے کم کی آبادی کے گاؤں قریب کے گاؤں میں شامل کر دئیے جاتے ہیں ہر پنچایت کا ایک پردھان ہوتا ہے جس کو براہ راست گاؤں سبھا چنتی ہے۔ دلّی میں نیائے پنچایتوں کی جگہ سرکل پنچایتیں ہوتی ہے ہر گاؤں کا نمائندہ اس سرکل پنچایت میں شامل ہوتا ہے۔ یہ سرکل پنچایتیں ۲۰۰ روپئے تک کے دیوانی مقدمے اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے۔ فوج داری کے مقدمے لینے کا حق انھیں حاصل نہیں ہے۔

گاؤں پنچایتوں کا عام پروگرام بلاک کی پنچایت سمتی بناتی ہے جس میں پورے بلاک کے پردھان۔ ہریجنوں اور عورتوں کے نمائندے۔ کواپریٹیو سوسائٹیز کے ممبر، بلاک کے آفیسر وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر دیہی ترقیاتی کمیٹی قائم ہے۔ اسے دوسری ریاستوں کی ضلع پریشد سمجھئے۔ ہر پنچایت کو بلاک کی طرف سے ایک پنچایت سکریٹری کی خدمات حاصل ہوتی ہیں جو پردھان کے لئے لکھنے پڑھنے کا کام انجام دیتا ہے۔ پنچایت انسپکٹر پنچایت کے حسابات کی دیکھ بھال کرتا ہے اور بی۔ ڈی۔ او سب سے اعلیٰ انتظامی افسر ہوتا ہے۔

دلّی میں ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء میں پہلی بار الیکشن ہو کر پنچایتی راج قائم ہوا۔ یہاں کُل ۲۰۳ پنچایتیں ہیں۔ سب سے پہلا کام جو یہاں کی پنچایتوں کو کرنا پڑا وہ تھا شاملات کی زمینوں کی مقدمہ بازی کا نپٹارا کرنا۔ گاؤں سبھا کی زمین پر بہت سے لوگوں نے غیر قانونی قبضہ کر لیا یہ زمین ایسی ہوتی ہے جس سے پنچایتوں کو اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے اس میں اسکول بنوائے جا سکتے پارک بنوائے جا سکتے ہیں کرائے پر اٹھائی جا سکتی ہیں اور اس کی آمدنی سے گاؤں کی ترقی کے مختلف کام کئے جا سکتے ہیں کچھ گاؤں میں یہ ذرائع موجود ہیں۔ مچھلی کتالاب، پیڑ اور کھال وغیرہ سے کچھ گاؤں میں اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے لیکن کچھ گاؤں میں پنچایت کی بالکل آمدنی نہیں ہوتی۔ اور گاؤں کو بلاک کی طرف سے ترقی کے پروگراموں میں پچاس فی صدی مدد مل جاتی ہے۔

بظاہر پنچایتوں کا کام بڑا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن عملی میدان میں ان پنچایتوں کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کا اندازہ پنچایت کے پردھانوں اور گاؤں والوں سے بات کر کے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ پنچایت قائم ہوتے ہی یہاں سب سے پہلے پردھانوں کو اپنا تمام وقت شاملات کی زمین کے مقدموں میں صرف کرنا پڑا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ گاؤں سبھا کی زمین پر کچھ لوگوں نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو پردھان کی بے جا طرف داری خواہ وہ رشتہ داری یا دوستی یا پارٹی بازی کی وجہ سے ہو، حاصل ہے۔ اس طرح پردھان اگر یہ کہہ دے کہ یہ زمین اسی کی ہے اور کسی وجہ سے پٹواری کے یہاں نہ چڑھ سکی تو وہ مقدمہ جیت جاتا ہے۔ اس طرح ایک فرد کی خاطر پوری گاؤں سبھا کا بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے ــ ہزاروں بیگھ زمین پر لوگوں کے قبضے ہو چکے ہیں اور ابھی بہت سے مقدمے

زیر سماعت ہیں۔ اس آفت کو روکنے کے لئے ایک قانون بنایا گیا کہ پردھان بلاک سمتی کی اجازت اور ڈیولپمنٹ کمیٹی کے مشورے کے بغیر کسی بھی فرد کو زمین دینے کی سفارش نہیں کرسکتا لیکن یہ قانون بھی سختی سے لاگو نہ ہو سکا۔

ایکٹ کے تحت پنچائتیں قائم ہونے سے پہلے گاؤں میں لمبردار ہوا کرتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا تھا۔ پورا گاؤں ان کی ہر بات کو مانتا تھا لیکن جب سے انتخابات ہونے لگے ہیں سیاست کا بھوت گاؤں والوں پر اس طرح سوار ہو گیا ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ لیڈر نظر آتا ہے۔ ہر ایک الٹی سیدھی بحث کرنے میں ماہر ہے جسے دیکھو پردھان اور پنچ کے عہدے حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے اس بحث اور حجت میں دشمنیاں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ قتل تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بہت سے گاؤں میں غنڈہ پارٹی اپنی دھمکیوں سے برسر اقتدار آجاتی ہے۔ بہت سے گاؤں میں کسی اونچی ذات کے کسی امیر آدمی کو پردھان بنا دیا جاتا ہے۔ پارٹی بازی کی وجہ سے پچھلے الیکشن میں کتنے ہی پردھان امیدواروں کا قتل ہوا۔ کتنے ہی سیدھے سادے گاؤں والے بے آبرو ہوئے۔ اس کے علاوہ الیکشن کے بعد مخالف پارٹی کے لوگ پردھان کے ہر کام میں اڑچن ڈالتے ہیں۔ اور پردھانوں کو مخالفین کا تعاون گاؤں کے کسی کام میں زندگی بھر میسر نہیں ہوتا۔ اس طرح پنچایت گاؤں میں ایک بے معنی سی چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف اگر پردھان کچھ کرتا بھی ہے تو وہ زیادہ تر اپنے ہی رشتہ داروں، دوستوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے۔ اس سے گاؤں میں اور زیادہ بدعنوانی پھیلتی ہے۔

جہاں تک ذات پات کا سوال ہے یہ بیماری صرف دہلی ہی کے گاؤں والوں کو کیا ابھی پورے ہندوستان کو لگی ہوئی ہے۔ ہریجنوں کی بستیاں اور ان کے کنویں اب تک شہروں میں بھی علیحدہ ہوتے ہیں اور گاؤں میں بھی۔ زبان پر کچھ اور دلوں میں کچھ۔ اور ذات پات کے اس فرق کو پچھڑے طبقے کے لوگوں کو مراعات اور آسانیاں دے کر اور بڑھا دیا گیا ہے۔ ایک اونچی ذات کے غریب لڑکے کو وظیفے اور دیگر مراعات حاصل نہیں ہو سکتیں خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو اور ایک نیچی ذات کے امیر لڑکے کو کئی کئی وظیفے مل جاتے ہیں جب کہ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے جب گاؤں میں ہریجنوں کے کنویں علیحدہ بنوا دیئے جاتے ہیں تو پھر ہریجنوں کو خود ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کنویں کو چھوڑ کر دوسرے کنویں سے پانی بھریں۔

پنچائتی راج اور اخلاقی تعلیم

پنچایتی راج جو ایک خالص جمہوری اصولوں کا آئینہ دار ہے آج بُری طرح ناکامی کے کھڈ میں گرتا جا رہا ہے

مختلف لوگوں نے تقریباً یکساں وجوہات بتائی ہیں کہ پنچایتیں اس وجہ سے ناکام ہوئی ہیں کیونکہ ابھی تک وہاں ذات پات کا بھید باقی ہے۔ سیاست کا دور دورہ ہے۔ مخالفین پنچایت کے سہیوگ سے گریز کرتے ہیں۔ خودغرضی بری طرح پھیلی ہوئی ہے۔ برسراقتدار لوگ اپنے ہی لوگوں کا فائدہ چاہتے ہیں جہالت کا ابھی دور دورہ ہے ان تمام کمیوں کو دور کرنے کے لئے انھوں نے ایک طریقہ بتایا ہے یعنی گاؤں والوں کے نظریئے میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ اس کے لئے زبانی باتوں سے پرہیز اور عملی قدم اٹھانے کی تلقین کی ہے۔ یعنی دو تین گاؤں کو مثالی گاؤں بنا کر دوسرے گاؤوں کے سامنے نمونہ رکھا جائے۔ اسی وقت پنچایتی راج کو کامیابی مل سکتی ہے۔

یہ سارے اسباب صحیح ہیں اور ان کے تدارک کے لئے مشورے بھی نیک ہیں لیکن میرے خیال میں تو بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ پہلے تو میں یہ بتانا چاہوں گا کہ نہ صرف پنچایتی راج ناکام ہوا ہے بلکہ جمہوری اصولوں کی بنیاد پر جتنی اسکیمیں چلی ہیں وہ سب ناکام ہو گئی ہیں۔ گاؤں میں اینٹوں کی سڑکیں کہیں کہیں برمے نل اور بجلی لگنے اور بڑے بڑے ڈیم نظر آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی اسکیموں میں کامیاب ہو رہے ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ کتنا پہنچ رہا ہے اور مجموعی اعتبار سے ترقی کتنی ہوئی ہے۔ ذہن اور اخلاق کی ترقی اصل ترقی ہے۔ یہ ناکامی کیوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان والے جس آزادی کا بہت بے صبری سے انتظار کر رہے تھے اب آزادی مل جانے پر وہ اس کا بری طرح استعمال کر رہے ہیں۔ آج گاؤں والے بلاک افسروں کو کوستے ہیں اور بلاک والے گاؤں والوں کا رونا روتے ہیں۔ اور نقاد قسم کے لوگ دونوں کے پرخچے اڑاتے ہیں۔ کچھ لوگ گورنمنٹ کو بے وقوف کہتے ہیں اور اس کی تمام اسکیموں کو رد کرتے ہیں۔ لیکن میری نظر میں ان میں سے کوئی ایک قصوروار نہیں ہے۔ ہم سب ہندوستانی بھوکے ہیں فاقہ زدہ ہیں۔ سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ ہم لوگوں کے پاس تعلیم نہیں ہے۔ پیسہ ہمارے پاس یکساں نہیں ہے کیونکہ کمانے کے مواقع یکساں نہیں ہیں۔ کھانے کو بھرپیٹ روٹی نہیں ہے۔ جن کے پاس ہے ان کو مستقبل کی طرف سے مایوسی ہے کہ پتہ نہیں کل کیا ہو۔ زمین ہمارے پاس یکساں نہیں ہے رہنے کو مکان نہیں ہے صرف ایک چیز ہمارے پاس یکساں ہے اور وہ ہیں جمہوری آئین کے تحت ہمارے حقوق۔

ہم موجودہ فاقہ کشی کی حالت میں جب اپنے حقوق کے ذریعہ کسی تنکہ کا سہارا ڈھونڈھ لیتے ہیں تو پھر ہم اپنے فرائض کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یہ بھوک کو جنم دیتی ہے۔ پورے ہندوستان میں بے ایمانی کی مہلک بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن ہم لوگ اس بات کو ماننے میں شرم محسوس کرتے ہیں اور اس لئے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔

ہم لاکھ جتن کریں لیکن جب تک ہندوستان والے ایمان دار نہیں بنیں گے اس وقت تک نہ یہ پنچایتیں کامیاب ہوسکیں گی نہ یہ کوآپریٹیو سوسائیٹیاں کامیاب ہوں گی اور نہ یہ ڈیم اور دوسرے پروجیکٹ کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے جب تک دلوں میں بے ایمانی ہے دودھ میں پانی ۔ اصلی گھی میں ڈالڈا ۔ سمنٹ میں ریت ۔ آٹے میں مٹی اور نوکریوں میں سفارشیں اسی طرح ملتی رہیں گی ۔ ایمان داری ۔ وطن کی خدمت کا جذبہ ۔ آپس میں پریم بھاؤ ۔ بھائی چارہ ۔ دوستی محبت خلوص جب تک نہیں ہوگا کسی کام میں ایمان داری نہیں آسکتی ۔ جب تک یہ بھونڈی سیاست ۔ فرقہ پرستی ۔ ذات پات رنگ ونسل ۔ مذہب وملت کی تفریق ختم نہیں ہوگی اس وقت تک کوئی یوجنا کامیاب نہیں ہوسکتی ۔ یہ وقت ہے آپس میں یک جا ہونے کا سوچنے کا اور عملی قدم اٹھانے کا ۔ یہ وقت ہے لوگوں کو سچی اور اخلاقی تعلیم دینے کا ۔ ہندوستان کے تمام مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ اپنے پرانے میدانوں کو چھوڑ کر جو بہت محدود ہے اور صرف ایک قسم کے لوگوں کو سمو سکتا ہے کشادہ میدان میں اکٹھا ہوں ۔ اور ایک تعلیمی پارٹی کی تشکیل کریں جو ہندوستانیوں کو اخلاقی تعلیم دے ان لوگوں کو جو مذہبی ہوتے ہوئے بھی ، خدا اور بھگوان کو مانتے ہوئے بھی انسان پرستی کے اصولوں کو بھول گئے ہیں ۔ نہ صرف تقریروں سے بلکہ مختلف قسم کے عملی اقدامات سے ہندوستان کی بالغ آبادی کو ایمان داری سے زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیں ۔

کیونکہ یہ نسل اب اسکول نہیں جا سکتی ہے اور اسکول والوں پر بھی اس نسل کا بڑا بُرا اثر پڑ رہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس نسل کے لئے اور آنے والی نسل کے لئے اخلاقی تعلیم کی بنیاد ڈال دی جائے ۔ یہ ہے عملی اور بنیادی قدم جو نہ صرف پنچایتوں پنچایتی راج کو کامیاب بنائے گا ۔ بلکہ ہر اسکیم کو جو جمہوری اصولوں پر قائم ہوگی کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوگا ۔

مجیب اشرف
جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ

"پنچ گاؤں اسکیم"

جبل پور میں دیہات کی خوشحالی کا ایک کامیاب تجربہ

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت نے گاؤں میں زراعت کے نئے طریقوں کا پرچار کرنے کے لئے پچھلے سال سے "پنچ گاؤں اسکیم" کے نام سے ایک اسکیم شروع کر رکھی ہے۔ اس اسکیم کے ماتحت دیہی کارکنوں کے تربیتی مرکز ۵ گاؤں کو چن لیتے ہیں اور زیر تربیت لوگوں کو نئے سیکھے ہوئے طریقوں کو ان گاؤں میں رائج کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس پروگرام کا مقصد ہے عملی تربیت کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا اور زیر تربیت لوگوں کو زرعی مسائل کی صحیح تعلیم دینا اور ان کے ذریعہ گاؤں کے لوگوں میں ان طریقوں کو رائج کرنا۔

بھرپور ترقی کے لئے جبل پور کے قبائلی تربیتی مرکز نے اس اسکیم کے ماتحت رائے پوریا، عمریا، ہیریا، موہنیا اور خوشنیر کے دیہات کو منتخب کیا ہے اگرچہ سبھی دیہات کی اپنی پنچایتیں تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی سرگرم عمل نہیں تھی۔ ان دیہات میں ایکسٹنشن ایجنسی کا بھی کوئی تجربہ نہیں تھا ابتدا میں تو مطالعاتی مرکز کے اساتذہ نے لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں بھی دشواری محسوس کی تھی لیکن ابتدائی رابطے اور فہمائش کنبوں والوں سے عمومی ملاقاتوں کے سبب جلد ہی اس مشکل پر قابو پا لیا گیا۔ اس طرح ربط ضبط پیدا ہو جانے کے بعد دیہات کے لوگوں کی اپنے مسائل اور مشکلات کو سمجھنے اور ان کے حل تلاش کرنے کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کی گئی تاہم اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ان پر کوئی نیا خیال عائد نہ کیا جائے بلکہ لگاتار رابطے اور اجتماعی سوچ بچار کے نتیجے میں قدرتی طور پر اس خیال کو تقویت ملے۔

ان ترغیبی کوششوں کے فوری نتائج نکلے ہیں مثال کے طور پر عمریا گاؤں کی پنچایت سرگرم عمل ہے۔ دس برس سے زائد عرصہ سے پنچایتی واجبات وصول نہیں کئے جا رہے تھے لہذا ان کی وصولی سے متعلق قراردادیں پاس کی گئیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ گرام سیوک دل کے ہر رکن کو پڑھا لکھا ہونا چاہئے۔ کھیتوں کے لئے نالیاں کھودنے اور بہتر زرعی طریقوں کو استعمال کرنے سے متعلق بھی فیصلے کئے گئے۔ سارے گاؤں میں نیا جوش و خروش نظر آنے لگا اور ہر طرف نئی سرگرمیاں ہونے لگیں۔ سنٹر کے اساتذہ

کے تجویز کردہ کاشت کاری کے بہت سے بہتر طریقوں کو رائج کیا گیا اور زراعت کی بہتری کے لئے ایک پنج سالہ تجرباتی پروگرام وضع کیا گیا۔

ضلع کے ان پانچوں گاؤوں میں چالو سال کے اندر اور اگلے پانچ سال کی اسکیمیں بنائی گئیں۔ گاؤں کے سبھی لوگوں نے اس میں تعاون کیا۔ اچھے فرٹیلائزر اور اچھے بیجوں کا استعمال بڑھنے لگا۔ خوشنیپر اور عمریا گاؤں کی پچاس فی صدی زمین میں کیمیائی فرٹیلائزر ڈالے گئے۔ عمریا گاؤں میں سب لوگوں نے مل کر ۲۲۱ ایکڑ میں مینڈ بندی کی۔ رائے پوریا میں عمارتی لکڑی کے پیڑ لگائے گئے اور خوشنیپر میں پہلی بار سبزی کی باڑیاں لگائی گئیں۔ ٹریننگ سنٹر کے اساتذہ نے گاؤں والوں کو اپنی آمدنی بڑھانے کے مختلف طریقے سکھائے اور عملی تربیت دی۔

موہنیا گاؤں میں لوگوں کو امداد باہمی کی بنیاد پر دودھ کا کاروبار کرنے میں مدد دی گئی۔ گاؤں کے لوگ اب مویشیوں کو ٹیکے بھی لگوانے لگے ہیں۔ شروع میں گاؤں والے ان باتوں سے ہچکچاتے تھے۔ مگر بعد میں وہ ان کے فوائد سمجھ گئے۔

گاؤں میں سب سے بڑی دشواری آب پاشی کی ہوتی ہے۔ یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی وجہ سے آب پاشی کے موجودہ ذرائع سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ رائے پوریا گاؤں میں محکمہ آب پاشی اور گاؤں والوں کے درمیان اختلاف کی وجہ سے ۸۰ ایکڑ زمین کی سینچائی نہیں ہو پائی۔

ٹریننگ سنٹر کے اساتذہ نے گاؤں والوں کو سمجھایا اور انھیں حکومت کی دشواریاں بتائیں۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاؤں کی ساری زمین کی سینچائی اب ہونے لگی ہے۔ سنٹر کے استاد کی نگرانی میں پانچوں گاؤوں میں دیہی رضاکار دستے اور حفاظتی شرم دان بنک کھولے گئے۔ ان دستوں کے سرداروں اور نائب سرداروں کو ٹریننگ سنٹر میں تربیت بھی دی گئی۔

رائے پوریا گاؤں میں رضاکار دستے کے لوگوں نے سڑک بنائی اور کھاد کے گڈھے کھودے۔

عمریا میں گرام سیوک دل کا ایک تربیتی کیمپ بھی لگایا گیا اس گاؤں میں عورتوں کو چھوڑ کر تقریباً سبھی بالغ مردوں نے سال میں ۱۲ روز کے حساب سے عطیہ محنت دینا منظور کر لیا۔ ابھی تک ۱۲۲۹ افراد کی یک روزہ محنت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ گرام سیوک دل نے اب تک کھیتوں میں نالیاں کھودنے ۱۲۵ ایکڑ رقبہ آراضی میں بند لگانے مرکب کھاد کے گڑھے کھودنے اور بھرنے اور ایک اسکول کی عمارت کی تعمیر کا کام کیا ہے۔

پنج گاؤں اسکیم نے تربیتی پروگرام کو ممتاز حیثیت دی ہے۔ تربیت یافتہ لوگوں کو دیہی کام کے لئے مناسب زاویہ نظر دینے کے علاوہ یہ اسکیم بھارت کے دیہاتوں کے لئے ایک نئی پکار ہے۔

رفتارِ کارواں

دہلی میں سوشل ایجوکیشن ڈے

دہلی میں ہر سال کی طرح اس سال بھی یکم دسمبر کو سوشل ایجوکیشن ڈے منایا گیا۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں کرنے والی سرکاری اور غیر سرکاری سنستھاؤں کی طرف سے یہ تقریب دہلی پبلک لائبریری میں منائی گئی۔ اس موقع پر کے کاموں کی نمائش اور جلسے کے علاوہ سوشل ایجوکیشن کے سنٹروں کی طرف سے مختلف کلچرل پروگرام بھی پیش کئے گئے۔

دہلی کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر شری بی۔ ڈی بھٹ نے مختلف اداروں کی طرف سے حاضرین اور مہمانوں کا کرتے ہوئے سوشل ایجوکیشن میں خواندگی کی اہمیت پر خاص توجہ دلائی اور اس سلسلے میں محکمۂ تعلیم کی طرف سے دہلی کے گاؤں میں خواندگی کی ایک خصوصی اسکیم شروع کرنے کا اعلان کیا۔

سوشل ایجوکیشن کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر شری بی۔ این چترویدی نے دہلی میں سوشل ایجوکیشن کی سرگرمیوں رپورٹ پیش کی جس میں دہلی ایڈمنسٹریشن، دہلی کارپوریشن اور دوسرے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی سوشل ایجوکیشن کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا تھا۔

اپنی صدارتی تقریر میں دہلی کے چیف کمشنر شری دھرم ویر نے سوشل ایجوکیشن اور بالخصوص خواندگی کی تو اشاعت میں دہلی کو جو نمایاں کامیابی ملی ہے اس کے لئے کارکنوں کو مبارکباد دی۔

میونسپل کارپوریشن دہلی کے ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر شری دین دیال نے مہمانانِ خصوصی اور دیگر حا کا شکریہ ادا کیا۔